سسپنس کا مقبول عام سلسلہ جو تین سو اکیاون ماہ سے جاری ہے
دیوتا
فرہاد علی تیمور
ہنگاموں
رنگینیوں
بے تاج بادشاہ کی
سحرانگیز کہانی جس نے
اپنی بھرپور زندگی میں کبھی
شکست کا ذائقہ نہیں چکھا. وہ جب
اور جس کے ذہن میں چاہتا جھانک لیتا
اور یہی اُس کا مہلک ترین ہتھیار تھا. دو نسلوں
پر محیط وہ طلسم ہوش رُبا جسے قارئین کی
دوسری نسل بھی بہت شوق سے پڑھ رہی ہے. اپنے
اور مُلک و قوم کے دشمنوں کو خیال خوانی کے نرم و نازک
ہتھیار سے خاک و خون میں نہلا دینے والے فرہاد علی
تیمور کی لازوال اور بے مثال داستانِ عبرت جس میں وہ لہو
کے سارے رشتوں کے ساتھ حریفوں سے برسرِ پیکار رہے.
اردو زبان کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا طویل ترین سلسلہ

انسان اپنی حقیقت سے بے خبر بڑی بڑی باتیں کررہا ہوتا ہے مگر یہ بھول جاتا ہے خود اس کی اوقات فقط پانی کے بُلبلے سے زیادہ نہیں ہوتی... مسلمانوں کو تباہ کرنے کے منصوبے بنانے والے بھول گئے تھے کہ ان کا ایمان اپنے خدا پر کتنا پختہ ہے۔ سونیا بڑی سنجیدہ نظر آرہی تھی۔

میں ذرا چپ ہوا پھر بولا۔ ''آج سب ہی دیکھ رہے ہیں اور اس حقیقت کو تسلیم کررہے ہیں کہ سپر پاور بن کر رہنے والے ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کو پسپا نہیں کرپارہے ہیں۔ بلکہ وہ تو اس بات پر شدید جھنجلاہٹ کا شکار رہتے ہیں کہ ان کے اپنے ہی لوگ ہمارے دین کی طرف آکر مسلمانوں کی تعداد میں اضافے اور قوت کا سبب بن رہے ہیں۔''

''یہ لوگ مسلمانوں سے ہاتھ بھی ملاتے ہیں تو یہ سوچ کر ملاتے ہیں کہ اس ہاتھ کو جلد ہی کاٹ ڈالیں گے۔ گلے ملتے ہیں تو صرف گلا کاٹنے کے لیے....''

میں نے سر جھٹک کر کہا۔ ''پانی کی دھار کو چاہے جتنے بھی تیز دھار ہتھیار سے کاٹو' وہ کبھی نہیں کٹتا۔ اپنے ہی جوش اور عزائم سے بڑھتا اور بہتا چلا جاتا ہے۔''

سونیا نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ ''بے شک اور یہ حقیقت بھی مخالفین کے سامنے ہے کہ صرف زمین کے باشندے ہی نہیں' سیارے سے آنے والے بھی ہمارا دین قبول کررہے ہیں۔''

میں خاموش ہوکر کمیونیکیٹنگ مشین کی اسکرین کو دیکھنے لگا۔ ایسے ہی وقت مجھے انوشے کی آواز سنائی دی۔ اس نے خیال خوانی کے ذریعے کہا۔ ''السلام علیکم گرینڈ پا...!''

میں خوش ہوکر بولا۔ ''ارے ہماری بیٹی انوشے آئی ہے؟ وعلیکم السلام میری جان...! سدا خوش رہو۔''

میں نے سونیا کو دیکھتے ہوئے مزید کہا۔ ''اچھا تو تم چھپ کر ہماری باتیں سن رہی تھیں؟''

''اگر باتیں سننے کی نہ ہوتیں تو فوراً واپس چلی جاتی۔ آپ دونوں ایسی ایمان افروز باتیں کررہے تھے کہ میں سنتی ہی چلی جارہی تھی۔''

سونیا مجھے دیکھ رہی تھی۔ اسے انوشے کی باتیں سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ ''یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ پوتی صرف اپنے دادا سے باتیں کررہی ہے۔ کیا دادی کو اپنی آواز نہیں سنائے گی؟''

وہ فوراً ہی اس کے اندر پہنچ گئی۔ اس کے پیچھے میں بھی سونیا کے دماغ میں چلا آیا۔ وہ اسے سلام کرنے کے بعد کہہ رہی تھی۔ ''فون پر دو افراد باتیں کرتے ہیں تو تیسرے کو اپنی آواز سنانے کے لیے وائڈ اسپیکر آن کردیا جاتا ہے مگر خیال خوانی میں کوئی وائڈ اسپیکر نہیں ہوتا۔ میں گرینڈ پا کے پاس بولوں گی تو آپ سن نہیں پائیں گی۔''

میں نے کہا۔ ''لیکن جب دادی کے پاس آکر بولو گی تو گرینڈ پا اپنی پوتی کی ساری باتیں سن سکیں گے۔ لہٰذا میں سننے اور سنانے کے لیے یہاں چلا آیا ہوں۔''

انوشے نے کہا۔ ''ابھی میں آپ کو بلانے والی تھی تاکہ آپ دونوں میری بات سن سکیں۔''

سونیا نے کہا۔ ''پھر تو کوئی ضروری بات کرنی ہوگی؟''

میں نے کہا۔ ''ہماری پوتی کبھی غیر ضروری خیال خوانی نہیں کرتی۔ یقیناً اس وقت بھی کسی کام سے آئی ہے۔''

سونیا نے پوچھا۔ ''بات کیا ہے؟''

وہ بولی۔ ''ابھی آپ دونوں تحریر کے ذریعے ایشورارا سے باتیں کررہے تھے۔''

''ہاں۔ کیا تم اس وقت یہاں موجود تھیں؟ تم نے اس کا مطالبہ سنا ہے؟''

''جی ہاں۔ میں نے سنا ہے اور اب اس کی خاموشی کو بھی سمجھ رہی ہوں۔''

میں نے کہا۔ ''ہمارا خیال ہے' وہ کسی نئے مطالبے کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ کیا تم سمجھ رہی ہو' اس کا نیا مطالبہ کیا ہوسکتا ہے؟''

وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ ''ابھی اس نے جو مطالبہ پیش کیا تھا' آپ نے اسے بڑی آسانی سے منظور کرلیا تھا۔ بلکہ کسی حد تک ایشورارا کو چونکا بھی دیا کہ وہ گرینڈ مما کا مطالبہ کرکے اپنی شامت کو خود ہی دعوت دے رہا ہے۔''

''یہی تو ہم جاننا چاہتے ہیں۔ اس کا نیا مطالبہ کیا ہوگا؟''

''میں نہیں جانتی۔ صرف اتنا جانتی ہوں کہ اس بار وہ جو بھی مطالبہ کرے گا' اسے آپ بڑی پس وپیش کے بعد منظور کریں گے۔''

سونیا نے کہا۔ ''یعنی وہ کوئی ایسا مطالبہ پیش کرنے والا ہے' جسے تسلیم کرنا ہمارے لیے مشکل ہوگا؟''

وہ بولی۔ ''ہرگز نہیں۔ اس سلسلے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ ایشورارا پر صرف یہ ظاہر کرنا ہوگا کہ اس کا مطالبہ آپ کے لیے ناقابلِ قبول ہے اور آپ جبراً اسے تسلیم کررہے ہیں۔ میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اب چلتی ہوں۔ خدا حافظ...!''



وہ چلی گئی۔ میں بھی دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہوگیا۔ سونیا نے پوچھا۔ ''کیا تم سمجھ رہے ہو' وہ کیا مطالبہ کرسکتا ہے؟''

میں نے کمیونیکیٹنگ مشین کی بجھی ہوئی اسکرین کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''سمجھ میں تو نہیں آرہا ہے لیکن انوشے کی باتوں سے اتنا اطمینان ہوگیا ہے کہ اس کا مطالبہ ہمارے لیے قابلِ قبول ہوگا۔ صرف ذرا سا ڈراما پلے کرنا ہوگا۔''

چند لمحوں بعد ہی کمیونیکیٹنگ مشین سے سگنل موصول ہوا۔ سونیا نے اسے آپریٹ کرتے ہوئے کہا۔ ''ایشورارا کی طرف سے پیغام آیا ہے۔''

ہم دونوں ہی اس تحریری پیغام کو پڑھنے لگے۔ اس نے لکھا تھا۔ ''یقیناً تم مشین کے سامنے بیٹھے میرے میسج کا انتظار کررہے ہوگے۔ انتظار کے لمحات بڑے ہی اذیت ناک ہوتے ہیں۔ ہر لمحے میں ایسا لگتا ہے' جیسے ابھی کوئی دھماکا ہونے والا ہے۔ ہے ناں...؟''

میں نے جواباً لکھا۔ ''اور بھی غم ہیں' زمانے میں ایشورارا کے سوا.... ہم اتنے سارے معاملات میں معروف رہتے ہیں کہ تمہارے بارے میں سوچنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔''

میں نے میز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہاں کمیونیکیٹنگ مشین پڑی رہتی ہے' سگنل ملتا ہے تب ہمیں یاد آتا ہے کہ تم بھی کوئی چیز ہو۔ تم سے بھی کچھ بول لینا چاہیے۔''

اس نے بڑی خوش فہمی سے کہا تھا کہ ہم اس کے انتظار میں بے چین ہوں گے' اپنا سارا کام چھوڑ کر بیٹھے ہوں گے۔ میں نے لٹکا سا جواب دیا تو اس نے کہا۔ ''ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔ میں بھی بہت معروف رہتا ہوں۔ فی الحال تم سب کی بہتری کے لیے رابطہ کررہا ہوں۔''

''ہماری بہتری تم ہم سے زیادہ کیا سمجھو گے؟''

وہ بولا۔ ''تم حالات کی سنگینی کو نہیں سمجھ رہے ہو۔ ایک طرف وہ اکابرین ہیں' جن سے تم ایک نہیں' ہزار بار زخم کھا چکے ہو۔''

میں نے تحریر کے ذریعے کہا۔ ''کام کی بات کرو۔''

''کام کی بات یہ ہے کہ تمہارے مخالفانہ رویّے کے باعث مسلمانوں کو نقصان پہنچانے پر مجبور ہوگیا ہوں۔ ابھی میرے پانچ خودکش حملہ آور پاکستان میں موجود ہیں۔ لاہور کی بادشاہی مسجد میں تمہارے مشہور عالم اور پیش امام آنے والے ہیں۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنے اور عبادت کرنے کے لیے مسلمان ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں وہاں پہنچیں گے۔''

وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔ ''میں نے تمہارے ہی پانچ مسلمانوں کو تنویمی عمل کے ذریعے اپنا معمول اور تابعدار بنایا ہے۔ وہ میرے حکم کے مطابق اس دینی اجتماع میں سوسائیڈ جیکٹ پہن کر رہیں گے۔ آگے سمجھ لو کہ کیا ہوسکتا ہے؟''

میں نے پریشان ہوکر سونیا کو دیکھا۔ بلاشبہ اس نے لرزہ دینے والی دھمکی دی تھی۔ ہم اس کے پانچ تابعداروں کا سراغ نہیں لگا سکتے تھے۔ وہ مجھے دیکھتے ہوئے بے بسی سے بولی۔ ''یہ شیطان کا بچہ کیا کہہ رہا ہے؟ اسے ہم کیسے روک پائیں گے؟''

میں نے تحریر کے ذریعے پوچھا۔ ''تم تو کوئی مطالبہ پیش کرنے والے تھے؟ پھر ایسی دھمکی کیوں دے رہے ہو؟''

''پہلے اپنی طاقت کا سکہ تو جمالوں۔''

سونیا نے تحریر کے ذریعے کہا۔ ''کیوں بچوں کی طرح اپنا اور ہمارا وقت ضائع کررہے ہو؟ مجھے ہی بلالو۔ میں تمہیں سوسائیڈ جیکٹ پہنا کر لاہور لے چلوں گی۔''

اس نے پوچھا۔ ''یعنی تم لوگوں کو یہ فکر اور پریشانی نہیں ہے کہ ان دھماکوں میں سیکڑوں مارے جائیں گے اور ہزاروں زخمی ہوں گے؟ اور تم دونوں ایسے دھماکوں کو نہ روک سکو گے' نہ میرا کچھ بگاڑ سکو گے۔''

''ہم اکثر شیطان کا کچھ بگاڑ نہیں پاتے۔ اس کے باوجود اس کے آگے نہیں جھکتے۔ ہمارا ایمان' ہمارے عزائم مستحکم ہیں۔ تم اپنا مطالبہ پیش کرو۔''

''میں جبراً مطالبہ نہیں کررہا ہوں۔ یہ سمجھو کہ ہماری تمہاری بھلائی کے لیے سمجھوتا کررہا ہوں۔ ہم دونوں اتنے طاقتور ہیں کہ یورپ اور امریکا کے تمام اکابرین کو کچل کر رکھ دیں گے۔''

''ہماری تمہاری سوچ میں فرق ہے۔ ہم مخالفین کو کچلنا نہیں چاہتے۔ انہیں بھی جینے کا حق ہے۔ اب تک انہیں سمجھاتے آئے ہیں۔ اگر وہ نہیں سمجھ رہے ہیں تو پھر بدترین حالات سے گزر بھی رہے ہیں۔ تم ان کی نہیں' ہماری اور اپنی بات کرو۔''

''میری بھی بات ہے۔ میرے مطالبے کا تعلق ان پانچ دھماکوں سے ہے۔''

''کیا مطلب...؟''

''تم نے کہا تھا' اپنے مسلمان بھائیوں کی قیمتی جانیں بچانے کے لیے میرا کوئی بھی مطالبہ تسلیم کرسکتے ہو؟ کرو گے تو وہاں کا دینی اجتماع پُرامن رہے گا۔''

میں نے سونیا کو دیکھا۔ اس نے مجھے اشارہ کیا۔ میں نے جواباً لکھا۔ ''میں اپنی بات پر قائم ہوں۔ تمہارا مطالبہ تسلیم کرنے کو تیار ہوں۔ آگے بولو....''

''اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔ کیونکہ اس بار میں جو مطالبہ

کرنے والا ہوں۔ وہ صرف مطالبہ نہیں ہے۔ تمہارے لیے دھماکا ثابت ہوگا۔"

"میں اپنے لوگوں کو بم دھماکوں سے بچانے کے لیے تمہارے دھماکے جیسے مطالبے کو تسلیم کرنے کا حوصلہ کروں گا۔"

چند لمحوں تک اس کی طرف سے خاموشی چھائی رہی پھر اسکرین پر تحریر ابھرنے لگی۔ اس نے لکھا تھا۔ "سنا ہے' پارس اور الپا کی بیٹی یعنی تمہاری پوتی انوشے سب کی لاڈلی ہے۔ سب اسے سرآنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ آخر اس میں کیا بات ہے؟"

"اس سے بڑی اور اہم بات کیا ہوگی کہ وہ میرے لہو کا لہو ہے۔ بہت پیاری سی بچی ہے۔"

میں نے اس شیطان کے سامنے اپنی پوتی کی روحانی صلاحیتوں کا ذکر نہیں کیا۔ اگر کرتا تو شاید وہ کمیونیکیٹنگ مشین چھوڑ کر بھاگ جاتا۔ سونیا نے تحریر کے ذریعے کہا۔ "یوں سمجھو کہ وہ ہماری جان ہے۔ تمہیں شاید معلوم ہوگا کہ ہم اسے بابا صاحب کے ادارے سے باہر نہیں جانے دیتے۔ کبھی جاتی بھی ہے تو اسے فوراً واپس بلا لیتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ہم میں سے کوئی اس کے بغیر رہ نہیں پاتا۔"

ہماری باتوں سے یہ ثابت ہو رہا تھا کہ وہ میرے لیے اور میری پوری فیملی کے لیے کتنی اہم ہے؟ تب اس نے مطالبہ کیا۔ "اپنی پوتی میرے حوالے کردو اور اپنے لوگوں کو امن وسلامتی دو۔"

سونیا نے ایکدم سے ٹھٹک کر مجھے دیکھا۔ میں نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہماری پوتی پہلے ہی ہمیں سکھا پڑھا گئی ہے۔ چلو اس کا سبق پڑھو اور ایشورارا کو سناؤ۔"

سونیا نے تحریر کے ذریعے کہا۔ "پلیز۔ ایسا مطالبہ نہ کرو' جسے ہم پورا نہ کرسکیں۔"

وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ "پورا تو کرنا ہی ہوگا۔"

میں نے کہا۔ "وہ ہماری جان ہے۔ کیا تم ہماری جان لینا چاہتے ہو؟"

اس کی طرف سے تحریر ابھری۔ "میں اس وقت قہقہے لگا رہا ہوں۔ تم دونوں سن نہیں پاؤ گے۔"

اِدھر ہم دونوں قہقہے لگا رہے تھے۔ "ہنسو بیٹے! خوب ہنسو پھر سر پکڑ کر روتے رہو گے....."

سونیا نے کہا۔ "یہ جانتا نہیں ہے' جسے طلب کر رہا ہے' وہ اِسے ناکوں چنے چبوادے گی۔ انوشے نے سچ کہا تھا' اس کا دوسرا مطالبہ بھی تسلیم کرنا ہمارے لیے مشکل نہ ہوگا مگر ہم مشکل سے تسلیم کریں۔"

میں نے کہا۔ "وہ تو اسے ہماری ایک لاڈلی اور نادان بچی سمجھ رہا ہے۔"

اس کی تحریر کہہ رہی تھی۔ "میں نے کہا تھا ناں' میرا مطالبہ ایک دھماکا ہوگا۔ تمہاری تو بولتی بند ہوگئی ہے۔"

میں نے جواباً لکھا۔ "واقعی تم نے دھماکا کیا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا' تم میری معصوم پوتی کا مطالبہ کرو گے۔ پلیز۔ وہ ایک نادان بچی ہے۔ اسے پورے خاندان سے جدا کرنے والی بات نہ کرو۔"

"اس کے بعد میں کوئی بات نہیں کروں گا۔ تم بولو... کیا اُس نادان بچی کے عوض ہزاروں مسلمانوں کی سلامتی نہیں چاہو گے؟"

میں نے انوشے کی مرضی کے مطابق پریشانی ظاہر کرتے ہوئے لکھا۔ "تم نے تو ہمیں مشکل میں ڈال دیا ہے۔ پلیز۔ ہمیں سوچنے سمجھنے کی مہلت دو۔"

"ضرور سوچو۔ ضرور سمجھو' لیکن جلد ہی فیصلہ کرو۔ مجھے تمہارے جواب کا انتظار رہے گا۔"

کمیونیکیٹنگ مشین خاموش ہوگئی۔ میں نے فوراً ہی خیال خوانی کے ذریعے اپنے ایک ماتحت کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "صداقت علی اکرم پاکستان میں کہاں ہو؟"

وہ سلام کرنے کے بعد بولا۔ "لاہور میں ہوں سر!"

میں نے کہا۔ "بادشاہی مسجد میں آج رات دینی اجتماع ہونے والا ہے۔ معلوم کرو' وہاں سیکیورٹی کے کیسے انتظامات ہیں؟"

"سنا ہے بڑے علماء آنے والے ہیں۔ اس لیے سیکیورٹی ابھی سے ہائی الرٹ ہے۔ اندر جانے والے تمام راستوں پر پولیس فورس ایک ایک شخص کی سختی سے چیکنگ کر رہی ہے۔"

"تم اپنے آلہ کاروں کے ذریعے وہاں موجود رہو۔ ابھی خبر ملی ہے' پانچ خودکش حملہ آور وہاں موقع کی تاک میں رہیں گے۔ انہیں تنویمی عمل کے ذریعے معمول اور تابعدار بنایا گیا ہے۔ تم ان کے دماغوں میں جانے کی کوشش کرو گے تو ناکام رہو گے۔ لہٰذا جو بھی مشتبہ شخص نظر آئے پہلے اسے زخمی کرو۔ پھر اس کے دماغ میں گھسنے کی کوشش کرو۔"

"یہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے خودکش حملہ آور پیدا کرنے والا وہی ایشورارا ہوگا؟"

"ہاں۔ وہی کم بخت عذاب بنا ہوا ہے۔ اس کی شیطانی کارروائیوں کو کسی بھی طرح روکنا ہوگا۔ اپنے تمام ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے ساتھ مصروف رہو۔"



میں اس سے زیادہ سے زیادہ معروف رہنے کی بات کہہ رہا تھا۔ مگر عقل سمجھا رہی تھی کہ لاہور میں میرے چند ٹیلی پیتھی جاننے والے ہیں۔ وہ ہزاروں افراد کے خیالات پڑھ کر خودکش حملہ آوروں تک نہیں پہنچ پائیں گے۔

میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہوگیا۔ سونیا نے پوچھا۔ "تم کہاں تھے؟"

"لاہور میں اپنے ایک ماتحت کو الرٹ رہنے کی ہدایات دے رہا تھا۔"

وہ کمیونیکیٹنگ مشین کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "کبھی کبھی پتا نہیں چلتا کہ کوئی کب اور کیسے اپنی شامت کو دعوت دے دیتا ہے؟ ہمیں زیادہ پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ایشورارا اپنی شامت کو خود ہی بلا رہا ہے۔ ہم انوشے کا مطالبہ مان لیں گے۔ اس کے برے دن شروع ہونے والے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "ہر ظلم کا' ہر برائی کا منفی انجام ضرور ہوتا ہے۔ ایشورارا کا بھی انجام قریب آرہا ہے۔"

سونیا نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "اور ہم انسان اب تک زمین پر جو فسادات پھیلاتے آرہے ہیں' اس کے نتیجے میں قیامتِ صغریٰ آنے والی ہے لیکن ایشورارا اور اکابرین صرف اپنے معاملات میں ایسے الجھے ہوئے ہیں اور ہمیں الجھا رہے ہیں' جیسے کچھ نہیں ہوگا۔"

میں نے کہا۔ "سب کو آج کی پڑی ہے۔ سب کی سوچ یہی ہے' کل جو ہوگا' دیکھا جائے گا۔ ایشورارا کو یہ اطمینان ہے کہ وہ اپنے تباہ ہونے والے سیارے سے نکل آیا ہے۔ زمین پوری طرح تباہ نہیں ہوگی۔ اس کا کچھ تو حصہ اس کے لیے بچے گا۔"

سونیا نے کہا۔ "اکابرین بھی یہی سوچ رہے ہیں کہ زمین کا جو حصہ بچے گا' اس پر وہی زندہ رہیں گے۔ باقی ہم سب فنا ہوجائیں گے یا ہمیں پہلے ہی فنا کردینا چاہیے۔"

زمین کی تاریخ سے پتا چلتا ہے' انسانوں پر یہ قیامتِ صغریٰ پہلی بار نہیں ٹوٹ رہی ہے۔ برس ہا برس پہلے شہاب ثاقب کے ٹکراؤ سے یہاں عظیم تباہیاں پھیلتی رہی ہیں۔

میں نے اپنے فون کو دیکھا۔ پھر کچھ سوچ کر نمبر پنچ کیے۔ سونیا نے پوچھا۔ "کسے کال کر رہے ہو؟"

میں نے فون کو کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ "ادارے کے ایک خلائی محقق سے رابطہ کر رہا ہوں۔ تفصیل معلوم کروں گا کہ خلا میں کیسی گڑبڑ چل رہی ہے؟ اور اس کے سدِباب کے لیے کیا کیا جارہا ہے....؟"

میں بولتے بولتے چپ ہوگیا۔ دوسری طرف سے خلائی محقق کی آواز سنائی دی۔ "السلام علیکم فرہاد صاحب!"

میں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "یہ تو سمجھ ہی گئے ہوگے کہ تم سے کیوں رابطہ کیا گیا ہے؟"

"جی بالکل... میں سمجھ رہا ہوں۔"

"تو پھر بتاؤ' ہماری دنیا سے باہر کائنات میں کیا ہو رہا ہے؟"

وہ بولا۔ "بھرپور طریقے سے تحقیق جاری ہے۔ ہم دن رات لگے ہوئے ہیں۔ کچھ نا سمجھ میں آنے والی الجھنیں ہیں۔ جنہیں سلجھانے کے بعد ہی معلوم ہوسکے گا کہ خلائی حالات کس کروٹ بیٹھنے والے ہیں؟ فی الحال تو یہی سمجھا اور کہا جارہا ہے کہ سورج سے خارج ہونے والے تیز باردار ذرات زمین کی سطح کو جلا کر راکھ کرسکتے ہیں۔ جبکہ تازہ ترین تحقیق کچھ اور کہہ رہی ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہے؟ کیسی الجھنیں سامنے آرہی ہیں؟"

"دراصل سورج محض تغیر پذیر ہی نہیں ہے بلکہ اس کے اندر زبردست موسمی طوفان آتے رہتے ہیں۔ یوں اس کی کارکردگی میں اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے۔ اس کے شعلوں سے نکلے ہوئے باردار ذرات زمین کی طرف آتے تو ہیں لیکن یہاں کی فضا اور مقناطیسی میدان انہیں سطح تک پہنچنے نہیں دیتے اور یہی وہ پوائنٹ ہے' جہاں آکر ہم الجھ رہے ہیں۔"

اس نے ذرا توقف سے کہا۔ ”ہماری فضا اور زمین کے گرد حفاظتی مقناطیسی میدان ابھی اس حد تک ناکارہ نہیں ہوا ہے کہ وہ باردار ذرات کو زمین کی سطح تک پہنچنے سے روک نہ سکے۔“

”یہ تو حوصلہ افزا بات ہے۔“

”یہ بات ایک ہی وقت میں حوصلہ افزا بھی ہے اور کسی بڑے خطرے کا الارم بھی ہے۔“

”وہ کیسے...؟“

”یا تو وہ باردار ذرات پہلے کی طرح مقناطیسی میدان سے ٹکرا کر خلا میں ہی تحلیل ہو جائیں گے اور زمینی سطح کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا یا پھر وہ ذرات ہماری سوچ سے کہیں زیادہ قیامت خیز ثابت ہوں گے۔ جو زمین پر بے انتہا تباہیاں پھیلائیں گے‘ جن کے نتیجے میں یہاں کا سارا انظام درہم برہم ہو جائے گا۔ انسانی زندگیاں سکڑ کر رہ جائیں گی۔“

میں نے پوچھا۔ ”دیگر ممالک کے ماہرینِ فلکیات کیا کہتے ہیں؟ وہ کس نتیجے پر پہنچ رہے ہیں؟“

”کسی بھی پیش آنے والے نئے قدرتی واقعے کے سلسلے میں پہلی پیش گوئی کبھی حتمی نہیں ہوتی۔ تحقیق کے دوران نئی نئی باتیں‘ نئے نئے سوالات سامنے آتے رہتے ہیں اور اس طرح پیش گوئیاں بدلتی رہتی ہیں۔ ہمارے علاوہ دنیا بھر کے ماہرینِ فلکیات اور خلائی محققین اس معاملے کی اصل حقیقت تک پہنچنے کی بھرپور کوششیں کر رہے ہیں۔“

سونیا نے کمیونیکیٹنگ مشین کی طرف اشارہ کیا۔ ایشورارا کی طرف سے سگنل موصول ہو رہا تھا۔ یقیناً اس نے کوئی پیغام بھیجا تھا۔ وہ مشین کو آپریٹ کرنے لگی۔ میں نے فون پر کہا۔ ”ٹھیک ہے۔ میں ابھی مصروف ہوں۔ تم سے بعد میں بات کروں گا۔“

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ سونیا کے ساتھ ایشورارا کی تحریر کو پڑھنے لگا۔ اس نے لکھا تھا۔ ”سوچنے سمجھنے اور کوئی فیصلہ کرنے کے لیے آدھا گھنٹا بہت ہوتا ہے لیکن اب تک تمہاری طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا؟“

سونیا نے مسکرا کر مجھے دیکھا۔ میں نے تحریر کے ذریعے کہا۔ ”تمہارا مطالبہ ہمارے گلے میں ہڈی کی طرح اٹک کر رہ گیا ہے۔ بے شک۔ ہمیں لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کی سلامتی عزیز ہے۔ مگر...“

اس نے بڑے فاتحانہ انداز میں کہا۔ ”ہُوں... تمہاری یہ ’مگر‘ سمجھا رہی ہے کہ اونٹ اب پہاڑ کے نیچے آ رہا ہے۔“

میں نے کہا۔ ”واقعی... تم مسلمان برادری کی سلامتی کے بدلے میری معصوم سی پوتی کا مطالبہ کر کے مجھے توڑ رہے ہو۔ وہ تمہارے شکنجے میں رہے گی‘ گویا میری جان تمہاری مٹھی میں رہے گی۔ تم آئندہ بھی اس کے ذریعے مجھے اور سونیا کو کمزور بناتے رہو گے۔“

اس نے کہا۔ ”میں نے سنا ہے‘ تم مسلمان ایسے جہاد کرتے ہو کہ ضرورت پڑنے پر جان سے عزیز ہستی کو بھی خدا کی راہ میں قربان کر دیتے ہو۔ تم ایک پوتی دو اور تمام مسلمانوں کی سلامتی لو یا پھر خود غرض بن جاؤ۔“

”مشکل تو یہی ہے کہ میں خود غرض نہیں بن سکتا اور اپنی پوتی کو بھی بھینٹ چڑھانا نہیں چاہتا۔ تم نے تو مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔“

میں یوں شکست خوردہ انداز میں بات کر رہا تھا کہ وہ مجھے مجبور اور کمزور سمجھ کر ہواؤں میں اڑنے لگا۔ اس وقت تو یہی سمجھ میں آ رہا تھا کہ جس فرہاد کو جھکانے کے خواب وہ برسوں سے دیکھتا آ رہا تھا‘ اب اس کی تعبیر مل رہی ہے۔

اس کا تحریری جواب موصول ہوا۔ ”کبھی سنا تھا‘ ظالم دیو کی جان کسی طوطے میں بند ہوتی ہے۔ اگر وہ طوطا مٹھی میں آ جائے تو ناقابلِ شکست دیو پھڑ پھڑانے لگتا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں‘ اپنی پوتی کے مٹھی میں آنے سے پہلے ہی تم پھڑ پھڑا رہے ہو۔“

ہم ناٹک کر رہے تھے اور اسے یقین ہو رہا تھا کہ اس کا مطالبہ تسلیم کرنا ہمارے لیے بے حد مشکل ہے۔ میں نے جواباً لکھا۔ ”ہر عروج کو زوال آتا ہے۔ میں پہلی بار خود کو بے دست و پا محسوس کر رہا ہوں۔ لیکن خود غرضی نہیں دکھاؤں گا۔ ایسے کڑے حالات میں بھی اپنے دین کی سربلندی کو اہمیت دوں گا۔“

اس نے خوش ہو کر پوچھا۔ ”یعنی اپنی پوتی کو میرے حوالے کر دو گے؟“

”میں نے کہا نا.... اپنے دین کی سربلندی میرے لیے اہم ہے۔“

وہ اپنی دانست میں انوشے کو میری کمزوری بنا کر آئندہ مجھے اپنے ہاتھوں کٹھ پتلی کی طرح نچانا چاہتا تھا۔ اتنی بڑی فتح حاصل کرنے کے بعد اب بے گناہ مسلمانوں کو بم دھماکوں میں ہلاک کرنا اس کے لیے ضروری نہیں رہا تھا۔

اس نے فوراً ہی جواب دیا۔ ”تو پھر ٹھیک ہے۔ میرے وہ پانچ خود کش حملہ آور لاہور میں کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔“

”میں کیسے یقین کر لوں؟“

”میں زبان کا دھنی ہوں۔“

میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”میں اپنے تمام دشمنوں کی زبانوں کو بہت اچھی طرح آزما چکا ہوں۔“

”پھر تم ہی بتاؤ‘ یقین دلانے کے لیے کیا کروں؟“

میں نے کہا۔ ”جسٹ آمنٹ...“

میں نے فوراً ہی خیال خوانی کے ذریعے لاہور میں رہنے والے ماتحت صداقت علی کو اپنے دماغ میں آنے کی ہدایت دی۔ وہ میرے حکم کے مطابق فوراً ہی چلا آیا۔ میں نے کہا۔ ”ایشورارا اس وقت رابطے میں ہے۔ تم ہماری گفتگو سنتے رہو۔“

پھر میں نے تحریر کے ذریعے ایشورارا سے پوچھا۔ ”تمہارے وہ خود کش حملہ آور اس وقت کہاں ہیں؟“

”بادشاہی مسجد کے آس پاس میرے حکم کے منتظر ہیں۔ تم اپنی پوتی کو میرے حوالے کرنے کا وعدہ کرو گے تو وہ پانچوں وہاں سے چلے جائیں گے۔“

میں نے کہا۔ ”جب میں بات مان رہا ہوں تو میرا بھی ایک مطالبہ مانو۔ اپنے ان پانچوں خود کش حملہ آوروں کو میرے حوالے کر دو۔ اب تم ان سے کام نہیں لو گے۔ وہ تمہارے لیے غیر ضروری ہو چکے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ ان کے فون نمبر نوٹ کرو۔ فون کے ذریعے ان کے اندر پہنچ جاؤ۔ پھر ان کے ساتھ جو چاہو سلوک کرو۔“

اس نے فون نمبر بتائے۔ میرے ماتحت صداقت علی نے وہ تمام نمبر نوٹ کر لیے۔ اتنی انفارمیشن حاصل کرتے ہی میرے دماغ سے چلا گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اب اسے کیا کرنا ہے۔

ایشورارا نے کہا۔ ”تم میرا مطالبہ تسلیم کر رہے ہو۔ میں تم پر بھروسا کرتے ہوئے اپنے پانچوں آلہ کار تمہارے حوالے کر چکا ہوں۔ یاد رکھو! مجھے دھوکا دینے کی کوشش نہ کرنا۔“

وہ اپنی تسلی کے لیے مجھے دھمکی دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ ”اگر یہ سمجھ رہے ہو کہ ان پانچ آلہ کاروں کو ناکارہ بنانے کے بعد اپنی زبان سے پھر جاؤ گے۔ انوشے کو میرے حوالے نہیں کرو گے تو یاد رکھنا! تمام اسلامی ریاستوں میں میرے ایسے درجنوں آلہ کار موجود ہیں۔ وہ میرے ایک اشارے پر جگہ جگہ دھماکے کرتے رہیں گے اور ہزاروں کی تعداد میں تمہارے بے گناہ مسلمان بھائی مرتے رہیں گے۔“

”میں نہ تو تمہیں کوئی دھوکا دے رہا ہوں اور نہ ہی اپنی زبان سے پھر رہا ہوں۔ اب یہ معاملات طے کرو کہ انوشے کو کس طرح حاصل کرو گے؟ کیا خود اسے لے جاؤ گے یا ہم میں سے کوئی اسے پہنچا دے؟“

اس کی طرف سے چند لمحوں تک خاموشی چھائی رہی۔ پھر جواب موصول ہوا۔ ”میں تھوڑی دیر بعد تم سے رابطہ کروں گا۔“

سونیا نے کہا۔ ”اس کے اندر کھلبلی مچ گئی ہے۔ اسے

یقین نہیں ہے کہ ہم انوشے کو اس کے حوالے کریں گے۔"

"ابھی تو وہ یہ دیکھنے گیا ہوگا کہ اس کے ان پانچ آلہ کاروں کے ساتھ کیا کیا جارہا ہے؟"

میرا اندازہ درست تھا۔ وہ اپنے ایک ٹیلی پیتھی جاننے والے ماتحت سے رابطہ کرکے ان پانچ خودکش حملہ آوروں کے بارے میں معلومات حاصل کررہا تھا۔

اس کے ماتحت نے بتایا۔ "ہمیں ابھی معلوم ہوا ہے' وہ آلہ کار ہمارے تنویمی عمل کے اثر سے نکل گئے ہیں۔"

اس نے حکم دیا۔ "نکل جانے دو۔ اب ہمیں ان کی ضرورت نہیں رہی ہے۔"

تھوڑی دیر بعد اس نے پھر ہمیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "بہت خوب فرہاد! ابھی ہم بات ہی کررہے تھے اور اُدھر تم نے میرے آلہ کاروں کا پتّا صاف کردیا؟"

میں نے جواباً لکھا۔ "اگر اپنا مطالبہ تسلیم کروانا چاہتے ہو تو اب وہاں کوئی گڑبڑ نہ کرنا۔ تم نے کہا تھا' انوشے کو حاصل کرنے کے بارے میں اپنا طریقۂ کار پیش کروگے۔"

"ہاں۔ میں سوچ رہا ہوں اور بہت سوچ سمجھ کر اسے اپنی طرف بلاؤں گا۔ تھوڑا انتظار کرو۔"

اس نے رابطہ ختم کردیا۔ ہم انوشے کی طرف سے مطمئن تھے۔ یہ اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ آئندہ اسے کچھ نہیں ہوگا۔ دشمنوں کو بہت کچھ ہونے والا تھا۔ ایشورارا بہت محتاط رہ کر اسے اپنی طرف بلانا چاہتا تھا۔ یہ نہیں جانتا تھا کہ کتنا ہی محتاط رہ کر شامت کو بلاؤ' وہ شامت ہی رہتی ہے۔ بلانے والے کی ساری خوش فہمیاں دور کردیتی ہے۔

☆☆☆

انگلینڈ' فرانس اور جرمنی کے اکابرین آبِ حیات کے چکر میں الجھے ہوئے تھے۔ کبریا نے نسوانی لب و لہجے میں انہیں مخاطب کیا تھا اور یہ ظاہر کیا تھا کہ وہ وہی غیر معمولی حسینہ ہے' جوان کے لیے آبِ حیات چھلکانے والی ہے۔

جب اس عامل نے فون کے ذریعے اکابرین کو مخاطب کیا تو کبریا نے ایسا ہی ظاہر کیا' جیسے وہ حسینہ تھوڑی دیر کے لیے وہاں سے چلی گئی ہو۔ اس نے دوبارہ آنے کی بات کہی تھی۔ وہ تمام اکابرین حسینہ کی واپسی کے منتظر تھے۔ کسی بھی لمحے میں کبریا انہیں مخاطب کرنے والا تھا۔

اکابرین کے درمیان آبِ حیات کے حوالے سے جس حسینہ کا ذکر چھیڑا گیا تھا' اس کا نام لارا کرسٹل تھا۔ میں نے اس کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کی تھیں۔ یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ اس کی ایک سہیلی مونا کے تعلقات فرانس کے ایک اعلیٰ حاکم سے تھے۔ وہ چاہتی تھی' ان دونوں کی شادی ہو جائے تاکہ ان کا ہونے والا بچہ جائز کہلائے۔

کبریا چند لمحوں کے بعد ہی فرانس کے اس اعلیٰ حاکم کے اندر پہنچ گیا۔ نسوانی لب و لہجے میں بولا۔ "ہائے ہینڈسم! میں لارا کرسٹل ہوں۔"

وہ ایکدم سے سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔ فوراً ہی دوسرے عہدیداروں کو اس کی آمد کے بارے میں بتانا چاہتا تھا مگر کبریا نے کہا۔ "رک جاؤ۔ یہاں کسی کو معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ میں تمہارے اندر موجود ہوں۔"

اس نے زبان سے کچھ نہ کہا۔ سوچ کے ذریعے پوچھا۔ "کیوں معلوم نہیں ہونا چاہیے؟"

وہ بولا۔ "کیونکہ ابھی صرف تمہارے لیے یہاں آئی ہوں۔"

اسے خوشگوار حیرت ہوئی۔ اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ "صرف میرے لیے...؟"

"ہاں۔ میں سب سے پہلے تمہاری سلامتی چاہتی ہوں۔ جانتے ہو کیوں...؟"

"نہیں۔ تم بتاؤ؟"

"کیونکہ میں نہیں چاہتی' میری دوست کا بچہ پیدا ہونے سے پہلے ہی یتیم ہو جائے۔"

اس نے تعجب سے کہا۔ "لیکن میری وائف تو حاملہ نہیں ہے۔"

"میں تمہاری بیوی کی نہیں' اس معصوم لڑکی کی بات کر رہی ہوں' جسے تم نے پچھلے ایک برس سے اپنی داشتہ بنا کر رکھا ہے۔ محبت کے نام پر اس کے جذبات سے کھیل رہے ہو۔ شادی کا جھانسا دے رہے ہو اور اب اسے بن بیاہی ماں بنانے والے ہو۔"

وہ جلدی سے بولا۔ "میں تمہاری ایسی کسی دوست کو نہیں جانتا۔"

"لیکن میں تمہیں جانتی ہوں۔ جھوٹ بولو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔"

وہ بے چین ہوکر بولا۔ "مگر.... ابھی یہاں جو سنگین معاملہ چل رہا ہے' اس میں اُس کا.... یعنی تمہاری دوست کا ذکر کہاں سے آگیا؟"

"یہ معاملہ تمہارے لیے سنگین نہیں رہے گا۔ میں تمہیں سلامتی دوں گی۔ تم اپنی طبعی عمر تک دشمنوں سے محفوظ رہ سکو گے اور ایسا تب ہی ہوگا' جب تم میری دوست کو شوہر کا اور اس کے بچے کو باپ کا نام دوگے۔"

اس نے ٹھٹک کر کہا۔ "کیا مطلب...؟"

"اس سے شادی کروگے تو میں تمہیں ملوں گی اور میرے ذریعے عمر بھر کی سلامتی ملے گی۔"

وہ ہڑبڑا کر بولا۔ "میں تمہارا یہ مطالبہ تسلیم نہیں کرسکتا۔ سوسائٹی میں میرا ایک مقام ہے۔ میں اس کال گرل کو اپنی شریکِ حیات بنا کر بری طرح بدنام ہو جاؤں گا۔ میرا اسٹیٹس تباہ ہوکر رہ جائے گا۔ بلکہ سیاسی کیریئر کو بھی دھچکا پہنچے گا۔"

"اسے کال گرل بنایا کس نے....؟ تم جیسے ہوس پرست پہلے مجبور اور ضرورت مند لڑکیوں کی معصومیت چھینتے ہیں پھر انہیں کال گرل کا نام دے کر لات مار دیتے ہیں۔ مگر تم اسے لات نہیں مار سکتے۔ مارو گے تو دشمنوں کے لات جوتے کھاؤ گے۔ یاد رکھو! میرے سوا کوئی تمہیں سلامتی نہیں دے سکے گا۔"

اس نے اپنی نک ٹائی ڈھیلی کرتے ہوئے آس پاس بیٹھے ہوئے اکابرین کو دیکھا پھر سوچ کے ذریعے بڑی عاجزی سے کہا۔ "پلیز۔ کوئی اور بات منوالو مگر یہ...."

اس نے بات کاٹ کر کہا۔ "میرا یہ ایک ہی مطالبہ ہے۔ اسے تسلیم کروگے تو زندہ رہوگے۔ ورنہ اپنے اسٹیٹس اور سیاسی کیریئر کی قبر کھودنا شروع کردو۔"

اس نے گھبرا کر کہا۔ "پلیز۔ ایسا نہ کہو۔"

"تو پھر اس لڑکی کو اپنا نام دو۔ اس سے شادی کرو اور اعلانیہ کرو۔"

"یہ میرے لیے مشکل ہوگا۔"

"موت کا سامنا کرنے سے زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔ سوچ لو...! ویسے تو ہمارے معاشرے میں ناجائز بچے خودرو پودوں کی طرح اُگتے ہی رہتے ہیں ان میں ایک اور کا اضافہ ہو جائے گا۔ کوئی قیامت نہیں آئے گی مگر تم پر قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ میرا مطالبہ تسلیم کرلو۔ اسی میں عافیت ہے۔"

اس نے سوچنے کے بعد بڑی بے بسی سے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ مگر اعلانیہ شادی نہیں ہوسکتی۔ میرے جوان بچے ہیں۔ میں تماشا نہیں بننا چاہتا۔"

"یہ تمہیں اس وقت سوچنا چاہیے تھا' جب بیٹی جیسی عمر کی لڑکی کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا رہے تھے۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ کبریا اسے ٹریپ کررہا تھا۔ ایک مظلوم لڑکی کو نیک نامی دلوانا چاہتا تھا۔ یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اعلیٰ حاکم کو اپنی سلامتی کے لیے آخرکار اس کا مطالبہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا اور پھر یہی ہوا۔

زندگی کسے پیاری نہیں ہوتی؟ وہ بھی اپنی طبعی عمر تک جینا چاہتا تھا۔ چاہے بڑھاپے میں سر پر سہرا سجا کر ہی سہی.... زندگی تو نصیب ہورہی تھی۔ اس نے ہامی بھرلی۔

کبریا نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ پہلے شادی ہوگی۔ اس کے بعد تم مجھے ہاتھ لگا سکوگے۔"

وہ بولا۔ "یہ کیسی شرط ہے؟ خطرہ میرے سر پر منڈلا رہا ہے۔ پہلے مجھے تحفظ دو۔ اس کے بعد شادی بھی ہو جائے گی۔"

"مجھے بے وقوف نہ سمجھو۔ جیسا کہہ رہی ہوں۔ ویسا کرو۔ تمہاری سلامتی کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ فکر نہ کرو۔ میں تمہارا بال بھی بانکا نہیں ہونے دوں گی۔"

وہ ایک ذرا مطمئن ہوگیا۔ یہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ وہ حسینہ غیر معمولی صلاحیتیں رکھتی ہے۔ یقیناً اپنی سہیلی کی خاطر اس کی حفاظت ضرور کرے گی۔ اسے سہاگن بنانے کے بعد بیوہ نہیں ہونے دے گی۔

ان معاملات سے نمٹنے کے دوران کبریا نے میرے پاس آکر پوچھا۔ "پاپا! اب کیا کرنا ہے؟"

میں نے اسے ہدایت دیتے ہوئے کہا۔ "انگلینڈ' فرانس اور جرمنی کے ایک ایک اعلیٰ حکمران کو لارا کرسٹل کے پاس پہنچا دو۔"

اس نے میری ہدایت کے مطابق یہی کیا۔ لارا کرسٹل دراصل خود ایک اسٹریٹ گرل تھی۔ اس کے متعلق جو ایک اہم انکشاف ہوا تھا' اسے میں بعد میں بیان کروں گا۔ فی الحال ان تین اعلیٰ حکمرانوں کو اس کے پاس پہنچایا جارہا تھا۔ وہ تینوں صرف اپنی زندگیوں کو طول دینے کے لیے اس سے متاثر تھے اور جلد از جلد اس سے فیض یاب ہونے کے لیے بے چین تھے۔

فرانس کے اس اعلیٰ حاکم نے اس کے مطالبے کے مطابق مونا کو اپنی شریکِ حیات بنا لیا۔ پھر وہ لارا کے پاس آیا۔ ایسے وقت کبریا نے لارا کے دماغ پر قبضہ جما رکھا تھا۔ جب وہ اس کی خواب گاہ میں آیا تو وہ بولی۔ "مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہورہی ہے کہ تم میرا مطالبہ تسلیم کرنے کے بعد یہاں آئے ہو۔"

وہ سر جھٹک کر بولا۔ "تمہارا مطالبہ میرے لیے ناگزیر تھا۔ دوسری شادی کے باعث میری فیملی ڈسٹرب ہوکر رہ گئی ہے۔ بچے مجھ سے بدظن ہوگئے ہیں۔ بیوی چند ہی دنوں میں طلاق لینے والی ہے۔"

وہ بولی۔ "بیویاں' بچے تو اور مل جائیں گے۔ پرانی بیوی گئی تو نئی آگئی۔ جلد ہی بچہ بھی آجائے گا۔ مگر زندگی ایک بار ملتی ہے۔ کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح پھر واپس نہیں آتی۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "ہاں۔ یہی سوچ کر تمہارا مطالبہ تسلیم کیا ہے۔"

وہ ایک کورٹ پیپر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔
''اب اس پر دستخط بھی کردو۔''
''یہ کیا ہے؟''
''اس کے مطابق تمہاری دولت اور جائداد میں میری دوست یعنی تمہاری دوسری بیوی کا ففٹی پرسنٹ حصہ ہے۔ اگر تم اسے طلاق دو گے تو وہ اپنا حصہ سمیٹ کر تمہاری زندگی سے نکلے گی۔''
وہ ٹھٹک کر بولا۔ ''واٹ نان سنس...! یہ کیا مذاق ہے؟ میں اسے اپنا نام دے چکا ہوں۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں دوں گا۔''
''دو گے۔ آگے جا کر اسے طلاق دو گے۔''
وہ اس کے دل کی بات کہہ رہی تھی۔ اس نے یہی سوچا تھا کہ پہلے لارا کے ذریعے اپنا الّو سیدھا کرے گا۔ پھر دوستوں اور دشمنوں کے لیے ناقابلِ شکست بننے کے بعد دوسری بیوی کو لات مار کر زندگی سے نکال پھینکے گا۔ ایسے وقت لارا اسے بلیک میل نہیں کر پائے گی مگر اب بازی پلٹ رہی تھی۔
اس نے بات بناتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ دستخط کر دوں گا۔ مگر پہلے مجھے تحفظ دو۔ آفٹر آل! میں تمہارا ایک مطالبہ تسلیم کر چکا ہوں۔''
وہ بولتے بولتے ذرا قریب آ گیا۔ وہ کھسک کر پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ ''یہ آخری مطالبہ ہے۔ اس کے بعد میں سر سے پاؤں تک تمہاری ہو جاؤں گی۔ زندہ رہو گے تو مزید جائداد بنا سکو گے۔''
اسے جان بچانے کے لیے آخر دستخط تو کرنے ہی تھے۔
پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔ عامل کی ہدایت کے مطابق روزانہ پانچ اعلیٰ عہدیدار اس حسینہ کے پاس جاتے آتے رہے۔
تیسرے روز اس عامل نے فون کے ذریعے انہیں مخاطب کیا۔ انہوں نے خوش ہو کر کہا۔ ''ہیلو اجنبی مہربان! تم نے تو سچ مچ ہمیں آبِ حیات کا راستہ دکھایا ہے۔ اگرچہ تم نے کوئی احسان نہیں کیا ہے۔ اس کے بدلے منہ مانگی رقم وصول کی ہے پھر بھی ہم تمہارا شکریہ ادا کرتے ہیں۔''
وہ مسکرا کر بولا۔ ''بے شک۔ میں نے رقم وصول کی ہے۔ اس کے باوجود تمہارا محسن ہوں۔ تم لوگ مجھے اپنی آخری سانسوں تک بھول نہیں پاؤ گے۔''
پھر اس نے جرمنی کے اعلیٰ حاکم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''ہیلو مسٹر جارج! میرا خیال ہے' تمہارا ابھی کام ہو چکا ہے اور تم مطمئن ہو۔''

''ہاں۔ میرے علاوہ ہمارے ملک کے دیگر اہم افراد کو بھی سیکیورٹی حاصل ہو چکی ہے۔''
وہ عامل اچانک ہی قہقہہ مار کر ہنسنے لگا۔ تمام اکابرین نے چونک کر سوالیہ نظروں سے ٹیلی فون کی طرف دیکھا۔ جرمنی کے اعلیٰ حاکم نے تعجب سے پوچھا۔ ''تم ہنس کیوں رہے ہو؟''
''میں ہنس رہا ہوں... کیونکہ ابھی تم سب سر پکڑ کر رونے والے ہو۔''
انہوں نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ''کیا مطلب...؟''
وہ ہنستے ہنستے رک گیا۔ پھر بولا۔ ''تم میں سے جو اعلیٰ حکمران اپنے اندر ایک نئی توانائی محسوس کر رہے ہیں۔ ان کے لیے میرا مشورہ ہے' وہ پہلی فرصت میں اپنا ایچ آئی وی ٹیسٹ کروالیں۔''
انہوں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔ ''ایچ آئی وی ٹیسٹ...؟ مگر کیوں؟ ہم میں سے کوئی ایڈز کا مریض نہیں ہے۔''
''مگر لارا کرسٹل ایڈز کی مریضہ ہے۔''
اس نے بات نہیں کی تھی' دھماکا کیا تھا۔ اعلیٰ حکمرانوں کے پیروں تلے سے جیسے زمین کھسک گئی۔ سر سے آسمان سرک گیا۔ زبان گنگ ہو کر رہ گئی۔ وہ کچھ نہ سمجھنے کے سے انداز میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی ٹیلی فون کو اور کبھی ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔
عامل نے پوچھا۔ ''کیا ہوا؟ تم سب کو سانپ کیوں سونگھ گیا ہے؟''
ایک اعلیٰ حاکم نے سخت لہجے میں کہا۔ ''تم انتہائی بے ہودہ مذاق کر رہے ہو۔''
''اچھا... تو تمہیں یہ بات مذاق لگ رہی ہے؟ تو پھر جاؤ' لارا کرسٹل کی میڈیکل رپورٹس پڑھو۔ اس کے ڈاکٹر سے ملو' اس کی میڈیکل ہسٹری معلوم کرو۔ اس کے بعد میں تم سے بات کروں گا۔''
اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ تمام اکابرین کے دماغوں میں جیسے آندھیاں سی چلنے لگی تھیں۔ ان کے اندر کھلبلی مچ گئی تھی۔ وہ جلد از جلد لارا کرسٹل کی حقیقت معلوم کرنا چاہتے تھے اور اس کام میں زیادہ وقت نہیں لگا۔ ایک گھنٹے بعد ہی اس کے فیملی ڈاکٹر سمیت تمام میڈیکل رپورٹس ان کے پاس تھیں۔ ان کی چیختی ہوئی تحریر کہہ رہی تھی کہ لارا پچھلے ایک برس سے ایڈز کے موذی مرض میں مبتلا ہے۔ اس سے تعلقات استوار کرنا' اپنی شامت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔
ایسی زہریلی حقیقت کا سامنا ہوتے ہی ان اعلیٰ

حکمرانوں کے ہوش اڑ گئے' وہ دہل کر رہ گئے۔ ایسے وقت اس عامل نے فون پر انہیں مخاطب کیا۔ وائڈ اسپیکر کے ذریعے سب ہی اس کی آواز سن رہے تھے۔

ایک اعلیٰ حکمران نے غصے سے گرج کر کہا۔ ''یو چیٹر...! تم نے ہمیں دھوکا دیا ہے۔ ہم سے دشمنی کی ہے..؟ میں... میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تم دنیا کے کسی کونے میں چھپ کر نہیں رہ سکو گے۔ ہمارے جاسوس تمہیں ڈھونڈ نکالیں گے... کتے کی موت مرو گے تم...''

وہ گرج رہا تھا' برس رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ دوسری طرف رہنے والے عامل کا گلا گھونٹ دے۔ یا اسے چیر پھاڑ کر رکھ دے۔ دیکھا جائے تو واقعی اس عامل نے بڑی ہی جان لیوا دشمنی کی تھی۔

جواباً اس کے قہقہے سنائی دے رہے تھے۔ وہ فاتحانہ انداز میں ہنس رہا تھا۔ جیسے ان کا مذاق اڑا رہا ہو۔ اس کا یہ انداز جلتی پر تیل کا کام کر رہا تھا۔ اکابرین بری طرح سلگ رہے تھے۔ ایک نے تلملا کر چیختے ہوئے کہا۔ ''شٹ اپ!''

وہ بولا۔ ''مجھے کیا خاموش کراتے ہو؟ بولتی تو تمہاری بند ہوگئی ہے۔ ویسے میرا احسان مانو! بڑے ہی رنگین طریقے سے بیماری دی ہے۔''

ایک نے پوچھا۔ ''اس دشمنی کا مطلب کیا ہے؟''

وہ ذرا دیر چپ رہا۔ پھر جرمنی کے اعلیٰ حاکم کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ ''مسٹر جارج! اپنی میموری کھنگالو۔ وہاں کہیں ایڈمنڈا کا نام ملے گا....''

''ایڈمنڈا....؟''

وہ بولا۔ ''یاد کرو۔ میں وہی ایڈمنڈا ہوں' جسے تم نے ایک برس پہلے سی آئی اے والوں کے حوالے کر دیا تھا۔ میرے عہدے سے مجھے لات مار کر اوندھے منہ گرا دیا تھا۔ صرف اس لیے کہ میں نے تمہارے ایک حکم کی تعمیل نہیں کی تھی۔''

''اوہ تو تم وہی نافرمان باغی ہو؟''

''میں نہ تو نافرمان تھا' نہ باغی تھا۔ پچھلے آٹھ ماہ سے ناکردہ جرم کی سزا بھگت رہا ہوں۔ انتقام کی آگ میں سلگتا رہا ہوں۔ یہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ تم کبھی میرے ہتھے چڑھنے والے نہیں ہو۔ لہٰذا عامل کے بھیس میں تمہیں قبر تک پہنچانے آگیا۔''

دوسرے اکابرین نے کہا۔ ''تم جارج کے دشمن تھے۔ اس سے انتقام لیتے۔ تم نے ہم سے دشمنی کیوں کی؟''

وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''کیا یاد دلانا پڑے گا' جب جارج میرے خلاف کیس تیار کر رہا تھا' ایسے وقت تم سب اس کے حمایتی بن گئے تھے۔ تم سب نے مل کر میرے خلاف ایسا کیس بنایا تھا کہ اپنی جان بچانا مشکل ہو گیا تھا۔ تم لوگوں کی وجہ سے میں روپوش رہ کر زندگی گزار رہا ہوں۔''

میں اور کبریا اپنے آلہ کاروں کے اندر رہ کر ان کی باتیں سن رہے تھے۔ ایک اعلیٰ حاکم تو دل تھام کر بیٹھ گیا تھا۔ عجیب سی گھبراہٹ اور بے چینی محسوس کر رہا تھا پھر اس نے میری مرضی کے مطابق گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''لگتا ہے... میں... میں ایچ آئی وی پیشنٹ بن گیا ہوں۔ اوہ گاڈ! مجھے کیا ہو رہا ہے؟''

تمام اعلیٰ حاکم اسے تشویش بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ دوسری طرف وہ عہدیدار دل ہی دل میں شکر ادا کر رہے تھے' جنہیں ابھی لارا کرسٹل کے پاس جانے کا موقع نہیں ملا تھا۔

تمام حکمرانوں نے کہا۔ ''ہمیں فوراً اپنا ایچ آئی وی ٹیسٹ کروانا چاہیے۔''

سب ہی اس کی تائید کرنے لگے۔ ایسے وقت میں نے اپنے آلہ کار کے ذریعے انہیں مخاطب کیا۔ تمام اکابرین ایکدم سے چونک گئے۔ بے اختیار ان کے منہ سے نکلا۔ ''فرہاد...؟ مسٹر فرہاد! یہ تم ہی ہو؟''

وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ میں ان کے درمیان موجود ہو سکتا ہوں۔ میں نے کہا۔ ''ہوں.... تو اس حسینہ کی پول کھل گئی؟ آب حیات نوش کرنے گئے تھے۔ اب دیکھ رہا ہوں' موت کا لرزہ طاری ہو رہا ہے۔ اب کون مسیحا آئے گا' ایڈز کے موذی مرض سے نجات دلانے کے لیے....؟''

ایک اعلیٰ حاکم نے کہا۔ ''ہمارے ساتھ بہت بڑا دھوکا ہوا ہے۔ اگر تم ہماری کچھ مدد کرتے' خیال خوانی کے ذریعے اس بہروپیے عامل کی حقیقت معلوم کر لیتے تو.......''

میں نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ تم لوگ ہمیشہ ہم سے ہی کیوں آس لگاتے ہو اور آس لگاتے ہو تو پھر عداوت کیوں رکھتے ہو؟''

جب حالات کے جوتے پڑتے ہیں' تب غلطیوں کا احساس ہوتا ہے۔ پتا نہیں' انہیں احساس ہو رہا تھا یا نہیں؟ میں نے کہا۔ ''تم لوگ اپنے بل بوتے پر عقلمندانہ فیصلے کیوں نہیں کرتے؟ یا پھر یہ اعتراف کر لو کہ تم جیسے ترقی یافتہ ممالک کے اکابرین ہماری انگلی تھامے بغیر دو قدم بھی نہیں چل پاتے۔ چلنا چاہیں تو لڑکھڑا کر گر پڑتے ہیں۔ جیسے ابھی اوندھے منہ گر پڑے ہو۔''

ایک اعلیٰ حاکم نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ ''شاید



ہاں کوئی اعتراف کرے یا نہ کرے لیکن میں کرتا ہوں۔ اس بار تو ہم نے جان لیوا دھوکا کھایا ہے۔''

''یہ سوچو کہ کیوں کھایا ہے؟ کیوں ہم تمہاری مدد کرنے نہیں آئے؟''

اس نے کہا۔ ''کیونکہ ہم نے ہر بار احسان فراموشی کا مظاہرہ کیا ہے۔''

دوسرے عہدیدار نے کہا۔ ''تم ہمارے مخالف ہونے کے باوجود ہمیں بخش دیتے ہو۔ لیکن ایڈمنڈا نے تو انتقام کی انتہا کر دی ہے۔ ہمیں جیتے جی مار ڈالا ہے۔''

ایڈمنڈا نے فون کے ذریعے کہا۔ ''کیونکہ میرے اندر مسٹر فرہاد جیسا ظرف نہیں ہے۔''

''تم نے بہت ہی بھیانک انتقام لیا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''یہ واقعی بھیانک ہوتا اگر ویسا ہی ہوتا' جیسا تم لوگ سمجھ رہے ہو۔''

انہوں نے ٹھٹک کر پوچھا۔ ''کیا مطلب...؟''

میں نے کہا۔ ''اُس مریضہ سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا ہے۔''

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ وہ ایڈز کی مریضہ ہے۔ اس کی میڈیکل رپورٹس اور اس کا ڈاکٹر اس بات کی تصدیق کر رہے ہیں۔ ہم نے اس سے جسمانی تعلقات قائم کیے ہیں اور ایچ آئی وی وائرس اسی طرح ایک سے دوسرے کی طرف منتقل.....''

میں نے بات کاٹ کر کہا۔ ''بے شک منتقل ہوتا ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ وہ ایڈز کی مریضہ ہے۔ لیکن میں نے کہا نا' اس سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔''

انہوں نے تعجب سے پوچھا۔ ''کیا جسمانی تعلقات قائم کرنے کے باوجود...؟''

ایڈمنڈا نے کہا۔ ''مسٹر فرہاد! یہ تم کیسی بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو؟''

میں نے کہا۔ ''ان کے ایچ آئی وی ٹیسٹ سے ثابت ہو جائے گا۔''

اس نے ذرا جھنجلا کر پوچھا۔ ''مگر کیوں؟ ایسی انہونی کیسے ہوگی؟''

''کیونکہ میں نے ہونی کو ٹال دیا ہے۔''

سب ہی نے چونک کر سوالیہ نظروں سے میرے آلہ کار کو دیکھا۔ ایڈمنڈا نے پوچھا۔ ''کیا مطلب؟ تم نے ہونی کو کیسے انہونی بنایا ہے؟''

ایک اعلیٰ حاکم نے کہا۔ ''ہاں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ سب ہی لارا کے پاس گئے تھے۔''

''درست کہہ رہے ہو' تم لوگ اس کے پاس ضرور گئے تھے مگر تعلقات قائم نہ کر سکے۔ کیونکہ میں نے تمہارے دماغوں پر قبضہ جما رکھا تھا۔ ان لمحات میں تم سب خیالی گناہوں کے مرتکب ہو رہے تھے۔ جیسے خواب دیکھ رہے تھے۔ حقیقتاً جو کرنا چاہیے' جیسے وہی کر رہے تھے۔''

وہ سب حیرانی سے سن رہے تھے۔ یہ ٹیلی پیتھی کا کیا کمال تھا کہ وہ غائب دماغ ہو کر گناہ گار بنتے رہے تھے۔ اس کے باوجود پارسا تھے۔ میری خیال خوانی نے انہیں بہت بڑے عذاب سے بچا لیا تھا۔

وہ بے یقینی سے میری باتیں سن رہے تھے۔ مگر اندر یہ یقین اور اعتماد تھا کہ وہ معجزاتی طور پر ایک جان لیوا بیماری سے نجات پا چکے ہیں۔ ان کے چہروں پر طمانیت سی پھیل گئی تھی۔

ایڈمنڈا نے پوچھا۔ ''یہ تم کیا کہہ رہے ہو فرہاد! تم نے میری ساری محنت پر پانی پھیر دیا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''یہ تمہاری محنت نہیں تھی' بے وقوفی تھی۔ دوسروں کی جان لینے والی بے وقوفی... تم انتقام کی آگ میں اندھے ہو گئے تھے۔''

''تھا نہیں' اب بھی ہوں۔ یہ لوگ اس قابل نہیں ہیں کہ انہیں معاف کیا جائے۔''

''اگر اس دنیا میں کسی غلطی کی' کسی کوتاہی کی معافی نہ ہوتی تو آج سب ہی انتقاماً ایک دوسرے کو ہلاک کر چکے ہوتے۔ ہم انسان ہیں۔ جانوروں کی طرح ایک دوسرے کو بھنبھوڑ نہیں سکتے۔''

ایک اعلیٰ حاکم نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''مسٹر فرہاد! بے شک۔ تم نے مسیحائی کی ہے' ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ مگر ہم یقین کرنا چاہتے ہیں کہ ایڈز جیسے جان لیوا وائرس سے محفوظ ہیں اور تم نے واقعی ہمیں سلامتی دی ہے۔''

میں نے کہا۔ ''یقین کرنے کا آسان سا راستہ ہے۔ اپنا میڈیکل چیک اپ کراؤ۔ ایچ آئی وی ٹیسٹ کے بعد ساری حقیقت سامنے آجائے گی۔''

وہ میری تائید میں بولنے لگے۔ اسی وقت اپنے فیملی ڈاکٹروں سے رابطے کرنے لگے۔ ایڈمنڈا نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''تم نہیں جانتے فرہاد! انہوں نے میرے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے؟ مجھے اقتدار سے محروم کر دیا ہے۔ میرا کیریئر تباہ ہو گیا ہے۔ میں روپوش رہ کر زندگی گزار رہا ہوں۔''

''زندہ سلامت تو ہو نا...؟''

''لیکن انہیں سلامتی نہیں دوں گا۔''

ایک اعلیٰ حاکم نے کہا۔ ''ہمیں سلامتی دینے والا آ گیا ہے۔ اب یہاں تمہاری دال نہیں گلے گی۔''

میں نے ایڈمنڈا سے کہا۔ ''بے شک۔ تمہارے ساتھ برا ہوا۔ لیکن اس سے زیادہ برا تم کر رہے تھے۔ ان تمام حکمرانوں اور اعلیٰ عہدیداروں کے ذریعے ان کی پوری فیملی کو ایڈز کا روگ لگانا چاہتے تھے۔''

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوسرے تمام اکابرین کو بھی چپ لگ گئی تھی۔ ایک اعلیٰ حاکم نے ندامت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ''تم واقعی گریٹ ہو مسٹر فرہاد! ہم آج تک تم سے اور تمہاری فیملی سے دشمنی کرتے آ رہے ہیں۔ اس کے نتیجے میں تمہیں ہمارے کسی کام نہیں آنا چاہیے تھا۔ مگر ہزار ہا مخالفتوں کے باوجود ہم سے تعاون کر رہے ہو۔ انسانیت کی خاطر ہماری مدد کر رہے ہو۔ ہم تمہیں سلیوٹ کرتے ہیں۔''

اس نے یہ کہتے ہوئے اپنا دایاں ہاتھ سلیوٹ کرنے کے انداز میں پیشانی سے لگا لیا۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے اکابرین نے بھی یہی کیا۔ وہ ایسے خودغرض تھے کہ کبھی اپنے باپ کو بھی سلام نہ کرتے۔ مگر اس لیے کر رہے تھے کہ میری دوستی اور مجھ سے زندگی مل رہی تھی۔

میں نے کہا۔ ''ایک بات اچھی طرح سمجھ لو! یہاں زمین پر بسنے والے ہر انسان کی سلامتی دوسرے انسان سے جڑی ہوئی ہے۔ چاہے وہ ہندو ہو' مسلمان ہو' عیسائی ہو یا یہودی.... ہم سب اپنے اپنے مذاہب کے دائرے میں رہتے ہوئے ایک دوسرے کو سلامتی اور تحفظ دیتے رہیں گے تو کسی بیرونی طاقت کو یہاں قدم جمانے کا موقع نہیں ملے گا۔''

میں ذرا چپ ہوا۔ پھر بولا۔ ''ایشورارا یہاں جو فساد برپا کر رہا ہے اور جیسا کہ آئندہ بھی کرنے والا ہے' وہ سب تم لوگوں کی احمقانہ خودغرضی کا نتیجہ ہے۔''

ایک اعلیٰ حاکم نے کہا۔ ''ہم اپنی غلطی تسلیم کرتے ہیں۔ ہمارے غلط فیصلوں نے اور خودغرضی نے آج پوری دنیا کو خطرات سے دوچار کر دیا ہے۔''

دوسرے نے کہا۔ ''اور ہماری بدبختی تو یہ ہے کہ ایشورار کے ذریعے ہمیں کوئی فائدہ بھی نہ پہنچ سکا۔ اس کے برعکس ہم اس کے غلام بننے والے ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''اب بھی تمہیں عقل آ رہی ہے تو یہ اچھی بات ہے۔ امید ہے' آئندہ اس کے اتحادی نہیں بنو گے۔''

''ہم توبہ کرتے ہیں۔ اتحادی تو نہیں بنیں گے مگر اس کا مقابلہ بھی نہیں کر سکیں گے۔ اس کے پاس ایک دو نہیں' لاکھوں ٹیلی پیتھی جاننے والے ہیں۔''

میں نے ایک گہری سانس لے کر سوچا۔ ''آہ...! یہ اکابرین .... یہ دشمن ایسے احمق بچوں کی طرح ہیں' جن سے ان کے محلے پڑوس والے تنگ بھی رہتے ہیں اور انہیں کسی کھائی میں گرتے ہوئے دیکھ بھی نہیں سکتے۔''

ہمارے ساتھ بھی یہی مسئلہ تھا۔ ہزار ہا دشمنی کے باوجود انسانی ہمدردی کا جذبہ ہمیں اپنے مخالفین کے قریب لے آتا تھا۔ ہم ان کی مدد کرتے تھے' ان سے بھرپور تعاون کرتے تھے اور یہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ نیکی کر کے دریا میں ڈال رہے ہیں۔

اس وقت وہ سب ہی نادم دکھائی دے رہے تھے۔ اپنی سابقہ غلطیوں کا اعتراف کر رہے تھے اور ایسا پہلی بار نہیں ہو رہا تھا۔ وہ ہر بار یہی کرتے اور بار بار بھول جاتے تھے۔

بہر حال میں بے حس نہیں تھا۔ جاننے کے باوجود ایسے کڑے وقت میں ان سے منہ پھیر کر جا نہیں سکتا تھا۔ میں نے اپنے خیال خوانی کرنے والے ماتحتوں کو ہدایت دی کہ انگلینڈ' فرانس اور جرمنی کے اکابرین کے دماغوں کو تنویمی عمل کے ذریعے لاک کر کے انہیں ایشورارا کی مخالفت سے بچایا جائے۔

چنانچہ تھوڑی دیر میں ہی کئی خیال خوانی کرنے والے وہاں چلے آئے۔ انہوں نے ان سب کو مخاطب کیا اور کہا' وہ اپنے کمروں میں جائیں۔ آرام سے بیڈ پر لیٹ جائیں۔ ان کے دماغوں کو مقفل کر دیا جائے گا۔

وہ خوشی سے کھل گئے۔ ان کی توعید ہو گئی۔ وہ خوشی سے کچھ نہ کچھ بول رہے تھے اور فرہاد زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔ میں وہاں سے چلا آیا۔

☆☆☆

گریٹ ایشورارا کے دعوے کے مطابق تمام مسلم ممالک میں اس کے خودکش حملہ آور پھیلے ہوئے تھے۔ جو اس کے ایک اشارے پر کسی بھی مسجد' مدرسے اور دینی اجتماع وغیرہ میں قیامت برپا کر سکتے تھے۔

یہ ہمارے لیے لمحۂ فکریہ تھا مگر دوسری طرف سے یہ اطمینان تھا کہ اس نے اپنے عزائم سے باز رہنے کے لیے ایسا مطالبہ کیا تھا' جسے ہم پورا کر رہے تھے۔

اس نے بعد میں ہم سے رابطہ کرنے کی بات کہی تھی۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد کیونیکیٹنگ مشین سے سگنل موصول ہوا۔ میں اسے آپریٹ کرنے لگا۔ ایشورارا نے تحریر کے ذریعے مجھے مخاطب کیا تھا۔ میں نے جواباً کہا۔ ''ہاں۔ بولو...! ہم اٹینڈ کر رہے ہیں۔''

اس نے کہا۔ ''میں نے معلوم کیا ہے' انوشے اس وقت بابا صاحب کے ادارے میں ہے۔ بلکہ تم سب ہی چوہوں کی



[illegible] وہاں جا کر چھپ گئے ہو۔''

میں نے کہا۔ ''تم نے یہ معلوم کرنے کے لیے خوامخواہ [illegible] گھنٹا ضائع کر دیا۔ مجھ سے ہی پوچھ لیتے کہ انوشے کہاں [illegible]؟ میں بتا دیتا۔''

وہ بولا۔ ''ایسی بات نہیں ہے۔ میں اپنے کچھ دوسرے [illegible] ات گنوا رہا تھا۔ تم انوشے کی بات کرو۔ اسے ابھی اسی ادارے سے نکال کر میرے حوالے کرو۔''

''تم جب کہو گے' اسے ادارے سے رخصت کر دیا [illegible] گا۔ ایسے وقت ہم میں سے کوئی انوشے کے ساتھ موجود [illegible] ہے گا۔ تم کسی روک ٹوک کے بغیر اسے کہیں بھی لے جا [illegible] گے۔''

''کیا مجھے نادان بچہ سمجھ رہے ہو؟ میں تمہاری چالاکی کو [illegible] سمجھ رہا ہوں۔ بے شک۔ تم وہاں موجود نہیں رہو گے۔ [illegible] چھپ کر ہمارا تعاقب کرو گے۔ اپنی پوتی کے ذریعے [illegible] خفیہ پناہ گاہوں تک پہنچتے رہو گے۔ گویا میری شہ رگ [illegible] کی کوششیں کرو گے۔''

''اول تو یہ کہ ہم اس ادارے سے باہر نہیں جائیں [illegible] گے۔ دوسری بات یہ کہ ہم کہاں ہیں اور انوشے کے ذریعے [illegible] پاس پہنچنا چاہیں گے یا نہیں' اس وسوسے اور [illegible] میں رہو گے تو بات نہیں بنے گی۔''

وہ واقعی اندیشوں میں مبتلا تھا۔ میں نے کہا۔ ''ہم تو [illegible] مطالبہ پورا کر رہے ہیں۔ انوشے اس ادارے سے [illegible] جائے گی۔ اسے ایک ڈرائیور پیرس تک لے جائے گا۔ تم اپنے طور پر گائیڈ کرتے رہو گے کہ اسے کہاں جانا ہے [illegible] کرنا ہے؟''

اس نے کہا۔ ''ایسے وقت تم سب اس کے دماغ میں [illegible] گے۔''

''بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔ کیا تم اس بچی کے دماغ کو [illegible] نہیں کرو گے؟ کیا ہماری خیال خوانی کا راستہ نہیں [illegible] گے؟ تمہارے لاکھوں خیال خوانی کرنے والے کس مرض [illegible] ہیں؟ کیا وہ دور دور تک نگرانی کرتے ہوئے یہ نہیں معلوم [illegible] رہیں گے کہ ہم انوشے کے پیچھے آ رہے ہیں یا نہیں؟''

''میں اچھی طرح جانتا ہوں' تم اپنے مخالفین کی گردن [illegible] کے لیے نت نئے طریقہ کار اختیار کرتے ہو۔ جو سوچا [illegible] نہیں جا سکتا' وہ کر گزرتے ہو۔ میں نے تمہاری پوتی مانگی [illegible] تمہاری جان مانگی ہے اور کوئی بھی اپنی جان آسانی [illegible] نہیں دیتا۔ موت سے لڑتا ضرور ہے۔''

میں نے کہا۔ ''یقیناً تم بہت محتاط رہو گے اور یہ دیکھو گے کہ ہم اس بچی کو ادارے سے باہر نکالنے کے بعد بھول گئے ہیں۔ ہم میں سے کوئی نہ اس کی طرف رخ کرے گا' نہ کبھی اس کے بارے میں تم سے سوال کرے گا۔''

''تمہیں یہی کرنا ہو گا۔ ورنہ مجھے ذرا بھی شبہ ہو گا کہ دھوکا دیا جا رہا ہے' مجھے اس کے ذریعے ٹریپ کیا جا رہا ہے تو میں تمہاری پوتی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

''میں اس کا دشمن نہیں ہوں۔ اس کی سلامتی کے لیے خاموش تماشائی بنا رہوں گا۔''

''پھر تو فائدے میں رہو گے۔ میں یورپ اور امریکا کے اکابرین کو زیر کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کرنے کے بعد تمہاری پوتی تمہیں واپس کر دوں گا۔''

''میں تمہاری ایسی مہربانی کا انتظار کروں گا۔''

''میں چاہتا ہوں' کل انوشے کو میرے حوالے کر دو۔''

میں نے کہا۔ ''ایسی جلدی نہ کرو۔ اسے کم از کم دو یا تین دنوں تک اپنے ماں باپ اور اس دادا کے پاس رہنے دو۔''

وہ بولا۔ ''میں نے اپنے پانچ معمول اور تابعدار خودکش حملہ آوروں کو تمہارے حوالے کر دیا۔ تم ہزاروں مسلمانوں کی جانیں بچا رہے ہو۔ کیا اب کام نکالنے کے بعد میرے مطالبے کو ٹال رہے ہو؟''

''ہرگز نہیں.... میں اپنی زبان پر قائم ہوں۔ تم آج کہو گے' آج ہی اسے تمہارے حوالے کیا جائے گا۔ میں تو ازراہ انسانیت تم سے دو دنوں کا وقت چاہتا ہوں۔ اگر تمہارا دل کہتا ہے کہ ایک بچی کو جدا ہونے سے پہلے اپنے والدین اور دادا کے ساتھ دو دنوں تک وقت گزارنا چاہیے تو اتنی مہلت دے دو۔ ورنہ تم جو بولو گے' وہی ہو گا۔''

اس نے کہا۔ ''اچھی بات ہے۔ اسے دو دن اپنے پاس رکھو۔ تیسرے دن میرے حوالے کر دو۔''

یہ معاملہ طے ہو گیا۔ فیصلہ ہو گیا کہ انوشے ابھی ہمارے پاس رہے گی۔ دو دنوں کے بعد بابا صاحب کے ادارے سے باہر جائے گی۔ فی الحال ایشورارا سے رابطہ ختم ہو گیا۔ ایسے ہی وقت میں نے سردی کی ایک لہر سی محسوس کی۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر بیڈ پر آ گیا۔ سردی سے کپکپاتے ہوئے کمبل اوڑھ کر لیٹ گیا۔

سونیا مجھے تشویش بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ ''کیا پھر بخار چڑھ رہا ہے؟''

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس نے قریب آ کر' مجھے چھو کر ٹمپریچر معلوم کیا۔ پھر معمول کے مطابق دوائیں دیتے ہوئے بڑبڑانے لگی۔ ''میں سمجھاتی ہوں' خیال خوانی نہ کرو۔ آرام کرو مگر تم اپنی عادت سے باز نہیں آتے۔''

میں نے کہا۔ ”یہ عادت اب کی نہیں ہے‘ تب کی ہے‘ جب سے میں نے خیال خوانی کا آغاز کیا تھا۔ اندازہ کرو‘ کتنی پرانی عادت ہے؟ آسانی سے نہیں جائے گی۔“

”میں سمجھ رہی ہوں۔ حالات ایسے سنگین ہیں کہ تم خیال خوانی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہو۔ تمام دشمنوں کی طرف سے باخبر رہنا چاہتے ہو۔“

”اگر باخبر نہیں رہوں گا تو سکون سے نہیں رہ پاؤں گا۔ فکر‘ پریشانی اور بے چینی رہے گی کہ پتا نہیں‘ کون کیا کر رہا ہے؟ اور ہمیں کس طرح نقصان پہنچانے والا ہے؟“

اس نے کہا۔ ”کوئی ضروری تو نہیں ہے کہ تم خیال خوانی کرو۔ الپا‘ عالی اور کبریا کے علاوہ کتنے ہی ٹیلی پیتھی جاننے والے ہیں‘ جو تمہیں دشمنوں کے متعلق ایک ایک پل کی رپورٹ دے سکتے ہیں۔ تم یہاں بستر پر رہ کر بھی ساری معلومات حاصل کر سکتے ہو اور ان کی رہنمائی کر سکتے ہو کہ انہیں کن حالات میں کیا کرنا چاہیے؟“

کمبل اوڑھنے کے باوجود کپکپی طاری تھی۔ وہ مجھ پر دوسرا کمبل ڈال رہی تھی۔ میں نے کہا۔ ”آئندہ میں یہی کروں گا۔ چپ چاپ پڑا رہوں گا۔“

مجھے دو کمبلوں کی گرمی مل رہی تھی۔ میں بول رہا تھا اور میری آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ پھر پتا نہیں‘ میں کب غفلت کی نیند سو گیا؟ وہ بڑی تشویش سے مجھے دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔ پھر رہائشی کوارٹر سے باہر آگئی۔

پھر کچھ سوچتے ہوئے اعلیٰ حضرت کے حجرے کی طرف جانے لگی۔ یہ سب ہی جانتے ہیں‘ وہ بڑے مضبوط اعصاب رکھتی ہے۔ بڑی سے بڑی منہ زور آندھیوں میں بھی اس کے قدم نہیں اکھڑتے۔ مگر اب وہ اندر سے متزلزل ہونے لگی تھی۔

میری بیماری کیا تھی؟ ڈاکٹروں نے کہا تھا‘ ڈینگی بخار ہے۔

1979ء میں اس بیماری کی شناخت ہوئی تھی۔ ورلڈ ہیلتھ آرگنائیزیشن نے اس بیماری کو ڈینگی بخار کا نام دیا تھا۔ 1950ء میں یہ وبا پھیلتی ہوئی جنوب مشرقی ایشیا میں نمودار ہوئی اور ہزاروں لوگ مارے گئے تھے۔ خصوصاً بچے اچھی خاصی تعداد میں ہلاک ہوئے تھے۔

مشاہدات اور تجربات میں یہ بات سامنے آرہی ہے کہ ڈینگی وائرس ہر پانچ چھ سال میں پھیلتا رہتا ہے۔ جو لوگ ایک بار اس مرض میں مبتلا ہوتے ہیں‘ وہ دوسری بار بھی جلد ہی اس بیماری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ بیماری جن مچھروں سے پھیلتی ہے‘ ان کی ٹانگیں قدرے لمبی ہوتی ہیں۔ یہ زیبرے کی طرح سفید اور کالی دھاریوں والے ہوتے ہیں۔

اس بخار کی علامات یہ ہیں کہ اچانک ہی تیز بخار چڑھتا ہے۔ متلی سی ہوتی ہے۔ جسم میں اینٹھن ہوتی ہے اور شدید درد ہوتا ہے۔ بعض اوقات بخار کی شدت کے باعث دماغ کی رگیں جیسے پھٹنے لگتی ہیں۔ ایسے میں برین ہیمرج کا اندیشہ رہتا ہے۔

میرے ساتھ کچھ ایسا ہی ہو رہا تھا۔ ایک آدھ بار متلی سی ہوئی تھی۔ کبھی کبھی جسم میں اینٹھن بھی ہوتی تھی۔ لیکن بخار نے ابھی ایسی شدت اختیار نہیں کی تھی کہ دماغ متاثر ہو جاتا۔ مگر جسمانی طور پر میں کمزوری محسوس کرنے لگا تھا۔

اس وقت بھی ایسی گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا‘ جیسے بڑی محنت کے بعد تھک ہار کر سو رہا ہوں۔ جبکہ زیادہ چلتا پھرتا نہیں تھا۔ میں نہیں جانتا‘ کتنی دیر تک آنکھیں بند کیے غافل پڑا رہا؟ جب آنکھ کھلی تو دیکھا۔ سامنے کچھ فاصلے پر میری اور سونیا کی اٹیچی اور دو سفری بیگ رکھے ہوئے تھے۔

میں نے سونیا کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ میرے پاس آکر بیٹھ گئی۔ سر جھکا کر بولی۔ ”تم تو جانتے ہو‘ اس ادارے کا اصول ہے‘ یہاں میاں بیوی کو ایک ساتھ رہنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ تمہاری بیماری کے باعث میں نے یہاں دو دن گزار لیے..... ابھی اعلیٰ حضرت کے پاس گئی تھی۔“

میں آہستہ آہستہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ بول رہی تھی۔ ”انہوں نے فرمایا ہے‘ تمہیں وہاں پہنچایا جائے‘ جہاں سے تم نے خیال خوانی کا سفر شروع کیا تھا۔ وہاں علاج ہونے تک میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔“

میں نے کچھ فاصلے پر رکھے ہوئے سامانِ سفر کو دیکھا۔ اچانک ہی ہدایت ملی تھی کہ ہجرت کی جائے۔ ہم میں سے کوئی جان نہیں پاتا‘ کب ہمارے قدم اپنی زمین سے اکھڑ جاتے ہیں۔ جدھر سوچتے نہیں ہیں‘ اُدھر جانا پڑتا ہے۔ پتا نہیں‘ کیوں یہ مصرعہ میرے ذہن میں گونجنے لگا...!

”سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا‘ جب لاد چلے گا بنجارا ....“

ہم دوسرے ہی دن شاہدرہ والے مکان میں آگئے۔ اس مکان کو میں نے خرید لیا تھا۔ وہاں تالا پڑا رہتا تھا۔ ہم تالا کھول کر اندر آئے۔ میں نے اس مکان کی از سرِ نو تعمیر نہیں کرائی تھی۔ وہ چالیس پینتالیس برس پہلے جیسا تھا‘ ویسا ہی رہنے دیا تھا۔ وہاں کے ہر کمرے سے ہر دیوار و در سے پرانی یادیں تازہ ہوتی رہتی تھیں۔

میں اس کمرے میں آگیا‘ جس کی کھڑکی شمال کی سمت کھلتی تھی۔ شمال سے آنے والی مقناطیسی ہواؤں نے میری زندگی کا رخ بدل دیا تھا۔ جب میں حالات کا مارا ایک خستہ حال نوجوان تھا۔ آج ٹیلی پیتھی کا شہنشاہ کہلا رہا تھا۔



میں اس کھڑکی کی طرف منہ کر کے ایک ایزی چیئر پر تھکے ہوئے انداز میں بیٹھ گیا۔ سونیا نے اس کے دونوں پٹ کھول دیے۔ شمال سے آنے والی مقناطیسی ہوائیں میرے ذہن کو چھونے لگیں۔ ایک ماں کی طرح تھپکنے لگیں۔ ”سو جا ... بڑی مدت سے جاگ رہا ہے...“

آہ.... جیسے میں واقعی ایک مدت سے جاگ رہا تھا۔ بری طرح تھک چکا تھا۔ کرسی پر ایسے بیٹھا تھا‘ جیسے طویل مسافت طے کرنے بعد نڈھال سا ہو کر گر پڑا ہوں۔

زندگی بہت دوڑاتی ہے۔ کبھی دشمنوں پر غالب آنے اور کبھی دوستی کا بھرم رکھنے کے لیے تو کبھی... موت کے نادیدہ پنجے سے پنجہ لڑانے کے لیے انسان کو اتنا دوڑاتی ہے کہ آخر وہ تھک کر گر پڑتا ہے۔ چاروں طرف سے مایوسیوں اور ناکامیوں کے باوجود زندگی کی کشش معدوم نہیں ہوتی۔ یہ محبوبہ کی طرح اپنی طرف کھینچتی رہتی ہے۔

ایسے وقت جبکہ برے اور جان لیوا حالات سے لڑتے ہوئے عزیز ترین زندگی تک پہنچنے کا حوصلہ نہیں رہتا تب... وہ اپنی بے بسی سے اپنے وجود کو گھسیٹتا ہوا‘ بیماریوں کا عذاب اٹھاتا ہوا اس کی طرف بڑھنے کی ناکام کوششیں کرتا ہے مگر اس وقت یہ سمجھ نہیں پاتا کہ دھیرے دھیرے کس طرح خود ہی اپنے اختتام کے قریب ہوتا چلا جا رہا ہے۔

بے شک۔ ایک جان لیوا بیماری مجھ پر حملہ آور ہوئی تھی۔ میں جسمانی طور پر خود کو کسی حد تک کمزور محسوس کر رہا تھا‘ تھکن کے باعث بمشکل اٹھنا بیٹھنا ہو رہا تھا۔ فی الحال بیماری نے مجھے ایسا نہیں پچھاڑا تھا کہ معمولاتِ زندگی میں حصہ نہ لے پاتا۔ جب بخار کی کیفیت طاری ہوتی تھی تو نڈھال سا ہو جاتا تھا۔ چند گھنٹے گزارنے کے بعد دوبارہ توانائی محسوس کرنے لگتا تھا۔ شاید اس لیے کہ مضبوط اعصاب کا مالک تھا‘ اس بیماری سے بخوبی نمٹ رہا تھا۔ ایک حقیقت یہ بھی تھی کہ زندگی میں ایسے ایسے خطرناک دشمن دیکھے تھے کہ وہ بیماری معمولی لگنے لگی تھی۔

میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے سوچوں میں گم تھا۔ کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ شمال کی سمت سے آنے والی مقناطیسی ہوائیں میرے دماغ کو تھپک رہی تھیں۔ انہی ہواؤں سے کبھی ذہن کے دریچے کھلے تھے‘ انہی سے خیال خوانی کی زبردست صلاحیت ملی تھی۔ اب لوریاں مل رہی تھیں۔ میرے بوجھل ذہن کو خوابیدہ سا کر رہی تھیں۔

اگرچہ میری آنکھیں بند تھیں۔ لیکن میں دماغی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا‘ اس مکان کے در و دیوار سے ماضی کی یادیں ابھر رہی تھیں۔ میں خود کو اسی کھڑکی کے سامنے بیٹھا ہوا دیکھ رہا تھا۔ اس وقت میں جوان تھا۔ اب بڑھاپے کی آنکھ سے گزری ہوئی جوانی کو دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔

میں کیا تھا اور کیا سے کیا ہو گیا تھا؟ یہ بھی احساس ہو رہا تھا کہ وقت کتنی جلدی گزر جاتا ہے؟ کسی شاعر نے کہا ہے۔

عجیب چیز ہے یہ وقت جس کو کہتے ہیں
کہ آنے پاتا نہیں اور بیت جاتا ہے

رات کے سناٹے میں اسی کمرے میں‘ اسی کھڑکی کے سامنے بیٹھ کر شمال کی طرف رخ کر کے گھنٹوں شمع بینی کی مشقیں کیا کرتا تھا۔ اس وقت میری آنکھوں میں جیسے اُس شمع کی لَو سلگنے لگتی تھی۔

شمع بینی کے وقت میری سوچ صرف اس خیال پر مرکوز رہتی تھی کہ میری آنکھوں میں مقناطیسی قوت پیدا ہو رہی ہے۔ میں جسے چاہوں‘ اپنی نگاہوں کے شکنجے میں جکڑ سکتا ہوں۔

ٹیلی پیتھی کا علم سیکھنا بچوں کا کھیل نہیں تھا۔ میں اس دوران بارہا مایوس ہوا جیسے اس علم کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔ شاید میں اپنا وقت برباد کر رہا ہوں۔ پھر یہ بات بھی دماغ میں آتی تھی کہ ایسے غیر معمولی علم کو سیکھنا آسان ہوتا تو ہماری دنیا میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں ہپناٹزم اور ٹیلی پیتھی کے ماہرین دکھائی دیتے۔ لہٰذا کوئی سا بھی غیر معمولی علم حاصل کرنے کے لیے انتہائی تھکا دینے والی محنت و مشقت سے گزرنا تو پڑتا ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی سمجھ میں آنے لگی کہ اس علم کے حصول کے لیے صبر و تحمل‘ خود اعتمادی اور کڑی مشقوں کی ضرورت ہے۔

میں ماضی کی باتیں دُہرا رہا ہوں۔ مجھ جیسا بیمار اور بے کار بیٹھا رہنے والا اور کیا کر سکتا ہے؟

ایسے وقت بوڑھے اور بیمار یہی کرتے ہیں۔ اپنے ماضی کے کارنامے یاد کرتے ہیں اور ٹیلی پیتھی کا علم سیکھنا میرا ایک بہت بڑا کارنامہ تھا۔ اس کارنامے کے باعث میں نے موجودہ ناقابلِ فراموش شہرت حاصل کی ہے۔

میں چاہتا ہوں‘ خیال خوانی کا علم حاصل کرنے کے سلسلے میں میرے جو احساسات اور جذبات ہیں‘ انہیں بیان کروں۔ مجھے یاد آرہا ہے میری اس کامیابی کو ایک بزرگ نے جلا بخشی تھی۔ میں انہیں اپنا محسن اور استاد مانتا ہوں۔ کیونکہ انہی کی ہدایات اور مشوروں پر عمل کرتے ہوئے مجھے کسی بھی انسانی دماغ کے تاریک تہ خانوں میں اترنے کا راستہ نظر آیا تھا۔

میں نے ایک گہری سانس لے کر آنکھیں کھول دیں۔ گویا ماضی سے نظریں چرا کر حال میں چلا آیا۔ سر گھما کر ایک طرف دیکھا۔ سونیا اٹیچی اور سفری بیگ کا سامان نکال کر الماری میں رکھ رہی تھی۔ مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر اس نے پوچھا۔ ''کیا ہوا؟ جاگ گئے؟''

میں سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''سویا ہی کب تھا؟''

''تو پھر اتنی دیر سے آنکھیں بند کیے چپ چاپ کیوں بیٹھے تھے؟ کہیں تم...؟'' وہ مجھے گھورتے ہوئے قریب آ کر بولی۔ ''تم خیال خوانی تو نہیں کر رہے تھے؟''

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''ارے نہیں بابا... تم نے منع کیا ہے۔ ہرگز نہیں کروں گا۔ ویسے بھی اس ناچیز میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ وہ میڈم سونیا کے حکم کی خلاف ورزی کر سکے۔''

وہ مسکراتی ہوئی ذرا جھک کر میری گردن میں بانہیں ڈالتے ہوئے بولی۔ ''آئی لو یو فرہاد...!''

میں نے ہائے کے انداز میں گہری سانس لے کر ایک ذرا شوخی سے پوچھا۔ ''تمہیں انگریزی کے یہ الفاظ یاد ہیں؟ میں تو سمجھا تھا' بھول چکی ہو۔''

وہ میرے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔ ''مجھے سب کچھ یاد ہے مسٹر فرہاد.....!''

''اچھا... کیا یہ بھی یاد ہے کہ رومانس کیسے کیا جاتا ہے اور محبوب قریب ہو تو اس کی قربت سے کیسے محظوظ ہوا جاتا ہے؟''

وہ سیدھی ہو کر پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ ''لگتا ہے' تمہارا بخار اترنے کے بجائے دماغ پر چڑھ گیا ہے۔''

''ہائے سونیا بیگم! اس دماغ پر تو برسوں پہلے تمہارا بخار چڑھا تھا' جو کبھی اترنا تو دور کی بات ہے' کچھ عرصے کے لیے کم بھی نہ ہو سکا۔''

وہ مسکرا کر بولی۔ ''کچھ بیماریاں دائمی ہوتی ہیں۔ عمر کے ہر دور میں ساتھ لگی رہتی ہیں۔ پیچھا نہیں چھوڑتیں۔''

میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ ''ہوں۔ اعلیٰ حضرت نے میری آخری سانس تک تمہیں میرے پاس رہنے کے لیے ہی یہاں بھیجا ہے تاکہ یہ خوبصورت بیماری دم کے ساتھ لگی رہے۔''

میری بات سن کر اس کا چہرہ ایک ذرا مرجھا سا گیا۔ ہمارے درمیان تھوڑی دیر تک خاموشی چھائی رہی پھر میں اسے دیکھ کر مسکرانے لگا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں نے کہا۔

''میں اپنی زندگی سے بات تو کرلوں
سہارا دو ذرا عمرِ رواں کو.....''

میں نے ذرا ٹھہر کر کہا۔ ''اس مکان میں آنے کے بعد ماضی کے کئی جھروکے کھلتے چلے جا رہے ہیں۔ جانتی ہو' اس وقت مجھے کیا یاد آ رہا ہے؟''

اس نے پوچھا۔ ''کیا یاد آ رہا ہے؟''

''کچا گوشت کھانے والی مادام سونیا....''

میں قہقہہ مار کر ہنسنے لگا۔ وہ منہ بنا کر مسکراتے ہوئے بولی۔ ''تو یہ ہے۔ ماضی کی اچھی اچھی باتیں یاد کی جاتی ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی یاد کرنے والی بات تھی؟''

یہ اُن دنوں کی بات تھی' جب سونیا اپنے آقا ماسٹر یوشے جیسے شیطان کے لیے کام کرتی تھی۔ چونکہ ماسٹر یوشے میرا بدترین مخالف تھا۔ اسی لیے سونیا بھی مجھے دشمن سمجھتی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ میری طرف مائل ہوتی چلی گئی تھی۔

اس وقت وہ جزیرہ ہوائی کی زبان بولتی تھی۔ نہ تو اردو سمجھ سکتی تھی' نہ بول سکتی تھی۔ انگریزی زبان بھی صرف سمجھنے کی حد تک جانتی تھی۔ کبھی کبھی کوشش کر کے مختصر سے الفاظ بول لیتی تھی۔ یوں اپنے دل کی بات مجھ تک پہنچاتی رہتی تھی۔ ویسے عورتیں اپنے جذبات کا اظہار زبان سے نہیں' آنکھوں سے کرتی ہیں اور میں آنکھوں کی بولی خوب سمجھتا تھا۔ وہ سونیا ہی تھی' جس نے پہلی بار مجھے ''لیڈی کلر'' کا خطاب دیا تھا۔

میں ان دنوں ماسٹر یوشے کا قیدی بنا ہوا تھا۔ دوسری طرف سونیا سے دوستی بڑھ رہی تھی۔ ایک روز میں ماسٹر یوشے کے کمرے میں آیا تو وہاں مادام سونیا ایک صوفے پر بیٹھی اپنی عادت کے مطابق کچا گوشت کھا رہی تھی۔ اس کے سامنے ایک بڑے سے برتن میں دودھ رکھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ جھینپ سی گئی۔ باقی گوشت اور ہڈیاں سمیٹ کر واش روم میں چلی گئی۔

مجھے یہ سب دیکھ کر کراہیت سی محسوس ہوئی تھی۔ میں نے سوچا۔ ''یہ کم بخت جوان ہے' جاذبِ نظر ہے مگر اس کی خوراک بتا رہی ہے' اس کے منہ سے بساند آتی ہوگی۔ مجھ سے بے تکلفی بڑھے گی اور یہ میری زبان سمجھنے لگے گی تو میں اسے سونف اور الائچی کھانے کا مشورہ دوں گا۔''

میں جیسے عمرِ رواں کو آواز دے رہا تھا۔ سونیا نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''لگتا ہے' مادام سونیا کو یاد کرتے کرتے ماضی میں پہنچ گئے ہو۔ جبکہ میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔''

میں نے خیالوں سے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر مسکرا کر کہا۔ ''بے شک۔ ہو لیکن جیسا ہمارا کل ہوتا ہے' ویسا آج نہیں ہوتا اور جیسا آج ہے' ویسا کل نہیں ہوگا۔''

اس نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ ''ہاں۔ یہ تو ہوتا ہی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ انسان کی شخصیت' اس کی فطرت ...ں سب کچھ بدلتا رہتا ہے۔ تم نے مجھے بدل کر رکھ دیا۔ ...ں جیسا مزاج رکھنے والی کو انسانیت کا ایسا سبق پڑھایا ...پن سے لے کر جوانی تک پڑھائے جانے والے تمام ...بھول گئی۔ تم سے متاثر ہو کر دوستی اور محبت کو سمجھنے لگی۔''

وہ ذرا چپ ہوئی پھر گہری سانس لے کر بولی۔ ''مگر ...ے جیسے بھنورے کو مٹھی میں بند کرنا بہت مشکل تھا۔''

میں نے کہا۔ ''ایسی تو کوئی بات نہیں تھی۔ یاد کرو' میں ...ے قریب آنے کے بعد فریال جیسی وفادار اور حسین ...بھول گیا تھا۔''

''یہی تو تمہاری فطرت تھی۔ کلی کلی منڈلاتے پھرتے ...وقت بے وقت جذبات کی جو آندھیاں چلتی تھیں' وہ ...ایک سے دوسری اور دوسری سے تیسری کے پاس اڑا ...لے جاتی تھیں۔ تم فریال کے بعد میرے پاس آئے اور ...بعد بھی نہ جانے کہاں کہاں بھٹکتے رہے؟''

''بے شک۔ میں دس جگہ بھٹکتا پھرتا تھا' مگر پلٹ کر ...رے ہی پاس آتا تھا۔''

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مجھے دیکھنے لگی۔ مسکرا کر بولی۔ ''ہائے فرہاد علی تیمور.... پہلے محبوب بنے' پھر شوہر بنے ...بنے' پھر دادا اور اب نانا بھی بن گئے۔''

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''یہ تو ہوتا ہی ہے۔ زندگی کے ...ادوار سے گزرتے ہوئے لہو کے رشتوں میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ صرف بیوی کے آنے کی دیر ہوتی ...پھر زندگی کل سے گلِ گلزار ہو جاتی ہے۔''

''مگر تم اپنی زندگی کو گل گلزار نہیں کرنا چاہتے تھے۔ یاد ...جب میں نے پہلی بار پوچھا تھا' کیا ہماری شادی نہیں ہو ...تو تم نے کیا کہا تھا...؟''

میں جیسے بیتے ہوئے لمحوں کو پھر یاد کرنے لگا۔ یہ بھی ...دنوں کی بات تھی' جب آتش جوان تھا۔ میں بھونرا صفت ...مزاج میں آوارگی تھی۔

میں دریا کی طرح بہنے والا تالاب کے پانی کی طرح ...ٹھہر کر ازدواجی زندگی نہیں گزار سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ...نے کبھی شادی خانہ آبادی کے جھمیلے میں اُلجھنا نہیں چاہا۔ مگر عورت اپنے محبوب کو ہی زندگی کا مختارِ کل سمجھنے لگتی ...ہے۔ پہلی بار اپنے پیار کی سوغات دیتی ہے' عمر بھر اسی ...نام سے منسوب ہو جانا چاہتی ہے۔ سونیا کے دل میں بھی ...خواہش مچلتی رہتی تھی۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''کیا ہماری شادی نہیں ہو سکتی؟''

میں نے اسے بازوؤں کے حصار میں لیتے ہوئے کہا۔

''شادی کے معنی ہیں خوشی' اور یہ خوشی ہم سے دور نہیں ہے۔''

''نہیں فرہاد! اگر باقاعدہ کورٹ میرج کر لی جائے تو کیا حرج ہے؟ میں قانونی طور پر تمہاری بیوی بننے کا فخر حاصل کرنا چاہتی ہوں۔''

میں نے کہا۔ ''بیوی بننے کے بعد میرے بچوں کی ماں بننے کا فخر حاصل کرنا چاہو گی پھر نانی اور دادی بننے کا فخر حاصل کرنا چاہو گی اور زندگی مجھے اتنی فرصت نہیں دیتی کہ میں تمہیں دادی اماں کی منزل تک پہنچا دوں۔''

اس کا منہ لٹک گیا۔ اس نے افسردگی سے کہا۔ ''تم ہمیشہ یہی کہہ کر ٹال دیتے ہو۔ کیا کبھی شادی نہیں کرو گے؟''

''تم خود ہی سوچو! میں کس طرح شادی کر سکتا ہوں؟ میری کوئی منزل نہیں ہے' میرا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ میں وقت کی طرح ہر لمحہ بہتا چلا جا رہا ہوں۔ تم دوست بن کر میرے ساتھ ساتھ بہ سکتی ہو لیکن بیوی بن کر بچے پیدا کرنے کے لیے کسی ایک منزل پر ٹھہر نہیں سکتیں۔ کیا یہ چاہو گی کہ میں تمہیں کسی ایک گھر میں بسا کر خود حالات کے دھارے پر بہتا ہوا آگے نکل جاؤں؟''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ ''نہیں۔ میں تمہیں خطرات میں کودنے کے لیے کہیں تنہا نہیں جانے دوں گی۔''

''تو پھر بچوں کو گود میں اٹھا کر میرے ساتھ کیسے چلو گی؟''

میں نے ذرا ٹھہر کر کہا۔ ''میری جان! صرف جذبات کو نہ دیکھو۔ حالات کو بھی دیکھو! نہ جانے سپر ماسٹر جیسے کتنے ہی بدترین دشمن میرے راستے میں آئیں گے؟ میں بیوی بچوں کا قافلہ بنا کر ان کا مقابلہ نہیں کر سکوں گا۔''

ماضی کے جھروکے میں جھانکتے ہوئے میں ایکدم سے کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ سونیا بھی ہنسنے لگی۔ میں نے سر جھٹک کر کہا۔ ''بیوی بچوں کا قافلہ....''

وہ بولی۔ ''تم جس قافلے کو بوجھ سمجھتے تھے۔ دشمنوں سے مقابلے کے دوران انہیں رکاوٹ تصور کرتے تھے۔ آج دیکھو! وہی قافلہ تمہارے دشمنوں کے بارہ بجا رہا ہے۔ سب ہی بچے ہمارے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مخالفین کے لیے ناقابلِ شکست بنے رہتے ہیں۔''

میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ ''بے شک۔ صرف ہمارے بچے نہیں' بچوں کے بچے بھی زبردست ہیں۔ میری پیاری سی پوتی الوشے ایسی غیر معمولی صلاحیتوں کی حامل ہے کہ مجھے ہمیشہ اس پر فخر رہے گا۔ عدنان بھی اپنی ذات میں ماسٹر ہے۔ فرہاد علی تیمور جیسے دادا اور میڈم سونیا جیسی دادی کو اپنے پیچھے ہلکان کرتا رہتا ہے۔''

"اور اب ایک نیا مہمان آیا ہے۔ دیکھتے ہیں، ہماری اکلوتی بیٹی عالی کا بیٹا کیا گل کھلاتا ہے؟"

وہ بول رہی تھی اور میں خلا میں تک رہا تھا۔ اپنے ننھے نواسے کو دیکھ رہا تھا۔ ایک آہ کے ساتھ سوچ رہا تھا۔ "کیا اس نواسے کو گل کھلاتے دیکھ سکوں گا؟"

ایسے ہی وقت عالی میرے دماغ میں آئی۔ میں اس کی آمد سے بے خبر تھا۔ وہ آتے ہی مجھے مخاطب کرنا چاہتی تھی لیکن میری سوچ پڑھ کر اسے چپ سی لگ گئی۔

میں نے گہری سانس لے کر سونیا کو دیکھا پھر کہا۔ "میرے نواسے کی ننھی منی آنکھوں کی چمک بتاتی ہے، وہ یقیناً ٹیلی پیتھی کا علم سیکھے گا اور اپنے نانا جان سے چار ہاتھ آگے جائے گا۔ یوں بھی میرے بعد کسی کو تو فرہاد علی تیمور کی جگہ سنبھالنی ہوگی۔"

وہ مسکرا رہی تھی۔ میری بات سن کر اس کے چہرے کی رونق ماند پڑ گئی۔ ادھر عالی بھی اداس ہو رہی تھی۔ سونیا نے ذرا سنجیدگی سے کہا۔ "اولاد تمغوں کی طرح ہوتی ہے۔ خدا کا شکر ہے، ہمارے سینوں پر سجنے والے سب ہی تمغے ہماری پوری نسل کی غیر معمولی صلاحیتوں کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ ان کی چمک دمک دشمنوں کو اندھا کر دیتی ہے۔ وہ کچھ دیکھنے اور سمجھنے کے قابل نہیں رہتے۔"

"بے شک۔ ہمیں اپنی اولاد پر فخر ہے۔"

ایسے وقت عالی نے کہا۔ "آئندہ آپ اپنے نواسے پر بھی فخر کریں گے۔"

میں نے چونک کر کہا۔ "ارے عالی! تم کب آئیں؟"

وہ بولی۔ "بس ابھی آئی ہوں اور آتے ہی میں نے آپ کو کچھ سوچتے اور مایوس ہوتے دیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے، ہماری عمر بھی آپ کو لگ جائے۔ آپ اپنے نواسے کی جوانی اور غیر معمولی صلاحیتیں دیکھ کر فخر کرتے رہیں۔"

میں نے کہا۔ "اب میرے نواسے کی خبر دو۔ وہ کیسا ہے اور ابھی کیا کر رہا ہے؟"

وہ ایک ذرا ناراضی سے بولی۔ "یہ کیا پاپا! میں اتنی محبت سے آپ کے پاس آئی اور آپ کو نواسے کی فکر ہے۔ مجھ سے نہیں پوچھیں گے کہ میں کیسی ہوں؟ کیا کر رہی ہوں؟"

میں نے سونیا کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "ہماری بیٹی یوں تو بڑی ہو گئی ہے مگر اندر سے بچی کی بچی ہی ہے۔ اس کے بیٹے کو پوچھ رہا ہوں تو شکایت کر رہی ہے کہ مجھے بس اسی کی فکر رہتی ہے۔"

سونیا مسکرانے لگی۔ عالی نے بچوں کی طرح شکایتاً کہا۔

"اور نہیں تو کیا، جب سے وہ آیا ہے، تب سے بیٹی کی اہمیت کم اور نواسے کی زیادہ ہو گئی ہے۔"

"ارے نہیں میری جان! میں اپنے نواسے میں اپنی ہی بیٹی کا عکس دیکھتا ہوں۔"

سونیا مسکرا کر میری باتیں سن رہی تھی۔ اسے میری باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ باپ بیٹی میں کیا جھگڑا ہو رہا ہے؟ میں نے عالی سے پوچھا۔ "ویسے وہ ہے کہاں؟ میں تمہارے ذریعے اسے دیکھ سکوں گا۔ سن سکوں گا۔"

وہ بولی۔ "تو پھر مجھے سنتے رہیں، یہی سمجھیں کہ اپنے نواسے کو سن رہے ہیں۔ میں اُس کا عکس ہوں ناں...؟"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کیوں بوڑھے باپ کو ستا رہی ہو۔ بتاؤ تو سہی، وہ کہاں ہے؟ کیا سو رہا ہے؟ اس کی آواز تو سنا دو۔"

وہ جیسے ضدی بن کر بولی۔ "نہیں بتاؤں گی، نہیں سناؤں گی۔"

میں نے سونیا سے شکایت کی۔ "یہ تمہاری بیٹی مجھے میرے نواسے کے لیے تڑپا رہی ہے۔"

سونیا نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "کیوں انہیں تنگ کر رہی ہو؟ بیٹے کو گود میں لوگی تو تمہارے پاپا اسے دیکھ سکیں گے۔"

وہ اس کے اندر آ کر بولی۔ "میں یہاں نانا اور نواسے کا ملن کروانے نہیں، اپنے پاپا سے باتیں کرنے آئی ہوں۔"

میں نے سونیا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرے دماغ میں گدگدی نہیں ہو رہی ہے۔ کیا وہ ضدی بچی ماں کے پاس پہنچ گئی ہے؟"

سونیا نے کہا۔ "وہ نانا اور نواسے کا ملن نہیں کروائے گی۔ کہہ رہی ہے، دیکھتی ہوں، بیٹی کو نظر انداز کر کے آپ کیسے اپنے نواسے تک پہنچیں گے؟"

"یہ تو چیلنج ہو گیا۔ مشکل تو یہ ہے کہ میں اس کے ننھے سے دماغ میں نہیں جا سکتا۔ یقیناً وہ ایمان علی کے پاس ہوگا۔ میں اس کے پاس جاؤں گا تو....."

عالی نے میرے اندر آ کر کہا۔ "ایمان علی سو رہے ہیں۔ بے شک۔ وہاں جا کر تسلی کر لیں۔"

وہ جیسے میری بے بسی سے محظوظ ہو رہی تھی۔ میں نے سونیا کو دیکھا۔ وہ کسی سوچ میں گم تھی۔ پھر زیر لب مسکراتے ہوئے میری طرف متوجہ ہو کر بولی۔ "باپ کو بیٹی کا چیلنج قبول کرنا چاہیے۔ یہ ثابت کرنا چاہیے کہ فرہاد علی تیمور ٹیلی پیتھی کا شہنشاہ ہے اور خیال خوانی کی دنیا میں کسی بھی دماغ کا دروازہ



لیے بند نہیں ہو سکتا۔ ابھی یہ ثابت کر دو کہ تمہیں اپنے نواسے تک پہنچنے کے لیے سہاروں کی ضرورت نہیں ہے۔"

میں نے جواباً کچھ کہنا چاہا۔ مجھ سے پہلے عالی نے کہا۔ "پاپ اس چیلنج کے لیے پہلے ہی ہار مان چکے ہیں۔ اُس کے دماغ تک نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ وہ ابھی حروف اور فقروں کو نہیں سمجھتا۔ جب سمجھے گا، تب اپنی سوچ کو الفاظ اور فقروں کا لباس پہنائے گا۔ اس کے بعد ہی ہم اس کی سوچ پڑھ سکیں گے....."

اس نے ذرا ٹھہر کر پوچھا۔ "کیوں پاپا! یہی کہا تھا ناں آپ نے....؟"

میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ "ہاں۔ اور یہی حقیقت ہے۔ میں اس نومولود کے دماغ تک نہیں پہنچ سکتا۔"

سونیا نے کہا۔ "پہنچ سکتے ہو..."

میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس کے اس مختصر فقرے میں بڑا اعتماد تھا۔ وہ بولی۔ "پیرس جاتے ہوئے لبریا نے چیلنج کیا تھا، تب مجھے یاد نہیں تھا مگر اب جبکہ ماضی میں جانے کا موقع مل رہا ہے تو بہت کچھ یاد آ رہا ہے۔"

میں نے پہلو بدل کر پوچھا۔ "میرے نواسے کے حوالے سے کیا یاد آ رہا ہے؟"

"تمہیں وہ بچہ یاد ہے، جس کی پیدائش کے فوراً بعد اس کی ماں چل بسی تھی اور میں نے اسے ماں بن کر اپنے سینے سے لگا لیا تھا؟"

میں یاد کرنے کے انداز میں سوچنے لگا۔ وہ بولی۔ "ہم نے اس کا نام فرمان رکھا تھا اور پیار سے تومی کہتے تھے۔"

میں تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر چونک کر بولا۔ "ہاں۔ یاد آ گیا... فرمان... جب وہ محض چوبیس گھنٹوں کا نومولود تھا، تب ہم اسے ایک جاپانی آیا کے پاس چھوڑ کر ٹوکیو کی طرف روانہ ہوئے تھے۔"

میں نے ذرا ٹھہر کر کہا۔ "ایسے وقت تمہاری ممتا اس کے لیے تڑپ رہی تھی۔ رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ چونکہ اُس آیا سمیت وہاں سب ہی جاپانی زبان بولتے تھے۔ میں یہ زبان نہیں جانتا تھا۔ کسی کے لب و لہجے کو گرفت میں لے کر اس کے اندر پہنچ نہیں سکتا تھا۔ تب... ہاں تب میں خیال خوانی کے ذریعے اس ننھے سے دماغ میں پہنچا تھا....."

میں اپنی پیشانی کو سہلاتے ہوئے بولا۔ "کمال ہے۔ یہ بات پہلے میرے ذہن میں کیوں نہ آئی؟ میں نے اس بچے کے رونے کی آواز کو گرفت میں لے کر خیال خوانی کی پرواز کی تھی اور یہ معلوم کیا تھا کہ وہ بڑے آرام سے اُس آیا کی گود میں ممتا کی حرارت سے محظوظ ہو رہا ہے۔"

تب ٹیلی پیتھی کے ذریعے ایک نئے تجربے کا اضافہ ہوا تھا۔ رونے کی آواز بچوں کی ہو یا بڑوں کی، اس میں ایک درد ہوتا ہے۔ کوئی جذبہ یا ضرورت رُلاتی ہے۔ خواہ وہ ضرورت بچے کو دودھ کے لیے ہو یا ممتا کو بچے کے لیے ہو۔ وہ جذبہ ایک نوزائیدہ بچے کے خالی دماغ میں گونجتا ہے اور خیال خوانی کرنے والے کو سمجھاتا ہے کہ وہ کہاں پہنچا ہوا ہے؟

عالی ہماری باتیں سن رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "بے شک۔ پاپا! آپ باکمال ہیں لیکن آپ کا نواسہ ابھی رو نہیں رہا ہے، سو رہا ہے۔ جب روئے گا، تب ہی اس کے دماغ میں پہنچ سکیں گے۔"

میں نے کہا۔ "وہ پیدائش کے پہلے لمحے سے اپنے نانا کی جان کے ساتھ لگا رہا ہے۔ بے شک۔ ان لمحات میں میرے پاس نہیں ہے۔ جہاں ہے، وہاں خاموشی سے سو رہا ہے مگر اس کے رونے کی آواز میرے اندر گونجتی رہتی ہے۔ میں اس آواز کو بھول نہیں سکتا۔ اسے گرفت میں لے کر خیال خوانی کی پرواز کروں گا اور ابھی تمہارے چیلنج کا جواب دوں گا۔"

وہ بے یقینی سے بولی۔ "یہ حیرت انگیز بات ہوگی۔"

میں اس تجربے سے گزر چکا تھا۔ ماضی میں جب اس نومولود فرمان کے دماغ میں پہنچا تھا، تب وہ آیا کی گود میں خاموش تھا۔ اس کے باوجود میں اس کے اندر پہنچ گیا تھا اور اب اپنے نواسے کے دماغ میں پہنچنے والا تھا۔

عالی نے کہا۔ "پھر تو میں بھی یہ تجربہ کروں گی۔ ابھی اپنے طور پر اس کے اندر پہنچنے کی کوشش کرتی ہوں۔"

وہ میرے دماغ سے چلی گئی۔ سونیا مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے کہا۔ "وہ بھی گئی ہے۔ میں بھی جا رہا ہوں۔ ابھی اپنے نواسے کے دماغ میں جھانک کر اس کی خیریت معلوم کرتا ہوں۔"

میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر اس کے رونے کی آواز کو یاد کرنے لگا۔ برسوں پہلے اس تجربے سے گزرا تھا۔ کامیابی کا یقین تھا۔ پھر بھی ایک ذرا تجسس تھا کہ اس ننھے دماغ تک پہنچ بھی پاؤں گا یا نہیں...؟

میں نے اس کے رونے کی آواز کو یاد کرتے کرتے خیال خوانی کی چھلانگ لگائی اور بنا کسی رکاوٹ کے اس کے ننھے سے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہاں کسی سوچ، کسی خیال کی کوئی لہر محسوس نہیں ہو رہی تھی اور ہوتی بھی کیسے...؟ وہ معصوم دماغ ابھی شعوری طور پر نابلد تھا۔ کسی بھی چیز کو دیکھ سکتا تھا،

کسی بھی آواز کو سن سکتا تھا۔ مگر سمجھ نہیں سکتا تھا۔

اگر وہ جاگ رہا ہوتا تو میں اس کے ذریعے آس پاس کے ماحول کو بھی دیکھ سکتا تھا مگر ابھی وہ محوِ خواب تھا اور اس کے خوابیدہ دماغ میں ایک نور سا پھیلا ہوا تھا۔ ٹھنڈی چاندنی جیسا اُجلا اور شفاف نُور.....

مجھے اپنے نواسے تک رسائی حاصل کر کے بہت خوشی ہو رہی تھی۔ میں اسے جگانا نہیں چاہتا تھا۔ میری سوچ کی لہریں اس کے خوابیدہ دماغ کو بڑی ہی شفقت سے تھپک رہی تھیں' سہلا رہی تھیں۔

میں نہیں جانتا تھا کہ عالی وہاں موجود ہے یا نہیں؟ یقیناً اس نے بھی خیال خوانی کی کامیاب پرواز کی ہوگی اور ان لمحات میں وہاں پہنچی ہوگی مگر ہم ایک دوسرے کو مخاطب نہیں کر سکتے تھے۔ اگر ہم بولتے تو ہماری سوچ کی لہریں اس ننھے سے دماغ کو متاثر کرتیں۔ جو کہ اس معصوم کے لیے نقصان دہ بھی ثابت ہوسکتی تھیں۔

اس لیے میں خاموش تھا اور یقیناً عالی بھی اس بات کو سمجھتی تھی۔ لہٰذا ہم دونوں ہی بڑی رازداری سے اس کے دماغ میں گھسے ہوئے تھے۔

مگر ایسی رازداری اور خاموشی کے باوجود وہ جاگ گیا۔ ہم اس کی سوچ کو نہیں پڑھ سکتے تھے۔ اس لیے اس کی ضرورت کو بھی سمجھ نہیں سکتے تھے۔ یہ خیال تھا کہ اس کی نیند پوری ہو چکی ہے اور اب وہ دودھ کے لیے روئے گا۔

لیکن یہ کیا.....؟

اس کے جاگنے کے چند لمحوں بعد ہی میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا اور میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہوگیا۔ سونیا میرے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے پوچھا۔ ''کیا بات ہے؟ تم بیٹھے بیٹھے چونک کیوں گئے ہو؟''

بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ میں کچھ الجھا ہوا تھا۔ اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے زیرِلب بولا۔ ''یاحیرت...''

اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔ ''کس بات پر حیران ہو؟''

میں نے اسے دیکھا پھر کہا۔ ''ذرا ایک منٹ رکو۔ میں ابھی آتا ہوں۔''

میں نے ایک بار پھر خیال خوانی کی چھلانگ لگائی۔ اپنے نواسے کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ وہ جاگا ہوا تھا۔ میں چند لمحوں تک ہی وہاں رہ سکا پھر ایک جھٹکے سے اس کے دماغ سے نکل کر اپنی جگہ حاضر ہوگیا۔ شدید حیرانی اور بے یقینی سے سونیا کو دیکھنے لگا۔

اس نے پوچھا۔ ''آخر کیا ہو رہا ہے؟ تم نواسے کے پاس جانے والے تھے۔ یہ بار بار چونک کیوں رہے ہو؟''

''میں حیران ہو رہا ہوں۔ وہ... وہ محض چند دنوں کا بچہ ہے۔ بلکہ نومولود کہا جائے تو بہتر ہوگا اور وہ....''

میں بولتے بولتے ذرا رکا۔ عالی نے آکر مجھے مخاطب کیا تھا۔ سونیا نے بے چین ہو کر پوچھا۔ ''اور وہ کیا.... بات تو پوری کرو۔''

ادھر عالی نے مجھ سے پوچھا۔ ''پاپا! یہ کیا ہو رہا ہے؟ میں نے ابھی خیال خوانی کی کامیاب پرواز کی تھی۔ اس کے ننھے سے دماغ میں پہنچی تھی۔ مگر.... چند لمحوں بعد ہی باہر آگئی اور ایسا ایک بار نہیں دو بار ہوا ہے اور ابھی آپ کے پاس آکر معلوم ہو رہا ہے کہ آپ بھی ایسی صورتِ حال سے دوچار ہو رہے ہیں۔ دوبار وہاں جا کر واپس آئے ہیں۔''

میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ ''ہاں۔ میں حیران ہوں۔ کیونکہ وہاں سے خود واپس نہیں آیا۔ مجھے سانس روک کر بھگایا گیا ہے۔''

اس نے میری تائید میں کہا۔ ''مجھے بھی ایسا ہی محسوس ہوا ہے۔''

سونیا نے میری بات سن کر پوچھا۔ ''کیا تم ہمارے نواسے کی بات کر رہے ہو؟''

میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہاں۔ سونیا! یہ بہت ہی حیرت انگیز اور ناقابلِ یقین بات سامنے آئی ہے۔ جب میں اس کے اندر پہنچا تو وہ سو رہا تھا پھر چند لمحوں بعد ہی جاگ گیا۔''

میں نے ذرا توقف سے کہا۔ ''اگر وہ صرف مجھے اپنے اندر محسوس کرتا' تب بھی حیرانی کی بات تھی لیکن میں دُہری حیرانی سے دوچار ہو رہا ہوں۔ اس نے نہ صرف مجھے محسوس کیا' بلکہ سانس روک کر اپنے دماغ کا دروازہ بھی بند کر دیا اور میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہوگیا۔''

وہ بے یقینی سے میری باتیں سن رہی تھی۔ میں نے کہا۔ ''ایسا ایک بار نہیں دو بار ہوا ہے اور صرف میں ہی نہیں' عالی بھی اس حیرت انگیز تجربے سے گزری ہے۔''

اس نے سونیا کے دماغ میں پہنچ کر کہا۔ ''یس مما! اس نے سانس روک کر مجھے بھی اپنے دماغ سے نکال دیا ہے۔''

وہ بولی۔ ''بڑی عجیب بات ہے۔ ایسا تو یوگا جاننے والے ہی کر سکتے ہیں۔ تم دوبارہ کوشش کرو۔ ممکن ہے تمہیں کوئی دھوکا ہو رہا ہو۔''

''شبہے کی کوئی گنجائش نہیں ہے مما! میں نے اور پاپا نے واضح طور پر محسوس کیا ہے۔ اس نے باقاعدہ سانس روک کر ہمیں بھگایا ہے۔''

سونیا نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں ابھی تک حیرت میں ڈوبا ہوا تھا۔ نوا سے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میری فیملی میں غیر معمولی صلاحیتیں رکھنے والے افراد کی کمی نہیں تھی۔ سب سے پہلے تو میں اور سونیا تھے۔ میں ٹیلی پیتھی جانتا تھا اور اس میں بڑی حد تک غیر معمولی مہارت رکھتا تھا۔

پھر جب سونیا میری زندگی میں آئی تو وہ کوئی عام دوشیزہ نہیں تھی۔ بو سونگھ لینے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتی تھی۔ میلوں دور رہنے والے شخص کی بو سونگھ کر سمت کا تعین کر سکتی تھی۔ دراصل ایک ماسٹر سائمن نامی شیطان صفت شخص نے اس پر مختلف تجربات کیے تھے اور ان تجربات کے ذریعے سونیا کے اندر جانوروں جیسی خصوصیات پیدا کی تھیں۔

یہی وجہ تھی کہ جب وہ میری زندگی میں آئی' تب انسانی فطرت کے خلاف کچا گوشت کھاتی تھی۔ اسے جسمانی لحاظ سے اس طرح جانوروں کے مشابہ بنایا گیا کہ اس کے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں فولادی ناخن لگائے گئے تھے۔

وہ فولادی ناخن اس حد تک خطرناک تھے کہ جب پہلی بار میں اور سونیا دشمن کی حیثیت سے ایک دوسرے کے مقابلے پر آئے تو حملہ کرنے کے دوران اس کے ناخنوں نے دیوار کا پلاستر تک اکھاڑ ڈالا تھا۔ ایک صوفے کی دھجیاں اڑا دی تھیں اور میرے ایک شانے کا گوشت نوچ ڈالا تھا۔

پھر ہم دوست بنے اور مجھے اس کے قریب آنے کا موقع ملا' تب معلوم ہوا کہ اس کی انگلیوں پر پلاسٹک کا خول چڑھا کر ان فولادی ناخنوں کو بڑی خوبصورتی سے ایڈجسٹ کیا گیا ہے۔ ایک خاص میکنزم کے تحت وہ انگلیاں مڑتی تھیں اور کھلتی تھیں پھر ان میں سے وہ فولادی ناخن باہر نکل آتے تھے۔

بعد ازاں ماسٹر یونشے اور ماسٹر سائمن جیسے شیطانوں سے نجات حاصل کرنے کے بعد میں نے سونیا کے دماغ سے جانوروں جیسی فطرت کو یکسر مٹا ڈالا تھا۔ لیکن بو سونگھ لینے والی حس آج بھی اس کی شخصیت کا خاصہ ہے' جو اسے غیر معمولی بناتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی وہ ایسی زبردست ہے کہ سب ہی دشمن اس سے پناہ مانگتے ہیں۔

اس کے بعد رسونتی نامی ایک ہندو دوشیزہ میری زندگی میں آئی۔ وہ بچپن ہی سے مندر میں جا کر آتما گیان کی تعلیم حاصل کرتی رہی تھی۔ اسے سمجھایا گیا تھا کہ وہ نادیدہ دیوتاؤں کی داسی ہے۔ اس کے جسم کو کوئی شخص ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ وہ کبھی شادی نہیں کرے گی۔ ہمیشہ گنگا جل کی طرح پاک رہے گی۔

وہ دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہمیشہ دھیان گیان میں مصروف رہتی تھی۔ سانس روک کر یوگا کی زبردست مشقیں کرتی تھی اور مندر کے دیے کی لو پر نظریں جما کر سوچ کی اڑان کا درس یعنی ٹیلی پیتھی بھی حاصل کرتی رہی تھی۔

میں نے کبھی کسی عورت سے ہار نہیں مانی۔ اول تو صنفِ نازک کے مقابل آنے سے کتراتا ہوں۔ یہی سوچ ہوتی ہے کہ ایک عورت سے کیا زور آزمائی کروں گا؟ لیکن پہلے سونیا سے زبردست ٹکراؤ ہوا تھا۔ اس ٹکراؤ نے سمجھایا کہ بے شک وہ عورت ہے مگر نازک نہیں ہے۔ شہ زوروں کو چاروں شانے چت کر دینے کی صلاحیت اور قوت رکھتی ہے۔ اسے آسانی سے قابو میں نہیں کیا جا سکتا۔

اس پر غالب آنا مشکل تھا مگر جب مرد کی خودداری اور انا پر بن آتی ہے تو وہ غیر معمولی عورت کو ایک ہی جھٹکے میں پچھاڑ کر معمولی بنا دیتا ہے۔ میں نے بھی یہی کیا تھا اور تب سے سونیا کے لیے لیڈی کلر بن گیا تھا۔

مگر رسونتی ایسی تھی' جس نے میرے مقابل آئے بغیر مجھے چاروں شانے چت کر دیا تھا۔ دراصل اس نے انجانے میں خیال خوانی کے ذریعے حملہ کیا تھا۔ مجھے اپنا معمول اور تابعدار بنا لیا تھا۔ مجھ سے پہلے سونیا اس کی قید میں تھی۔ وہ حبسِ دم کی ماہرہ رسونتی' سونیا کے ذریعے ہی مجھ تک پہنچی تھی۔ ایسی غیر معمولی خیال خوانی کرتی تھی کہ یوگا جاننے والوں کے دماغ میں بھی گھس جاتی تھی۔

وہ کب میرے اندر پہنچی' مجھے معلوم نہ ہو سکا۔ تب میں نے دماغ کی اسکرین پر دیکھا کہ میرا جسم ہلکا پھلکا ہو کر فضا میں غبارے کی طرح ڈول رہا ہے۔ قدموں تلے زمین نہیں تھی۔ سر پر آسمان نہ تھا۔ ان لمحات میں جہاں میں پہنچا ہوا تھا' وہاں کوئی نہیں تھا۔ البتہ بہت سی عورتوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ ہم آواز ہو کر کوئی انجانا گیت گا رہی تھیں۔

میرے ساتھ کیا ہو رہا تھا' میں نہیں جانتا تھا۔ یہ بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس وقت کہاں ہوں اور کہاں سے کہاں پہنچ رہا ہوں؟

چند لمحوں بعد دیکھا' میں دماغ کی دھندلی کائنات میں بھٹکتا ہوا ایک بلند و بالا معبد کے آہنی پھاٹک کے سامنے پہنچ گیا۔ اس کے اونچے اور مضبوط پٹ خود بخود کھلتے چلے جا رہے تھے۔ تب مجھے مندر کی گھنٹیاں سنائی دیں۔ اتنی دیر فضا میں بھٹکنے اور ڈولنے کے بعد میرے قدم مندر کی دہلیز پر پہنچ گئے۔

وہاں کی داسیاں غسل کے لیے مجھے ایک حوض کے پاس لے آئیں۔ میں حیرانی اور پریشانی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ کسی حد تک یہ بات سمجھ میں آنے لگی تھی کہ میرے ساتھ جو ہو رہا ہے' وہ خواب نہیں ہے۔ ایسی حقیقت ہے' جسے فی الحال [illegible] نہیں پا رہا ہوں۔

ہر حال مجھے نہلا دھلا کر ایک خواب گاہ میں پہنچا دیا [illegible] وہاں ایک خوبصورت پلنگ پر بٹھایا گیا۔ ایسے وقت [illegible] رس بھری آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "آرام [illegible] لیٹ جاؤ۔ میں آ رہی ہوں۔"

[illegible] کسی معمول اور تابعدار کی طرح اس کی ہدایت کے مطابق [illegible] تب یہ بات سمجھ میں آئی کہ میں اپنے اختیار میں نہیں [illegible] میرا دماغ اس رسیلی آواز کے زیرِ اثر ہے۔ وہ جو کہہ رہی ہے' [illegible] کرتا جا رہا ہوں۔ اس نے جیسے مجھے ہپناٹائز کیا ہوا تھا۔

[illegible] تھوڑی دیر بعد وہ مجھ پر تنویمی عمل کرنے لگی۔ میرے [illegible] ہدایت دینے لگی کہ میں جاگنے کے بعد کسی سے دماغی [illegible] روحانی رابطہ قائم نہ کروں اور رسونتی کو اس کی آواز اور لب [illegible] سے نہ پہچانوں۔

[illegible] جب بیدار ہوا اور اس نے آ کر مجھے مخاطب کیا تو میں [illegible] فوراً ہی اسے پہچان لیا۔ تب وہ حیران رہ گئی۔ میں نے [illegible] "آخر تم مجھے اپنا معمول اور تابعدار کیوں بنانا چاہتی ہو؟"

وہ بولی۔ "میں تمہیں راہِ راست پر لانا چاہتی ہوں۔"

"کیوں...؟ کیا میں راہِ راست پر نہیں ہوں؟ بگڑا ہوا [illegible] لگتا ہوں؟"

"ہاں۔ کیونکہ تم ایک سے زیادہ محبوبائیں رکھتے ہو۔ یہ [illegible] ہے۔ انسان کو یا تو برہمچاری (سدا کنوارا) رہنا [illegible] یا پھر ایک دھرم پتنی کے ساتھ جیون گزارنا چاہیے۔"

ان دنوں میں سونیا کے علاوہ ایک پرتگالی حسینہ رومانہ [illegible] جاپانی گڑیا ے یُون کی زلفوں کا بھی اسیر بنا ہوا [illegible] یہ کہا جائے کہ وہ تینوں میرے پیچھے تھیں تو درست [illegible] میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہمارے مذہب میں چار [illegible] کی اجازت ہے۔ میری زندگی میں تین آ چکی ہیں۔ [illegible] کی گنجائش ہے۔ تم آنا چاہو گی؟"

اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "تم کبھی سپنوں میں بھی [illegible] سکو گے۔ میں دیوتاؤں کی امانت ہوں۔ مجھے عام [illegible] میں شمار نہ کرنا۔ میں اپنی توہین برداشت نہیں کروں گی۔"

"[illegible] اچھی بات ہے کہ تم دیوتاؤں کی امانت ہو۔ اگ[illegible] کہتے ہیں۔ زندگی کے کسی موڑ پر دیوتا کی حیثیت [illegible] امانت ضرور واپس لوں گا۔"

میں اس کے مزاج کے خلاف بول رہا تھا اور اس کا نتیجہ [illegible] روز میرے سامنے آ گیا۔ اس نے مجھے اپنی [illegible] میں بلایا۔ میں اسی خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ جس [illegible] دوسری حسینائیں مجھ پر مرتی ہیں۔ اسی طرح آخر کو وہ بھی میری شخصیت سے مرعوب ہو گئی ہے۔ دین دھرم کی باتیں بھول کر مجھے بلا رہی ہے۔

مگر چند لمحوں بعد ہی میری خوش فہمی کو زبردست جھٹکا لگا۔ میں بے اختیار چلا اٹھا۔ فرش پر گر کر چیخنے اور تڑپنے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا' جیسے کسی نے ہتھوڑا دے مارا ہو۔ کوئی بہت ہی سخت اور بھاری بھرکم ہتھیار تھا۔ سر کے پچھلے حصے کی طرف ہاتھ لگانے سے چپچپاہٹ سی محسوس ہو رہی تھی۔ یقیناً لہو بہنے لگا تھا۔

میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ سر پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ اس پر وہ میرے دماغ کے اندر بیٹھ کر آہنی سوچ کی ضربیں لگانے لگی۔ مجھے سنبھلنے کا موقع نہیں دے رہی تھی۔

جیسے میرا آخری وقت آ گیا تھا۔ فرہاد علی تیمور کی شخصیت اس کی دماغی صلاحیتوں سے قائم ہے اور وہ میرے دماغ کی دھجیاں اڑا رہی تھی۔ اگر میری کھوپڑی صحت مند ہوتی تو شاید میں وہ حملے برداشت کر لیتا لیکن زخم پر بار بار زخم لگائے جائیں تو فولادی حوصلے والے بھی ہمت ہار جاتے ہیں۔ میں اپنا دماغ ہار گیا۔

یا پھر شاید زندگی ہار گیا تھا۔ گہری اور طویل تاریکی میرا مقدر بن گئی تھی۔ پتا نہیں' میں کب تک دنیا والوں کے لیے مردہ بنا رہا؟ پھر خوابوں میں زندہ رہنے لگا۔ یہ بڑی عجیب سی بات تھی لیکن میرے ساتھ ایسا ہی ہو رہا تھا۔

رسونتی چاہتی تھی' میں سونیا' رومانہ اور ے یُون سے تعلقات ختم کر دوں اور میں نے انکار کر دیا تھا مگر اب یہ تعلقات خود بخود ختم ہو گئے تھے۔ میں ان سے دماغی رابطہ قائم نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ میرا زخم خوردہ دماغ اور میری کمزور سوچیں رسونتی کی مٹھی میں تھیں۔

نہ جانے کتنے دن گزر گئے تھے...... مجھے ذہنی بیداری کا موقع نہیں دیا جا رہا تھا۔ میں نیند میں ڈوبا رہتا تھا اور خواب کے عالم میں جاگتا رہتا تھا۔ ان خوابوں میں صرف رسونتی دکھائی دیتی تھی مگر افسوس وہ محبت کرنے نہیں' مجھ پر حکومت کرنے آئی تھی۔

بے شک وہ حسین تھی، بھرپور جوان تھی لیکن میں ابھی اس کے ظاہری حسن کو بیان نہیں کروں گا۔ کیونکہ باطن میں وہ میرے لیے بہت ہی خطرناک بن چکی تھی۔ میں جو جھکنے کا عادی نہیں تھا' جبراً اپنی صلاحیتوں کے سامنے مجھے جھکا رہی تھی۔ میں اکثر اسے خواب کے دھندلکوں میں دیکھتا تھا۔ وہ دو زانو ہو کر کہیں بیٹھی رہتی تھی۔ آنکھیں بند کر کے سانس روک لیتی تھی۔ اس کے بعد میرے دماغ میں بولنے لگتی تھی۔

وہ مجھے اپنا تابعدار بنائے رکھنے کا سبق پڑھاتی رہتی تھی

میرا ذہن چونکہ اس کا تابع تھا۔ اس لیے میں وہ سبق پڑھتا اور یاد کرتا رہتا تھا۔ پھر ایک روز اس نے مجھ سے پوچھا۔ ”کیا تم جانتے ہو کتنے دنوں سے میری آگیا کا پالن کر رہے ہو؟“

میں نے پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”میں نہیں جانتا۔“

وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ ”آہستہ آہستہ سب کچھ جان لوگے۔ میں پہلے دھوکا کھا گئی تھی۔ یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم غیر معمولی فولادی ارادوں کے مالک ہو۔ ہوش میں آتے ہی میرے تنویمی عمل سے نکل جاؤ گے۔ اگرچہ میرے تابعدار اور فرمانبردار ہو اس کے باوجود جو بات میں تمہیں بھولنے کو کہتی ہوں اسے یاد کر لیتے ہو۔“

میں نے کہا۔ ”اور اتنا کچھ دیکھنے کے باوجود مجھے اپنا غلام بنا کر رکھنا چاہتی ہو؟“

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ”تم نے ثابت کر دیا ہے، تمہیں ذرا بھی ڈھیل دی گئی تو تم میری جان کے دشمن بن جاؤ گے۔“

وہ ذرا دیر چپ رہی پھر بولی۔ ”ویسے میں خود سے دشمنی نہیں کروں گی۔ تمہیں ڈھیل دے کر اپنی جان لینے کا موقع نہیں دوں گی۔“

میں نے کہا۔ ”تو پھر مجھے مار ڈالو۔“

”ماروں گی بھی نہیں۔ تمہیں زندہ رکھنا ہے۔“

”پتا نہیں، تم مجھ سے کیسی دشمنی کر رہی ہو؟“

تم اسے دشمنی سمجھ رہے ہو لیکن میں جانتی ہوں، تمہیں سیدھے راستے پر لانے کے لیے مجھے کیا کرنا ہوگا“

میں نے پوچھا۔ ”آخر تم کرنا کیا چاہتی ہو؟“

”تمہیں ایک اچھا انسان بنا کر زندہ رکھنا چاہتی ہوں۔“

پھر اس نے ذرا توقف سے کہا۔ ”میرے ساتھ آؤ...“

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک طرف جانے لگی۔ میں نے دیکھا کہ میں بھی اس کے پیچھے جا رہا ہوں۔ وہ یقیناً جسمانی سفر نہیں تھا۔ صرف سوچ کا سفر تھا۔ ہم دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے درختوں کے جھنڈ میں پہنچ گئے۔ وہاں پہلوان قسم کے پنڈت بھنگ تیار کر رہے تھے۔ کچھ لوگ ڈنڈ بیٹھک میں معروف تھے۔

ایک درخت کے سائے میں ایک وید راج ہاون دستے میں کوئی دوا تیار کر رہا تھا۔ اس کے سامنے درخت کی چھالیں، جڑی بوٹیاں اور پتے وغیرہ بکھرے ہوئے تھے۔ رسونتی نے مجھے وہاں بیٹھنے کا حکم دیا۔ میں چپ چاپ بیٹھ گیا۔

وید راج نے دوا کا ایک بڑا سا پیالہ اٹھا کر میرے سامنے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”اسے پی جاؤ...“

میں نے وہ پیالہ لیتے ہوئے رسونتی کو دیکھا۔ اس نے پینے کا اشارہ کیا۔ میں گھونٹ گھونٹ پینے لگا۔ دوا بہت ہی کڑوی تھی لیکن میں حکم کا بندہ بنا ہوا تھا۔ اس کے حکم سے زہر بھی پی سکتا تھا۔ لہٰذا اس پیالے کی تمام دوا کو حلق سے اتار لیا۔

رسونتی نے کہا۔ ”اس دوا سے تمہارے سر کا زخم بھر جائے گا۔“

میں نے خوش ہو کر کہا۔ ”یہ تو اچھی بات ہے۔“

وہ بولی۔ ”اس کے اثر سے تمہارا ذہن بھی کند ہو جائے گا۔ تمہاری قوتِ ارادی کمزور پڑ جائے گی۔“

میں نے چونک کر پوچھا۔ ”یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟“

وہ بولی۔ ”خودسر گھوڑے کو لگام دینا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن اسے قابو کرنے کا طریقہ آتا ہو تو ساری مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ تم بھی بہت خودسر تھے لیکن اب تمہارے دماغ کو لگام ڈالی جا چکی ہے۔ آئندہ تم خیال خوانی کے ذریعے خودسری نہیں دکھا پاؤ گے۔“

میں حیران پریشان سا ہو کر کبھی اسے دیکھ رہا تھا اور کبھی ہاتھ میں پکڑے ہوئے دوا کے خالی پیالے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ بولی۔ ”آئندہ تم اس طرح زندہ رہو گے کہ جسمانی طور پر طاقتور کہلاؤ گے مگر دماغی طور پر احمقوں جیسی زندگی گزارو گے۔“

ایسی باتیں سننے کے بعد مجھے اس دوا کو ہاتھ بھی نہیں لگانا چاہیے تھا۔ لیکن میں اپنے اختیار میں نہیں تھا۔ رسونتی جب بھی مجھے وید راج کے پاس لے جاتی، پیالہ میری طرف بڑھا دیا جاتا تو میں کسی حجت کے بغیر اس دوا کو حلق سے اتار لیتا تھا۔

نہ جانے کتنے دن کتنے ہفتے گزر گئے؟ میری دماغی کیفیت کچھ عجیب سی ہوتی جا رہی تھی۔ یہ واضح طور پر محسوس ہو رہا تھا کہ میں کچھ ابنارمل سا ہو گیا ہوں۔ بہت کچھ بھول رہا ہوں۔ اب سے پہلے رسونتی کا تابعدار بنے رہنے کے باوجود خیال خوانی کی پرواز کرتا رہا تھا۔ اپنی سونیا کی خیر خبر لیتا رہا تھا۔ لیکن اب میری وہ صلاحیت واقعی میرے دماغ سے واش کر دی گئی تھی۔ دوا اپنا اثر دکھا رہی تھی۔

ایک دن وہ میری خواب گاہ میں آئی۔ مجھے دیکھ کر ہنستے ہوئے بولی۔ ”تمہارا علاج مکمل ہو گیا ہے۔“

میری یادداشت انتہائی کمزور ہو چکی تھی۔ یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ میں ایک وید راج کے پاس جا کر کسی کڑوی کسیلی دوا کا پیالہ پیتا رہا ہوں اور اس کے نتیجے میں دماغی کمزوری میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ”کیا میرا علاج ہو رہا تھا؟“

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ”ہاں اور یہ بھی کتنی عجیب بات ہے، کسی کی دماغی توانائی کم ہو جائے تو اسے بحال کرنے کے



لاج کرایا جاتا ہے لیکن میں نے تمہیں عقل مند انسان سے بے وقوف بنا دیا ہے۔ تمہاری ذہنی صلاحیتوں کو یکسر ختم کر دیا ہے۔“

وہ درست کہہ رہی تھی۔ میرے ساتھ یہی ہو رہا تھا۔ اس کے اثر سے غائب دماغ سا ہو گیا تھا۔ وہ مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ ”تم ایک دلچسپ احمق بن چکے ہو۔ اب بتاؤ تمہارا نام کیا ہے؟“

میں نے دماغ پر زور ڈالتے ہوئے کہا۔ ”میرا ...؟“

پھر کہا۔ ”ہاں، ابھی تم نے مجھے احمق کہا۔ تو یہی میرا نام ہوگا۔“

وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ اس نے مجھ سے بہت ہی بدترین دشمنی کی تھی۔ فرہاد علی تیمور کی شخصیت فنا ہو کر رہ گئی تھی۔ میں کافی عرصے تک ٹیلی پیتھی سے محروم رہ کر زندگی گزارتا رہا۔ گویا ایک عورت سے ہار گیا۔

وہ واقعی غیر معمولی صلاحیتوں کی حامل تھی اور آج بھی یوگا جاننے والے افراد کے اندر بھی پہنچ جاتی ہے۔ کوئی سانس روکنے کے باوجود اس کی خیال خوانی کی لہروں کو دماغ میں گھسنے سے روک نہیں پاتا۔

وہ پہلے رسونتی تھی اور آج آمنہ ہے۔ پہلے میری بدترین دشمن تھی اور آج میری شریکِ حیات ہے۔ یہ سب کیا ہوا؟ کیسے وہ دشمن عورت جو مجھے برہمچاری بنانا چاہتی تھی، اپنے دھرم کو اور روایات کو بھول کر میری زندگی کی بہترین ساتھی بن گئی؟ یہ ایک طویل رُوداد ہے۔ فی الحال اسے بیان کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔ بس پڑھنے والوں کو اتنا بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ بے شک رسونتی نے مجھے عارضی طور پر بہت ہی بدترین شکست دی تھی لیکن آخر کو جیت میری ہی ہوئی تھی۔ لہٰذا قصہ مختصر کرتے ہوئے صرف اتنا کہتا ہوں کہ میری نسل میں غیر معمولی افراد کا اضافہ بھی غیر معمولی طریقوں سے ہوتا رہا ہے۔

میں ماضی میں جھانکتے جھانکتے کچھ زیادہ ہی دور نکل گیا تھا۔ پلٹ کر دیکھا تو پایا کہ وہاں میرے اردگرد رشتہ داروں کا ہجوم بڑھ گیا تھا۔ تقریباً سب ہی کے کانوں تک یہ بات پہنچ گئی تھی کہ میرا نواسا پیدائشی طور پر یوگا کا ماہر ہے۔ کسی بھی فرد کی سوچ کی لہروں کو اپنے اندر محسوس کرتے ہی سانس روک کر اسے بھگا دیتا ہے۔

اس سے پہلے اور عالی کے علاوہ کبریا اور الیا بھی تجربے کے طور پر اس کے دماغ میں گئے تھے اور ان کے ساتھ بھی وہی ہوا تھا جو ہمارے ساتھ ہو چکا تھا۔ اس بات کی تصدیق ہو گئی تھی کہ وہ ننھا سا بچہ پیدائشی طور پر یوگا میں مہارت رکھتا ہے۔

میں نے کہا۔ ”تھوڑی دیر پہلے میں بڑی مایوسی سے سوچ رہا تھا کہ خدا جانے میرے نواسے کی غیر معمولی صلاحیتیں کیا ہوں گی؟ وہ آئندہ کیا گل کھلائے گا؟ کیا میں اس کے کارناموں کو دیکھنے کے لیے زندہ رہوں گا؟ مگر اب یہ مایوسی یکسر ختم ہو گئی ہے۔ وہ تو پالنے میں رہ کر ہی خود کو منوا رہا ہے۔“

میری بات سن کر ذرا خاموشی چھا گئی تھی۔ شاید میرے بچے اداس ہو گئے تھے۔ سونیا نے موڈ بدلنے کے لیے ذرا شوخی سے کہا۔ ”وہ کہتے ہیں ناں، پُوت کے پاؤں پالنے میں ہی نظر آ جاتے ہیں۔ ہمارا نواسہ جھولے میں رہ کر اپنے اندر آنے والوں کو یوگا کی کِک مار رہا ہے۔“

اس کی بات سن کر وہاں قہقہے گونجنے لگے۔ میں دل ہی دل میں خدا کو یاد کر رہا تھا اور اس کا شکر ادا کر رہا تھا کہ وہ عمر کے آخری ایام میں بھی مجھے خوشیوں سے نواز رہا ہے۔ ایسی خوشیوں سے جن کے درمیان رہ کر میں اپنی بیماری کو بھول گیا تھا۔

☆☆☆

ایشورارا سے انوشے کے سلسلے میں جو معاملہ طے ہوا تھا، اس کے بعد ہم دونوں مخالفین کے درمیان سمجھوتے کی فضا قائم ہو گئی تھی۔ اس نے وعدے کے مطابق اب تک مسلمانوں پر کہیں کوئی خودکش بم دھماکا نہیں کروایا تھا۔ اس کی طرف سے خطرات ٹل گئے تھے مگر ابھی ایک سب سے بڑا خطرہ جو پوری دنیا پر منڈلا رہا تھا، وہ قدرتی آفات کا تھا۔

آنے والی قیامتِ صغریٰ اپنی آمد سے پہلے ہی سب کے دلوں میں وحشت پیدا کر رہی تھی۔ کوئی جیتا جاگتا انسان مخالف بن جائے، جان لیوا دشمنی کرے تو اس سے نمٹنے کے لیے ہزار طریقے آزمائے جا سکتے ہیں۔

مگر یہ قدرتی معاملہ تھا۔ ہم اپنے طور پر کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ بچاؤ کا سارا دارومدار ماہرینِ فلکیات پر تھا اور غضب یہ کہ وہ بھی الجھے ہوئے تھے۔ حتمی طور پر کوئی نئی پیش گوئی کرنے سے پہلے غور و فکر میں مبتلا تھے۔ ہماری زمین سے پرے کائنات میں کیسی کیسی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں، اس کی تحقیق کے سلسلے میں دنیا بھر کے خلائی محققین سر جوڑ کر بیٹھ گئے تھے۔ جدید ٹیکنالوجی اور دیگر ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے اصل حقائق تک پہنچنے کی کوششیں کر رہے تھے۔

ہمیں بابا صاحب کے ادارے کے ایک محقق نے بتایا تھا کہ ہماری فضا اور زمین کے گرد ایک حفاظتی مقناطیسی میدان ہوتا ہے۔ جو سورج سے نکلنے والی شعاعوں کے منفی اثرات کو اور بار دار ذرات کو زمین کی سطح تک پہنچنے سے روکتا ہے۔ تحقیق کے ذریعے معلوم ہوا تھا کہ وہ مقناطیسی میدان یا

حفاظتی دیوار ابھی اس حد تک ناکارہ نہیں ہوئی ہے کہ تیز باردار ذرات کو زمین کی سطح تک پہنچنے سے روک نہ سکے۔

تحقیق کرنے والے دوسرے پہلو پر بھی غور کر رہے تھے۔ یہ تجزیہ کر رہے تھے کہ ممکن ہے' اس بار سورج سے نکلنے والے باردار ذرات ان کی سوچ سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ وہ حفاظتی مقناطیسی میدان کو ناکارہ بنا سکتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں زمین پر زبردست تباہی پھیلنے والی ہے۔

تحقیق کا سلسلہ جاری تھا اور جب تک کوئی حتمی بات سامنے نہ آتی' تب تک وہ آنے والی قیامتِ صغریٰ سب ہی کے دلوں میں دھماکا خیز اندیشے پیدا کر رہی تھی۔

میں نے پوچھا۔ ''کیا ہمارے ماہرین ان قدرتی آفات کا توڑ کر سکتے ہیں؟''

''ان حالات سے نمٹنے کے لیے دنیا بھر کے ماہرینِ فلکیات ایک جگہ جمع ہو رہے ہیں۔ گرینڈ میٹنگز منعقد کی جا رہی ہیں تاکہ ہم سب مل کر خلائی آفتوں کا سدِباب کر سکیں۔''

میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ ''خدا کرے' تم لوگ اپنے مقاصد میں کامیاب رہو۔ اب میں فون رکھتا ہوں۔ پھر کسی وقت تم سے رابطہ کروں گا۔''

میں نے ریسیور رکھ دیا۔ سر تھام کر بیٹھ گیا۔ سونیا نے چائے کی پیالی میری طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ ''کوئی نئی پیش گوئی ہوئی ہے؟''

میں نے پیالی لیتے ہوئے کہا۔ ''ہاں۔ بہت سی پیش گوئیاں ہو رہی ہیں۔ خلائی دنیا میں بڑی گڑبڑ چل رہی ہے۔ خدا جانے کیا ہونے والا ہے۔''

میں اسے تفصیل سے بتانے لگا۔ وہ میری باتیں سننے کے بعد بولی۔ ''معلوم نہ ہو تو لگتا ہے' دوسری طرف کچھ نہیں ہو رہا۔ سب ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے مگر کرید نے بیٹھو تو نئے نئے مسائل سامنے آتے چلے جاتے ہیں۔ خلائی تحقیق کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ بیٹھے بٹھائے ہیبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔''

میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ ''خلائی مصائب کے حوالے سے ہم کچھ کر نہیں سکتے۔ مگر باخبر رہنا ضروری ہے۔''

ایسے ہی وقت کبریا نے آکر مجھے مخاطب کیا۔ وہ اب تک فرانس' جرمنی اور انگلینڈ کے اکابرین کے معاملات میں مصروف تھا۔ میں نے اس کے علاوہ ادارے کے دوسرے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو ہدایت دی تھی کہ ان اکابرین کے دماغوں کو لاک کر کے انہیں تحفظ اور سلامتی دی جائے۔ لہٰذا میرے حکم کے مطابق ان کے دماغوں کو لاک کیا جا رہا تھا۔

میں نے پوچھا۔ ''کیا ہوا؟ ان تینوں ممالک کے اکابرین کا معاملہ کہاں تک پہنچا ہے؟''

وہ بولا۔ ''تمام اعلیٰ حکمرانوں اور عہدیداروں کو تحفظ حاصل ہو چکا ہے۔ اب ایشورارا اور اس کے چیلے ان کے دماغوں کی بو کو بھی نہیں پا سکیں گے۔''

''ویری گڈ... تم نے کم وقت میں بہت بڑا کام نمٹا دیا ہے۔''

''میں نے ادارے کے چند ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو ہدایت دی ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً جا کر ان کے دماغوں میں جھانکتے رہیں۔ ان کی نگرانی کرتے رہیں۔ کیونکہ کسی بھی اعلیٰ حکمران پر کوئی ناگہانی آفت آئے گی اور وہ حادثاتی طور پر زخمی ہوگا تو دشمنوں کے لیے اس کے دماغ کا دروازہ کھل جائے گا۔ یوں وہ ایک زخمی ہونے والا اپنے ساتھ ساتھ دوسرے اکابرین کو بھی لے ڈوبے گا۔''

میں نے کہا۔ ''بے شک۔ اس طرح ساری محنت ضائع ہو کر رہ جائے گی۔''

سونیا نے پھلوں کا جوس لا کر میرے سامنے رکھا۔ میں نے گلاس اٹھا کر ایک چسکی لینے کے بعد کہا۔ ''تمام امریکی اکابرین کو بھی تحفظ حاصل ہو چکا ہے۔ اب ایشورارا ان کی طرف رخ کرے گا تو ناکامی کا منہ دیکھے گا۔''

''فرانس' انگلینڈ اور جرمنی کے تمام اکابرین پر یہ بات واضح ہے کہ انہیں ہم مسلمان تحفظ اور سلامتی دے رہے ہیں۔ مگر امریکی اکابرین اس بات کو سمجھ نہیں سکتے۔ وہ نہیں جانتے کہ ان کی سلامتی کے پیچھے بھی ہمارا ہی ہاتھ ہے۔''

میں نے ذرا ٹھہر کر کہا۔ ''وہ تو یہی سوچ رہے ہیں کہ انہی کے ٹیلی پیتھی جاننے والے انہیں تحفظ فراہم کر رہے ہیں۔ ہماری طرف سے ان پر کوئی احسان نہیں کیا جا رہا ہے۔''

کبریا نے کہا۔ ''اور اسی لیے وہ پھولے نہیں سما رہے ہیں۔ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ آئندہ صرف ایشورارا سے ہی نہیں' ہم سے بھی چھپ کر رہ سکیں گے۔ کوئی مسلمان خیال خوانی کرنے والا اب ان کے دماغوں میں جھانک نہیں سکے گا۔''

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''یہ ان بے چاروں کی کم بختی ہے' وہ لاکھ کوششوں کے باوجود کبھی ہم سے چھپ کر نہیں رہ پاتے۔''

کبریا نے کہا۔ ''پلیز پاپا! انہیں بے چارہ نہ کہیں۔ وہ کتنے خبیث ہیں' ہم سب ہی جانتے ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''بے شک ہیں۔ اسی لیے منہ کی کھاتے ہیں اور اوندھے منہ ہمارے قدموں میں گرتے ہیں۔ اس بار بھی یہی ہوگا۔''

اس نے پوچھا۔ ''آپ اُن کے سلسلے میں کیا کرنے

والے ہیں؟"

میں نے سونیا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو اس چاردیواری میں محدود کر دیا گیا ہے۔ خیال خوانی کی اڑان بھرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ بس یوں سمجھو...! میرے پر کاٹ دیے گئے ہیں۔"

وہ بولی۔ "ساری عمر اڑتے رہے ہو۔ اب آرام کرنے کے دن ہیں۔ تم اس چار دیواری میں رہ کر اپنے بچوں کی خیال خوانی کے ذریعے بھی بہت کچھ کر سکتے ہو۔"

میں نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ پھر ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "آہ...! یہ چاردیواری.... ہائے فرہاد...!

مجھے اپنے علم سے عشق ہے اور اس عشق کی معراج حاصل کرنے کے لیے میں نے کیسے کیسے مصائب جھیلے' یہ میں ہی جانتا ہوں۔ اب جبکہ مجھ پر پابندی لگائی جارہی ہے تو بہت عجیب سا لگ رہا ہے۔"

سونیا نے کہا۔ "ہم تم سے دشمنی نہیں کر رہے ہیں۔"

"میں نادان بچہ نہیں ہوں۔ تم سب کی محبتوں کو اور ہمدردیوں کو اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔ اب واقعی عمر کا اور بیماری کا تقاضا ہے' مجھے آرام ہی کرنا چاہیے۔"

کبریا نے کہا۔ "ہم جانتے ہیں' آپ آرام کرنے کے دوران بھی تمام مخالفین کا آرام حرام کرتے رہیں گے۔ مجھے ہدایت دیں' امریکی اکابرین کے سلسلے میں کیا کرنا ہے؟"

میں نے کہا۔ "تم میرے خیالات پڑھ سکتے ہو۔"

وہ چند لمحوں تک خاموش رہ کر میرے خیالات پڑھنے لگا۔ پھر بولا۔ "او کے پاپا! میں سمجھ گیا۔ اب چلتا ہوں۔"

وہ میرے دماغ سے چلا گیا۔ میں نے ایک گہری سانس کھینچ کر بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ میرے ساتھ اب یہی ہوتا تھا۔ اچانک ہی تھکن حاوی ہونے لگتی تھی۔ سونیا نے مجھے ڈسٹرب نہیں کیا۔ شاید وہ میری اندرونی کیفیات کو بھانپ رہی تھی۔ لہٰذا مجھے تنہا چھوڑ کر چپ چاپ کمرے سے باہر چلی گئی۔

☆☆☆

امریکی اکابرین خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ ایک طرف تو انہیں گریٹ ایشورارا سے تحفظ حاصل ہو گیا تھا۔ یہ اطمینان ہو رہا تھا کہ اب وہ خیال خوانی کے ذریعے ان سے دشمنی نہیں کر سکے گا۔ کسی کو اپنا معمول اور تابعدار نہیں بنا سکے گا۔

دوسری طرف اس سے بھی زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ وہ دماغی طور پر ہم مسلمانوں سے بھی محفوظ ہو گئے تھے۔ حالانکہ یہ ان کی خام خیالی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کے مقفل دماغوں کی چابیاں ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ ہم آج بھی جب چاہیں ان کے اندر پہنچ کر ان کی کمینگیوں کو جان سکتے ہیں۔

ویسے یہ معمول کی بات تھی۔ وہ ہمیشہ ہی ایک جگہ جمع ہو کر میٹنگ اور کانفرنس کے بہانے مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا جال بُنتے رہتے تھے۔

اس وقت بھی یہی ہو رہا تھا۔ وہ جیسے دماغوں کو لاک کروانے کے بعد آزادی کا جشن منا رہے تھے۔ ایک اعلیٰ عہدیدار نے گہری سانس لے کر کہا۔ "تھینکس گاڈ! زندگی میں پہلی بار فرہاد اور اس کے چیلوں سے پیچھا چھوٹا ہے۔ مجھے تو یقین نہیں آرہا ہے۔"

دوسرے نے کہا۔ "تم درست کہتے ہو مگر یہ حقیقت ہے۔ ہم فرہاد کی ٹیلی پیتھی کے سحر سے نکل چکے ہیں۔ وہ دماغی طور پر ہمیں چھو بھی نہیں سکے گا۔"

ایک اور عہدیدار نے کہا۔ "ویسے میں محسوس کر رہا ہوں' ہمیں گریٹ ایشورارا سے زیادہ فرہاد سے پیچھا چھڑانے کی خوشی ہے۔ کیوں دوستو...! میں درست کہہ رہا ہوں ناں...؟"

اس کی بات سن کر سب ہی تائید میں سر ہلانے لگے۔ مسکرا کر کچھ نہ کچھ کہنے لگے۔ ایک اعلیٰ حاکم نے کہا۔ "یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہم سب ہی اب فرہاد کے لیے یوگا جاننے والے افسران کی طرح ہو گئے ہیں۔ ہم کیا سوچ رہے ہیں' کیا منصوبہ بنا رہے ہیں' کیسی سازشیں کر رہے ہیں؟ یہ باتیں وہ وقت سے پہلے کبھی جان نہیں پائے گا۔"

ایک نے کہا۔ "ایشورارا کی طرف سے تو اطمینان ہو گیا ہے۔ اب سوچو کہ مسلمانوں کے خلاف کیا کیا جا سکتا ہے؟"

اعلیٰ حاکم نے ذرا سوچتے ہوئے کہا۔ "کچھ ایسا کرنا ہے کہ پوری مسلم سوسائٹی لرز کر رہ جائے۔"

ایک اعلیٰ عہدیدار نے پوچھا۔ "کیا تمہارے دماغ میں کوئی منصوبہ ہے؟"

اس نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ "جب گریٹ ایشورارا سے دوستی اور اتحاد قائم تھا۔ تب ہم نے سوچا تھا' مسلمانوں کے خلاف زبردست سازش کی جائے گی اور ان کے مقدس مقامات کو نشانہ بنایا جائے گا۔ اس وقت اس سازش میں ایشورارا بھی شامل تھا۔"

اعلیٰ عہدیدار نے بھی اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ "ہاں۔ ہم بظاہر انجان بن کر رہنے والے تھے۔ فرہاد پر یہی ظاہر کرنا تھا کہ یہ تمام کارروائی گریٹ ایشورارا کر رہا ہے۔"

"اب ہمیں ایشورارا کا اتحاد حاصل نہیں ہے اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ ہمیں ٹیلی پیتھی کا محاذ مل چکا ہے۔ ہم اس کے ذریعے جنگ لڑیں گے۔"



"کرنا کیا ہے؟"

اعلیٰ حاکم نے کہا۔ "ان کے بیشتر مقدس مقامات پر آئے دن خودکش حملے ہوتے رہتے ہیں۔ گریٹ ایشورارا نے بھی ایسی کارروائیاں کی ہیں جن کے نتیجے میں لاکھوں مسلمان بے موت مارے گئے ہیں۔"

وہ ذرا چپ ہوا پھر بولا۔ "مگر ایسی دشمنی سے کوئی خاطر خواہ فائدہ حاصل نہ ہو سکا۔ جہاں حملے ہوتے ہیں اور لوگ مارے جاتے ہیں' بس وہیں قیامت برپا ہوتی ہے۔ ایک احتجاجی طوفان اٹھتا ہے۔ پھر سب کچھ نارمل ہو جاتا ہے۔"

"مسلم سوسائٹی اب نارمل کہاں ہے؟ عراق' فلسطین' مقبوضہ کشمیر اور چیچنیا وغیرہ میں آئے دن مسلمان ہلاک ہو رہے ہیں۔ ان کی نسل کشی ہو رہی ہے۔ وہ سکون سے نہیں ہیں۔ کیا یہ نارمل باتیں ہیں؟"

"بے شک۔ ان کے ایسے حالات دیکھ کر سینے میں ٹھنڈ پڑ جاتی ہے مگر جو تباہی برپا ہو رہی ہے' وہ اسی ملک تک محدود ہے۔ عراقی صورتِ حال کی مثال سامنے ہے۔ دیگر اسلامی ممالک بھی جو حالتِ جنگ میں ہیں' وہ اپنے مصائب کو خود ہی جھیل رہے ہیں لیکن میں ایسی کارروائی کرنا چاہتا ہوں' جو اب دنیا کے کونے کونے میں بسنے والے مسلمانوں کے دلوں پر نشتر چلا دے۔"

سپر پاور کہلانے والوں کو کبھی عقل آنے والی نہیں تھی۔ عراق کے معاملے میں بھی وہ اپنی ناکامیوں کو سمجھنے والے نہیں تھے۔ دراصل ابتدا میں انہیں ایسا ہی لگ رہا تھا کہ وہ اپنے جارحانہ اقدامات کے باعث ایک اسلامی ریاست کو توڑ کر رکھ دیں گے اور اس کے وسائل پر قبضہ جما لیں گے۔ ان میں تیل کے وسائل سب سے اہم تھے۔ اب یہ حقیقت نہ صرف امریکی عوام پر بلکہ تمام عالمی برادری پر واضح ہو چکی ہے کہ امریکا کو عراق میں اپنی تاریخ کی بدترین صورت حال کا سامنا ہے۔ ایسے حالات میں یہ مقولہ ان پر صادق آتا ہے کہ جنہیں اللہ ہدایت نہ دے' انہیں کہیں سے ہدایت نہیں ملتی۔

فی الوقت وہ اعلیٰ حاکم بھی اپنے دیگر سامراجی حکمرانوں کی طرح سوچ اور بول رہا تھا۔ وہ کچھ ایسا کرنا چاہتا تھا' جس کے نتیجے میں عالمِ اسلام لرز کر رہ جائے۔

تمام اکابرین نے ایکدم سے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔ ایک نے کہا۔ "اگر بیک وقت سارے مقدس مقامات کو نشانہ بنایا گیا تو غضب ہو جائے گا۔ پوری مسلم دنیا ہل کر رہ جائے گی اور ساری دنیا کو ہلا کر رکھ دے گی۔"

دوسرے نے کہا۔ "کیا تم ان کے غصے اور جنون کو نہیں جانتے؟ یہ لوگ پوری دنیا میں تباہی مچا دیں گے۔ یہ بظاہر بے حس بے پروا اور کمزور سے نظر آتے ہیں۔ مگر جب بھی ان کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچائی جاتی ہے' یہ لوگ مشتعل ہو کر خوفناک کارروائیاں شروع کر دیتے ہیں۔"

وہ بولا۔ "ان کے پاس جو کچھ ہے' ہمارا دیا ہوا ہے۔ انہیں طاقت ہم نے دی' اسلحہ ہم نے دیا۔ یہ آج جو کچھ بھی ہیں' ہماری عنایات کے باعث ہیں۔ اگر آج ہمارے ہاتھ ان کے سروں سے سرک جائیں تو یہ لوگ بے زمین اور بے آسماں ہو کر رہ جائیں گے۔"

ایک اعلیٰ عہدیدار نے اس کی باتوں سے قائل ہو کر کہا۔ "یہ درست کہہ رہا ہے۔ زیادہ تر مسلم ریاستیں ترقی پذیر ہیں۔ کچھ جنگی صورتحال سے دوچار ہیں۔ ان کی حالتِ زار ایسی نہیں کہ وہ اپنے لیے فائٹ کر سکیں اور ویسے بھی کوئی ہمارے جیسے سپر پاورز کے سامنے ٹھہر نہیں پائے گا۔"

وہ ایک ذرا توقف سے بولا۔ "اس بار ان کے اہم اور مقدس مقامات کو ٹارگٹ بنایا جائے گا تو مسلمانوں کے ہوش اڑ جائیں گے۔"

"اب یہ سوچو کہ وہاں تخریب کاری کی کارروائی کرنے کے لیے کیا کسی مسلمان کو آلۂ کار بنایا جائے گا؟"

"ہاں۔ بہت سے مل جائیں گے۔ یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر ہماری کوشش ہوگی کہ ہمارا جو بھی آلۂ کار ہو' اس کے دماغ میں کوئی گھس نہ سکے۔ یہ جان نہ سکے کہ وہ ہمارے حکم پر وہاں کوئی کارروائی کرنے پہنچا ہے۔"

اعلیٰ حاکم نے سوچتے ہوئے کہا۔ "ہوں...... دماغ کے دروازے بند کرنے کے لیے اس پر تنویمی عمل کرنا پڑے گا۔"

"اور تنویمی عمل کرنے کے لیے ٹیلی پیتھی جاننے والے کی ضرورت پڑے گی۔"

اعلیٰ حاکم نے کہا۔ "ہمارے پاس ایک نہیں تین تین ٹیلی پیتھی جاننے والے موجود ہیں۔"

ایک عہدیدار نے کہا۔ "اور وہ تینوں مسلمانوں سے متاثر ہیں۔ تم بھول رہے ہو۔ انہوں نے سختی سے منع کیا ہے۔ وہ مسلمانوں کے خلاف کبھی ہمارا ساتھ نہیں دیں گے۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ دوسرے عہدیدار نے کہا۔ "میرا خیال ہے' دماغ کو لاک کروانے کے معاملے کو دردِ سر نہیں بنانا چاہیے۔ ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ کسی بھی آلۂ کار کو وہاں تک کیسے پہنچایا جا سکے گا؟"

وہ سب ہی اس پہلو پر سوچنے اور غور کرنے لگے۔ اسے ان کی کم عقلی کہی جائے یا کمینگی کہ وہ دماغی طور پر تحفظ حاصل

کرنے کے فوراً بعد ہمارے خلاف سوچ رہے تھے۔ جبکہ حالات کا تقاضا تھا کہ گریٹ ایشورارا اور اس کے لاکھوں ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے بچاؤ کی مزید تدبیریں کی جائیں۔

کبریا وہاں موجود تھا۔ چپ چاپ رہ کران کے گھٹیا ذہنوں سے پھوٹنے والی شیطانی سازشوں کو سن رہا تھا اور غم و غصے سے کھول رہا تھا۔ دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اگر ہمارے پاس خیال خوانی کی غیر معمولی صلاحیت نہ ہوتی تو ان شیطان صفت سپر پاور کہلانے والے درندوں کی چھوٹی بڑی سازشوں کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہ ہوتا۔

وہ تو یہی سمجھ رہے تھے کہ ہمارے خلاف جو کچھ سوچ رہے ہیں، جو کچھ بول رہے ہیں، وہ باتیں اس کانفرنس ہال کی اور ان کے دماغوں کی چار دیواری سے باہر نہیں جارہی ہیں۔

ایک عہدیدار نے کہا۔ ”یہ ٹھیک ہے کہ مسلمان ہمارے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ انہیں کچل کر رکھنا ہمارا اولین نصب العین ہے۔ مگر فی الحال ہمیں سب سے بڑا خطرہ گریٹ ایشورارا اور اس کے لاکھوں ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی طرف سے ہے۔“

اس نے ذرا ٹھہر کر کہا۔ ”دماغوں کو لاک کروانے کے بعد بے شک ہم محفوظ ہوگئے ہیں پھر بھی ہمیں ان کی طرف سے الرٹ رہنا چاہیے۔ وہ بھی مسلمانوں کی طرح بہت مکار ہیں، کسی بھی ایسے طریقہ کار سے حملہ کرسکتے ہیں، جس کے بارے میں ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔“

ایک عہدیدار نے اس کی تائید میں کہا۔ ”یہ درست کہہ رہا ہے۔ ہمیں بالکل ہی مطمئن نہیں رہنا چاہیے۔ دشمنوں کی سازشوں کو سمجھنا چاہیے۔ ایشورارا ہمارے اندر گھسنے اور ناکام ہونے کے بعد یہ سمجھ لے گا کہ ہم سب کے دماغوں کو لاک کردیا گیا ہے۔ ایسی جھنجلاہٹ میں مبتلا کردینے والی ناکامی کے بعد اس کی طرف سے یقیناً شدید ردِ عمل سامنے آئے گا۔“

تمام اعلیٰ حکمران سوچ میں پڑ گئے۔ ایک نے کہا۔ ”کیا یہ مناسب نہیں رہے گا کہ آفاقی دشمنوں سے نمٹنے کے بعد مسلمانوں کا رخ کیا جائے؟“

دوسرے نے قائل ہوکر کہا۔ ”اس زمین پر ایشورارا کے ایک دو نہیں، لاکھوں ٹیلی پیتھی جاننے والے پہنچ چکے ہیں۔ یہ غیر معمولی تعداد ہے۔ اگر انہوں نے جھنجلا کر جارحانہ انداز میں ہلا بول دیا تو ہمیں سنبھلنے کا بھی موقع نہیں ملے گا۔“

کسی نے پوچھا۔ ”تو پھر کیا کرنا چاہیے؟“

”وقت کا تقاضا ہے، فی الحال کسی دوسرے دشمن کے بارے میں نہ سوچا جائے۔ ہمیں یہ معلومات حاصل کرنی چاہئیں کہ گریٹ ایشورارا کہاں ہے اور اپنے ماتحتوں کے ذریعے کیا کرتا پھر رہا ہے؟“

”اس کی خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ بھی ہوسکتی ہے۔“

ایک نے کہا۔ ”میرا خیال ہے، فی الوقت وہ فرہاد وغیرہ کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔“

ایک عہدیدار نے کچھ سوچ کر کہا۔ ”گریٹ ایشورارا نے سب سے پہلا مطالبہ ہم سے کیا تھا۔ وہ امریکا کے شمالی علاقے میں اپنی ایک چھوٹی سی ریاست قائم کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ علاقہ آفاقی عذاب سے قدرے محفوظ رہے گا۔ اس عذاب سے بچنے کے لیے وہ اپنا سیارہ چھوڑ کر یہاں چلا آیا ہے۔ اس کا یہ مطالبہ اتنا اہم ہے کہ وہ اسے بھول کر کسی دوسری طرف دھیان نہیں دے سکتا۔“

دوسرے عہدیدار نے کہا۔ ”اور اس کے مطالبے کے لیے ہم ضروری ہیں۔ وہ ہمیں ٹریپ کرنے کے بعد ہی وہاں قبضہ جماسکے گا۔“

”اس لیے یہ سوچنا کہ وہ فرہاد کے پیچھے لگا ہوگا، سراسر نادانی والی بات ہے۔ ویسے بھی چند دنوں پہلے تک فرہاد کے بارے میں یہی خبر ملی ہے کہ وہ اپنی فیملی سمیت ادارے میں جاکر چھپ گیا ہے اور وہ ایسا فولادی قلعہ ہے، جہاں پہنچنے کے لیے دشمنوں کی سوچ کی لہریں بھی مفلوج ہوجاتی ہیں۔“

”تو پھر گریٹ ایشورارا کہاں مصروف ہوسکتا ہے؟“

”یہی سوچنے اور غور کرنے والی بات ہے۔ ہم اب تک اپنے دماغوں کو لاک کروانے کے سلسلے میں مصروف رہے۔ اس اہم معاملے پر دھیان نہ دے سکے۔“

”مگر اب معلوم کرنا ضروری ہے کہ وہ کہاں ہے؟ خاموش رہ کر ہمارے خلاف اچانک ہی دھماکا کرنے والا ہے؟“

اعلیٰ حاکم نے کہا۔ ”اس سلسلے میں ہمارے وہ تینوں ٹیلی پیتھی جاننے والے بہت کام آئیں گے۔“

”وہ چاہیں گے تو کام آئیں گے۔ انہوں نے صاف کہا تھا، ہمارے دماغوں کو لاک کرنے کے بعد وہ ہم سے کوئی تعاون نہیں کریں گے۔“

”ہم انہیں مسلمانوں کے خلاف تعاون کرنے کو نہیں کہہ رہے ہیں۔ ملک و قوم کو بچانے کے لیے جس طرح انہوں نے ہماری مدد کی، اسی طرح آئندہ بھی کرنی چاہیے۔ ورنہ گریٹ ایشورارا اور اس کے لاکھوں خیال خوانی کرنے والے ماتحت کس ہیرا پھیری سے ہمارے مقفل دماغوں میں جگہ بناتے چلے جائیں گے، ہمیں معلوم بھی نہیں ہوسکے گا۔“

”ہاں۔ یہ تو ہے۔ ہمارے تینوں ٹیلی پیتھی جاننے

الوں کو مستقل ہماری نگرانی کرنی چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو، ہم
ول ہی میں رہ کر کوئی زبردست نقصان اٹھائیں۔“

”مگر ان تینوں سے اپنے طور پر رابطہ کرنا بھی تو ایک مسئلہ
ہمیں تو ان کا پتا ٹھکانا اور فون نمبر وغیرہ بھی معلوم نہیں ہے۔“

”وہ جاتے ہوئے کہہ کر گئے تھے کہ کبھی کبھی یہاں آتے
رہیں گے۔ اس طرح تھوڑی بہت نگرانی کریں گے۔“

”وہ کب آئیں گے، کب جائیں گے؟ ہمیں کیا
علوم ہوگا؟“

ایک اعلیٰ حاکم نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔ ”اس مسئلے کا
ا ہی حل ہے اور وہ یہ کہ ہم سب اپنے دماغوں میں ہر لحہ یہ
پیدا کرتے رہیں کہ ہمیں گریٹ ایشورارا کے خلاف ان
تعاون کی مزید ضرورت ہے۔ ورنہ ہمارا ملک، ہماری قوم فنا
ر رہ جائے گی۔ اس طرح جب وہ ہمارے دماغوں میں
میں گے تو اس سوچ کو پڑھ کر ضرور ہم سے رابطہ کریں گے۔“

”ہاں۔ رابطے کی ایک یہی صورت ہوسکتی ہے۔“

اعلیٰ حاکم نے اپنے اندر سوچ پیدا کی۔ اپنے تینوں ٹیلی
پیتھی جاننے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”جیمو
ارا ای او اکس مین! الف کائی.....! اگر تم یہاں موجود ہو تو پلیز
ہم سے بات کرو۔ بے شک اپنے دماغوں کو لاک کروانے
کے بعد ہمیں مطمئن رہنا چاہیے۔ مگر دشمن بہت ہی زبردست
پلیز ہمارے ساتھ تعاون کرو۔“

ہاں سب ہی اکابرین اپنی اپنی سوچ کے ذریعے ان
ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو مخاطب کررہے تھے۔ ان سے
رہے تھے کہ وہ خیال خوانی کے ذریعے گریٹ ایشورارا
اور اس کے لاکھوں ٹیلی پیتھی جاننے والوں کا سراغ لگائیں
انہیں نابود کرنے میں ان کی مدد کریں۔

کھوپڑی کے گنبد میں ان کی اپنی ہی سوچ بازگشت بن
کر گونج رہی تھی۔ کوئی آہٹ، کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی
تھی۔ وہ سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔
ایک نے مایوسی سے کہا۔ ”لگتا ہے، ان میں سے کوئی بھی یہاں
نہیں ہے۔“

اعلیٰ حاکم نے کہا۔ ”ایک طرح سے دیکھا جائے تو یہ اچھا
ہے۔ اگر وہ ابھی یہاں ہوتے تو تھوڑی دیر پہلے مسلمانوں
کے خلاف ہم جو پلاننگ کررہے تھے، اسے بھی سن لیتے اور ممکن
ہے عزائم جاننے کے بعد وہ ہماری مدد نہ کرتے۔“

ایک نے پوچھا۔ ”کیا وہ کسی بھی وقت آکر ہماری اس
... نہیں سکتے؟“

دوسرے نے کہا۔ ”میں نے تو یہی سنا ہے کہ خیال خوانی کرنے والے کسی کے بھی دماغ میں گھس کر اس کی اگلی پچھلی تمام سوچوں کو کھنگال سکتے ہیں۔“

ایک اعلیٰ عہدیدار نے ذرا پریشانی سے کہا۔ ”پھر تو یہ گڑبڑ ہوگئی۔ وہ ہماری سازشوں کو بھانپتے ہی ہم سے بدظن ہوجائیں گے۔“

اس کی بات سن کر تمام اکابرین سوچ میں پڑ گئے۔ ایک اعلیٰ حاکم نے ذرا جھنجلا کر کہا۔ ”یہ کیا مصیبت ہے؟ یہ تو سراسر پابندی والی بات ہوگئی۔“

دوسرے حاکم نے کہا۔ ”پہلے مسلمان ٹیلی پیتھی جاننے والوں کا خوف رہتا تھا کہ کہیں وہ ہماری سازشوں کو بھانپ نہ لیں۔ اب اپنے ہی خیال خوانی کرنے والوں سے محتاط رہنا ہوگا۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ وہ اپنے ہوکر بھی اپنے نہیں ہیں۔“

”ابھی سوچنے سے ایسا لگ رہا ہے، جیسے ذہنی طور پر ہم ان کے قیدی بن گئے ہیں۔ گویا آسمان سے گر کر کھجور میں اٹک گئے ہیں۔ ہمارے جسم کا سب سے اہم حصہ ان کی مٹھی میں ہے۔“

اعلیٰ حاکم نے میز پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ”بے شک۔ ہم اپنے دو بڑے اور ناقابلِ شکست دشمنوں سے محفوظ ہوگئے ہیں۔ مگر اب ان تین ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے نجات حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔“

ایک عہدیدار نے کہا۔ ”پلیز۔ ان کے خلاف کچھ نہ سوچو۔ کچھ نہ بولو۔ اگرچہ ہم دماغی طور پر ان کے قیدی بن گئے ہیں مگر یہ بھی تو سوچو کہ یہ قید اس دشمنی سے لاکھ درجے بہتر ہے، جو ایشورارا ہم سے کرنے والا تھا۔“

کئی اکابرین اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ ایک نے کہا۔ ”اور ہم نے یہی سوچ کر اپنے دماغوں کو اپنے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔“

ایک اعلیٰ حاکم نے گہری سانس کھینچ کر کہا۔ ”ٹھیک ہے۔ آسمان بھی کہیں تو جاکر جھکتا نظر آتا ہے۔ ہم بھی جھک رہے ہیں۔ سمجھوتا کررہے ہیں۔“

”اور یہ بھی ہماری مجبوری بن گئی ہے کہ ہم اپنے خیال خوانی کرنے والوں کے مزاج کے خلاف کچھ نہ سوچیں۔“

”صرف سوچنے کی بات نہیں ہے۔ ہم ان کے مزاج کے خلاف کچھ کر بھی نہیں سکتے۔“

”اور یہ پابندی کب تک برقرار رہے گی؟“

ایسے سوال پر سب ہی ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ یہ سوچنے والی بات تھی مگر جو بات پہلے سوچنی چاہیے تھی، وہ اب سوچ رہے تھے اور پریشان ہورہے تھے۔ یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ جب ایشورارا کا خطرہ ٹل جائے گا، دماغوں کو مقفل رکھنا

ضروری نہیں رہے گا' تب کیا وہ آسانی سے انہیں آزاد کر دیں گے؟ اپنے تنویمی عمل سے نجات دے دیں گے؟ بالفرض انہوں نے آزاد کر بھی دیا تو اس بات کا کیا ثبوت ہوگا کہ وہ سچ بول رہے ہیں؟

جن کے دماغوں میں خناس بھرا ہو' وہ کبھی اچھا سوچ ہی نہیں سکتے۔ میں ہر چھوٹی بڑی مشکل میں ان کی مدد کرتا آیا تھا مگر انجام کار تحفے کے طور پر دشمنی ہی ملی۔ اب امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا۔ انہوں نے نیک نیتی سے اپنے ملک و قوم کی سلامتی کی خاطر اُن کی مدد کی۔ انہیں ایشورارا جیسے خطرناک دشمن سے بچایا اور وہ احسان ماننے کے بجائے' ان کے خلاف سوچ رہے تھے۔ ان کی نیک نیتی کو شبہے کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔

یہ ایک نئی پریشانی ان کے دلوں میں گھر کرنے لگی کہ ایشورارا سے نجات حاصل کر لینے کے بعد ان کا کیا بنے گا؟ جو پوری دنیا کو غلام بنانے کا جنون رکھتے ہوں' وہ اپنی غلامی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ وہ پریشان ہو کر سوچ رہے تھے اور ہیبت میں مبتلا ہو رہے تھے۔

ایک اعلیٰ حاکم نے کہا۔ "پتا نہیں کیوں' ہمیں دائمی خوشیاں نصیب نہیں ہوتیں؟ ہم کامیاب ہونے کے باوجود ناکام ہو جاتے ہیں۔"

"یہ مسلمان بہت ہی کینہ پرور ہیں۔ ہماری ترقی سے جلتے ہیں۔ کبھی اپنی چالبازیوں سے' کبھی ٹیلی پیتھی کے ذریعے اور کبھی جادو منتر پڑھ کر ہماری کامیابیوں کو ناکامیوں میں بدل دیتے ہیں۔"

ایک نے بیزار ہو کر کہا۔ "پلیز۔ ایسی بچگانہ باتیں نہ کرو۔ اگر انہیں کوئی زبردست جادو منتر آتا تو وہ سب سے پہلے ہمارے زیرِ اثر رہنے والے اسلامی ملکوں کو آزاد کرا لیتے۔"

"چھوڑو اس بحث کو اور یہ سوچو کہ اب ہوگا کیا؟ ہم کیسے ان کے تنویمی عمل سے نجات حاصل کر سکیں گے؟"

وہ سب ہی سوچ میں پڑ گئے۔ چند لمحوں بعد ایک اعلیٰ عہدیدار نے کہا۔ "میرا خیال ہے' ابھی یہ سب سوچنے کا وقت نہیں آیا ہے۔ فی الحال گریٹ ایشورارا کی دشمنی سے محفوظ رہنا ضروری ہے اور اس کے لیے اپنے دماغوں کو مقفل رکھنا ضروری ہے۔ جب اس سے چھٹکارا ملے گا' تب سوچا جائے گا کہ ان تین ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے کیسے پیچھا چھڑایا جا سکے گا؟"

ایک نے کہا۔ "ویسے ہم مثبت انداز میں یہ بھی تو سوچ سکتے ہیں کہ ہمارے وہ تینوں ٹیلی پیتھی جاننے والے ہم سے مخلص ہیں' کوئی دھوکا نہیں دے رہے ہیں۔"

"اگر ایسا ہے تو ہمارے لیے اس سے بڑی خوشی کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔"

اس عہدیدار نے کہا۔ "تو پھر ہمیں اس خوشی کے موقع کو انجوائے کرنا چاہیے۔ عارضی طور پر سہی' ہمیں اپنے تمام دشمنوں سے نجات مل گئی ہے۔ ایسے وقت کوئی مایوسی والی بات نہیں سوچنی چاہیے۔ آئندہ کیا ہونے والا ہے' وہ بعد میں دیکھا جائے گا۔"

ایک اعلیٰ حاکم نے گہری سانس لے کر کہا۔ "ہاں۔ یہ سچ ہے۔ کچھ اندیشوں کے باوجود میں خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا ہوں۔ بے شک! اس خوشی میں ہمیں جشن منانا چاہیے۔"

سب ہی اکابرین اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ جشن منانے کے سلسلے میں ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ کہنے لگے۔ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ہم کس طرح ان کے رنگ میں بھنگ ڈال سکتے ہیں؟

تھوڑی دیر بعد میٹنگ ختم ہو گئی۔ وہ سب ہی کانفرنس ہال کی عمارت سے نکل کر اپنے اپنے کمروں کو جانے لگے۔ ایک اعلیٰ حاکم اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھا تو کبریا اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ یہ وہی اعلیٰ حاکم تھا' جو مقدس مقامات کے بارے میں ایک شیطانی منصوبہ تیار کر رہا تھا۔ پوری دنیا کے مسلمانوں کے دینی جذبات کو زبردست ٹھیس پہنچانا چاہتا تھا۔ اب کبریا اس کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ اسے آسانی سے چھوڑنے والا نہیں تھا۔

وہ گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا وہاں سے جانے لگا۔ ویسے تو اس کے ساتھ ڈرائیور کے علاوہ دو باڈی گارڈز بھی ہوا کرتے تھے مگر جب سے تمام اکابرین نے اپنے اپنے دماغوں کو لاک کروایا تھا' تب سے وہ اپنے آس پاس ملازموں کا ہجوم نہیں رکھتے تھے۔ یہ اندیشہ رہتا تھا کہ کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا دشمن ان ملازموں یا محافظوں کے ذریعے انہیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔

وہ اپنے طور پر احتیاط برت رہے تھے' یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ہم کس طرح ان کے اندر پہنچے ہوئے ہیں؟ وہ بڑی مستی میں ڈرائیو کرتا ہوا جا رہا تھا۔ ذہن میں یہی بات تھی کہ مسلمان ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے نجات مل گئی ہے اور یہی بات اسے آسودہ کر رہی تھی۔ دنیا جہان کے دشمن ایک طرف اور ہم ایک طرف....

گاڑی کے تمام شیشے بند تھے۔ چلتی گاڑی میں کوئی دشمن تو کیا' ٹریفک کا شور بھی اندر نہیں آ سکتا تھا۔ وہ اپنی پسند کا میوزک سنتا ہوا ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ "آج احساس ہو رہا ہے' یہ ٹیلی پیتھی کتنا زبردست ہتھیار ہے؟ تب ہی تو فرہاد کی اکڑ نہیں جاتی۔ کاش میں نے بھی یہ سیکھ لیا ہوتا یا پھر یوگا میں ہی مہارت حاصل کر لی ہوتی تو ابھی میں تمام دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے اپنے طور پر مقابلہ کرتا۔"

وہ سوچتے سوچتے اچانک ہی چونک گیا۔ ونڈ اسکرین کے پار اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ میں اس طرف کیوں آ گیا؟ مجھے تو گھر جانا ہے۔"

وہ یوٹرن لے کر دوسرے راستے کی طرف جاتے ہوئے بڑبڑایا۔ "ایک ذرا دھیان نہ رہے تو انسان بھٹک کر کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے؟ مگر....."

اس نے ذرا ٹھہر کر سوچا۔ "میرے ساتھ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔ پھر آج کیوں....؟"

وہ سوچتا ہوا ونڈ اسکرین کے پار راستے کو دیکھتا ہوا پوری توجہ سے ڈرائیو کر رہا تھا مگر تھوڑی دیر بعد اس نے پھر ایک جھٹکے سے گاڑی روک دی۔ پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ایک بار پھر راستہ بدل گیا تھا۔ وہ گھر کی طرف جانے کے بجائے مخالف راستے پر پہنچا ہوا تھا۔

غلطی پہلی بار ہو تو اتفاقیہ کہلاتی ہے۔ مگر یہ دوسری بار ہوا تھا۔ بھرپور توجہ سے ڈرائیو کرنے کے باوجود راستے سے بھٹک جانا ایسی بات نہیں تھی' جسے نظر انداز کیا جاتا۔ اسے گھبراہٹ سی ہونے لگی۔ اس نے ایک ذرا گھوم کر پچھلی سیٹوں کی طرف ایسے دیکھا' جیسے وہاں کوئی دشمن چھپا ہو پھر اس نے پلٹ کر ڈیش بورڈ سے اپنا ریوالور نکال لیا۔ چوکنا ہو کر کبھی کھڑکیوں کے اور کبھی ونڈ اسکرین کے باہر دیکھنے لگا۔

چند لمحوں کے بعد ہی خیال پیدا ہوا۔ "میں توجہ سے ڈرائیو کر رہا تھا پھر کیوں راستے سے بھٹک گیا ہوں۔ ایسا لگ رہا ہے' جیسے چند لمحوں پہلے غائب دماغ تھا....."

وہ سوچتے سوچتے ٹھٹک گیا۔ "غائب دماغ....؟ مگر ایسا تو تب ہی ہوتا ہے' جب کوئی کسی کے دماغ میں آ کر اسے ٹریپ کرتا ہے۔"

اس نے ایک ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھتے ہوئے زیرِ لب کہا۔ "لیکن مجھے کوئی ٹریپ کیسے کر سکتا ہے؟ میرا دماغ تو لاکڈ ہے۔"

اس اطمینان کے باوجود اس کے اندر وسوسے اور اندیشے جنم لینے لگے۔ اس نے گھبرا کر سوچا۔ "کیا مقفل دماغ میں بھی کوئی پہنچ سکتا ہے؟ نہیں... ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہم ہی ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے علاوہ اور کوئی میرے دماغ میں نہیں آ سکتا...... پھر میں بار بار راستہ کیوں بھٹک رہا ہوں؟"

ریوالور پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی' وہ سوچنے لگا۔ "اگر میرے اندر کوئی نہیں آ سکتا تو کیا وہ تینوں مجھ سے دشمنی کر رہے ہیں؟"

اس نے سوچ کے ذریعے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "واکس مین! الف گائی! جیمز ہارڈی.....! کیا تم میں سے کوئی میرے اندر ہے؟ ہیلو... خاموش نہ رہو۔ مجھ سے بات کرو۔"

کوئی جواب نہ ملا۔ پُراسرار خاموشی چھائی رہی۔ وہ وہاں ہوتے تو اس سے بات کرتے۔ کبریا نے اس کے اندر یہ سوچ پیدا کی کہ ان تینوں میں سے کوئی وہاں نہیں ہے۔ اس کے ذہن میں سوال پیدا ہوا۔ "اگر وہ نہیں ہیں تو پھر یہاں کون ہے؟ کون مجھے بھٹکا رہا ہے؟ کچھ تو گڑبڑ ہے۔"

کبریا کی ہدایت کے مطابق ادارے کے دوسرے خیال خوانی کرنے والے دیگر اکابرین کے اندر پہنچے ہوئے تھے۔ اس اعلیٰ حاکم نے اپنے موبائل فون کی طرف دیکھا پھر اسے اٹھا کر نمبر پنچ کرنے لگا اور دوسرے ہاتھ سے ریوالور کو تھام لیا۔

وہ فون کو کان سے لگائے رابطے کا انتظار کر رہا تھا۔ ایسے ہی وقت چونک کر اپنے ریوالور کو دیکھنے لگا۔ یہ دیکھ کر دماغ کو جھٹکا سا لگا کہ اس کا رخ اسی کی طرف تھا اور انگلی ٹریگر پر تھی۔ اس نے گھبرا کر اسے پھینک دیا۔ پھٹے پھٹے دیدوں سے دیکھنے لگا۔ وہ ہاتھ میں نہیں رہا تھا۔ پیروں میں پڑا ہوا تھا مگر اسے ہیبت میں مبتلا کر رہا تھا۔

فون کا رابطہ ہو گیا تھا۔ دوسری طرف سے ایک اعلیٰ حاکم کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ اسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ "ہیلو...! مارک! کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟ ہیلو...!"

وہ سن رہا تھا مگر بول نہیں رہا تھا۔ پھر ذرا حواس بحال ہوتے ہی اس نے کہا۔ "ہیلو! تھامس! میں .... میں سن رہا ہوں۔ میرے ساتھ کچھ گڑبڑ ہو رہی ہے۔"

"کیسی گڑبڑ......؟"

"میں یہاں راستے میں ہوں۔ گھر جانا چاہتا ہوں۔ مگر... بار بار بھٹک رہا ہوں ایسا لگتا ہے...."

وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "جیسے کوئی تمہیں بھٹکا رہا ہے۔ کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا...؟ تمہیں غائب دماغ بنا کر کہیں سے کہیں پہنچا رہا ہے۔"

"ہاں۔ ایسا ہی لگ رہا ہے لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"کیونکہ میرے ساتھ بھی یہی ہو رہا ہے۔"

اس نے ایکدم سے ٹھٹک کر پوچھا۔ "کیا...؟"

وہ بولا۔ "میں بھی گھر جانا چاہتا ہوں۔ مگر راستے میں ہی بھٹک رہا ہوں۔ کبھی کبھی اسٹیئرنگ بہک جاتا ہے۔ دو بار

ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے رہ گیا۔“

اس نے پیروں میں پڑے ہوئے ریوالور کو دیکھتے ہوئے فون پر کہا۔”ابھی میرے ساتھ بھی یہی ہونے والا تھا۔ میں بے خیالی میں اپنے ہی ہتھیار سے خود کو نقصان پہنچانے والا تھا۔“

”اور کوئی بھی عقل مند شخص ایسا نہیں کر سکتا۔ وہی کرتا ہے، جس کا دماغ اپنے اختیار میں نہ ہو۔“

وہ ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے بولا۔”دماغ اسی وقت بے اختیار ہوتا ہے، جب کوئی اسے ٹیلی پیتھی کے شکنجے میں جکڑ لیتا ہے۔“

”صاف ظاہر ہو رہا ہے، کوئی ہمیں غائب دماغ بنا کر نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔“

”مگر وہ کون ہو سکتا ہے؟“

”ظاہر ہے، خیال خوانی کرنے والا کوئی دشمن ہوگا۔“

مارک نے گھبرا کر پوچھا۔”کون ہوگا....؟ کیا فرہاد؟“

”ہاں۔ ہو سکتا ہے۔“

وہ دونوں ہی بری طرح گھبرا گئے تھے۔ دشمنی کے حوالے سے بھی ان کے ذہنوں میں سب سے پہلے میرا ہی نام آیا تھا۔ جبکہ وہ الیشورارا کے بارے میں بھی سوچ سکتے تھے۔ اس بار ان کی سوچ کچھ غلط نہیں تھی۔ میں نہ سہی، میرا بیٹا ان کے بارہ بجانے وہاں پہنچا ہوا تھا۔

مارک نے کہا۔”مگر ہمارے دماغ تو لاک ہیں۔ فرہاد تو کیا کوئی خلائی ٹیلی پیتھی جاننے والا دشمن بھی ہمارے اندر پہنچ نہیں سکتا۔“

ادھر مارک کے اندر کبریا تھا اور اُدھر تھامس کے دماغ میں ارے کا ایک خیال خوانی کرنے والا پہنچا ہوا تھا۔ اس نے تھامس کو گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھانے پر مجبور کیا۔ وہ اس کی مرضی کے مطابق ڈرائیو کرتے ہوئے فون پر بولا۔ ”یہ دیکھو...! میں بات کرنے کے دوران ڈرائیو نہیں کرنا چاہتا لیکن بے اختیار کر رہا ہوں۔“

”تعجب ہے۔ تنویمی عمل کے باوجود ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ لگتا ہے، وہ تنویمی عمل ضائع ہو چکا ہے۔ ہمارے دماغ مقفل نہیں رہے ہیں۔“

”اگر ایسی بات ہے تو پھر یہ گریٹ الیشورارا بھی ہو سکتا ہے۔ اب وہ اپنے مقاصد پورے کرنے کے لیے ہم سے نمٹنا چاہتا ہے، اسی لیے ہمیں ٹریپ کر رہا ہے۔“

کبریا نے مارک کے اندر یہ سوچ پیدا کی کہ اسے جھک کر اپنا ریوالور اٹھانا چاہیے۔ چنانچہ وہ اس کی مرضی کے مطابق عمل کرنے لگا۔ کبریا نے اس کے دماغ کو ایک ذرا ڈھیل دی تو وہ بری طرح بوکھلا گیا۔ ہاتھ میں تھامے ہوئے ریوالور کا رخ پھر اس کی طرف تھا۔

اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں فون پر کہا۔”او گاڈ! یہ ریوالور پھر میرے ہاتھ میں آ گیا ہے اور میں نے اپنے آپ کو نشانے پر رکھا ہوا ہے۔“

وہ ڈرائیو کرتے ہوئے بولا۔”اسے فوراً گاڑی سے باہر پھینک دو۔“

اس نے بڑی بے بسی سے ریوالور کو دیکھتے ہوئے کہا۔”کیسے پھینک دوں؟ میں چاہنے کے باوجود ایسا نہیں کر پا رہا ہوں۔“

اس نے بھی بے بسی سے کہا۔”ہاں۔ جس طرح میں نہ چاہتے ہوئے ڈرائیو کر رہا ہوں۔“

مارک کی تو جیسے سانسیں رک رہی تھیں۔ موت کا رخ اس کی طرف تھا۔ ٹریگر پر رکھی ہوئی انگلی کسی بھی لمحے میں دب سکتی تھی۔ اگر اس کا دماغ اپنے اختیار میں ہوتا تو اسے یہ یقین ہوتا کہ ایسا کبھی نہیں کرے گا۔ مگر وہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا، جو دشمن ٹریپ کرنے آیا ہے، وہ چاہے گا تو ابھی ٹریگر دب جائے گا اور گولی چل جائے گی۔

وہاں کوئی دشمن موجود نہیں تھا۔ کسی کی آہٹ بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ عجیب طرفہ تماشا تھا۔ اس کا اپنا ہی ہاتھ دشمن بنا ہوا تھا۔ دوسری طرف تھامس کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ تھا۔ اسٹیئرنگ سنبھالنے والے دونوں ہاتھ کسی بھی وقت دشمن بن کر اسے موت کی اندھی کھائی میں لڑھکا سکتے تھے۔

کبریا نے مارک کے دماغ کو پھر ڈھیل دی۔ اس نے فوراً ہی ریوالور کو باہر پھینکنا چاہا مگر کبریا نے اسے ایسا کرنے نہیں دیا۔ وہ چاہتا تھا، ہتھیار اس کے قدموں میں رہ کر اسے خوفزدہ کرتا رہے۔ لہٰذا مارک نے اس کی مرضی کے مطابق اسے پھر اپنے قدموں میں پھینک دیا۔

اس نے فون پر کہا۔”تھامس...! میں ریوالور کو گاڑی سے باہر پھینکنا چاہتا تھا مگر..... ہیلو تھامس...! ہیلو..“

دوسری طرف سے رابطہ ختم کر دیا گیا تھا۔ فون کی خاموشی اسے گھبراہٹ میں مبتلا کرنے لگی۔ یہ سوال پیدا ہوا کہ تھامس نے بغیر کچھ کہے رابطہ ختم کیوں کر دیا؟ کہیں اس کے ساتھ کوئی حادثہ تو پیش نہیں آ گیا.....؟

یہ سوچتے ہی اسے وحشت سی ہونے لگی۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ سوچنے لگا۔”اگر اسے کچھ ہو گیا ہے تو یقیناً یہ خیال خوانی کرنے والا دشمن اب مجھے بھی نقصان پہنچائے گا۔ میرے ہی ہتھیار کے ذریعے مجھے....“



اس نے ٹھٹک کر سوچا۔”یہ میں اپنے ریوالور کو ہی کیوں دیکھے جا رہا ہوں؟ نہیں... میں اسے اٹھانا نہیں چاہتا نہیں...“

وہ انکار کر رہا تھا مگر اس کا ہاتھ ریوالور کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے بے اختیار چیختے ہوئے کہا۔”کون ہے....؟ کون ہے میرے دماغ میں....؟ فرہاد...! الیشورارا....! تم جو بھی ہو، مجھ سے بات کرو۔ میں مرنا نہیں چاہتا پلیز....“

اس کا ہاتھ ریوالور تک پہنچنے سے پہلے ہی رک گیا۔ وہ رک گیا تھا۔ فوراً ہی سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے بولا۔”مجھ سے بات کرو۔ آخر تم ہو کون....؟ کیا چاہتے ہو؟“

اسے کوئی جواب نہیں ملا۔ دماغ میں پُراسرار سی خاموشی چھائی رہی۔ اس نے پھر مخاطب کیا۔”پلیز۔ مجھ سے بات کرو۔“

وہ ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے دیکھتے ایک ذرا ٹھٹک گیا۔ دور سڑک کے عین وسط میں اسے دھندلی دھندلی سی ایک عمارت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ آنکھیں سکیڑ کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ وہ دھیرے دھیرے واضح ہو رہی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے دیدے پھیلتے چلے جا رہے تھے۔

بات ہی کچھ ایسی.... اس نے شدید حیرانی اور بے یقینی سے ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔”یہ تو.... یہ تو مسلمانوں کی وہی عمارت ہے، جسے وہ لوگ اللہ کا گھر کہتے ہیں۔ اوہ مائی گاڈ..! یہ یہاں.....؟“

ہاں۔ اسے واشنگٹن میں پُرجلال، پُرشکوہ مقدس خانہ کعبہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ دیدے پھیلائے شدید حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

ایسا کسی صورت ممکن نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر ٹیلی پیتھی کے کرشموں کا کیا کہنا....؟ خیال خوانی کرنے والے کسی کے بھی دماغ پر قبضہ جما کر اسے دن میں تارے اور رات میں سورج دکھا سکتے ہیں۔

اس نے گھبرا کر دائیں بائیں دیکھا پھر اپنے بازو پر ایک زور کی چٹکی بھری۔ اس کے ساتھ ہی منہ سے سسکاری نکلی۔ یہ یقین ہوا کہ خواب نہیں دیکھ رہا ہے۔ اس کے باوجود یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ ضرور اس کے دماغ میں گڑبڑ ہو رہی ہے۔ یہ بھی یقین ہونے لگا کہ اس کے پاس کوئی مسلمان ٹیلی پیتھی جاننے والا پہنچا ہوا ہے اور وہ میں ہی ہو سکتا ہوں۔ اس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔”مسٹر فرہاد...! کیا تم یہاں ہو؟“

وہ چند لمحوں تک خاموش رہا مگر جواباً کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ اس نے پھر مجھے مخاطب کیا۔”مسٹر فرہاد!“

وہ اس پُراسرار خاموشی سے ہیبت میں مبتلا ہو رہا تھا۔ اس عمارت کو دیکھ کر یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی تھی کہ میں اس کے عزائم سے باخبر ہوں اس کے دماغ میں موت کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اچھے خاصے سرد موسم میں پسینے چھوٹنے لگے۔ کبریا بھی اسے چپ کی مار مارنا چاہتا تھا۔

اس نے پوچھا۔”فرہاد! تم میرے اندر ہو ناں..؟“

کبریا بدستور خاموش تھا۔ اسے الجھنے اور بوکھلانے کا بھرپور موقع دے رہا تھا۔ مارک نے کہا۔”میں اچھی طرح سمجھ رہا ہوں فرہاد! تم میرے اندر ہو۔ میں سمجھ گیا ہوں، تم میرے منصوبے سے باخبر ہو گئے ہو۔“

وہ بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے میرے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ اسے امید تھی کہ میں اس کی کسی بات کا جواب ضرور دوں گا۔ اس نے مایوس ہو کر کہا۔”یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم میرے مقفل دماغ میں کیسے چلے آئے؟ کیا تمام اکابرین کے اندر پہنچ سکتے ہو؟ کک... کیا ہمارے دماغ لاک نہیں ہوئے ہیں؟“

وہ جیسے اپنے آپ سے بول رہا تھا۔ چند لمحوں تک خاموش رہ کر خود ہی اپنی باتوں کے جوابات سوچنے کے بعد بولا۔”پوری دنیا تمہاری صلاحیتوں کو مانتی ہے۔ تم سے کچھ بعید نہیں ہے۔ تم لاکڈ دماغوں میں بھی پہنچ سکتے ہو۔ پلیز خاموش نہ رہو۔ کچھ تو بولو...... مجھ سے بات کرو۔“ وہ ہیبت زدہ سا ہو کر سیٹ کی پشت میں دھنستا چلا گیا۔ گھبرا کر بولا۔”میں نہیں کروں گا۔ تم لوگوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کروں گا۔ بلکہ ایسا سوچوں گا بھی نہیں... پلیز مجھ سے بات تو کرو۔“

ایسے ہی وقت اس کی نگاہوں کے سامنے ”اللہ“ کا نام دکھائی دینے لگا۔ وہ ایسا پُرنور تھا۔ اس نام سے ایسی روشنی پھوٹ رہی تھی کہ اس کی آنکھیں چندھیانے لگیں۔ وہ آنکھوں کے سامنے ایک ہتھیلی کا چھجا بنا کر اُدھر دیکھتے ہوئے بولا۔”او گاڈ! اتنی تیز روشنی.... کیا مجھے اندھا کرنا چاہتے ہو؟“

کبریا نے پہلی بار جواب دیا۔”تم لوگ تو پیدائشی اندھے ہو۔“

وہ ایکدم سے چونک گیا۔ میری آواز اور لب و لہجے کو دشمن اور دوست سب ہی جانتے تھے۔ اب تک وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ میں اس کے اندر پہنچا ہوا ہوں۔ اس نے ذرا حیرانی سے پوچھا۔”کون....؟ کون ہو تم...؟“

کبریا نے جواب نہ دیا۔ اس نے پوچھا۔”کیا تم فرہاد نہیں ہو؟ یا آواز اور لب و لہجہ بدل کر بول رہے ہو؟“

اس نے مختصر سا جواب دیا۔”نہیں۔“

”تو پھر کون ہو؟“

”تمہارے لیے اتنا جان لینا ہی کافی ہے کہ میں ایک مسلمان ہوں۔“

”مجھ سے کیا چاہتے ہو؟“

”تم جو چاہتے ہو‘ اُس شیطانی ارادے کو تمہارے وجود سمیت زمین میں دفن کر دینا چاہتا ہوں۔“

اس نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ ”کک۔ کیا مطلب....؟“

”مطلب سمجھانا ہوگا؟ تم مقدس مقامات کو تباہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہو؟“

وہ اعلیٰ حاکم اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ دماغی طور پر اس کے شکنجے میں ہے۔ وہ ابھی چاہے گا تو اسے اسی کے ہتھیار کے ذریعے ہلاک کر ڈالے گا یا پھر دماغ میں ایسے زلزلے پیدا کرے گا کہ وہ ایک کے بعد دوسری سانس نہیں لے پائے گا۔

اس نے جلدی سے کہا۔ ”نن...... نہیں...... میں ایسا کچھ نہیں کرنا چاہتا۔“

”تم چاہو گے بھی تو نہیں کر پاؤ گے۔“

”جب یہ یقین ہے تو پھر مجھے معاف کر دو۔“

ونڈ اسکرین کے پار اللہ کے جگمگاتے ہوئے نام کے بجائے ایک قرآنی آیت دکھائی دینے لگی۔ وہاں سنہری حروف میں لکھا تھا۔ ”انی کنتُ من الظٰلمین....“

کبریا نے اس سے کہا۔ ”تمہارے سوال کا جواب یہ ہے۔“

وہ اُدھر دیکھتے ہوئے بولا۔ ”مجھے عربی نہیں آتی۔“

کبریا نے آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے کہا۔ ”انسان اپنے آپ پر ظلم کرنے والوں میں سے ہے اور تم نے اپنی شامت کو خود ہی دعوت دی ہے۔ اب اس شامت سے بچ کر کہیں نہیں جا سکو گے۔“

”لیکن مم... میں کہہ چکا ہوں۔ ایسا کچھ نہیں کروں گا۔“

”مجھے جو کرنا ہے‘ وہ تو میں کروں گا۔“

اعلیٰ حاکم اس کی بات سنتے سنتے ذرا چونک گیا۔ وہ بے اختیار اپنے ریوالور کی طرف جھک رہا تھا۔ اس کے دل و دماغ پر دہشت سی چھانے لگی۔ وہ اسے اٹھانا نہیں چاہتا تھا مگر بے بس تھا۔ کبریا کی مرضی کے خلاف کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے ہتھیار کو اٹھا کر اس کی نال کو اپنی کنپٹی سے لگا لیا پھر بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”پلیز۔ مجھے معاف کر دو۔ ایک بار موقع دو...... میں پھر کبھی ایسی غلطی نہیں کروں گا۔ مسلمانوں کے خلاف کبھی کچھ نہیں سوچوں گا۔“

کبریا نے کہا۔ ”بے شک۔ نہیں سوچو گے۔ کیونکہ سوچنے کے لیے زندہ نہیں رہو گے۔“

اس کم بخت کی شیطانی سوچ کسی بھی مسلمان کے دینی جذبات کو ٹھیس پہنچا سکتی تھی۔ کبریا بھی بپھرا ہوا تھا۔ کسی صورت اسے معاف کرنے والا نہیں تھا۔ چند لمحوں کے بعد ہی اس کی مرضی کے مطابق ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھ گیا۔ ٹھائیں کی آواز کے ساتھ ایک گولی کھوپڑی کے آر پار ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی کبریا اس کے مردہ دماغ سے نکل گیا۔

ایسے موقعوں پر کہا جاتا ہے‘ خس کم‘ جہاں پاک.... مگر ہم جانتے ہیں‘ شیطان کبھی نہیں مرتا۔ اسلام دشمن عناصر بھی شیطان کی طرح ہیں۔ ایک کے بعد دوسرے پھر تیسرے جنم لیتے رہتے ہیں۔

☆☆☆

انسان اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں مختلف صورتِ حال سے گزرتا رہتا ہے۔ اگر تجزیہ کیا جائے تو ہر دور میں ایک عورت ہمزاد کی طرح اس کے ساتھ رہتی ہے۔

بچپن میں ماں بڑی ممتا سے اپنے بچے کو سینے سے لگاتی ہے۔ جوانی میں محبوبہ کی محبت اور قربت ملتی رہتی ہے۔ بیماری مؤنث ہے۔ یہ بڑھاپے میں ایسی معشوقہ بن کر قریب آتی ہے کہ پلٹ کر جانے کا نام نہیں لیتی۔ اس کا عشق بالآخر قبر تک لے جاتا ہے۔ یوں دیکھا جائے تو زندگی کی آخری ہچکی تک مؤنث سے پیچھا نہیں چھوٹتا۔

آہ....! بچپن اور جوانی... میری زندگی کی کتاب سے ان دو رنگین اور سنگین ابواب کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ وقت کے بے رحم پنجوں نے ان کے ایک ایک ورق کو نوچ کر پھاڑ ڈالا تھا۔ اب میں تھا‘ میری تنہائی تھی اور بیماری کا عذاب تھا۔

ہر خاص و عام کا انجام یہی ہوتا ہے۔ سکندر اعظم بھی ایک دنیا کو فتح کرتا ہوا آخر کار بسترِ مرگ پر ہی پہنچا تھا۔ میں بھی عمر بھر شہ زور بن کر رہا اور اب کمزور بن کر بستر پر پہنچا ہوا تھا۔ اس بستر کو بسترِ مرگ اس لیے نہیں کہہ رہا کہ ابھی موت کو بچھاڑنے کی کچھ ہمت باقی تھی۔

میں چپ چاپ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے سوچ میں گم تھا۔ سونیا میرے لیے سوپ بنا کر لائی۔ پیالہ میری طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ ”کہاں گم ہو؟“

میں نے اسے دیکھا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر پیالہ لیتے ہوئے کہا۔ ”گم ہونے کے دور گزر گئے۔“

اس نے قریب ہی بستر کے سرے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”مجھے تم پر شبہ ہی رہتا ہے۔ جب بھی خاموش رہتے ہو‘ لگتا ہے‘ خیال خوانی کر رہے ہو۔“



میں نے سوپ کا ایک گھونٹ لینے کے بعد کہا۔ ”انسان جب کچھ کرنے کو نہیں رہتا تو وہ اب تک جو کچھ کر چکا ہے اسے یاد کرتا رہتا ہے۔“

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے چند لمحوں کے بعد کہا۔ ”میں زندگی میں بڑے بڑے تجربوں سے گزرتا رہا ہوں۔ اب عمر کے اس اسٹیج پر پہنچنے کے بعد ایک اور نیا تجربہ ہو رہا ہے۔“

”وہ کیا....؟“

میں نے سوپ کے گھونٹ لینے کے بعد کہا۔ ”یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ زندگی میں انسان کا ماضی سب سے زیادہ وفادار ہوتا ہے۔ یہ کبھی ہمیں تنہا رہنے نہیں دیتا۔ میں تنہا ہوں‘ جب تم یہاں نہیں ہوتیں۔ دنیاوی کوئی رشتہ میرے پاس نہیں ہوتا‘ تب تنہائی کے لمحات میں ماضی کسی ہمدرد کی طرح میرے پہلو سے آ کر لگ جاتا ہے۔ مجھ سے باتیں کرتا ہے اور مجھے گزرے ہوئے کل اور بچھڑے ہوئے لوگوں کے درمیان پہنچا دیتا ہے۔“

وہ چپ چاپ میری باتیں سن رہی تھی۔ میں نے ذرا توقف سے کہا۔ ”ایسے وقت مجھے اپنے آس پاس بھولے بسرے بہت سے کردار دکھائی دینے لگتے ہیں اور تنہائی کا احساس یکسر ختم ہو جاتا ہے۔“

وہ کچھ سوچ کر بولی۔ ”اسے خیال خوانی کرنے کا ایک طریقہ کہا جا سکتا ہے۔“

”نہیں۔ ایسی بات نہیں ہے۔ میں نے کہا ناں‘ ایسا ہر انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔“

”اچھا ٹھیک ہے..... تو پھر بتاؤ‘ ابھی تمہارے ماضی نے تمہیں کہاں پہنچایا ہوا تھا؟“

میں سوپ کے چند گھونٹ لینے کے بعد مسکرانے لگا۔ اس نے پوچھا۔ ”کیا ہوا؟“

میں نے کہا۔ ”میری پوری زندگی میں دو باتیں ہمیشہ رہی ہیں۔ ایک دشمن اور دوسری عورتیں...“

اس نے زیرِ لب مسکرا کر سر ہلایا۔ میں نے کہا۔ ”اور دن بدن ان دونوں کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔“

”ویسے عورت سے دوستی بھی دشمنی کے برابر ہوتی ہے۔“

میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ ”ہاں۔ عموماً یہی ہوتا ہے۔ عورت دوست بن کر دشمنی کرتی ہے۔ لیکن میری زندگی میں چند عورتیں دشمن بن کر آئیں اور پھر دوست بنتی چلی گئیں۔“

”ہاں۔ جیسے میں‘ جیسے آمنہ (رونتی) اور وہ پرتگالی لڑکی.....“

میں نے سوچنے کے انداز میں کہا۔ ”رومانہ....“

”یاد نہیں ہے؟ پرتگال کے رئیس اعظم روزو برانڈو عرف سمندری عقاب کی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی.... رومانہ عرف لیڈی سارہ...“

ذہن پر ذرا زور ڈالتے ہی ماضی کا وہ باب یاد آ گیا۔ رومانہ ایک بھرپور جوان دوشیزہ تھی۔ اس کے باپ روزو برانڈو نے اسے بچپن ہی سے جوڈو کراٹے‘ سوئمنگ‘ ریسلنگ‘ رائفل شوٹنگ اور جمناسٹک کی تربیت دی تھی۔ وہ چاہتا تھا‘ کوئی اس کی بیٹی کو کمزور لڑکی نہ سمجھے۔ جب وہ جوان ہوئی تو پتا چلا کہ عادتاً لڑاکا بن گئی ہے۔ وہ خود کو مرد سمجھتی تھی۔ اسی لیے مردانہ لباس پہنتی تھی۔

مگر سمجھنے سے کیا ہوتا ہے؟ مٹھائی چاہے تھال میں سجی ہو یا کسی بند ڈبے میں رکھی ہو۔ مٹھائی ہی رہتی ہے۔

اس کے چہرے کے نقوش ایسے تھے کہ سامنے بیٹھ کر تصویر کی طرح دیکھے جا سکتے تھے۔ جلد کا رنگ اجلا اور مکھن کی طرح پھسلتا ہوا سا تھا۔ جمناسٹک کی تربیت ایسی ہوتی تھی کہ جسم کے خطوط اپنی بھرپور رعنائیوں کے ساتھ نمایاں ہو جاتے تھے۔

کسرتی بدن کی یہی خوبیاں اس کے وجود میں تھیں۔ بدن کے نشیب و فراز ایسے جاذبِ نظر اور دل کھینچنے والے تھے کہ کوئی اِدھر کھنچا چلا جاتا تو ان کے نشیب و فراز سے گزرنے والا جوڈو کراٹوں کے زخم کھا کر واپس آتا تھا۔ میں اسے مکھن کی ٹکیہ کہتا تھا مگر اس کے باپ نے مکھن کی ٹکیہ کو بارود کی ڈبیا بنا دیا تھا۔

وہ اپنی عادتوں اور خوبیوں کے باعث سونیا جیسی ہی ناقابلِ شکست تھی۔ مقابل آنے والے دشمنوں کے بارہ بجا دیتی تھی۔ سونیا کے بعد میری زندگی میں بہت سی عورتیں آتی جاتی رہیں۔ جب رومانہ آئی تو اُن دونوں سوکنوں میں ٹھن گئی۔ بھلا دو تلواریں ایک نیام میں کیسے رہ سکتی تھیں؟ وہ ٹکراتی تھیں اور ان کی چنگاریاں مجھ تک پہنچتی رہتی تھیں۔

سونیا ایسی زبردست تھی کہ کوئی اسے مات نہیں دے سکتا تھا۔ لیکن ایک بار رومانہ کے مدِمقابل آ کر وہ ہار گئی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ایک عرصہ گزر جانے کے باوجود اسے رومانہ یاد تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس نے سونیا کو زبردست دھوکا دیا تھا۔ ایک عازم نامی نوجوان میرا ہم شکل تھا۔ رومانہ ایک عرصہ تک اس کے ذریعے سونیا کو بے وقوف بناتی رہی تھی۔ یہی ظاہر کرتی رہی تھی کہ وہ اس کا فرہاد ہے۔

وہ اسے عازم کے ساتھ مصروف رکھ کر دوسری طرف مجھے صرف اپنے لیے وقف کر لینا چاہتی تھی۔ ان دنوں جیسے میری شامت آئی ہوئی تھی۔ میں عارضی طور پر ٹیلی پیتھی کی صلاحیت سے محروم رہ کر زندگی گزار رہا تھا۔ سونیا سے دور اور

اس سے بے خبر تھا۔

ایک بار وہ بحری جہاز میں سفر کر رہی تھی۔ رومانہ اور عازم بھی اس کے ہمسفر تھے۔ اس نوجوان کو بحری جہاز میں پہلے فرہاد بنا کر سونیا کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور وہ دھوکا کھاتی رہی تھی۔

اسی دوران رومانہ اس پر حملہ کرنے کے لیے اس کے کیبن کے پاس آئی تو یہ سوچ کر ذرا ٹھٹک گئی۔ دروازے پر رک کر سوچنے لگی۔ ''سونیا سونگھنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتی ہے۔ یقیناً میری بُو سے سمجھ رہی ہوگی کہ میں دروازے پر پہنچی ہوئی ہوں۔''

اس کے ہاتھ میں ریوالور دبا ہوا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔ ''اسے بلا کو بارود کی بُو بھی مل رہی ہوگی۔ کیا وہ میرے ریوالور کے سامنے آنے کے لیے کیبن میں اطمینان سے بیٹھی ہوگی؟ نہیں۔ وہ نادان نہیں ہے۔ مجھے بہت محتاط رہنا ہوگا۔''

اس نے بلند آواز میں کہا۔ ''سونیا! بدترین دشمنوں کی طرح ملنے کا وقت آپہنچا ہے۔ باہر آجاؤ۔''

اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ وہ دروازے کو کھول کر محتاط انداز میں اندر آگئی۔ خلافِ توقع کیبن خالی تھا۔ وہ باتھ روم کی طرف بڑھی۔ اسی وقت کھٹاک کی آواز کے ساتھ ہی کیبن کا بیرونی دروازہ بند ہوگیا۔ وہ ایکدم سے چونک گئی۔

باہر سے سونیا کی آواز سنائی دی۔ ''بے بی! کیبن میں آرام کرو۔ میری مرضی کے بغیر تم باہر نہیں آسکو گی۔''

رومانہ دروازے کو پیٹتے ہوئے بولی۔ ''چڑیل! دروازہ کھول دے۔ تُو نے مجھے بڑی مکاری سے بے بس کیا ہے۔ اگر ہمت ہے تو سامنے آکر دو دو ہاتھ کرلے۔''

''تمہاری یہ حسرت بھی ضرور پوری کروں گی مگر ابھی نہیں۔ پہلے فرہاد کے بارے میں بتاؤ۔ وہ تمہیں کہاں ملا تھا؟''

اس وقت سونیا میرے معاملے میں ایک ذرا الجھی ہوئی تھی۔ کیونکہ عازم نامی جس نوجوان کو فرہاد بنا کر اس کے پاس پہنچایا گیا تھا' اس کے وجود سے سونیا کو میری خاص مہک نہیں مل رہی تھی اور یہی الجھانے والی بات تھی۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ میرے ساتھ کیا مسئلہ ہے اور اسی سلسلے میں وہ رومانہ سے سوال کر رہی تھی۔

اس نے کہا۔ ''میں بتاؤں گی لیکن پہلے دروازہ کھولو۔''

سونیا نے کہا۔ ''میں فرہاد کے لیے پریشان ہوں۔ اس کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے دروازہ ضرور کھولوں گی مگر... یہ جو فرہاد ہے نا....''

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ رومانہ نے بے چینی سے پوچھا۔ ''ہاں۔ کیا ہوا؟ تم چپ کیوں ہوگئیں؟''

سونیا نے آہستگی سے کہا۔ ''میں زور سے نہیں بول سکتی۔ بات ہی کچھ ایسی ہے۔ آہستگی سے بول رہی ہوں۔ غور سے سنو۔''

وہ غور سے سننے کے لیے دروازے سے لگ گئی۔ سونیا نے گہری سانس لی۔ سونگھنے کی غیر معمولی صلاحیت کے ذریعے معلوم کرلیا کہ شکار بالکل قریب آگیا ہے۔ نشانہ خالی نہیں جائے گا۔ اس نے بڑی پھرتی سے لاک میں چابی گھما کر دروازے پر ایک زور کی لات ماری۔ رومانہ کی چیخ سنائی دی۔ کھلے ہوئے دروازے سے نظر آیا' وہ اچھل کر کیبن کے اندر دور جا گری تھی۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔

سونیا چھلانگ لگا کر ریوالور تک پہنچی۔ مگر وہ بھول گئی تھی کہ رومانہ جمناسٹک کے آسمان کی بجلی ہے۔ آسمانی بجلی کو بہت کم زمین پر گرتے دیکھا گیا ہے۔ رومانہ کی برق رفتاری سے بھی پتا نہیں چلتا تھا کہ کب گرتی ہے اور کب سنبھلتی ہے۔

سونیا ریوالور اٹھانے کے لیے جھکی تو اس کے منہ پر ایک ٹھوکر پڑی۔ وہ دونوں توڑ کا جوڑ تھیں۔ خود ٹوٹ کر جُڑنا جانتی تھیں اور جُڑنے والوں کو توڑنے کا ہنر بھی خوب آتا تھا۔

رومانہ نے گھوم کر دوسری لات ماری۔ سونیا لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے جا کر دیوار سے لگ گئی۔ اس کی ناک سے لہو رسنے لگا تھا۔

رومانہ کا نقطۂ آغاز یہی ہوتا تھا۔ پہلے ہی حملے میں مقابل کی ناک سے لہو کے آنسو ٹپکنے لگتے تھے۔ بعض مقابل کے چہروں سے تو ناک ہی غائب ہو جاتی تھی۔ ایسے ایسے داؤ پیچ جانتی تھی کہ پلک جھپکتے ہی اپنے مخالفین کو چاروں شانے چت کر دیتی تھی۔

اس نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھتے ہوئے کہا۔ ''سونیا! تُو نے فرہاد کو مجھ سے جدا کیا۔ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا' آئندہ زندگی کے کسی موڑ پر ہماری ملاقات بدترین دشمنوں کی طرح ہوگی۔''

وہ ایک دوسرے کے مقابل کھڑی ہوئی تھیں۔ ان کے درمیان چھ فٹ کا فاصلہ تھا۔ سونیا نے الٹی ہتھیلی سے ناک سے رِستے ہوئے لہو کو پونچھا۔ پھر ریوالور کی طرف دیکھا۔ وہ رومانہ کے قدموں میں پڑا ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی' رومانہ اسے ریوالور تک پہنچنے کا موقع نہیں دے گی۔

وہ زیرِ لب مسکرائی پھر ریوالور کو ایک ہلکی سی ٹھوکر مار کر اسے سونیا کی طرف پہنچا دیا۔ ''تم چاہو تو اسے اٹھا سکتی ہو۔''

سونیا نے اسے بے یقینی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم اپنا ریوالور مجھے دے رہی ہو۔ گویا اپنی شامت کو دعوت دے رہی ہو۔ شاید اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کہ میں اسے اٹھا کر گولی نہیں چلا سکوں گی۔ اس سے پہلے ہی تم جمناسٹک کے کرتب دکھاؤ گی۔''



وہ بولی۔ ''آؤ۔ آج ہم اپنی اپنی تیزی اور طراری آزمائیں۔ جب پچھلی بار ہمارے درمیان مقابلہ ہوا تھا' تب میں نہیں جانتی تھی کہ تم سونگھنے کی حیرت انگیز صلاحیت رکھتی ہو۔ اس لیے دھوکا کھا گئی تھی مگر آج ہم کھلی کتاب کی طرح آمنے سامنے ہیں۔ تم اپنی تمام صلاحیتیں آزماؤ۔ میں تمہیں ٹھوکروں میں اڑاتی رہوں گی۔''

سونیا کیبن کی دیوار سے لگ کر آہستہ آہستہ بیٹھنے لگی۔ اپنے قدموں کے پاس پڑے ہوئے ریوالور کو اٹھانے کا ارادہ تھا۔ دوسری طرف رومانہ کسی بھی لمحے میں منہ توڑ حملہ کر سکتی تھی۔ اس لیے وہ مسلسل اسے گھور رہی تھی اور اپنا ہاتھ ریوالور کی طرف بڑھا رہی تھی۔

بڑی ہی سنسنی خیز صورتِ حال تھی۔ اس خاموش کیبن میں اچانک ہی قیامت کا ٹکراؤ ہونے والا تھا۔ چند لمحوں بعد سونیا نے اپنا ایک گھٹنا فرش پر ٹیک دیا۔ رومانہ نے پھر بھی اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔ اس کی خاموشی اور زیادہ سسپنس اور دہشت پیدا کر رہی تھی کہ پتا نہیں' کس لمحے میں وہ کیا کرنے والی ہے؟

سونیا کا ایک ہاتھ ریوالور تک پہنچ گیا۔ رومانہ پہلے پتھر کے مجسمے کی طرح ساکت تھی پھر اس میں ہلکی سی جنبش پیدا ہوئی۔ وہ ذرا سی تن گئی۔ جیسے کرتب دکھانے سے پہلے بدن کو تول رہی ہو۔ سونیا کی ساری توجہ اس پر تھی۔ اس نے ریوالور کی نال کو چٹکی سے پکڑ کر اٹھا لیا۔

ریوالور کو کبھی نال کی طرف سے پکڑ کر فائر نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا ابھی گولی نہیں چل سکتی تھی۔ سونیا اچانک ہی فرش پر سے اچھل کر برتھ پر بیٹھ گئی۔ اسی دوران ریوالور سیدھا ہو کر اس کی گرفت میں آگیا۔ وہ غرا کر بولی۔ ''اب تمہاری پھرتی کام نہیں آسکے گی۔''

رومانہ نے پوچھا۔ ''کیا مجھے گولی مارو گی؟''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ''مارنا ہوتا تو تم سے پچھلی بار سامنا ہوتے ہی تمہیں ہمیشہ کے لیے سلا دیتی لیکن فرہاد کسی نہ کسی دن مجھ سے تمہاری زندگی کا حساب طلب کرے گا۔''

''مجھے بھی اسی بات کا ڈر ہے۔ پچھلی بار تم نے ریوالور سے صرف فائرنگ کر کے دھمکی دی تھی.... آج میں نے اُس دھمکی کا بدلہ لے لیا...''

''کیا مطلب...؟''

رومانہ نے مسکرا کر کہا۔ ''میں اب تک تمہارے دل میں دہشت طاری کرتی رہی ہوں۔ اس ریوالور کو پھینک دو۔ یہ خالی ہے.......''

سونیا نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔ پھر فوراً ہی ریوالور کو

چیک کیا۔ اس میں گولی نہیں تھی۔ اس نے بری طرح جھنجلاتے ہوئے اسے رومانہ کی طرف کھینچ کر مارا۔ ''سور کی بچی! ابھی تک مجھے بے وقوف بنا رہی تھی۔''

وہ ایک طرف ہٹ گئی تھی۔ ریوالور دوسری طرف آن گرا تھا۔ اس نے کہا۔ ''اس میں ایک گولی تھی۔ میں نے عرشہ پر ایک پرندے کا نشانہ لیا تھا۔ پھر اسے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تمہیں بارود کی بُو مل رہی تھی....''

میں مسکراتا ہوا ماضی کے دریچوں سے پلٹ کر حال کی طرف چلا آیا۔ سونیا مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے کہا۔ ''اس عورت نے تمہیں خوب بے وقوف بنایا تھا۔ ویسے یہ تو ماننا پڑتا ہے' وہ کسی طرح تم سے کم نہیں تھی۔''

وہ شانے اچکا کر ایک ادائے بے نیازی سے بولی۔ ''کم تو تھی۔ اگر نہ ہوتی تو اس وقت یہاں میری جگہ وہ تمہارے پاس ہوتی۔''

میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ ''ہاں۔ میں سوچ رہا ہوں' وہ ہوتی تو کیسا ہوتا... وہ اس بات پر حیران ہوتی... وہ اس بات پر کتنا ہنستی... وہ ہوتی تو ایسا ہوتا.... وہ ہوتی تو ویسا ہوتا....''

اس نے گھور کر مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''سوکن کے لیے شاعری کر رہے ہو۔''

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''بڑے عرصے بعد تمہارا یہ موڈ دیکھ رہا ہوں۔ ورنہ تم تو عورتوں کے معاملے میں میری طرف سے بالکل ہی بے فکر ہو گئی تھیں۔ میں کہاں جاتا ہوں' کس کے ساتھ وقت گزارتا ہوں؟ تمہیں اس بات سے کوئی سروکار نہیں رہا تھا۔ آج میں برسوں پہلے والی سونیا کو دیکھ رہا ہوں۔ جو کسی بھی سوکن کو میری زندگی سے نوچ کر الگ کر دینے کے لیے مرنے مارنے پر تل جاتی تھی۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر مسکراتے ہوئے بولی۔ ''واقعی میں عمر اور تجربے کی بھٹی میں پکنے کے بعد سوکن کے جلاپے کو بھول ہی گئی ہوں یا پھر....''

''یا پھر...؟''

''یا پھر اس یقین نے میری سوچ بدل دی ہے کہ تم دنیا کے کسی کونے میں بھی چلے جاؤ گے' پلٹ کر میرے ہی پاس آؤ گے اور یہی ہوتا رہا ہے۔''

رات کا وقت تھا۔ کھلی ہوئی کھڑکی سے اجلی چاندنی بستر تک پہنچ رہی تھی۔ سحر انگیز تنہائی تھی اور ہماری پیار بھری باتیں تھیں۔ بہت ہی رومان پرور ماحول تھا۔ وہ بستر پر کھسک کر میرے قریب آ کر سینے سے لگ گئی۔ میں نے اسے دونوں بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

ہائے....! کیسی دل میں اتر جانے والی قربت نصیب ہو رہی تھی؟ جی چاہتا تھا یہ رات یونہی گزرتے رہیں اور پلٹ کر آتے رہیں۔ وہ سینے سے آ کر کیا لگی' ماضی کی کتنی ہی رنگین اور سنگین راتیں دل و دماغ پر دستک دینے لگیں۔

بڑھاپے میں عشقیہ لمحات گھوم پھر کر آ رہے تھے اور سحر زدہ کر رہے تھے۔ ہم چُپ تھے' گزرا ہوا زمانہ ہمیں یاد کر رہا تھا۔ یہ یاد دلا رہا تھا کہ کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو... بڑا اچھا لگ رہا تھا۔ ہم خود کو جوان...... تیر اور کمان دیکھ رہے تھے۔

ایسے لمحات میں مجھے ایک فلمی گیت کے اشعار یاد آنے لگے۔ میں نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے شاعرانہ انداز میں کہا۔ ''یہ رات ہے یا تمہاری زلفیں کھلی ہوئی ہیں۔

یہ چاندنی ہے یا تمہاری نظروں سے میری راتیں دھلی ہوئی ہیں۔

یہ چاند ہے یا تمہارا کنگن
ستارے ہیں یا تمہارا آنچل
ہوا کا جھونکا ہے یا تمہارے بدن کی خوشبو
یہ پتیوں کی ہے سرسراہٹ کہ تم نے چپکے سے کچھ کہا ہے........''

اس نے گہری سانسیں لیں۔ وصل کے لمحات ایسے ہوتے ہیں کہ جوانی بھی ہانپ جاتی ہے۔ ہم عمر کے اس دور میں تھے' جہاں شاید اس کا بڑھاپا ہانپ رہا تھا مگر نہیں....

وہ ہانپ نہیں رہی تھی' بھانپ رہی تھی۔ گہری سانس لیتے ہوئے ایک جھٹکے سے الگ ہو گئی۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا ہوا؟''

وہ سونگھنے کے انداز میں کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف دیکھ کر بولی۔ ''دشمنوں کی بُو مل رہی ہے۔''

میں سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''کون دشمن..؟''

اس کے اندر جیسے بجلی سی بھر گئی تھی۔ وہ تیزی سے بیڈ سے اتر کر لباس درست کرتی ہوئی دروازے کی طرف گئی۔ پھر سائڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر جاتے ہوئے بولی۔ ''وہ آفاقی دشمن یہیں کہیں ہیں اور ایک دو نہیں ہیں۔ کم سے کم چار پانچ ہیں۔''

ٹیلی پیتھی کے فسوں کار فرہاد علی تیمور کی اس مقبول عام سرگزشت کے مزید واقعات آئندہ شمارے میں پڑھیے

فرہاد علی تیمور

# دیوتا

ہنگاموں، رنگینیوں اور تحیر کے اس بے تاج بادشاہ کی سحر انگیز کہانی جس نے اپنی بھرپور زندگی میں کبھی شکست کا ذائقہ نہیں چکھا۔ وہ جیا اور جس کے ذہن میں چاہتا جھانک لیتا اور یہی اس کا مہلک ترین ہتھیار تھا۔ دو نسلوں پر محیط وہ طلسم ہوش ربا کہ قارئین کی دوسری نسل بھی بہت شوق سے پڑھ رہی ہے۔ اپنے اور ملک و قوم کے دشمنوں کو خیال خوانی کے نرم و نازک ہتھیار سے خاک و خون میں نہلا دینے والے فرہاد علی تیمور کی لازوال اور بے مثال داستانِ عبرت جس میں وہ اپنوں کے سارے رشتوں کے ساتھ حریفوں سے برسرِ پیکار ہے

اردو زبان کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا اور طویل ترین سلسلہ

سونیا کمرے سے نکل کر آنگن عبور کرتی ہوئی بیرونی دروازہ کھول کر باہر چلی گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے اوجھل ہو گئی مگر اوجھل ہونے کے باوجود میں دماغی آنکھ کے ذریعے دیکھ رہا تھا' وہ اپنی کار میں بیٹھ کر بڑی تیزی سے ڈرائیو کرتی جا رہی تھی۔ رات زیادہ ہونے کی وجہ سے شہر کی شاہراہیں ویران دکھائی دے رہی تھیں۔ ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔

میں چپ چاپ اس کے دماغ میں پہنچا ہوا تھا۔ اس کے خیالات بتا رہے تھے کہ دشمن کسی ایک جگہ ٹکے ہوئے نہیں ہیں۔ متحرک ہیں۔ یقیناً سفر کر رہے ہیں اور وہ جیسے ان کا پیچھا کرتی جا رہی تھی مگر تیز رفتاری کے باوجود فاصلہ کم نہیں ہو رہا تھا۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بھی بڑی برق رفتاری سے آگے بڑھ رہے ہیں۔

کچھ دیر بعد میں نے دیکھا' اس کی گاڑی شہر کی حدود سے نکل کر ایک پنڈ میں داخل ہو گئی۔ کھلی ہوئی چاندنی میں چاروں طرف لہلہاتے کھیت اور ان کے درمیان سے گزرتی ہوئی ویران سڑک' بہت ہی دلفریب منظر پیش کر رہی تھی۔ رات کے سناٹے میں مختلف حشرات الارض کی سرگوشیاں گونج رہی تھیں۔ کوئی اور موقع ہوتا تو اس ماحول کے بارے میں شاعرانہ انداز میں کچھ نہ کچھ ضرور کہا جاتا مگر اس وقت دشمنوں کی بُو مل رہی تھی۔ لہٰذا سونیا مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو اور کھیت میں پکنے والی فصلوں کی مہک پر دھیان نہیں دے رہی تھی۔

گاڑی کی ہیڈ لائٹس سڑک کو دور تک روشن کر رہی تھیں۔ اس کے اور دشمنوں کے درمیان اب بھی اُتنا ہی فاصلہ تھا۔ وہ ان کے تعاقب میں آندھی طوفان کی طرح اڑی چلی جا رہی تھی۔ ایسے ہی وقت جیسے اس کے پر کاٹ دیے گئے۔ وہ ایکدم سے ٹھٹک گئی۔ دھیرے دھیرے گاڑی کی رفتار بھی سست پڑنے لگی۔

میں اس کے دماغ میں رہ کر بدلتی ہوئی غیر متوقع صورتِ حال کو سمجھ رہا تھا۔ اسے اچانک ہی دشمنوں کی بُو ملنا بند ہو گئی تھی۔ یہ بڑی حیرانی کی بات تھی۔ ایسا کیسے ہو سکتا تھا؟ دشمن چاہے زمین کی تہ میں جا کر چھپ جاتے' تب بھی سونیا کی پہنچ سے نکل نہ پاتے۔ وہ بُو کے ذریعے ان کی شہ رگ تک پہنچ سکتی تھی۔ مگر وہاں تو اچانک ہی جیسے کایا پلٹ گئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' دشمن ایسی کون سی پناہ گاہ میں جا کر چھپ گئے ہیں' جہاں سے سونیا کو ان کی بُو نہیں مل رہی تھی؟

اس نے کار کو سڑک کے کنارے روک دیا۔ ونڈ اسکرین کے پار دور تک نظریں دوڑانے لگی۔ سمجھنے کی کوشش کرنے لگی کہ آخر کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ جس بُو کی سمت وہ کشاں کشاں اتنی دور تک آئی تھی' وہ اچانک ہی کم کیوں ہو گئی تھی اور کیسے ہو گئی؟

وہ سوچ رہی تھی۔ میں بھی اس کے دماغ میں رہ کر چپ چاپ سوچ رہا تھا۔ ایسے ہی وقت اس نے چونک کر کہا۔ ''فرہاد! تم یہاں ہو؟''

میں اپنی موجودگی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ ذرا غصہ دکھاتے ہوئے بولی۔ ''خاموش نہ رہو۔ میں سمجھ گئی ہوں' یہاں ہو۔ میں نے خیال خوانی کرنے سے منع کیا تھا اور تم...!''

میں نے کہا۔ ''پلیز سونیا! میں بالکل ہی ناکارہ نہیں ہوں۔ بستر پر بیٹھے بیٹھے جو کر سکتا ہوں' اس سے روکا نہ کیا کرو۔''

وہ جواباً کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ایسے ہی وقت ایکدم سے چونک کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ میں بھی چونک گیا تھا۔ دائیں طرف کھیتوں میں ذرا دور کچھ سرسراہٹ ہوئی تھی۔ ا[illegible] سرسراہٹ کسی کی موجودگی کا پتا دے رہی تھی۔ سونیا نے ایک گہری سانس لی۔ کسی دشمن کی بُو نہیں مل رہی تھی۔ کوئی جانو[illegible] ہوتا' تب بھی اسے پتا چل جاتا۔ چند لمحوں بعد پھر کھڑ[illegible] فصلوں کے درمیان ہلچل سی ہوئی۔

میں نے کہا۔ ''وہاں کوئی نہ کوئی تو ہے۔ تمہیں کسی کی [illegible] کیوں نہیں مل رہی ہے؟ کہیں اچانک ہی تمہاری سونگھنے کی صلاحیت ختم تو نہیں ہو گئی ہے؟''

وہ مکمل طور پر چوکنا بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی نگاہیں کھیتوں کے درمیان مطلوبہ مقام پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے ڈیش بورڈ سے ریوالور نکالتے ہوئے سوچ کے ذریعے کہا۔ ''صلاحیت تو ختم نہیں ہوئی ہے مگر یہاں کوئی مسٹری ہے۔ اسے سمجھنا ہو گا۔''

''کیسی مسٹری...؟''

''یہی تو سمجھنا ہے۔ یہاں تک پہنچتے ہی دشمنوں کی بُو ملنا بند ہو گئی اور اب ان کھیتوں میں جو کوئی بھی ہے' وہاں تک میرے سونگھنے کی حس نہیں پہنچ رہی ہے اور یہ تو اچھی طرح سمجھ رہی ہوں کہ میری صلاحیت ختم نہیں ہوئی ہے۔''

ایسے وقت پھچاک کی آواز کے ساتھ ہی گاڑی کو جھٹکا سا لگا۔ چند لمحوں میں ہی سمجھ میں آ گیا کہ سائلنسر لگے ریوالور کے ذریعے گاڑی کا اگلا ٹائر پنکچر کر دیا گیا ہے۔ حیرانی اور پریشانی کی بات تھی' کوئی دشمن وہاں تھا تو سونیا کو اس کی بُو کیوں نہیں مل رہی تھی؟ جبکہ اسے یہ یقین تھا کہ وہ اپنی اس غیر معمولی صلاحیت سے محروم نہیں ہوئی ہے۔

گاڑی کو جھٹکا لگتے ہی وہ نیچے جھک گئی تھی تاکہ کسی بھی اندھی گولی سے محفوظ رہ سکے پھر اس نے کہا۔ ''مسٹری سمجھ میں آ گئی ہے۔ اس کھیت میں سیارے والے دشمن چھپے ہوئے ہیں۔ یقیناً انہوں نے وہ دوا استعمال کی ہے' جس کے ذریعے ان کے جسم کی خاص بُو ختم ہو جاتی ہے۔''

میں نے قائل ہو کر کہا۔ ''ہوں۔ یہ تمہیں اپنے پیچھے لگا کر اس ویرانے تک لائے ہیں اور اب چھپ کر حملہ کر رہے ہیں۔ تمہیں بہت محتاط رہنا ہو گا۔ تم نے کہا تھا' وہ تعداد میں چار [illegible]ہیں۔ ان کھڑی فصلوں میں نہ جانے کہاں کہاں چھپے ہوں [illegible] سے اچانک ہی غیر متوقع طور پر حملہ کر سکتے ہیں۔''

[illegible]نیا کے لیے واقعی صورتِ حال کافی پیچیدہ ہو گئی تھی مگر [illegible] پیچیدگیوں اور مشکل حالات سے مکھن کے بال کی [illegible] نا جانتی تھی۔ اس ویرانے میں اس کی گاڑی ٹارگٹ [illegible] تھی اور گاڑی کے اندر وہ چھپی ہوئی چپ چاپ یہ [illegible] کوشش کر رہی تھی کہ دشمنوں کی پوزیشن کیا ہو سکتی ہے؟

[illegible]یں نے کہا۔ ''سونیا! وقت ضائع نہ کرو۔ گاڑی [illegible] کر کے کسی بھی طرح یہاں سے نکلو...''

میری بات مکمل ہوتے ہی ایک بار پھر گاڑی کو جھٹکا لگا۔ [illegible]کی آواز کے ساتھ ہی آگے والا دوسرا پہیہ بھی ناکارہ کر [illegible]گیا۔ یوں اندازہ ہوا کہ سونیا کے دائیں بائیں [illegible] اطراف دشمن گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ ایسے اس [illegible]انے میں لا کر بے دست و پا بنانے کی سازش کی گئی تھی۔

[illegible] جھکی ہوئی تھی۔ اس نے محتاط انداز میں ایک ذرا سرا اٹھا [illegible] سے باہر دیکھا۔ کوئی آہٹ نہیں تھی۔ وہاں پُراسرار [illegible] چھائی ہوئی تھی۔ میں نے کہا۔ ''دشمنوں نے بڑی [illegible] سے تمہیں گھیرا ہے۔''

''یہ سوچو انہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ ہم کہیں شاہدرہ [illegible] ہیں؟''

''انہیں یہ معلوم ہو گا کہ تم کئی کلو میٹر تک مطلوبہ بُو کو [illegible] کر لیتی ہو۔ انہوں نے تمہیں شاہدرہ میں دیکھا ہوتا تو [illegible] گھیرنے کی کوشش کرتے۔ یہ اسی علاقے سے تمہیں اپنی [illegible] کھینچتے رہے ہیں۔''

اس نے سوچ کے ذریعے کہا۔ ''ہوں... یہ بات بھی سمجھ [illegible] رہی ہے کہ یہ لوگ مجھے ہلاک نہیں کرنا چاہتے۔ ورنہ پہلا [illegible] ٹائر کا نہیں' ونڈ اسکرین کے پار میری کنپٹی کا لیا جاتا۔''

''بے شک۔ وہ ہلاک نہیں کرنا چاہتے مگر زخمی ضرور [illegible] چاہیں گے تاکہ تمہارے دماغ پر قبضہ جما سکیں اور میں [illegible] ایسا موقع نہیں دوں گا۔''

[illegible]یں بولتے بولتے چپ ہو گیا۔ کمیونیکیٹنگ مشین سے [illegible] وصول ہوا تھا۔ میں نے سونیا سے کہا۔ ''ایشورارا [illegible] کر رہا ہے۔''

[illegible]اسکرین پر اس کی تحریر ابھری۔ ''تم دونوں میاں بیوی تو [illegible] صاحب کے ادارے میں چھپے بیٹھے تھے پھر پاکستان کے [illegible] سے کیسے نکل آئے؟''

[illegible]یں نے کہا۔ ''ایشورارا! یہ کیا تماشا ہے؟ انوشے کے [illegible] میں تم سے معاملات طے ہو چکے ہیں۔ ہم تمہارا مطالبہ

تسلیم کر رہے ہیں۔ پھر تم یہ کیا کر رہے ہو؟"

"مجھے تمہاری زبان پر اعتبار تھا مگر تم نے اچانک ہی ادارے سے نکل کر مجھے چوکنا کر دیا ہے۔ کیا یہ دھوکا دینے والی بات نہیں ہے؟ یقیناً تم میاں بیوی کو ہم سے نمٹنے کے لیے ادارے سے باہر بھیجا گیا ہے۔"

میں نے کہا۔ "ادارے میں رہنا یا باہر آنا' یہ ہمارے ذاتی معاملات ہیں۔ تم اپنے مطالبے کی بات کرو۔ میں آج بھی اپنی زبان پر قائم ہوں۔ دو دنوں کا وقت لیا ہے۔ اس کے بعد پوتی کو تمہارے حوالے کرنے والا ہوں۔"

"تم نے بڑی مکاری سے یہ کہہ کر مہلت لی تھی کہ ایک بچی کو جدا ہونے سے پہلے اپنے والدین اور دادا کے ساتھ وقت گزارنا چاہیے۔ اس کے بعد اسے میرے حوالے کر دیا جائے گا مگر اب سمجھ میں آرہا ہے' اس مہلت کے پیچھے سازش چھپی ہوئی تھی۔ تمہاری چالاکی یہی تھی کہ مجھے مطمئن کرنے کے بعد تم میاں بیوی میری پیٹھ میں چھرا گھونپنے کے لیے ادارے سے باہر آؤ گے۔"

"یہ تمہارے اندر کا خوف ہے۔ ورنہ ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اب تم دشمنی کر رہے ہو تو ہمیں جواباً کچھ نہ کچھ تو کرنا ہوگا۔"

"کیا کرو گے؟"

میں تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "سونیا کو ٹریپ کرنے کا مقصد کیا ہے؟ کیا چاہتے ہو؟"

"ہلاک نہیں کرنا چاہتا۔"

"تو پھر...؟"

"اس انٹرنیشنل بلا کو اپنی گرفت میں رکھنا چاہتا ہوں۔"

"تم نے اس کا مطالبہ کیا تھا اور ہم نے قبول بھی کر لیا تھا پھر تم خود ہی گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے تھے۔"

"دیکھ لو کیسے پیچھے ہٹ کر آگے بڑھ گیا۔ جلد ہی میری حکمت عملی کو مان لو گے۔ اپنی سونیا کو سمجھاؤ' اس کی زندگی اور موت اس کے اپنے ہاتھوں میں ہے۔ اگر وہ آسانی سے خود کو میرے ماتحتوں کے حوالے کر دے گی تو سلامتی سے سانسیں لیتی رہے گی۔ اس ویرانے میں میرے درجنوں مسلح ٹیلی پیتھی جاننے والے چھپے ہوئے ہیں۔ کہیں سے بھی آنے والی اندھی گولی کسی بھی لمحے میں اسے ہمیشہ کے لیے خاموش کر سکتی ہے۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے کہا۔ "میرے آدمی اطلاع دے رہے ہیں' اس کی گاڑی کے دو پہیے ناکارہ ہو چکے ہیں۔ بقیہ دو بھی ہو جائیں گے۔ یقیناً سونیا کے پاس ہتھیار ہوگا مگر وہ کسی کام نہیں آئے گا۔ وہ کھڑی فصلوں میں میرے درجنوں آلہ کاروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہلاک نہیں کر سکے گی۔ کسی ایک کی بو کو بھی نہیں پا سکے گی۔ کیونکہ میرے تمام جاں نثاروں نے ایک خاص دوا کے ذریعے اپنے جسم کی مخصوص بو کو چھپا لیا ہے۔"

یہ ماننے والی بات تھی' اس نے سونیا کو اس طرح گھیرا تھا کہ فی الحال بچاؤ کا کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ وہ آسانی سے ہار ماننے والی نہیں تھی۔ وہ موت کے شکنجے سے زندگی کو چھین کر لانے والی عورت تھی۔ اسے ٹریپ کرنا بہت مشکل تھا لیکن ناممکن نہیں تھا۔

زندگی میں یہی ہوتا ہے۔ کبھی جیت ہوتی ہے تو کبھی ہار مقدر بن جاتی ہے۔ کبھی سکھ کی چھاؤں نصیب ہوتی ہے اور کبھی برے حالات کی دھوپ جلاتی رہتی ہے۔ عمر بھر شہ زوری دکھانے والے کہیں نہ کہیں کمزور پڑ ہی جاتے ہیں۔ اس نے کمزور بننا نہیں سیکھا تھا۔ ویسے کبھی مجبوری کے باعث اور کبھی مصلحت اندیشی سے کام لیتے ہوئے وہ عارضی طور پر کمزور بن جاتی تھی۔

میں نے ایشورارا سے ہونے والی تمام باتیں اسے بتائیں۔ اس نے سننے کے بعد ایک گہری سانس لی۔ میں اس کے دماغ میں رہ کر خیالات پڑھ رہا تھا اور یہ سمجھ رہا تھا کہ اب وہ کیا کرنے والی ہے۔

اس نے اپنے ریوالور کو لباس میں چھپا لیا۔ پھر سیٹ کے نیچے سے ایک اور ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔ "زندگی میں رسک تو لینا ہی پڑتا ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا کرنا چاہتی ہو؟"

"ایشورارا سے کہو' میں ہتھیار ڈال رہی ہوں"

میں نے مشین کے ذریعے کہا۔ "تم نے تو کمال کر دیا ایشورارا...! میری سونیا کو ہتھیار ڈالنے پر آمادہ کر لیا۔ مبارک ہو۔"

وہ حیرانی سے بولا۔ "تعجب ہے۔ تمہیں پریشان ہونا چاہیے تھا۔ مجھے چیلنج کرنا چاہیے تھا مگر تم ایسے مطمئن ہو جیسے وہ ہمارے شکنجے میں نہیں جا رہی ہو۔ کہیں ہماری کسی غلطی سے فائدہ اٹھانے آرہی ہو۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیا مشکل ہے۔ وہ تمہاری خواہش کے مطابق دنگے فساد کے بغیر گرفتاری پیش کر رہی ہے' تب بھی اس سے ڈر رہے ہو۔"

"میں پوری دنیا پر حکومت کرنے آیا ہوں۔ ایک عورت سے ڈرنے والا نہیں ہوں۔ اس سے کہو' گاڑی سے باہر آجائے اور گولی نہ چلائے۔ میں اپنے آدمیوں کو حکم دے رہا ہوں' وہ اسے نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

میں نے سونیا سے کہا۔ "دو منٹ کے بعد گاڑی سے نکلو... وہ تم پر گولی نہیں چلائیں گے۔"

اس نے یہی کیا۔ ذرا دیر بعد گاڑی سے باہر آگئی۔ رات کے سناٹے میں دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز دور تک گونجتی چلی گئی۔ اس کے ساتھ ہی دور تک آوازیں سنائی دیں۔ پلک جھپکتے ہی نہ جانے کتنے ہتھیاروں کے سیفٹی کیچ ہٹائے جانے لگے۔ کھیتوں میں چھپے ہوئے درجنوں دشمن یوں الرٹ ہو گئے' جیسے وہ ابھی کوئی دھماکا کرنے والی ہو۔ کھڑی فصلوں میں ہلچل سی پھیل گئی تھی۔

سونیا نے چاروں طرف نظریں دوڑاتے ہوئے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے پھر ریوالور پر گرفت ڈھیلی کر دی۔ وہ ہاتھ سے لٹکتا ہوا اس کے قدموں میں جا گرا۔ اس نے بلند آواز میں کہا۔ "اب میں نہتی ہوں۔ خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر رہی ہوں۔ آؤ... مجھے پکڑ لو۔ تمہارے باس کا بھی یہی حکم ہے' آن...."

کھیتوں کے درمیان کہیں کہیں سرسراہٹ سی ہوئی۔ دشمنوں کے درمیان بے چینی سی پھیل گئی تھی۔ وہ خاموش تھے۔ کسی قسم کا ردعمل پیش نہیں کر رہے تھے۔ سونیا کی مکاریوں کو سمجھتے تھے' یہ جانتے تھے' وہ آسانی سے قابو میں آنے والی بلا نہیں ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ایک عورت کو گرفتار کرنے کے لیے مسلح فوج کی صورت میں آئے تھے۔

وہ دیکھ رہے تھے کہ وہ بڑے مزے سے خود کو پیش کر رہی تھی۔ ہتھیار ڈال رہی تھی۔ گویا تر نوالہ بن رہی تھی پھر بھی حلق میں اٹکی ہوئی سی لگ رہی تھی۔ اس نے قدموں میں پڑے ریوالور کو ایک ٹھوکر ماری۔ وہ سڑک سے اچھل کر کھیتوں میں جا گرا۔ اس کی پہنچ سے دور ہو گیا۔ خطرہ پوری طرح ٹل گیا تھا۔ اب تو دشمنوں کو مطمئن ہو جانا چاہیے تھا مگر کیسے ہوتے؟ اصل خطرہ وہ ہتھیار نہیں تھا' سونیا تھی۔ جو نہتی ہونے کے باوجود ان مسلح دشمنوں کے حواسوں پر مسلط ہو رہی تھی۔

اس نے انہیں پکارتے ہوئے کہا۔ "مجھے کب تک ہاتھ اٹھائے کھڑے رہنا ہوگا؟"

میں اس کے دماغ میں رہ کر دیکھ رہا تھا۔ دشمن خاموش تھے۔ کوئی بولتا' تب بھی میں کسی کے اندر پہنچ نہیں سکتا تھا۔ وہ سب ہی ٹیلی پیتھی جاننے والے تھے۔ میں کسی کے دماغ میں پہنچ کر اسے ٹریپ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے باوجود وہ احتیاط سے کام لے رہے تھے۔ فصلوں کے درمیان ایسی بے چینی پھیلی ہوئی تھی' جیسے وہ بڑی خاموشی سے آپس میں مشورے کر رہے ہوں۔

ایسے ہی وقت میں ایکدم سے چونک گیا۔ سونیا نے ایک سسکاری لی۔ اس نے اپنی پشت پر ریڑھ کی ہڈی کے پاس تکلیف محسوس کی تھی۔ جیسے کوئی نوکدار چیز جسم میں آکر پیوست ہو گئی ہو۔ بڑی ہی غضبناک چبھن تھی اور اس کے ساتھ ہی ایسا لگ رہا تھا' جیسے پورے جسم میں ایک آگ سی پھیلتی جا رہی ہو۔

میں نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "سونیا! یہ کیا ہو رہا ہے؟"

اس نے فوراً ہی ایک ہاتھ پشت کی طرف لے جا کر مطلوبہ مقام کو ٹٹولا۔ وہ کوئی ننھا سا ہتھیار تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے کھینچ کر اسے نکالا۔ وہ تکلیف' وہ آگ اور جلن اس کا دماغ ماؤف کر رہی تھی۔ وہ حوصلے والی عورت خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کا ہاتھ پشت کی طرف سے نگاہوں کے سامنے آیا تو میں نے دیکھا' وہ ایک ننھا سا تیر نما ہتھیار تھا۔ سونیا کی سونگھنے کی حس نے بتایا کہ وہ کسی خاص دوا میں بجھا ہوا ہے۔

میں محسوس کر رہا تھا' سونیا کے خیالات ہوا میں ڈولتے ہوئے سے لگ رہے تھے۔ اس کی سوچ کی لہریں جیسے میری گرفت سے نکل رہی تھیں۔ دماغ پر دھند سی چھانے لگی تھی۔

میں نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "سونیا! کیا ہو رہا ہے؟ خود کو سنبھالو۔"

وہ اس تیر کو بڑی حقارت سے ایک طرف پھینکتے ہوئے بولی۔ "سالے ہیجڑے...! سامنا کرنے کا دم نہیں ہے۔ پیچھے سے وار کر...."

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ ایک اور ننھا تیر دائیں طرف پسلی سے ذرا نیچے آکر لگا۔ پھر سے آگ اور جلن کی ایک لہر جسم میں دوڑتی چلی گئی۔ اس نے تکلیف سے کراہتے ہوئے خود کو سنبھالتے ہوئے اسے نکالنا چاہا مگر اس کے ہاتھ پاؤں سن ہو رہے تھے' دماغ جیسے بجھنے لگا تھا۔

میں نے پریشان ہو کر اسے پکارا۔ "سونیا...! سونیا...!"

میں نے تڑپ کر مشین کے ذریعے ایشورارا کو مخاطب کیا۔ "یہ کیا بزدلی اور کمینگی ہے؟ تم نے کہا تھا اسے نقصان نہیں پہنچاؤ گے۔ اپنے آدمیوں کو روکو۔ وہ اسے زخم پر زخم لگا رہے ہیں۔"

اس نے جواباً کہا۔ "آرام سے رہو۔ وہ زندہ رہے گی۔ ایک مدت تک اپنے سیکڑوں جان نثاروں کی قربانیاں دیتا رہا ہوں۔ آج یہ ہاتھ لگی ہے۔ اس سے ہاتھ دھولو۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ میری عجیب حالت ہو رہی تھی۔ میں بیڈ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ کبریا کو اور دوسرے تمام ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو یہ بری خبر سنا رہا تھا کہ سونیا کے ساتھ کیا ہو چکا ہے۔

سب ہی پریشان ہو گئے تھے۔ وہ سب اپنے اپنے طور پر

سونیا تک پہنچنے کی کوششیں کررہے تھے اور ناکام ہورہے تھے۔

ان کم بختوں نے ننھے ہتھیاروں کے ذریعے دور ہی دور سے اسے بے ہوش کیا تھا۔ اس کی سوچ کی لہریں ہماری گرفت سے نکل چکی تھیں۔ میں نے کمیونیکیٹنگ مشین کو آپریٹ کرنے کے بعد ایشورارا کو مخاطب کیا۔ چند لمحوں بعد اس کی طرف سے تحریر ابھری۔ ''کیا گھر والی کی یاد ستا رہی ہے؟''

''تم نے بہت ہی کمینگی دکھائی ہے۔ کیا تمہارے آلہ کاروں کو اپنی مردانگی پر بھروسا نہیں تھا' جو انہوں نے ایک عورت کی پیٹھ پر وار کیا' اسے دھوکے سے ٹریپ کیا؟''

''انہوں نے جوش دکھانے کے بجائے' ہوش سے کام لیا ہے۔ ویسے بھی تمہاری دنیا میں ایک کہاوت بہت عام ہے اور ایسے موقعوں پر دہرائی جاتی ہے کہ محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔ دشمن کو ٹریپ کرنے کے لیے دھوکے سے کام لینا جائز سمجھا جاتا ہے۔''

''سونیا کہاں ہے؟''

''بچگانہ سوال نہ کرو؟''

''وہ مسلسل بے ہوش ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں' اسے کس قسم کی دوا کے ذریعے بے ہوش کیا گیا ہے؟''

''کوئی بھی دوا تمہاری اُس بلا سے زیادہ پاورفل نہیں ہو سکتی اور یہ تو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں' میرا مقصد اسے ہلاک کرنا ہرگز نہیں ہے۔''

''تو پھر کیا چاہتے ہو؟''

''چاہتیں تو بہت سی ہیں۔ ذرا چھری کے نیچے دم تو لو۔''

''تم نے جس بلا کو اپنے سر پر مسلط کیا ہے' وہ اس چھری کو تمہاری گردن پر کس طرح چلائے گی' یہ جلد ہی دیکھو گے۔''

''کوئی بے وقوف ہی ہوگا' جو میدانِ جنگ میں اترنے سے پہلے پوری طرح ہتھیاروں اور جنگی ہتھکنڈوں کو نہ سمجھتا ہو۔ میں نے بھرپور تیاری کے ساتھ یہ قدم اٹھایا ہے۔ تم دیکھو گے کہ کس طرح وہ ناقابلِ شکست عورت میری مٹھی میں رہے گی۔''

''میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا کہ انوشے کا مطالبہ کرتے کرتے اچانک ہی تمہارا رخ سونیا کی طرف کیوں ہوگیا ہے؟''

''میرا مطالبہ تو اب بھی وہی ہے۔ تم مقررہ وقت پر اپنی پوتی کو میرے حوالے کرو گے۔ جہاں تک سونیا کا تعلق ہے' اسے فی الحال بھول جاؤ۔''

اس نے رابطہ ختم کردیا۔ میں نے جھنجلا کر اپنی مشین کو دیکھا پھر خیال خوانی کی پرواز کی۔ سونیا کے اندر پہنچنا چاہا تو ٹیلی پیتھی کی لہریں اس کے دماغ پر دستک دے کر ناکام و نامراد پلٹ آئیں۔ یہ کہا جاسکتا تھا کہ ہمارے لیے عارضی طور پر اس کا دماغ مردہ ہوگیا تھا۔ ہمیں صبر سے اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنا تھا۔

لیکن میں چین سے بیٹھنے والا نہیں تھا۔ میں نے فوراً ہی انوشے سے رابطہ کیا۔ وہ اس وقت نماز پڑھ رہی تھی۔ میں چپ چاپ اس کے دماغ سے چلا آیا۔ انتظار کرنے لگا۔ میں جانتا تھا' وہ نماز سے فارغ ہوتے ہی میرے پاس آئے گی۔

چند لمحوں کے بعد ہی اس نے آکر مجھے مخاطب کیا۔ میں نے کہا۔ ''حالات بتانے کی ضرورت تو نہیں ہے۔ تم سب کچھ سمجھ گئی ہوگی۔ تمہاری دادی دشمنوں کے شکنجے میں بے ہوش ہے۔ ہم میں سے کوئی اس کے دماغ میں جھانک نہیں سکتا۔ ایسے وقت تمہاری روحانی ٹیلی پیتھی ہی کام آسکتی ہے۔ تم اس کے اندر پہنچ سکتی ہو۔ ابھی جاکر اس کے حالات معلوم کرو۔''

وہ میری ہدایت کے مطابق فوراً ہی چلی گئی۔ میری فیملی میں آمنہ اور انوشے ایسی تھیں' جو اپنی روحانی ٹیلی پیتھی کے ذریعے یوگا جاننے والوں کے دماغوں میں بھی پہنچ جاتی تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور سونیا کی خبر لاسکے گی۔ میں بے چینی سے انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے آکر مجھے مخاطب کیا۔ میں نے پوچھا۔ ''ہاں۔ کیا خبر ہے؟''

وہ بولی۔ ''گرینڈ پا! بات کچھ عجیب سی ہے۔''

''کیا بات ہے؟''

''میں گرینڈ ماما کے دماغ تک پہنچ نہیں پارہی ہوں۔''

میں نے چونک کر پوچھا۔ ''کیا مطلب..؟''

وہ ذرا دیر خاموش رہی۔ میں نے کہا۔ ''اسے بے ہوش کیا گیا ہے اور تم تو روحانی ٹیلی پیتھی کے ذریعے مقفل دماغوں میں بھی پہنچ جاتی ہو پھر....؟''

''یہی بات میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ میں کسی بھی خوابیدہ دماغ میں پہنچ سکتی ہوں مگر...''

''مگر کیا...؟''

''مگر جب دماغ ہی نہ ملے تو...''

میں نے جواباً کچھ نہ کہا۔ سوچ میں پڑگیا۔ یہ پریشانی کی بات تھی کہ انوشے کو سونیا کا دماغ نہیں مل رہا تھا۔ وہ بولی۔ ''کئی بار کوشش کرچکی ہوں۔ ابھی پھر کوشش کرتی ہوں۔ ممکن ہے' کامیاب ہوجاؤں۔''

وہ چلی گئی۔ کسی بھی شخص کا دماغ نہ ملنے کی ایک ہی وجہ ہوتی ہے کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا ہے اور ہمارے لیے یہی بات پریشان کن تھی۔

کیا ایشورارا نے سونیا سے جانی دشمنی کی ہے؟



کیا وہ اب اس دنیا میں نہیں رہی ہے؟

اور اگر ایسا نہیں ہوا ہے تو انوشے کو سونیا کا دماغ کیوں نہیں مل رہا ہے؟ یہ اور ایسے ہی کئی سوالات دل و دماغ پر سوار ہورہے تھے۔ بے شک موت برحق ہے مگر کبھی کبھی اس حقیقت کو جاننے اور سمجھنے کے باوجود اس سے نظریں چرانے کو جی چاہتا ہے۔ پتا نہیں' وہاں وہ کیسے حالات سے گزر رہی تھی؟ لیکن یہاں مجھے ایسا لگ رہا تھا' جیسے میں جاں کنی سے گزر رہا ہوں۔

سونیا کا اغوا معمولی بات نہیں تھی۔ ادارے کے سب ہی افراد فکر و پریشانی میں مبتلا ہوگئے تھے۔ کبریا' الپا' اعلیٰ بی اور انوشے سب ہی بار بار اس کے دماغ تک پہنچنے کی کوشش کررہے تھے اور ناکام ہورہے تھے۔

یہ ناکامی ہمیں شدید پریشانی سے دوچار کررہی تھی۔ دوسری طرف وہ کم بخت ایشورارا ابھی مجھ سے رابطہ نہیں کررہا تھا۔ اس کا تکبر اور بے نیازی طرح طرح کے وسوسوں اور اندیشوں میں مبتلا کررہی تھی۔ میں نے بارہا کمیونیکیٹنگ مشین کے ذریعے اسے مخاطب کرنا چاہا لیکن وہ چپ تھا۔ چشم تصور سے دیکھ رہا تھا' وہ ہمیں پھڑ پھڑاتا دیکھ رہا تھا اور مزے لے رہا تھا۔

کبریا نے کہا۔ ''اس بار وہ بدبخت کچھ زیادہ ہی مکاری دکھا رہا ہے۔ ماما کو ٹریپ کرنا بچوں کا کھیل نہیں تھا لیکن وہ بڑی مہارت سے اپنی بازی کھیل گیا ہے۔''

اعلیٰ بی بی نے کہا۔ ''پریشانی کی بات یہ ہے کہ انوشے ان کے دماغ میں پہنچ کیوں نہیں پارہی ہے؟ آخر ماما کو بے ہوشی کی ایسی کون سی دوا دی گئی ہے کہ اُن کا دماغ ہی نہیں مل رہا ہے؟''

انوشے نے ایک بار پھر کوشش کی مگر اس بار بھی ناکامی ہوئی۔ میں آمنہ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ بولی۔ ''میں بے خبر نہیں رہتی ہوں کیا ہورہا ہے۔''

''پلیز سونیا کے دماغ تک پہنچنے کی کوشش کرو۔''

''تم کیا سمجھتے ہو میں نے کوشش نہیں کی ہوگی؟''

میں نے بے چین ہوکر پوچھا۔ ''پھر...؟''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ''مجھے بھی انوشے کی طرح ناکامی ہوئی ہے۔''

میرے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ انوشے کے بعد آمنہ سے امید تھی کہ وہ سونیا کے دماغ تک ضرور پہنچ پائے گی لیکن اس ناکامی سے دل ڈوبنے لگا۔ ایک ہی سوال پیدا ہوا ''کیا ایشورارا نے سونیا سے جان لیوا دشمنی کی ہے؟''

آمنہ نے کہا۔ ''حالات کے مطابق تمہاری سوچ درست ہے لیکن حقیقت یہ نہیں ہوسکتی۔''

''کیا مطلب...؟''

''کیا تم بابا صاحب کی پیش گوئی کو بھول رہے ہو؟''

میں چپ رہا۔ اس نے چند لمحوں کے بعد کہا۔ ''انہوں نے فرمایا تھا' تمہاری آخری سانسوں میں صرف سونیا تمہارے قریب رہے گی۔ وہاں تم دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا نہیں ہوگا۔ اس پیش گوئی کے مطابق ابھی ایسا ہونا ہے اور جب ہونا ہے تو انہونی کیسے ہوسکتی ہے؟''

''تمہاری باتیں دل کو لگ رہی ہیں۔ بابا صاحب کی پیش گوئی ابھی پوری نہیں ہوئی ہے۔ اس کا مطلب ہے' وہ زندہ سلامت ہے۔''

''بے شک۔ ایسا ہی ہے۔''

''تو پھر ہم میں سے کسی کو اس کا دماغ کیوں نہیں مل رہا ہے؟''

''اس سوال کا جواب اعلیٰ حضرت دے سکیں گے۔''

''تو پھر ابھی اُن کے پاس چلو۔''

''وہ مراقبے میں ہیں۔ کل فجر کے بعد اُن سے ملاقات ہوسکے گی۔''

ہر کام کا ایک وقت متعین ہے۔ سونیا کے بارے میں ابھی ہمیں کچھ معلوم نہیں ہورہا تھا مگر یہ یقین تھا کہ اعلیٰ حضرت کے ذریعے بہت کچھ معلوم ہونے والا ہے اور اس کے لیے دوسرے روز فجر تک انتظار کرنا تھا۔ ویسے اُن کی پیش گوئی والی بات یہ ڈھارس بندھا رہی تھی کہ وہ زندہ ہے۔

ہر انسان زندگی میں اربوں کھربوں لمحے گزارتا ہے اور حساب نہیں کرتا لیکن انتظار کے ایک ایک لمحے کو گن گن کر ایسے گزارتا ہے' جیسے صدیاں گزار رہا ہو۔ انتظار بڑا ہی تکلیف دہ ہوتا ہے اور ہم اسی تکلیف سے گزر رہے تھے۔

کبریا نے پوچھا۔ ''پاپا! آپ کیا سمجھتے ہیں؟ وہ ماما کو کہاں لے گئے ہوں گے؟''

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''وہ اسے اس ملک میں چھپانے کی غلطی نہیں کریں گے۔ ان کے پاس غیر معمولی جوتے ہیں۔ وہ پلک جھپکتے ہی کئی کلومیٹر کے فاصلے طے کرلیتے ہیں۔ نہ جانے اسے کہاں لے گئے ہوں گے؟''

الپا نے کہا۔ ''ماما کو بے ہوش کرنے کے لیے یقیناً کوئی بہت ہی خطرناک دوا دی گئی ہے۔ انہیں ایسے غائب دماغ بنا دیا گیا ہے کہ انوشے اور ماما (آمنہ) بھی ان کے اندر پہنچ نہیں پارہی ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''زندگی میں عجیب و غریب تجربات سے گزرنا پڑتا ہے۔ میرے لیے ابھی یہ تجربہ باقی تھا۔ سوچو تو عجیب سا لگ رہا ہے کہ سونیا کہیں زندہ سلامت ہے مگر اس کا

دماغ مردہ ہو چکا ہے۔"

ویسے سوچا جائے تو یہ بات کامل یقین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی تھی کہ سونیا کہیں سلامتی سے سانسیں لے رہی ہے۔ ہم صرف ایک پیشگوئی کے حوالے سے اسے زندہ سلامت سمجھ رہے تھے۔ ورنہ دوسرے پہلو سے سوچا جاتا تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پیشگوئی بدل بھی سکتی تھی اور اس کے ساتھ سونیا کے حالات بھی بدل سکتے تھے۔

میں یاد کرنے لگا' کیا کبھی ایسا ہوا کہ اعلیٰ حضرت نے کوئی پیشگوئی کی ہو اور وہ چند ہفتوں' مہینوں یا سالوں کے بعد بدل گئی ہو؟ یادداشت کو کھنگالنے کے باوجود ایسی کوئی بات یاد نہیں آئی تو دل کو ایک ذرا اطمینان حاصل ہوا لیکن پوری طرح مطمئن ہونے کے لیے ہمیں دوسری صبح کا انتظار تھا۔

ہم سب کی نیندیں اُڑی ہوئی تھیں۔ سب ہی خیال خوانی کے ذریعے ایک دوسرے سے رابطے میں تھے۔ ایسے وقت عالی نے کہا۔ "مما کے لیے جو فکر اور پریشانی ہے' اس کے پیشِ نظر ہم پاپا کی سلامتی کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ وہ پاکستان میں تنہا رہ گئے ہیں۔ دشمنوں کو معلوم ہو چکا ہے کہ وہ لاہور کے کسی علاقے میں ہیں۔"

پارس نے کہا۔ "یقیناً دشمن انہیں ڈھونڈ رہے ہوں گے۔ مجھے کل ہی صبح کی فلائٹ سے وہاں جانا چاہیے۔"

پورس نے کہا۔ "مجھے بھی جانا چاہیے۔ ہم سب کو ان کے پاس رہنا چاہیے لیکن اجازت نہیں ملے گی۔ اعلیٰ حضرت نے کہا ہے۔ ان سے پہلے بابا صاحب نے پیش گوئی کی تھی کہ پاپا کی کسی بھی تشویش ناک بیماری کے دوران صرف مما ہی ان کے قریب رہا کریں گی۔"

عالی نے کہا۔ "یہ سوچ کر دل تڑپ رہا ہے کہ وہ لاہور میں بالکل تنہا ہیں۔ میں کل صبح اعلیٰ حضرت سے اجازت لوں گی۔"

الپا نے کہا۔ "میں پہلے ہی کوشش کر چکی ہوں۔ انہوں نے سمجھایا ہے کہ ہم ان کی فکر نہ کریں۔ پاپا مما کے ساتھ نہ رہے تو کسی کے ساتھ نہیں رہیں گے۔"

انوشے نے کہا۔ "کوئی نہیں جانتا کس کا آخری وقت کب آتا ہے۔ ہم گرینڈ پا کے متعلق بھی کچھ نہیں جانتے۔ جو بزرگ جانتے ہیں' ان کی ہدایات پر ہمیں عمل کرنا چاہیے۔"

عالی نے کہا۔ "ٹھیک ہے ہم ان کی ہدایات پر عمل کرتے رہیں گے۔ ان کے قریب نہیں جائیں گے مگر خیال خوانی کے ذریعے ان کی نگرانی کریں گے۔ ان کی تنہائی دور کریں گے۔"

الپا نے کہا۔ "اس سلسلے میں یہ پابندی ہے کہ جب تک پاپا خود خیال خوانی کے ذریعے رابطہ نہ کریں تب تک ہم میں سے کوئی ان کے دماغ میں نہ جائے۔"

پارس نے کہا۔ "پتا نہیں کیوں ایسی پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔"

پورس نے کہا۔ "کوئی مصلحت ہوگی جسے ہم سمجھ نہیں پا رہے ہیں۔"

"کبھی کبھی پاپا کی حالت تشویش ناک ہو جاتی ہے۔ اب مما ان کے پاس نہیں ہیں۔ ہمیں اعلیٰ حضرت سے خصوصی اجازت حاصل کرنی چاہیے۔"

میں نے کہا۔ "تم سب میرے لیے کس قدر پریشان ہو۔ تمہاری بے لوث محبتیں مجھے نئی زندگی دے رہی ہیں۔ میں کل صبح اعلیٰ حضرت سے اس سلسلے میں بات کروں گا۔"

کفر ٹوٹا خدا خدا کرکے..... پیرس کے وقت کے مطابق وہاں نماز فجر ادا کی جا رہی تھی۔ میں چند لمحوں بعد ہی آمنہ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ نماز پڑھنے کے بعد تسبیح خوانی میں معروف تھی۔ میں نے اس کے خیالات پڑھے۔ اعلیٰ حضرت نے آدھے گھنٹے کے بعد اسے حجرے میں بلایا تھا۔ میں چپ چاپ اس کے دماغ سے چلا آیا۔ بے چینی سے مقررہ وقت کا انتظار کرنے لگا۔

ایسے حالات میں یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ وقت سے پہلے کوئی کام نہیں ہوتا۔ سونیا کے بارے میں کچھ بھی جاننے کے لیے جتنا انتظار لکھا گیا تھا' اُتنا تو کرنا ہی تھا۔

آدھے گھنٹے کے بعد میں آمنہ کے ذریعے ان کے حجرے میں پہنچ گیا۔ وہ دوزانو ہو کر ادب سے نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔ چھوٹے سے حجرے میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ پھر ان کی آواز سنائی دی۔ "ترازو کے دو پلڑے کبھی برابر رہتے ہیں۔ کبھی ان میں اونچ نیچ ہو جاتی ہے۔ کبھی ایک جھکتا ہے اور کبھی دوسرا... زندگی کے معاملات بھی ترازو کی طرح ہوتے ہیں۔ کبھی مسرتوں بھرا جھکاؤ نصیب ہوتا ہے اور کبھی غموں کا بوجھ ہمیں جھکا دیتا ہے۔ کبھی ہم مخالفین پر غالب آتے ہیں اور کبھی وہ ہم پر غلبہ پا لیتے ہیں۔"

وہ ذرا دیر کے لیے چپ ہوئے پھر بولے۔ "اس حقیقت کو سمجھنے کے باوجود جب کبھی دشمنوں سے پسپائی ملتی ہے تو ہم حیران اور پریشان ہو جاتے ہیں۔ سوچتے ہیں' ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ تو ممکن ہی نہیں..."

وہ پھر خاموش ہوئے۔ ذرا توقف کے بعد بولے۔ "سونیا تمام دشمنوں کے لیے ناقابلِ شکست بن کر رہی لیکن اس دنیا میں ناممکن کچھ بھی نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی شہ زور بھی کمزور پڑ جاتے ہیں۔ غالب آنے کے تمام حربے جاننے کے باوجود مغلوب ہو جاتے ہیں۔ سونیا کے ساتھ بھی یہی ہو رہا ہے۔ فی الحال وہ کمزور پڑ گئی ہے۔ سمندر سے موتی حاصل کرنے کے لیے اس کی اتھاہ گہرائیوں میں اترنا پڑتا ہے۔ قدرت اسے ایک نئے اور انوکھے تجربے سے گزارنا چاہتی ہے اور اس کے لیے اسے تم سب سے بہت دور لے گئی ہے۔"

آمنہ نے کہا۔ "آپ کی باتیں سن کر یہ حوصلہ مل رہا ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہے' سلامتی سے سانسیں لے رہی ہے مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ہمیں اس کا دماغ کیوں نہیں مل رہا ہے؟"

وہ بولے۔ "اگر تم اپنے کمرے میں کسی کتاب کا مطالعہ کر رہی ہو اور کوئی آ کر وہاں کی بتی بجھا دے تو کیا تم اس اندھیرے میں مطالعہ کر سکو گی؟"

"ہرگز نہیں..."

"سونیا کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہے۔"

"کیا دشمنوں نے اس کا دماغ مقفل کر دیا ہے؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولے۔ "اسے نئے حالات سے ... کے لیے میں نے اس کے دماغ کو مقفل کیا ہے۔"

یہ ایک انتہائی چونکا دینے والی بات تھی۔ ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اعلیٰ حضرت ایسا کر سکتے ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے۔ "ایک مقررہ مدت سے پہلے کوئی اس کے اندر نہیں جا سکے گا۔ بہتر ہے اس کے متعلق سوچنا چھوڑ دو۔"

وہ نہ بھی کہتے تو اب اس کے متعلق کچھ سوچنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ ہمارے سروں سے فکر و پریشانی کا کوہِ گراں اُتر چکا تھا۔ میں نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔ ان کی باتوں نے سمجھا دیا کہ سونیا کا دماغ دشمنوں کے زیرِ اثر نہیں رہے گا۔ وہ جہاں رہے گی' دماغی طور پر محفوظ رہے گی۔

میں سوچتے سوچتے ذرا چونک گیا۔ انہوں نے مجھے طلب کیا تھا۔ میں فوراً ہی ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ بول رہے تھے۔ "تم نے میری باتوں پر شاید غور نہیں کیا۔ ابھی میں نے کہا تھا کہ سونیا کمزور پڑ گئی ہے۔ دشمن فی الحال غالب آ رہے ہیں۔ انسان کے جسم کا سب سے اہم اور کارآمد حصہ اس کا دماغ ہوتا ہے اور دشمن چاہتے ہیں' سونیا دماغی طور پر کمزور ہو جائے اور وہ ایسا ہی کر رہے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "آپ دشمنوں کی طرف سے بھی اس کے دماغ کو لاک کر سکتے ہیں۔"

"ہونی کو ٹالنا ناممکن نہیں ہوتا مگر کچھ معاملات میں ہونی انہونی نہیں ہو سکتی۔ قدرت جو تماشے دکھانا چاہتی ہے' انہیں ہر حال میں دیکھنا پڑتا ہے۔ ہمیں معلوم تھا کہ تم زندگی میں جیتے جی ہم سب سے بچھڑ جاؤ گے۔ خود کو فرہاد کی حیثیت سے نہ پہچانتے ہوئے ہم سے دور کہیں زندگی گزارتے رہو گے۔ پھر ایسا ہی ہوا تھا۔"

"جی۔ مجھے یاد ہے۔"

وہ اس وقت کی بات کر رہے تھے' جب میں نائلہ نامی ایک خاتون کے شوہر کی حیثیت سے زندگی گزارتا رہا تھا۔ یہ بھول گیا تھا کہ میں ٹیلی پیتھی جاننے والا فرہاد علی تیمور ہوں۔ سونیا اور آمنہ جیسی غیر معمولی ہستیاں میری شریکِ حیات ہیں اور انہوں نے مجھے قابلِ فخر اولاد کے تحفے دیے ہیں۔

بابا صاحب نے کہا۔ "ہمیں وقت سے پہلے معلوم ہو گیا تھا کہ تمہارے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟ کیا ہم نے اس ہونی کو ٹالنے کی کوشش کی....؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ کچھ باتیں لوحِ مقدر پر لکھ دی جاتی ہیں' جو کبھی نہیں بدلتیں۔ سونیا کا بھی یہی معاملہ ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "بدترین حالات سے گزرتے رہنے کے باوجود اس بات کا تو یقین ہے نا کہ وہ خیریت سے لوٹے گی؟"

وہ بولے۔ "عالم الغیب اوپر والے کی ذاتِ پاک ہے۔ ہمیں اپنے علم کی روشنی میں جس حد تک دکھائی دیتا ہے' ہم اس حد تک ہی دیکھ پاتے ہیں۔ باقی واللہ عالم...."

میں نے کہا۔ "اعلیٰ حضرت! میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہُوں... تم چاہتے ہو' سونیا کی عدم موجودگی میں کوئی تمہارا خیال رکھے۔"

"جی ہاں۔ تمام بچے میرے لیے پریشان ہیں۔"

"ہُوں... حالات کا تقاضا ہے کہ دشمنوں کو تمہاری بیماری کا علم نہ ہو۔ کبریا تم سے مشابہت رکھتا ہے۔ بالکل تمہارے لب و لہجے میں بولتا ہے۔ آج سے وہ تمہاری جگہ فعال رہے گا۔ تمہارے پاس نہیں آئے گا۔ صرف خیال خوانی کے ذریعے رابطہ رکھے گا۔"

میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ یوں اجازت ملنے سے میرے تمام بچوں کی پریشانیاں بڑی حد تک کم ہو گئیں۔ اعلیٰ حضرت سے باتیں کرنے کے بعد سکون بھی حاصل ہوا تھا اور یہ پریشانی بھی لاحق ہو گئی تھی کہ وہاں دشمنوں کے درمیان سونیا کیسے حالات سے گزرے گی؟ دشمن اسے کس قسم کی دماغی کمزوری میں مبتلا کر رہے ہوں گے؟

پریشانیاں دور ہونے کے بعد بھی جیسے جان سے لگی ہوئی

تھیں۔ بھلا سکون کیسے مل سکتا تھا؟ میں اس کے حالات سے بے خبر تھا۔ وہ مجھے دل و جان سے چاہنے والی جہاں بھی ہوگی' یہ ضرور سوچ رہی ہوگی کہ میں بالکل تنہا ہو گیا ہوں۔

آہ...! شاہدرہ کے اس مکان میں اب میں تھا اور میری تنہائی تھی۔ ابھی وہ ہوتی تو بڑے پیار سے گھورتی اور پوچھتی' کہیں میں اس بیماری میں اس سے چھپ کر خیال خوانی تو نہیں کر رہا ہوں؟

اس کی محبت سے گھورنے اور ڈانٹنے کی ادائیں یاد آ رہی تھیں۔ دل اُدھر کھنچا جا رہا تھا۔ "یا خدا! میں اس عزیز از جاں کے بغیر کب تک قیدِ تنہائی میں رہوں گا؟"

میں ایزی چیئر پر بیٹھا سوچ رہا تھا اور اسے نگاہوں کے سامنے دیکھ رہا تھا۔ مجھے اس کی زندگی کی وہ اہم بات یاد آ رہی تھی' جب وہ ماں بننے والی تھی۔

ہم ایک طویل عرصے تک ایک دوسرے کے محبوب' سچے عاشق بن کر رہے۔ مگر شادی نہیں کی۔ بعد میں سونیا کے دل کو یہ بات لگی کہ میں نے رسونتی (آمنہ) کو شریکِ حیات بنا لیا تھا اور وہ پارس اور پورس کی ماں بن گئی تھی۔

ان حالات میں سونیا کے اندر ایک بیوی' ایک ماں بننے کی خواہش شدت اختیار کر گئی۔ اس کی یہ خواہش نہایت مناسب اور جائز تھی۔ ہم رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔ پھر ایک برس بعد ہی وہ ماں بننے کے مرحلے میں داخل ہو گئی۔

سونیا پھر سونیا ہے۔ زندگی کے میدان میں جب بھی بلّے گھماتی ہے تو چوکے اور چھکے مارتی ہے۔ وہ پہلے ہی مرحلے میں ایک نہیں' دو بچوں کی ماں بننے والی تھی۔ کبریا اور عالی جنم لینے والے تھے۔

اس نے بڑے جذبے سے کہا۔ "میرے بچے میرے اندر رینگ رہے ہیں۔ میرے وجود کے شہر میں گھوم رہے ہیں۔ جی چاہتا ہے' انہیں مخاطب کروں' ان سے بولوں۔ دنیا میں آنے سے پہلے ان سے متعارف ہو جاؤں۔"

میں نے کہا۔ "ہمارا لہو خود ہی متعارف کرا رہا ہے۔ پھر دودھ کا ذائقہ انہیں ممتا کی اہمیت بتائے گا۔"

اس نے میرے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں میں لے کر کہا۔ "پھر بھی کچھ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہماری آواز ان تک پہنچے؟ تم خیال خوانی کرتے ہو۔ ہر ایک کے دماغ میں پہنچتے ہو۔ کیا اپنے بچوں تک نہیں پہنچ پاؤ گے؟"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بڑی عجیب سی بات کہہ رہی ہو۔ اگرچہ یہ ناممکن سی بات ہے مگر سوچتے ہوئے اچھا لگ رہا ہے کہ بچے تمہارے اندر میری آواز سنیں۔"

ہم ایک دوسرے کو سوچنے کے انداز میں دیکھنے لگے۔ پھر میں نے کہا۔ "ہاں۔ یہ ممکن ہے۔ بچے سمجھیں یا نہ سمجھیں' میں اپنی آواز ان کے وجود تک پہنچا سکتا ہوں۔"

اس نے خوش ہو کر پوچھا۔ "کیسے...؟"

آج سے ہر صبح فجر کی نماز سے پہلے میں تمہارے دماغ میں آ کر اذان دیا کروں گا۔"

وہ ایکدم سے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ بڑے جذبے سے بولی۔ "واہ... کیسا اچھوتا خیال ہے؟ ہمارے دین میں پیدا ہونے کے بعد بچوں کے کانوں میں اذان سنائی جاتی ہے۔ تم پیدا ہونے سے پہلے انہیں ہماری مقدس اذان سناؤ گے۔"

میں نے کہا۔ "پیدا ہونے سے پہلے وہ کوکھ کی وادی میں سنیں گے کہ اللہ ایک ہے اور لاشریک ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسولؐ ہیں۔"

"اور ہم انہیں پیدا ہونے سے پہلے صلاح اور فلاح کی طرف بلاتے رہیں گے۔ باخدا فرہاد! بہت ہی اچھوتا آئیڈیا ہے۔ کل صبح جب ہوگی' تب ہوگی۔ ابھی عشاء کی اذان ہو رہی ہے۔ تم ابھی میرے اندر آ کر اذان دو۔"

وہ ایزی چیئر پر نیم دراز ہو گئی۔ میں بسم اللہ پڑھ کر اذان دینے لگا تو اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ وہ بند آنکھوں سے اپنی کوکھ کے اندر بچوں کے پاس پہنچ گئی تھی۔ اس کا ایمانی جذبہ کہہ رہا تھا' اذان اس کے دماغ سے گزرتی ہوئی بچوں تک پہنچ رہی ہے۔

اس روز سے ہمارا یہ معمول بن گیا۔ میں قریب رہوں' نہ رہوں۔ خیال خوانی کے ذریعے اذان کی آواز ان بچوں تک پہنچنے لگی پھر ایک اہم مصروفیت کے باعث میں سونیا سے دور ہو گیا۔ اس دوران سمورا کے ساتھ زندگی کے محبوبانہ لمحات گزارنے لگا۔

مجھے ہرجائی کہا جا سکتا ہے لیکن آمنہ اور سونیا ایسا نہیں کہتیں۔ کیونکہ میں نے کبھی اُن سے بے وفائی نہیں کی۔ میں آج بھی بڑھاپے کے موجودہ لمحات تک اُن کے ساتھ ازدواجی زندگی گزار رہا ہوں۔

بہرحال میں سمورا کے ساتھ تھا اور مرینہ نامی ایک دشمن عورت کو زیر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ بہت ہی خطرناک تھی۔ ٹیلی پیتھی جاننے کے علاوہ آتما شکتی کی صلاحیت رکھتی تھی۔ ایسی شکتی کے ذریعے ایک جسم کو چھوڑ کر دوسرے جسم میں سما جاتی تھی۔ اسے جسمانی طور پر مارنے کے باوجود وہ نہیں مرتی تھی۔ دوسرے جسم میں نئی زندگی حاصل کر لیتی تھی۔

مرینہ نے دعویٰ کیا۔ "میں ایک بہت بڑا معرکہ سر ...نے والی ہوں۔ کامیابی کا پورا یقین ہے۔ اس کے بعد ...اری دنیا پر حکومت کروں گی۔"

مجھ سے شکست کھانے والے دشمنوں نے پوچھا۔ "ایسا ...ون سا معرکہ سر کرنے والی ہو؟"

"میں فرہاد کو اپنا تابعدار بنانے والی ہوں۔"

کوئی یقین نہیں کر سکتا تھا۔ سب نے کہا۔ "چیونٹی شیر پر ...کتی ہے' لیکن چپ چاپ رینگتے ہوئے چڑھنا اور بات ...اور فرہاد پر چڑھ دوڑنا اور بات ہے۔ بڑے بڑے شہ زور اور انتہائی ذہین ترین لوگ اس سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔"

وہ دھوکا کھانے والی نہیں تھی۔ میں سمورا کے ساتھ ایک ...رے میں تھا۔ یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ میری اس محبوبہ کے ...ماغ میں رازداری سے جگہ بنا چکی ہے۔ اس وقت میں ...روری سامان اٹیچی میں رکھنے کے بعد سمورا سے کہہ رہا تھا۔ "ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔"

اس نے پوچھا۔ "کہاں جائیں گے؟"

"کسی چھوٹے سے شہر میں گمنام رہ کر زندگی گزاریں گے۔ میں ابھی خیال خوانی میں مصروف رہوں گا۔ مجھے ...اطب نہ کرنا۔"

دراصل میں اس دشمن مرینہ کی خبر لینا چاہتا تھا۔ خیال خوانی کے ذریعے اس کے پاس جا رہا تھا اور وہ سمورا کے ...ریعے میرے قریب آ گئی تھی۔ جب میں نے خیال خوانی کی ...پرواز کرتے ہوئے اسے دیکھا تو ایکدم سے بوکھلا گیا۔

جیسے پانی سر سے گزر چکا تھا۔ وہ سمورا کو آلہ کار بنا کر مجھ ...حملہ کر رہی تھی۔ حملہ کرنے کی وہ ایک لمحاتی سی جھلک ...تھی۔ مجھے سنبھلنے کا موقع نہیں ملا۔ اس نے خنجر کو میرے بازو ...میں پیوست کر دیا۔ میرے حلق سے کراہ نکلی۔ میں نے ...آنکھیں کھول کر دیکھا۔

سمورا مجھ پر جھکی ہوئی تھی۔ بڑی پھرتی سے خنجر کو میرے ...بازو سے نکالتے ہوئے چیخ رہی تھی۔ "نہیں نہیں ..... یہ ...میں نے کیا کر دیا...؟ یا خدا! مجھے پتا بھی نہ چلا اور میں نے ...تمہیں خنجر سے زخمی کر دیا..."

وہ حیران تھی کہ اس نے مجھ سے ایسی دشمنی کیوں کی ہے؟ ...وہ شرم اور پشیمانی سے چیختی جا رہی تھی۔ "نہیں نہیں... تمہیں کچھ ...ہوا تو میں اپنی جان دے دوں گی۔ یا اللہ! میں کیا کروں؟"

وہ فرسٹ ایڈ بکس لانے کے لیے وہاں سے دوڑتی چلی ...گئی۔ مرینہ میرے اندر آ گئی تھی۔ فاتحانہ انداز میں قہقہے لگا ...رہی تھی۔ "فرہاد..... ہاہاہا فرہاد...! دنیا کے سب سے بڑے ...زور...! مقدر کو اپنی مٹھی میں رکھنے والے...! آج سے تمہارا ناقابلِ تسخیر دماغ میری ایک چٹکی میں رہا کرے گا۔ ہاہاہاہا....."

یہ کوئی خواب نہیں تھا' خیال نہیں تھا۔ میں سچ مچ اس کے شکنجے میں آ گیا تھا۔ خنجر کا زخم اتنا گہرا تھا کہ خیال خوانی کے ذریعے کسی کو مدد کے لیے بلا نہیں سکتا تھا۔

آہ...! پتا نہیں' سونیا نے کب کہا تھا' مگر کبھی کہا تھا۔ ان لمحات میں یاد آ رہا تھا۔

آہ...! اس نے کہا تھا۔ "فرہاد! تمہیں موت نہیں مارے گی۔ جب بھی مارے گی' کوئی عورت ہی مارے گی۔"

انسان کو اس کی اوقات سے زیادہ خوشیاں ملیں تو وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔

یہی حال مرینہ کا تھا۔ وہ میرے دماغ پر حکومت کرنے والی ملکہ عالیہ بن گئی تھی۔ اتنی بڑی کامیابی آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوئی تھی۔ اسی لیے مسرتوں کی شدت سے اچھل رہی تھی۔ قہقہے لگا رہی تھی اور میرے دماغ میں بولتی جا رہی تھی۔

"میرے غلام...! میرے کمرے میں موسیقی گونج رہی ہے۔ میں جھوم جھوم کر رقص کر رہی ہوں۔ تُو مجھے دیکھ نہیں سکتا مگر اپنے اندر میرے قہقہے سن رہا ہے۔"

اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "ہائے...! میں اس خوشی میں ناچ رہی ہوں کہ آنے والے دنوں میں تجھے ساری دنیا کے سامنے نچاؤں گی۔ ہاہاہاہا....."

وہ دیوانی ہو رہی تھی مگر جنون ایسا طاری تھا کہ تھکنا اور گرنا بھول گئی تھی۔ یوں بھی وہ آتما شکتی کی صلاحیتیں رکھتی تھی۔ یوگا میں بھی مہارت حاصل تھی۔ تقریباً چالیس منٹ تک سانس روک لیتی تھی۔ اُن لمحات میں مسرتوں کے ہجوم میں ساری دنیا کو بھول گئی تھی۔ بس اسے ناچنے کے لیے میری کھوپڑی مل گئی تھی۔

خنجر کا زخم گہرا نہیں تھا۔ سمورا فرسٹ ایڈ بکس لا کر مرہم پٹی کر رہی تھی اور رو رہی تھی۔ میں نے کہا۔ "تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ ٹیلی پیتھی ایسا ظالم ہتھیار ہے' معشوق کے ہاتھوں سے عاشق کے دل و جگر میں اتر جاتا ہے۔"

وہ روتے سسکتے ہوئے بولی۔ "میں تمہارے لیے کیا کروں؟"

"اتنا کرو کہ میری فکر نہ کرو۔ وہ جو میری دشمن ہے' اسے تم سے زیادہ میری سلامتی کی فکر ہوگی۔"

میں درست کہہ رہا تھا۔ وہ مجھے دوسرے دشمنوں سے چھپا کر اپنے قبضے میں رکھنے کے لیے اپنی نیندیں حرام کرنے والی تھی۔ مرینہ نے کہا۔ "تُو سچ کہتا ہے۔ میں تجھے پا کر اتنی دولت

مند ہو گئی ہوں کہ ناچتے ناچتے تھک گئی ہوں۔ فکر مند ہو گئی ہوں۔ اب تجھے دشمنوں سے چھپا کر رکھنے کی فکر ستا رہی ہے۔"

میں نے کہا۔ "اور اب یہ فکر تمہارا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔"

"میں سب سے پہلے تنویمی عمل کے ذریعے تجھے اپنا غلام بناؤں گی اور تیرے دماغ کو لاک کر دوں گی تاکہ کوئی دوسرا تیرے اندر نہ آسکے۔"

میں ہولے ہولے ہنسنے لگا۔ وہ ناگواری سے بولی۔ "میں تجھ پر عمل کرنا چاہتی ہوں اور تُو شکست کھا کر بھی فاتح کی شان سے ہنس رہا ہے؟ میں تجھے سزا دوں گی۔ تیرے اندر زلزلہ پیدا کر دوں گی۔ تجھے ہنسنے کی سزا ملنی ہی چاہیے۔"

یہ کہتے ہی اس نے میرے دماغ کو زبردست جھٹکا پہنچایا۔ میں یکلخت تکلیف کی شدت سے تڑپنے لگا۔ اس کم بخت نے ایسے وقت میرے دماغ پر قبضہ جما کر منہ بند کر دیا تھا تاکہ چیخیں حلق سے نہ نکل سکیں۔

سمورا مجھے ماہی بے آب کی طرح پھڑ پھڑاتے دیکھ کر اپنا سینہ پیٹتی ہوئی آئی۔ مجھ سے لپٹ کر پوچھنے لگی۔ "یہ تمہیں کیا ہو رہا ہے؟ تمہارا منہ بند ہے۔ تم تکلیف کی شدت سے تڑپتے ہوئے دکھائی دے رہے ہو۔ کیا دشمن تمہیں اذیتیں دے رہے ہیں؟"

مرینہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تیری داشتہ تیرے لیے کیسے تڑپ رہی ہے؟ تُو پکا بدمعاش ہے۔ کسی حسین عورت کو نہیں چھوڑتا۔ اب بتا' یہ عذاب کیسا لگ رہا ہے؟ میں تجھے مرنے نہیں دوں گی۔ اگلے عذاب کے لیے زندہ رکھوں گی۔ ہاہاہاہا... بائی گاڈ! میرا کلیجا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

میں شدید تکلیف کے باوجود سمورا کو اپنی آغوش میں لے کر بولا۔ "مرینہ! شیر جنگل میں آزاد رہے' گولیوں کی بوچھاڑ میں رہے یا ٹیلی پیتھی کے عذاب میں رہے' وہ اپنی فطرت اور عادت کا شیر ہی ہوتا ہے۔"

میں نے سمورا کو بھینچ کر کہا۔ "دیکھ...! یہ حسینہ میری آغوش میں ہے۔ تُو مجھے اذیتیں دے رہی ہے' تجھے بعد میں پتا چلے گا کہ کس طرح نقصان اٹھانے والی ہے۔"

میں نے بے انتہا تکلیف کے باوجود سمورا کو آغوش میں لے کر اسے غصہ دلایا۔ یہ جتایا کہ وہ دماغی جھٹکے پہنچا کر بھی مجھے توڑ نہیں سکے گی۔

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ خاصی ذہین تھی۔ فوراً سمجھ گئی کہ میں انتہائی تکالیف کے نتیجے میں ذہنی توازن کھو بیٹھوں گا تو دماغی مریض بن جاؤں گا۔ پھر وہ ایک پاگل کو غلام بنا کر کچھ حاصل نہیں کر سکے گی۔



وہ ناگواری سے بولی۔ "تم بہت چالاک ہو۔ مجھے اس مرحلے پر الجھا رہے ہو۔ یہ بات عقل میں آگئی ہے کہ تمہیں اور زیادہ اذیت نہیں پہنچانا چاہیے۔ تم سے پھر بھی نمٹ لوں گی۔ تھوڑی دیر بعد تمہاری دماغی تکلیف ختم ہو گی۔ پھر تم پر تنویمی عمل کروں گی۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "ذرا غور کرو۔ تم اتنی جلدی تُو سے تم پر آگئی ہو۔ میں تھوڑی دیر بعد تمہیں آپ پر لے آؤں گا۔"

واقعی یہ حقیقت تھی۔ وہ غصے سے تلملا گئی مگر خود پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ "میں سمجھ رہی ہوں۔ تم مجھے طیش دلا کر مجھ سے غلطیاں کرانا چاہتے ہو۔ نہیں... اب میں ٹھنڈے دماغ سے کام لوں گی۔"

یہ کہتے ہی وہ خاموش ہو گئی۔ میں نے اس کے بولنے کا انتظار کیا۔ مگر میرے اندر خاموشی تھی۔ شاید وہ تھوڑی دیر کے لیے چلی گئی تھی۔ سمورا نے کہا۔ "تمہیں آرام آ رہا ہے۔ شاید دشمنوں نے پیچھا چھوڑ دیا ہے۔ یا میری قربت تمہیں آرام پہنچا رہی ہے۔"

میں نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ "عورت کی قربت جتنی زندگی دیتی ہے' اُتنی ہی موت بھی دیتی ہے۔ فی الحال تم زندگی دے رہی ہو۔ ابھی وہ عورت آئے گی اور مجھ پر تنویمی عمل کرنے کے لیے گہری نیند سلا دے گی۔ عورت پھر عورت ہے' مجھے عارضی موت دے گی۔"

وہ بولی۔ "میں اسے عمل کرنے نہیں دوں گی۔ تمہیں سونے نہیں دوں گی۔ موت تو موت ہی ہوتی ہے۔ عارضی موت کی بھی بات نہ کرو۔"

"تم جوش و جذبات میں آکر اُس کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرو گی تو وہ تمہاری دشمن بن جائے گی۔ تمہیں دودھ کی مکھی کی طرح یہاں سے نکال پھینکے گی۔"

"میں اس سے نمٹ لوں گی۔ اپنی آخری سانس تک اسے عمل کرنے سے روکتی رہوں گی۔"

"پھر تمہاری آخری سانسوں کے بعد کیا ہو گا؟ تمہارے بعد مجھے کون بچائے گا؟ خوامخواہ جان سے جانے کی باتیں نہ کرو۔ ابھی یہاں سے چلی جاؤ۔"

"میں تمہیں ایسی حالت میں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"

"میری بات مانو۔ موجودہ حالات میں تمہیں کچھ ہو گیا تو میں تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ فار گاڈ سیک! فوراً یہاں سے جاؤ۔ میں تمہیں آواز دوں' یہاں بلاؤں' تب بھی واپس نہ آؤ۔"

"نہیں۔ میں تمہیں بے یار و مددگار چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"



مرینہ چپ چاپ ہماری باتیں سن رہی تھی۔ حقارت سے بولی۔ "تُو یہاں سے نہیں جائے گی تو دنیا سے جائے گی۔"

سمورا نے کہا۔ "فرہاد! یہ میرے اندر بول رہی ہے۔"

"تم نہیں جانتیں' وہ کیا کر سکتی ہے؟ تم محبت سے نہیں مان رہی ہو۔ میں حکم دے رہا ہوں' چلی جاؤ یہاں سے...."

"کیا میں تمہارا حکم مان کر تمہیں ایک چڑیل کے حوالے کر دوں؟"

مرینہ نے اس کے دماغ پر قبضہ جما کر کہا۔ "تم میرا وقت ضائع کر رہی ہو۔ چلو.... خنجر اٹھاؤ۔"

خنجر اسی کمرے میں ایک طرف پڑا ہوا تھا۔ اس نے فوراً ہی ادھر جا کر اسے اٹھا لیا۔ میں نے تڑپ کر پوچھا۔ "یہ کیا کر رہی ہو؟"

پھر سمجھ میں آگیا کہ وہ غائب دماغ ہو چکی ہے۔ میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "مرینہ! ایسا ظلم نہ کرو۔ اس بے چاری کو ہلاک نہ کرو۔ وہ اپنی محبت سے مجبور ہو کر تمہارا راستہ روک رہی ہے۔ میں اسے ابھی یہاں سے...."

میری بات پوری نہ ہو سکی۔ اس سے پہلے کہ میں اس کے پاس پہنچتا' اُس نے خنجر کی نوک کو اپنے سینے میں پیوست کر لیا۔ میں جہاں تھا' وہیں لڑکھڑا کر فرش پر بیٹھ گیا۔ جیسے میرے ہاتھ پاؤں میں جان نہ رہی ہو یا پھر وہ مجھے کمزور بنا رہی تھی۔

وہ میرے سامنے تڑپ تڑپ کر دم توڑ رہی تھی۔ میں اس کے پاس جانا چاہتا تھا مگر جا نہیں پا رہا تھا۔ اس کے برعکس اپنے بیڈ کی طرف پلٹ رہا تھا۔ مرینہ کہہ رہی تھی۔ "چپ چاپ اپنی جگہ پڑے رہو۔ مجنوں بن کر لیلیٰ سے لپٹنے نہ جاؤ۔"

افسوس... میں اس کے لیے کچھ نہ کر سکا۔ اس نے تڑپ تڑپ کر دم توڑ دیا۔ وہ قہقہہ لگاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "ہائے فرہاد علی تیمور...! کیا ایسے بے بس اور مجبور بھی ہوئے تھے؟ میں کیا بتاؤں..... تمہاری یہ بے بسی دیکھ کر مجھے کتنی مسرتیں مل رہی ہیں۔"

میں نے شکست خوردہ انداز میں آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اپنے آلہ کاروں کے ذریعے مجھے اپنی ایک رہائش گاہ میں لے آئی۔ وہاں اس نے کہا۔ "دیکھو کتنی خاموشی اور سکون ہے؟ یہ ماحول تنویمی عمل کے لیے سازگار ہے۔ آؤ... اپنا دماغ میرے حوالے کر دو۔"

میں ایک بیڈ پر چپ چاپ پڑا رہا۔ اس نے کہا۔ "تمہاری خاموشی کچھ معنی رکھتی ہے۔ ایسا لگتا ہے' کچھ کرنے والے ہو۔"



میں نے کہا۔ "تم مجھ سے بری طرح خوفزدہ ہو۔ کیا میرے چور خیالات پڑھ کر معلوم نہیں کر سکتیں کہ میں خاموش ہوں یا کچھ کرنے والا ہوں؟"

وہ ذرا چپ رہی پھر بولی۔ "تمہارے چور خیالات سے یہی معلوم ہو رہا ہے کہ تم ابھی خیال خوانی کرنے کے قابل نہیں ہو۔ اپنے کسی ٹیلی پیتھی جاننے والے کو مدد کے لیے نہیں بلا سکتے۔"

"تو پھر کیوں وقت ضائع کر رہی ہو؟ مجھ پر تنویمی عمل کرو۔ ابھی یہاں شام کا اندھیرا پھیل رہا ہے۔ مجھے پیرس کے وقت کے مطابق فجر کی نماز سے پہلے سونیا کے پاس جانا ہے اور اپنے ہونے والے بچوں کو اذان سنانا ہے۔"

وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ میں تھوڑی دیر تک اس کی ہنسی سنتا رہا۔ وہ بولی۔ "ابھی تو خیال خوانی کے قابل نہیں ہو۔ اگر فجر تک قابل ہو بھی گئے تو اس وقت تک میرے غلام بن چکے ہو گے اور غلام تو پھر غلام ہی ہوتا ہے۔ اپنے آقا کی مرضی کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتا۔"

اس نے پھر ایک قہقہہ لگا کر کہا۔ "کیا سمجھتے ہو؟ میں تمہیں سونیا تک پہنچنے دوں گی؟ اور یہ کیا عجیب بے تکی سی بات ہے' جو بچے پیٹ میں ہیں' پیدا ابھی نہیں ہوئے' وہ کیا سنیں گے اور تم انہیں کیا سناؤ گے؟ یہ کیا بچوں جیسی باتیں ہیں؟"

میں نے کہا۔ "بہت بڑی باتوں کو رہنے دو۔ تم اس بچوں جیسی بات کو بھی اپنے وقت پر ہونے سے نہیں روک سکو گی۔ میرا دل' میرا دماغ' میرا ایمان کہتا ہے' میرے بچوں کو ان کی ایمانی خوراک ضرور ملے گی۔"

میں نے ایک ذرا توقف سے کہا۔ "یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم جو سوچیں' وہ ہو جائے مگر ایمان مضبوط ہو تو بندہ ناممکن کو بھی ممکن بنا دیتا ہے اور جس کے دل میں بے ایمانی اور کمینگی ہو' وہ با اختیار ہو کر بھی بے اختیار ہو جاتا ہے۔ جو سوچتا ہے وہ کر نہیں پاتا۔"

"میں جو کرنا چاہتی ہوں' کر گزرتی ہوں۔"

"جبکہ کر نہیں پا رہی ہو۔ پچھلے دو گھنٹوں سے مجھ پر تنویمی عمل کرنے کا ارادہ کر رہی ہو اور کر نہیں پا رہی ہو۔"

اس بات نے اسے چونکا دیا۔ خیال آیا کہ واقعی وہ کئی بار مجھ پر عمل کرنے کا ارادہ کر چکی ہے مگر ایسا کر نہیں پا رہی ہے۔ یہ تشویش ہوئی کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟

اس نے فوراً ہی مجھ پر عمل کرنا شروع کیا۔ میرے ذہن پر مسلط ہو کر بولی۔ "میں حکم دیتی ہوں' تمہارا دماغ حساس رہے گا۔ تم کمزوری کے باوجود سوچ کی لہروں کو محسوس کرو

گے اور سانس روک کر انہیں دماغ سے نکال دیا کرو گے۔"

میں نے وعدہ کیا۔ "ایسا ہی کروں گا۔"

اس نے کہا۔ "میرے خلاف کبھی نہیں سوچو گے۔ میرے ہر جائز و ناجائز حکم کی تعمیل کرتے رہو گے۔"

میں ایک معمول کی حیثیت سے اس کے تمام احکامات کی تعمیل کرنے کا وعدہ کررہا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "تم اپنے سگے اور لہو کے رشتوں کو بھول جاؤ گے۔ سونیا' پارس اور پورس وغیرہ کو اپنا جانی دشمن سمجھو گے۔ موقع ملتے ہی انہیں ہلاک کرو گے۔"

میں نے خون کے رشتوں کو پہچاننے سے انکار کیا۔ وہ جو کہہ رہی تھی' وہی میں کہہ رہا تھا۔ اس کی ہاں میں ہاں ملاتا جا رہا تھا۔ ایسے وقت محسوس ہورہا تھا' جیسے میں اس سے بالکل ہی سحرزدہ نہیں ہوں۔ اپنے حواس میں بھی ہوں۔

اس نے پوچھا۔ "کیا تم نے مجھ سے نجات حاصل کرنے کے لیے کسی کو مدد کے لیے اپنے اندر بلایا ہے؟ کیا میرے خلاف کوئی چال چل رہے ہو؟"

"میں ایسا کچھ نہیں کررہا ہوں۔"

"اگر کوئی فراڈ نہیں کررہے ہو تو یہ یقین سے کیسے کہتے ہو کہ صبح نماز سے پہلے سونیا کے پاس جاؤ گے؟"

"میں نے کسی منصوبے کے بغیر اپنے ایمان اور یقین کے مطابق ایسا کہا ہے۔ اس پختہ ایمان کا بھرم اللہ رکھے گا۔"

"تمہارا اللہ کیسے بھرم رکھے گا؟ جبکہ تم میری مٹھی میں ہو۔ میں تمہیں سونیا تک جانے ہی نہیں دوں گی۔"

"کسی کو کسی کام سے روکنا ہمارے تمہارے اختیار میں نہیں ہوتا۔ میں دیکھوں گا کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے؟ تم بھی دیکھو گی۔"

"مجھے کیا دیکھنا ہے؟ میرے عمل کے بعد تم پیرس کے وقت کے مطابق صبح نماز کے وقت سوتے رہو گے۔ نہ سونیا کے پاس جاسکو گے' نہ اذان سنا سکو گے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دین ایمان کی باتیں بہت کم لوگوں کی سمجھ میں آتی ہیں۔ میں اسے سمجھا نہیں سکتا تھا۔ اس نے مجھے تنویمی نیند سونے کے لیے چھوڑ دیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ مجھ پر خوابیدہ حالت میں عمل نہیں کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود اس نے تنویمی نیند سونے کو کہا تو میں بے خبر سو گیا۔

وہ آدھے گھنٹے بعد آئی پھر مطمئن ہوگئی کہ میں تنویمی نیند سو رہا ہوں۔ وہ میری طرف سے بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ اسے اپنی کامیابی کا پوری طرح یقین نہیں آرہا تھا۔ میری یہ بات اسے چبھ رہی تھی کہ صبح خیال خوانی کی پرواز کروں گا اور اپنے ہونے والے بچوں کو اذان سناؤں گا۔

بظاہر یہ ایک بچگانہ بات تھی۔ اس نے میرا مذاق اڑایا تھا۔ مذاق اڑانے کی وجہ یہ تھی کہ میں کوئی اللہ والا نہیں تھا۔ ایسی حالت میں خیال خوانی کی پرواز کا معجزہ نہیں دکھا سکتا تھا۔ اس کے باوجود وہ مطمئن نہیں تھی۔

وہ سوچ رہی تھی۔ "فرہاد کی اکثر باتیں اور حرکتیں وقت گزرنے کے بعد سمجھ میں آتی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ پانی میرے سر سے گزر جائے اور تب معلوم ہو کہ یہ مکار دشمن تنویمی عمل کا پنجرہ توڑ کر اڑن چھو ہوگیا ہے۔"

وہ پھر اپنا شبہ دور کرنے کے لیے میرے دماغ میں آئی۔ میں بدستور گھوڑے بیچ کر سو رہا تھا۔ وہ مطمئن ہو کر چلی گئی۔ ہماری زندگی میں کبھی کوئی معجزہ ہوتا ہے تو ہم اسے سمجھ نہیں پاتے... ہاں... سمجھ نہیں پاتے۔

ایسا اچانک ہی ہوا۔ آدھی رات کے بعد مجھے مردانہ آواز میں ہنسی سنائی دی۔ کسی نے مخاطب کیا۔ "ہیلو فرہاد! کس حال میں ہے؟ کیا شیر لوہے کے جال میں ہے؟"

آواز جانی پہچانی تھی لیکن اس وقت میں سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ وہ بول رہا تھا۔ "بھئی بالشت بھر کی مرینہ نے تو ٹیلی پیتھی کی دنیا کا سب سے حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا ہے۔ شیر کو چوہا بنا دیا ہے۔"

وہ میرے حال پر ہنس رہا تھا اور ہنستے ہنستے کہہ رہا تھا۔ "تم ایسے خطرناک ہو کہ تمہارا نام سنتے ہی ہم کان پکڑتے تھے' توبہ کرتے تھے۔ آج ایسے بے بسی سے پڑے ہوئے ہو' جیسے تمہارے اندر سے سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔"

وہ ذرا چپ رہ کر میرے خیالات پڑھنے لگا۔ پھر بولا۔ "اچھا تو تم نیند میں میری آواز نہیں پہچان رہے ہو۔ بھئی میں لمبوڑا ہوں.... جان لمبوڑا۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "اوہ گاڈ! اگر موت کا فرشتہ مجھ سے آخری سانسوں میں پوچھتا' بولو! آخری خواہش کیا ہے تو میں اُس سے تمہارا سر مانگتا۔"

وہ کہہ رہا تھا۔ "اسے کہتے ہیں' خوش قسمتی۔ نہ یہ میرا آخری وقت ہے' نہ آخری خواہش ہے مگر مجھے تمہارا سر مل گیا ہے۔ کتنے آرام سے اس سر میں گھس کر بدمعاشی کر رہا ہوں۔"

وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ "بولو اس دھرتی کے سورما... کیا مجھے یہاں سے نکال سکتے ہو؟"

وہ فاتحانہ انداز میں بکواس کر رہا تھا۔ ایک گئی تھی۔ یہ دوسرا آیا تھا۔ سوال پیدا ہوا' کیسے آگیا؟ جبکہ وہ میرے دماغ کو لاک کر چکی تھی۔

یہ کوئی عجیب اور ناممکن سی بات نہیں تھی۔ ہم بھی دوسروں کے دماغوں میں ایسا کر چکے ہیں۔ کسی کے بھی دماغ میں چھپ کر' کسی کے تنویمی عمل کو ناکام بناتے رہے ہیں۔ لمبوڑا بھی یقیناً ایسے وقت میرے اندر آیا ہوگا' جب مرینہ مجھ پر تنویمی عمل کرنے میں مصروف رہی ہوگی۔

لمبوڑا نے ہنستے ہوئے کہا۔ "جو جتنا زیادہ عقلمند ہوتا ہے' وہ اتنی ہی بڑی غلطی کرتا ہے اور سمجھتا ہے' اس سے کبھی کوئی غلطی نہیں ہوتی۔ تمہاری غلطی یہ ہے کہ تم نے سمورا سے دوستی کی۔ اسے مرینہ کے لیے ایک ذریعہ بنا دیا۔"

میں نے پوچھا۔ "تم اپنی بات کرو۔ وہ میرے دماغ کو لاک کر کے گئی ہے پھر تم کیسے آگئے؟"

"میں اپنے اندر کی باتیں کسی کو نہیں بتاتا۔ ابھی اپنے بارے میں سوچو۔ غرور سے سر اٹھانے والے پہاڑ کی چوٹیاں بھی زلزلے سے زمیں بوس ہو جاتی ہیں۔ تم آخر کب تک ہمارے قدموں میں نہ آتے؟"

میں نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ "اگر میں نے کبھی نادانستگی میں غرور کیا ہو تو خدا معاف کرنے والا ہے۔ ویسے تم سب مجھے اس لیے مغرور کہتے ہو کہ مجھ پر غالب آنے میں ناکام رہتے ہو۔ جب لومڑی انگوروں کو الزام دے سکتی ہے تو پھر تم کیوں نہیں دو گے؟"

"کیا مجھے باتوں میں الجھا کر میرے تنویمی عمل سے محفوظ رہنا چاہتے ہو؟"

"میں نہیں الجھا رہا ہوں۔ تم مجھے جیت لینے کی خوشی میں یوں ہی بولے چلے جا رہے ہو۔ تھوڑی دیر پہلے مرینہ بھی باؤلی ہوگئی تھی۔ وہ تو بندروں کی طرح ناچنے لگی تھی۔ ایسا نہ ہو' تم کتے کی طرح بھونکتے ہی رہ جاؤ۔"

"تعجب ہے۔ شکنجے میں آ کر بھی بے باکی سے بول رہے ہو۔ چلو۔ اب میں عمل شروع کر رہا ہوں۔ تمام توجہ مجھ پر مرکوز کرو اور مرینہ کو بھول جاؤ۔"

مرینہ کی آواز سنائی دی۔ "یہ مجھے تب بھولے گا' جب تم عمل کر سکو گے۔"

لمبوڑا نے ایکدم سے چونک کر کہا۔ "اوہ گاڈ! تم اسے تنویمی نیند سلانے کے بعد بھی چلی آئیں؟"

"میں کئی بار آچکی ہوں۔ مجھے شبہ تھا' کہیں سے کوئی گڑبڑ ہو رہی ہے۔ مجھے فرہاد کے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی طرف سے خطرہ تھا۔ یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم مجھے نقصان پہنچانے آؤ گے۔"

لمبوڑا خاموش تھا۔ یہ شاک پہنچ رہا تھا کہ وہ رکاوٹ بننے آگئی ہے۔ وہ بھی خاموش ہوگئی تھی۔ دونوں اپنی اپنی جگہ سوچ رہے تھے' یہ کیا ہوگیا؟

میں ان کے لیے بالکل تر نوالہ تھا۔ وہ مجھے چبائے بغیر نگل جانے والے تھے۔ اب سوال پیدا ہو رہا تھا' کون نگلے گا؟ کون ناکام ہو کر جائے گا؟

میں نے کہا۔ "قدرتی معاملات کو سمجھو۔ تمہارے آپس کے جھگڑے میں مجھ پر تنویمی عمل نہیں ہوگا۔ میں مقررہ وقت پر خیال خوانی کی پرواز کر سکوں گا۔ اپنے بچوں کو اذان سنا سکوں گا۔"

وہ دونوں بے بسی سے سوچ رہے تھے۔ ان میں سے کوئی میرے حصول سے باز آنے والا نہیں تھا۔ یہ غور کرنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ قدرت اپنی بات پر قائم رہنے کے لیے کیسے کیسے کھیل تماشے کرتی ہے اور تماشا کرنے والوں کو ایک دوسرے سے الجھا دیتی ہے۔

وہ دونوں الجھ گئے تھے۔ مجھے حاصل کرنے کا موقع انہیں پھر کبھی نہ ملتا۔ وہ مجھے اپنا غلام بنانے کے لیے جس مقام تک پہنچ گئے تھے' وہاں سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے والے نہیں تھے۔

بڑی دیر کی خاموشی کے بعد لمبوڑا نے کہا۔ "میں جانتا ہوں' تم موجود ہو۔"

"میں تو موجود رہوں گی۔ اسے میں نے شکار کیا ہے۔"

"ان باتوں سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ اگر اس کے خیال خوانی کرنے والے آجائیں گے تو ہم میں سے کوئی اسے اپنا تابعدار نہیں بنا سکے گا۔"

"ہمیں پانچ منٹ کے اندر فیصلہ کرنا چاہیے کہ کون اسے اپنا تابعدار بنائے گا؟"

"ان پانچ منٹوں میں بازی پلٹ سکتی ہے۔ ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرو۔ یہ طے ہے کہ نہ تم باز آؤ گے' نہ میں اسے چھوڑوں گی۔ فی الحال ایک ہی راستہ ہے۔"

"کیا کہنا چاہتی ہو؟"

وہ بولی۔ "ہم دونوں اس پر تنویمی عمل کریں اور جلد سے جلد اس کے دماغ کو لاک کر دیں۔ اس کا کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا کسی وقت بھی آسکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ پہلے میں عمل شروع کرتا ہوں۔"

"نہیں۔ پہلے میں شروع کروں گی۔"

"پہلے میں اور پہلے میں کی تکرار ہوتی رہی تو یہ شیر ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

وہ چونک کر بولی۔ "او گاڈ! یہ کہہ رہا تھا' پیرس کے وقت کے مطابق سونیا کے پاس جائے گا اور اپنے ہونے والے بچوں کو اذان سنائے گا۔"

لمبوڈا نے کہا۔ ”جب یہ تم سے کہہ رہا تھا' تب میں یہاں موجود تھا۔ تم نے بے یقینی سے قہقہہ لگایا تھا۔ جبکہ یہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ مرینہ! ہم وقت ضائع کر رہے ہیں۔“

”دیکھو! ہم اس طرح عمل کریں گے کہ باری باری اپنی آوازیں سناتے رہیں گے۔ اس کے اندر ایک بار میں بولوں گی۔ دوسری بار تم بولو گے۔ یہ ہم دونوں کی آوازوں سے سحر زدہ ہو کر ہمارا معمول اور تابعدار بن جائے گا۔“

اس نے کہا۔ ”ایسا تنویمی عمل آج تک کسی نے نہیں کیا۔“

”نہ کیا ہو۔ ہم کریں گے۔“

”ذرا عقل سے سوچو! ایسا ممکن نہیں ہے کہ ایک شخص بیک وقت دو عاملوں کا معمول بن جائے۔ ایک وقت میں ایک ہی کا سحر طاری ہوتا ہے۔“

”ممکن ہے' ہمارا یہ تجربہ کامیاب رہے۔“

”اور ناکامی ہوئی تو پھر ایک بار ساری دنیا تسلیم کر لے گی کہ فرہاد کبھی حکمت عملی سے اور مقدر سے بچ نکلتا ہے۔“

”اس کے ٹیلی پیتھی جاننے والے اسے بچانے آجائیں گے۔ فارگا ڈسیک... میری بات مان لو۔ مجھے اس پر تنویمی عمل کرنے دو۔“

”تم خوامخواہ ضد کر رہی ہو۔ کیا مجھے نادان بچہ سمجھتی ہو؟“

”نہیں۔ تم مجھے نادان بچی سمجھ رہے ہو۔“

وہ بیزار ہو کر بولا۔ ”بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی ہے۔ ہمارے جھگڑے سے فرہاد کو فائدہ پہنچنے والا ہے۔ ہم میں سے کوئی اسے تابعدار نہیں بنا سکے گا۔“

”میں قسم کھا چکی ہوں۔ اسے اپنا محکوم نہ بنا سکی تو مار ڈالوں گی۔“

اس نے ایک ماتحت کے اندر پہنچ کر کہا۔ ”دروازہ کھول کر اندر جاؤ۔ جہاں اس قیدی کو باندھ کر لٹایا گیا ہے' اس بستر کے نیچے ریموٹ کنٹرولر بم رکھ کر باہر آجاؤ۔ میں جیسے ہی تمہیں حکم دوں' کنٹرولر کا بٹن دبا دو۔“

اس کے ماتحت نے حکم کی تعمیل کی۔ دروازہ کھول کر اندر آیا۔ اسٹور روم سے جا کر ایک ریموٹ کنٹرولر اور بم لے آیا۔ کنٹرولر اور بم کی ایڈجسٹمنٹ کو چیک کرنے کے بعد اس نے بم کو بستر کے نیچے رکھ دیا پھر باہر آکر دروازے کو بند کر کے ایک کھڑکی کے پاس بیٹھ گیا' جہاں سے بم اور کنٹرولر کا رشتہ قائم رہ سکتا تھا۔

مرینہ نے کہا۔ ”فرہاد! تمہارا کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا مدد کرنے آئے تو اسے بتا دینا' تم بارود پر لیٹے ہوئے ہو۔ اگر وہ فوراً تمہیں چھوڑ کر نہ گئے تو تمہارے چیتھڑے اڑا دیے جائیں گے۔“

پھر وہ بولی۔ ”اور لمبوڈا! تم بھی سن لو۔ اگر کوئی چال چلنا اور چالاکی دکھا کر اسے مجھ سے چھیننا چاہو گے تو یہ تمہیں زندہ نہیں ملے گا۔“

وہ بولا۔ ”مر جائے تو خس کم جہاں پاک.... زندہ رہے گا تو میرا ہی تابعدار بن کر رہے گا۔“

وہ غصے سے چیخ کر بولی۔ ”یعنی تم اس کا پیچھا نہیں چھوڑو گے؟“

”تم نے اس کے نیچے بم رکھ کر یہ سمجھ لیا کہ میں اس کی موت کا یقین کر کے چلا جاؤں گا اور تم اپنا اُلّو سیدھا کر لو گی.... اونہہ۔ تم اپنی چالاکی دکھاؤ۔ میں اپنی دکھاؤں گا۔“

وہ پریشان ہو کر بولی۔ ”فارگا ڈسیک۔ کوئی سمجھوتا کرو۔ یہ ہاتھ سے نکل جائے گا تو ہم دونوں پچھتاتے رہ جائیں گے۔“

”مرینہ! تم اکیلی ہی کچھ کم مصیبت نہیں ہو۔ فرہاد کو تابعدار بنا کر تو بلائے جان بن جاؤ گی اور میں تمہیں بننے نہیں دوں گا۔“

”تم اپنی بکواس میں وقت ضائع کر رہے ہو۔ پیرس کے وقت کے مطابق صبح ہونے میں صرف پانچ گھنٹے رہ گئے ہیں۔ یہ صبح کی نماز کے وقت سونیا کے پاس جا سکتا ہے۔ ناممکن کو ممکن بنا سکتا ہے۔“

وہ پریشان ہو کر سوچ رہی تھی۔ وہ بولا۔ ”عقل سے کام لو۔ اس سے پہلے کہ فرہاد کو توانائی اور خیال خوانی کی قوت ملے۔ اس کے دماغ کو لاک کرنے دو۔“

”یہی تو کہہ رہی ہوں۔ مجھے لاک کرنے دو۔ تم جاؤ۔“

”یہ ثابت ہو گیا کہ تم خود غرض ہو۔“

”ہاں۔ میں خود غرض ہوں۔ پہلے اپنی قوت' اپنا اقتدار اور اپنا تحفظ دیکھتی ہوں۔ نقصان اٹھانے اور تم لوگوں سے کمتر بن کر رہنے کے لیے پیدا نہیں ہوئی ہوں۔“

”تو پھر ٹھیک ہے۔ میں یہاں جم کر رہوں گا۔ اس کی موت کے بعد ہی دماغ سے نکلوں گا۔“

وہ دونوں میرے دماغ میں جھگڑا کر رہے تھے اور در پردہ یہ کوشش کر رہے تھے کہ کسی طرح ایک دوسرے کی پناہ گاہ معلوم کر لیں۔ ان میں سے کوئی کسی کو زخمی کرنے یا مار ڈالنے میں کامیاب ہو جاتا تو پھر مجھے اپنا محکوم بنا لیتا۔

مرینہ کے پاس ایک خیال خوانی کرنے والا ماتحت تھا۔ اس نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”لمبوڈا میرے لیے پرابلم بن رہا ہے۔ میں اسے فرہاد کے دماغ سے نکالنے کے لیے فی الحال جانا چاہتی ہوں لیکن میرے جاتے ہی وہ اسے اپنا تابعدار بنا لے گا۔ اس کے دماغ کو لاک کر دے گا پھر

میں یہاں نہیں آسکوں گی۔"

وہ بولا۔ "میں سمجھ گیا۔ مجھے آپ کی عدم موجودگی میں لمبوڈا کو تنویمی عمل کرنے سے روکنا ہے۔"

"ہاں۔ میں یہی چاہتی ہوں۔ تم لمبوڈا کو میری آواز نہ سناؤ۔ اپنی موجودگی ظاہر نہ کرو۔ جب وہ فرہاد پر عمل کرنا چاہے تو خاموشی سے رکاوٹیں پیدا کرو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں یہی کروں گا۔"

ادھر لمبوڈا بھی یہی چاہتا تھا کہ میرے دماغ سے نکل کر دوسرے ذرائع سے مرینہ کو ٹریپ کرے۔ اس نے اپنی ایک قابلِ اعتماد سونیا ثانی کو مخاطب کیا اور کہا۔ "ایک بہت بڑی خوشخبری ہے۔ اگر ابھی ایک رکاوٹ دور ہو جائے تو ہم فرہاد علی تیمور کو اپنا غلام بنا سکتے ہیں۔"

ثانی نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا واقعی...؟ مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔"

وہ بولا۔ "واقعی یہ یقین نہ کرنے والی بات ہے مگر یہ سچ ہے۔ مرینہ بڑی چالاکی سے فرہاد کو زخمی کرکے اس کے اندر گھس آئی ہے۔ ہم دونوں کے درمیان بڑی دیر سے یہ جنگ جاری ہے کہ فرہاد کو کون اپنا محکوم بنائے گا؟ میں کسی طرح اس کمینی کو وہاں سے بھگانا چاہتا ہوں۔"

لمبوڈا یہ نہیں جانتا تھا کہ جس خیال خوانی کرنے والی پر بھروسا کررہا ہے اور اسے میرے خلاف آلہ کار بنا رہا ہے' وہ میری ہونے والی بہو ہے۔

یہ سن کر ہی ثانی کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا کہ مجھے ٹریپ کیا گیا ہے۔ ایسے میں وہ لمبوڈا کو اپنے دماغ میں رہ کر بولنے دیتی تو وہ میرے لیے میری بہو کی محبتوں اور جذبوں کو پڑھ لیتا۔ وہ فوراً ہی بولی۔ "انکل! میں باتھ روم میں جارہی ہوں۔ آپ جائیں میں ابھی آتی ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے سانس روک لی۔ ادھر وہ دماغ سے نکلا' اُدھر وہ علی تیمور کے پاس پہنچ کر بولی۔ "تم کہاں ہو؟ فوراً میرے پاس آؤ۔ مرینہ اور لمبوڈا نے پاپا کو زخمی کرکے ان کے دماغ پر قبضہ جمالیا ہے۔ ابھی اپنے خیال خوانی کرنے والوں کے ساتھ وہاں پہنچو۔"

پھر اس نے لمبوڈا کے پاس آکر کہا۔ "سوری انکل! اب آپ بولیں' فرہاد کو محکوم بنانے کے لیے آپ کی حکمتِ عملی کیا ہوگی؟"

"فرہاد قسمت کا دھنی ہے۔ مرینہ کو وہاں سے بھگایا نہ گیا تو وہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ پھر ایسا موقع کبھی نصیب نہیں ہوگا۔ میں چاہتا ہوں' تم فرہاد کے دماغ میں موجود رہو تاکہ میں دوسرے ذرائع سے مرینہ کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کردوں۔"

"میں سمجھ گئی۔ آپ چاہتے ہیں' مرینہ آپ کی غیر موجودگی میں فرہاد پر تنویمی عمل نہ کرے۔ آپ اطمینان سے جائیں۔ میں اس سے نمٹ لوں گی۔"

پھر اس نے انجان بن کر جھوٹ کہا۔ "میں فرہاد کی آواز اور لہجے سے واقف نہیں ہوں۔ آپ مجھے وہاں پہنچادیں۔"

لمبوڈا نے اسے میرے اندر پہنچا دیا۔ میرے دماغ میں گہری خاموشی تھی۔ یوں لگتا تھا' جیسے کوئی موجود نہ ہو۔ سب ہی چلے گئے ہوں۔ ثانی نے ایک فرضی نام بتاتے ہوئے کہا۔ "ہیلو فرہاد! میں سلوانا بول رہی ہوں۔ تم لوگوں نے پہلے کبھی یہ نام نہیں سنا ہوگا۔ آج بھی نہ سنتے مگر میں یہ دیکھنے آئی ہوں کہ تمہارے جیسے پہاڑ کے دماغ میں یہ کون چڑیل گھس آئی ہے؟"

مرینہ کے لیے بھی سلوانا کا نام نیا تھا۔ اپنے لیے چڑیل کا لفظ سن کر غصہ آرہا تھا لیکن وہ خاموشی سے برداشت کررہی تھی۔ ثانی نے اس سے کہا۔ "آخر کب تک یہاں ناگن بن کر بیٹھی رہوگی؟ فرہاد کے ٹیلی پیتھی جاننے والے آجائیں گے۔ اس کے بعد پھر کبھی اسے محکوم نہیں بنا سکوگی۔ آخر کیا حاصل کروگی؟"

"مجھے کچھ حاصل نہیں ہوگا تو دوسرے بھی خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔ میں نے فرہاد کے بیڈ کے نیچے بم رکھوادیا ہے۔ میرے ناکام ہوتے ہی فرہاد کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔"

ثانی ایکدم سے گھبرا گئی۔ لمبوڈا کے پاس آکر بولی۔ "کیا آپ جانتے ہیں' اس نے فرہاد کے بستر کے نیچے بم رکھا ہے۔"

وہ بولا۔ "مائی بے بی! یہ مرینہ بدحواس ہوگئی ہے۔ اس نے اپنے ماتحت سے بم رکھوایا تھا۔ لیکن حکم کی تعمیل کرتے وقت میں اس ماتحت کے دماغ میں تھا۔ میں نے اسے غائب دماغ بنا کر بم کو وہاں سے ہٹا دیا تھا۔ یہ بات مرینہ اس لیے نہیں جانتی کہ وہ فرہاد کے دماغ سے نکل کر ماتحت کے پاس جانے کی غلطی نہیں کرنا چاہتی تھی۔"

ثانی نے اطمینان کی سانس لے کر کہا۔ "شکر ہے' مرینہ کی چال ناکام ہوگئی ہے۔"

لمبوڈا نے کہا۔ "مگر ہم بھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ فرہاد کے ٹیلی پیتھی جاننے والے کسی وقت بھی یہاں پہنچ سکتے ہیں۔"

ایسے وقت علی اور دوسرے ٹیلی پیتھی جاننے والے میرے اندر پہنچ گئے۔ ان کی تعداد زیادہ تھی۔ انہوں نے متحد ہوکر میرے دماغ پر قبضہ جمایا تو مرینہ اور لمبوڈا اسٹپٹا کر رہ گئے۔ جس دماغ پر قبضہ جمایا تھا' وہاں سے بڑے بے آبرو ہوکر نکل گئے۔ مجھے جیت لینے کا جشن منانے والوں کو آخر میدان چھوڑ کر جانا پڑا۔

تھوڑی دیر پہلے میری نجات کا کوئی راستہ نہیں تھا' کوئی امید نہیں تھی۔ پھر جیسے پلک جھپکتے ہی فجر کی نماز کا وقت ہوگیا اور میں خیال خوانی کی پرواز کرتا ہوا سونیا کے دماغ میں پہنچ گیا۔

ایسے وقت مجھے سہارا دینے والے میرے اپنے موجود تھے۔ میرے تمام خیال خوانی کرنے والوں کی گرفت مضبوط تھی اور میری خوشی کی انتہا نہیں تھی۔ ایسے دینی اور روحانی تجربات ایمان کو مستحکم کرتے ہیں۔ مجھے یاد ہے' میں بڑے جذبے سے اپنے نادیدہ بچوں کو اذان سنا رہا تھا۔

یہ میری زندگی کا یادگار واقعہ تھا۔ اسے کبھی بھول نہیں پاؤں گا۔ اس وقت شاہدرہ کے مکان میں بالکل تنہا' بے یار و مددگار ایک ایزی چیئر پر نیم دراز تھا۔ میری نرس' میری مسیحا جانے کہاں گم ہوگئی تھی؟

ایسے وقت سوچ رہا تھا' میں سونیا کی کوکھ کے سناٹے میں بچوں کو اذان سنا تا رہا تھا۔ کیا آج اس بڑھاپے میں زندگی کی آخری اسٹیج پر کوئی مجھے آواز دینے والا بھی نہیں ہے؟

تب.... ہاں تب میں ایکدم سے چونک گیا۔ جذبوں سے بھر گیا۔ میرے اندر سے اذان کی آواز ابھر رہی تھی۔

وہ دو بچے جو اپنی ماں کی کوکھ میں میری اذان سنتے رہے تھے' آج وہ دونوں ہم آواز ہوکر میرے اندر تکبیر پڑھ رہے تھے۔ میں ایمان کے سحر میں ڈوب رہا تھا' اپنے آپ کو بھول رہا تھا۔

عالی اذان سنانے کے بعد رونے لگی۔ میں نے پوچھا۔ "میری جان! کیوں رو رہی ہو؟"

وہ سسکتے ہوئے بولی۔ "مما آپ کے پاس نہیں ہیں۔ پتا نہیں' وہ کہاں ہیں؟ کس حال میں ہیں؟ یہاں آپ بالکل تنہا ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے صرف کبریا کو آپ کے پاس خیال خوانی کے ذریعے آنے کی اجازت دی ہے۔"

میں نے کہا۔ "چلو کچھ تو سہارا لگے گا۔"

"آپ کی طبیعت بگڑے گی تو وہاں کوئی آپ کا ہاتھ تھامنے والا نہیں ہوگا۔ میں صرف اذان سنانے آئی تھی۔ اب جارہی ہوں۔"

کبریا نے کہا۔ "عالی! اب تمہیں جانا چاہیے۔ ورنہ اعلیٰ حضرت ناراض ہوجائیں گے۔"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ "پاپا! میں جارہی ہوں۔"

وہ میرے دماغ کو چوم کر چلی گئی۔ کبریا نے کہا۔ "آپ بیڈ پر آکر آرام سے لیٹ جائیں۔ میں آپ کے دماغ کو لاک کروں گا۔ آج کے بعد میں فرہاد علی تیمور بن کر رہوں گا۔ مجھے فخر ہے کہ آپ کو تحفظ دے کر آپ کے فرائض ادا کرتا رہوں گا۔"

میں بیڈ پر آکر لیٹ گیا۔ وہ مجھ پر تنویمی عمل کرنے لگا۔

☆☆☆

ایشورارا نے اب سے پہلے ارضی دنیا کے لوگوں کی حمایت حاصل کی تھی۔ وہ اس طرح کہ غریبوں اور بے روزگاروں کے لیے ایک معقول ماہانہ رقم مقرر کی تھی۔ شرابیوں اور جواریوں کے لیے کھلی شراب خانے اور قمار خانے قائم کیے تھے۔ یہ اعلان کیا گیا تھا کہ ایشورارا کو ماننے والے اور اسے حکمران تسلیم کرنے والے کبھی بھوکے ننگے اور کسی کے محتاج نہیں رہیں گے۔

اس نے ارضی دنیا میں اپنی حکومت قائم کرنے کے سلسلے میں بڑی حد تک کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ لوگ کثیر تعداد میں اس کے عقیدت مند ہوگئے تھے۔ اس کی پوجا کرنے لگے تھے۔ ہم نے بڑی جدوجہد کے بعد اس کے طلسم کو توڑا تھا۔

اس بار وہ نئی چال چل رہا تھا۔ اپنے منصوبے کے مطابق ایک نیا مذہب قائم کررہا تھا۔ ہماری دنیا کے لوگ مختلف چینلو کے ذریعے ایک انتہائی حسین عورت کو دیکھ رہے تھے۔ وہ ایسی پُرکشش تھی کہ جب اسکرین پر آتی تو لوگ اسے دیکھتے ہی رہ جاتے۔ اسے بڑی محبت سے دیکھتے ہی لوگوں کی زبان سے ایک ہائے نکلتی۔

ہائے اس لیے نکلتی کہ وہ اندھی تھی۔ اس کے دونوں سفید دیدوں میں پتلیاں نہیں تھیں۔ نُور نہیں تھا پھر بھی پُرنور لگتی تھی۔

اس کے علاوہ سر سے پاؤں تک کوئی عیب نہیں تھا۔ اس کے وجود کے جس حصے پر نظر جاتی تھی' جم کر رہ جاتی تھی۔ اگرچہ اندھا پن بہت بڑا عیب ہوتا ہے۔ مگر یہ عجب معاملہ تھا کہ اس کی بے نور آنکھیں اپنی طرف کھینچتی تھیں۔ وہ اپنے اندھے پن کے باعث اور زیادہ پُرکشش ہوگئی تھی۔

مذہب وہ ہے' جو انسان کو تہذیب کے دائرے میں رکھتا ہے اور تہذیب اسی صورت میں قائم رہتی ہے' جب تمام انسان ذات برادری اور مذہبی تعصب سے بالاتر ہوتے ہیں۔ اس اندھی کے آگے سب ہی اپنی ذات برادری کو بھول جاتے تھے۔ صرف اس کی باتیں سنتے تھے۔

وہ کہتی تھی۔ "اے لوگو! تمہیں گورا اور کالا' خوبصورت اور بدصورت دکھائی دیتا ہے۔ اس لیے تم کسی کو اپناتے ہو' کسی کو ٹھکراتے ہو۔ میری طرح انہیں دیکھو گے تو فرق نہیں رکھو گے۔ کسی کو نہیں ٹھکراؤ گے۔ سب ہی کو گلے لگاؤ گے۔

میں تمہاری دنیا میں سب ہی کو گلے لگانے والا دین لائی ہوں۔ یہ نہیں کہتی کہ آنکھوں سے اندھے ہو جاؤ۔ یہ کہتی ہوں کہ عقل کے اندھے نہ بنو۔ دل کی آنکھوں سے دیکھو پھر ہر انسان اچھا اور پیارا دکھائی دے گا۔

جب ہر انسان سے پیار کرو گے تو نفرت کہیں نہیں رہے گی۔ تم جہاں جاؤ گے محبت بڑھتی رہے گی۔ نفرت مرتی رہے گی۔

میں تمہارے لیے ایک نیا دین لائی ہوں۔ اس دین کا نام ہے عظمتِ انسان.... آؤ.... انسان کی عظمت کو سمجھو اور عظیم بنو۔ اپنے جیسے تمام انسانوں کو اس نئے دین کے پلیٹ فارم پر لے آؤ۔

میں یہ نہیں کہتی کہ اپنا مذہب' اپنا دھرم چھوڑ دو۔ مسجد' مندر اور گرجا کے دروازے بند کر دو۔ نہیں...

مگر نماز اور پوجا پاٹ کو مسجدوں اور مندروں تک محدود رکھو۔ میرے دین کے ماننے والے اپنے اپنے گھروں اور عبادت گاہوں کی چار دیواریوں میں ہندو' یہودی' عیسائی اور مسلمان رہیں گے لیکن سڑکوں' بازاروں' دفتروں' کلبوں' تفریح گاہوں اور اسمبلیوں میں صرف انسان ہوں گے۔

سرِ عام محفلوں اور مجلسوں میں کسی کا کوئی ذاتی مذہب نہیں رہتا۔ سب کا مشترکہ مذہب انسانیت ہوتا ہے۔ لوگ ایسے مقامات پر ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کسی کے مذہب کو کمتر نہیں کہہ پاتے۔ کہتے ہیں تو دنگے فساد ہوتے ہیں۔ لہٰذا غور کرو۔ مختلف انسانوں کی سوسائٹی میں صرف انسان ہوتے ہیں اور ان کی انسانیت ہوتی ہے۔"

یہ ایسی باتیں تھیں' جو سننے والوں کو متاثر کرتی تھیں۔ چونکہ کہنے والی حسین و جمیل تھی' اس لیے اس کی باتیں دل میں بھی اترتی تھیں۔

وہ کہہ رہی تھی۔ "دینِ عظمتِ انسان کی تعلیمات کے مطابق شراب اور عورت پر پابندیاں صرف گھروں تک رہیں گی۔ باہر کوئی مسلمان' یہودی اور عیسائی نہیں ہوگا' صرف اور صرف نئے دین کے نیک بندے ہوں گے۔ ان کے درمیان شراب اور پرائی عورت جائز ہوگی۔"

اس نے خاص طور پر مسلمانوں کے لیے کہا۔ "جو مسلمان ہیں' وہ صرف عبادت کے وقت گھر یا مسجد جائیں گے۔ دنیاوی معاملات سے نمٹتے وقت تمام انسانوں کے درمیان مسلمان نہیں' صرف انسان بن کر رہیں گے۔ اس طرح وہ مومن بھی رہیں گے اور بے دین بھی نہیں کہلائیں گے۔"

ایشورارا کی پلاننگ کے مطابق یہ خرافات عام ہونے والی تھیں۔ اس نئے دین کی سب سے اہم اور بنیادی کشش یہ تھی کہ بے روزگاروں کو روزگار اور مالی امداد دی جارہی تھی۔

اس دین کو قبول کرنے والا اگر کسی حسینہ کو چاہتا اور وہ راضی نہ ہوتی تو بڑی رازداری سے ٹیلی پیتھی کے ذریعے اس حسینہ کو اس شخص کے قدموں میں لاکر گرا دیا جاتا۔

ایشورارا کے لاکھوں ٹیلی پیتھی جاننے والے اس اندھی حسینہ کے معتقد اور حواری بن کر رہتے تھے۔ ٹیلی پیتھی کے ذریعے لوگوں کے سامنے ناممکن کو ممکن بنا دیتے تھے۔ دم توڑتے ہوئے شخص کے دماغ پر قبضہ جما کر اسے عارضی طور پر اٹھا کر بٹھا دیتے تھے۔ یعنی اسے نئی زندگی دینے کا معجزہ دکھاتے تھے۔

کتنے ہی لوگوں کو جعلی میڈیکل رپورٹ کے ذریعے کینسر کا مریض ثابت کرتے تھے۔ پھر ٹیلی پیتھی کے ذریعے معجزہ دکھا کر انہیں موذی مرض سے نجات دلاتے تھے۔ لوگ سمجھتے تھے' وہ اندھی حسینہ معجزے دکھا رہی ہے۔ یوں اس کے عقیدت مندوں کی تعداد بڑھتی جارہی تھی۔

وہ اندھی کچھ بھی نہ تھی۔ لیکن خیال خوانی کرنے والوں نے اس کے اندر رہ کر اسے ایک پُراسرار راہبہ بنا دیا تھا۔ اس کی کرامات دیکھنے والے اسے ایک خاتون پیغمبر کہنے لگے تھے۔

اس اندھی کا نام حلالہ تھا۔ پتا نہیں' ایشورارا اسے کہاں سے پکڑ لایا تھا؟ پوری دنیا میں اس کا حسن بے مثال تھا۔ اس میں ایک عجیب سی قدرتی کشش تھی۔ اس نے حلالہ کے حسن و جمال کو تنویمی عمل اور ٹیلی پیتھی کے ذریعے دوآتشہ بنا دیا تھا۔

اس نے کہا۔ "حلالہ...! سونیا کو ٹریپ کرنے کے بعد یہ یقین ہوگیا ہے کہ فرہاد بھی لاہور کے کسی علاقے میں ہے۔ تم خیال خوانی کے ذریعے اسے مخاطب کرو۔ یہ معلوم کرو' وہ کہاں چھپا ہوا ہے؟"

حلالہ نے گریٹ ایشورارا کے حکم کے مطابق میری آواز اور لب و لہجے کو گرفت میں لیا۔ خیال خوانی کی پرواز کی۔ پھر دوسرے ہی لمحے میں کبریا کے اندر پہنچ گئی۔ یہ گمان تھا کہ اس نے مجھے پالیا ہے۔

وہ بڑے فخر سے بولی۔ "مسٹر فرہاد علی تیمور! تم نے مجھے ٹی وی کے مختلف چینلز پر دیکھا اور سنا ہوگا۔ اگر نہیں دیکھا تو ٹی وی آن کرو اور مجھے دیکھو..."

کبریا نے پوچھا۔ "میں تمہیں کیوں دیکھوں؟ کیا تم کوئی عجوبہ ہو؟"

"عجوبہ سمجھ کر ہی دیکھو۔"

"اور نہ دیکھوں تو...؟"



"دیکھو گے۔ جس طرح دیو کی جان ایک طوطے میں قید ہے' اسی طرح تمہاری جان ہماری مٹھی میں ہے اور ہماری مٹھی میں سونیا ہے۔"

کبریا نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "اچھی بات ہے' میں ابھی تمہیں دیکھتا ہوں۔"

"میں جانتی ہوں' مجھے دیکھتے ہی میری طرف دوڑے چلے آؤ گے۔"

وہ بولا۔ "ابھی تو تم دوڑی چلی جاؤ۔ میں اپنے اندر آنے والوں کو زیادہ دیر رہنے نہیں دیتا۔"

یہ کہتے ہی اس نے سانس روک لی۔ وہ اس کے دماغ سے نکل گئی۔ کبریا نے ٹی وی آن کیا تو وہ پہلی بار اسے دکھائی دی۔ اس وقت وہ ایک مجلس میں عورتوں اور مردوں کے سامنے ایک اسٹیج پر تھی۔ مائیک کے سامنے کھڑی اپنے دین کی خوبیاں بیان کر رہی تھی۔

کیا غضب کا حسن تھا؟ کبریا چند لمحوں تک اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ ایک بوڑھا فرہاد علی تیمور بنتے ہی ایک غضبناک جوانی بھی اسے بھول رہی تھی۔ "بول... میں کیسی ہوں...؟ مجھے دیکھنے والے اپنا آپ ہی بھول جاتے ہیں... کیا تو اپنے حواسوں میں ہے؟"

وہ واقعی پلکیں جھپکنا بھول گیا تھا پھر اس نے حواس میں رہ کر سنا۔ وہ مجلس میں کہہ رہی تھی۔ "ہماری دنیا میں اب تک کتنے ہی مذہب اور دھرم آئے' وہ سب آپس میں لڑتے رہے۔ ایک دوسرے کو مارتے اور مرتے رہے اور یہ لوگ قیامت تک اسی طرح لڑتے مرتے رہیں گے۔"

وہ ذرا چپ ہوئی۔ ذرا سی دیر کے لیے کبریا کے اندر آکر بولی۔ "ہاں۔ میں سمجھ رہی ہوں' تم مجھے دیکھ رہے ہو اور سن رہے ہو۔"

یہ کہتے ہی وہ پھر مجلس میں دماغی طور پر پہنچ کر وہاں کے اصول کے مطابق بولنے لگی۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ مجھ سے ختم کرنے کی جلدی نہیں ہے۔ فی الحال کچھ کہنے سے پہلے اپنے حسن و شباب کو نمونہ بنا کر پیش کر رہی ہے۔ اسے پورا یقین تھا کہ مجھے سحرزدہ کر رہی ہے۔

اور واقعی کبریا سحرزدہ ہو رہا تھا۔ وہ ہر پہلو سے متاثر کر رہی تھی۔ لیکن دینِ اسلام کے اصولوں کے خلاف بولتے والی اسے کھٹکنے لگی۔ اس کی قدر کچھ گھٹنے لگی۔ وہ اس کے دماغ میں تھا۔ آہستگی سے بولا۔ "تمہارا جادو مجھ پر نہیں چلے گا۔ ان معصوم اور نادان لوگوں پر جادو چلاتی رہو۔"

وہ "اونہہ" کہہ کر اس کے دماغ سے چلا آیا۔ یہ بڑا ہی احمقانہ نفسیاتی حملہ تھا۔ حلالہ کے بے شمار دیوانے تھے۔ اسے دیکھتے ہی اس کے پیچھے پیچھے چلے آتے تھے۔ اس کے نئے دین کو ماننے لگتے تھے۔ پہلی بار کبریا نے اس کی قدر نہیں کی تھی۔ اونہہ کا ایک پتھر مار کر چلا آیا تھا۔

اب سر جھکائے سوچ رہا تھا۔ "میں اس حسین بلا کو نظرانداز نہیں کرسکوں گا۔ وہ کہہ رہی تھی' مما اس کی مٹھی میں ہیں... یا خدا! میری مما کہاں ہوں گی؟"

ہمیں خبر نہیں تھی' سونیا کہاں ہے اور اس پر کیا بیت رہی ہے؟ یہ بعد میں معلوم ہونے والا تھا لیکن داستان کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لیے میں سونیا کے حالات بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

☆☆☆

بے ہوشی کی زود اثر دوا نے سونیا کو دماغی طور پر غافل کر دیا تھا۔ نہ جانے کتنا وقت گزر چکا تھا؟ وہ بہت ہی دھیرے دھیرے دماغی طور پر بیدار ہو رہی تھی۔ چند لمحوں کے لیے ایک ذرا آنکھیں کھولتی تھی' دھندلائی ہوئی آنکھوں سے ادھر اُدھر دیکھتی تھی' پھر غافل ہو جاتی تھی۔

یہ غفلت کتنے عرصے تک حاوی رہی' اسے اندازہ نہیں تھا۔ جب بے ہوشی کی وہ دھند پوری طرح چھٹ گئی' تب اس نے دیکھا' وہ ایک تکون کمرے میں تھی۔ وہ اچھا خاصا کشادہ کمرا چھت کی طرف جاتے جاتے سکڑتا چلا گیا تھا۔ پہلی بار دیکھتے ہی اندازہ ہوگیا کہ اسے اہرامِ مصر کی طرز پر تعمیر کیا گیا ہے۔

وہ ایک بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنے بارے میں سوچنے لگی۔ تب یاد آیا کہ ایشورارا کے جاں نثاروں نے اسے کس طرح مکاری سے ٹریپ کیا تھا؟ یہ سوچتے ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دائیں بائیں آگے پیچھے سر گھما کر اس اہرام نما کمرے کو دیکھنے لگی۔ سوچنے لگی۔ "پتا نہیں مجھے کہاں لایا گیا ہے۔ یہ عجیب سا کمرا ہے۔"

وہ فوراً ہی بستر سے اتر کر کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ وہاں کا آرائشی سامان قدیم طرز کا تھا۔ سونیا کو ایسا لگ رہا تھا' جیسے وہ جدید ٹیکنالوجی کے دور سے نکل کر قدیم زمانے میں پہنچ گئی ہے۔ وہاں پنکھے اور اے سی کی سہولت موجود نہیں تھی۔ اس کے باوجود کمرے میں ٹھنڈک کا احساس ہو رہا تھا۔ ایک ایک گوشے کا معائنہ کرنے کے بعد یہ عجیب سی بات سامنے آئی تھی کہ وہاں کوئی دروازہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اہرامِ مصر کے بارے میں بیشتر ماہرین آثارِ قدیمہ میں یہ اتفاق پایا جاتا ہے کہ ان پیرامڈز کی تعمیر کا مقصد یہ تھا کہ فراعینِ مصر اور شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والے افراد کے مقبرے بنائے جائیں۔ وہ خود کو جیسے کسی مقبرے میں محسوس کر

رہی تھی۔

اس نے اوپر تکون چھت کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔

”کیا ایشورارا نے جیتے جی میرا مدفن بنا دیا ہے؟“

اس نے ایک دیوار کے قریب آ کر گہری سانس کھینچی۔ سونگھنے کی غیر معمولی حس نے بتایا کہ اس کمرے کے باہر دو اجنبی موجود ہیں۔

چونکہ مردوں کی نسبت عورتوں میں ہارمونز کا تناسب زیادہ ہوتا ہے' اس لیے دونوں جنسوں کی قدرتی مہک میں نمایاں فرق ہوتا ہے اور وہ فرق سونیا کو سمجھا رہا تھا کہ باہر ایک عورت اور ایک مرد موجود ہے۔ لوبان' عود اور عنبر کی تیز خوشبوئیں بھی محسوس ہو رہی تھیں مگر کسی جانے پہچانے دشمن کی بو نہیں مل رہی تھی۔

اس نے سوچا۔ ”باہر یقیناً سیارے والے بھی موجود ہوں گے اور انہوں نے وہی خاص دوا استعمال کر کے اپنے جسموں کی قدرتی مہک کو ختم کر ڈالا ہوگا۔“

اس کمرے کو چار دیواری نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اسے تین دیواری کہنا مناسب رہے گا۔ لہٰذا اس تین دیواری کے باہر کیا ہو رہا تھا' اسے معلوم ہونے والا نہیں تھا۔ وہ دیوار سے کان لگا کر سننے کی کوشش کرنے لگی۔ کوئی آواز' کوئی آہٹ سنائی نہیں دے رہی تھی۔ یہ جاننے کی بے چینی تھی کہ باہر کون لوگ ہیں اور وہ کیا کر رہے ہیں؟

وہ دیوار کو بڑی توجہ سے دیکھ کر دونوں ہتھیلیوں سے چھوتے ہوئے ایک ایک قدم آگے بڑھنے لگی۔ خیال تھا کہ شاید کوئی خفیہ دروازہ مل جائے گا مگر تینوں دیواروں کو بھرپور توجہ سے دیکھنے اور ٹٹولنے کے باوجود کوئی خفیہ راستہ نہ ملا۔ وہ متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ یہ بات تو طے تھی کہ اس کمرے میں آنے اور جانے کے لیے کوئی نہ کوئی دروازہ ضرور ہوگا۔

وہ وہاں رکھی ہوئی ایک ایک چیز کو اٹھا کر اِدھر سے اُدھر کرنے لگی۔ چند ہی لمحوں میں اس نے پورے کمرے کو اتھل پتھل کر کے رکھ دیا۔ پتا نہیں' تیروں کے ذریعے اس کے اندر کیسی دوائیں انجیکٹ کی گئی تھیں' وہ کمزوری اور تھکن محسوس کر رہی تھی۔ واپس بیڈ پر آ کر ہاتھ پاؤں پھیلا کر لیٹ گئی۔

دوائیں ابھی اثر دکھا رہی تھیں۔ اس لیے لیٹنے کے چند لمحوں بعد ہی وہ گہری نیند میں ڈوبتی چلی گئی۔

☆☆☆

اوپر والے نے دنیا میں جنت کی کچھ نشانیاں اتاری ہیں۔ جیسے کہ خوبصورت علاقے' بہتے پانی کے جھرنے' بلند و بالا پہاڑوں پر اترتے ہوئے روئی کے گالوں جیسے بادل' ماں اور بچے کا پیار بھی جنت کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ ایسی بے لوث اور معصوم محبت اور کہیں دیکھنے میں نہیں آتی۔

اسی طرح خوبصورت عورتیں بھی جنت کا ایک اہم حصہ ہوتی ہیں۔ ایسا ہوتا ہے' کسی بھی حسین دوشیزہ کو دیکھ کر دل میں خیال آتا ہے کہ حوریں ایسی ہی ہوں گی۔ اسے دیکھ کر بھی حور کا گمان ہوتا تھا۔

کسی بھی عورت کی مختصر سی تعریف کے لیے اسے حور کہہ دینا ہی کافی ہوتا ہے اور حلالہ بھی کسی حور سے کم نہیں تھی۔ اچانک ہی سونیا کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے نیند کی حالت میں بھی کسی کو محسوس کر لیا تھا۔ حلالہ کو دیکھتے ہی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کے بدن سے ایک خاص قسم کی مسحور کن خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ نہ جانے وہ کیسی مہک تھی' سونیا سحر زدہ سی ہونے لگی۔

وہ خوشبو کو بھول کر اس کی آنکھوں کو دیکھ رہی تھی۔ سفید دیدے تھے مگر دیکھنے والی پتلیاں نہیں تھیں۔ صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ اندھی ہے۔ سونیا حیرانی سے سوچ رہی تھی۔ ”یہ اندھی تنہا یہاں کیسے آئی ہے؟ کس دروازے سے آئی ہے؟“

وہ پھر سر گھما کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ کسی بھی دیوار میں در نہیں تھا۔ جبکہ یقیناً وہاں آنے کا کوئی راستہ ہوگا۔ تب ہی وہ کسی رکاوٹ کے بغیر آئی تھی۔ اس نے پوچھا۔ ”تم کون ہو؟ یہاں کس راستے سے آئی ہو؟“

وہ بڑی رس بھری آواز میں بولی۔ ”میں ایک نئے دین کی علمبردار ہوں۔ دنیا والوں کے دلدر دور کرنے آئی ہوں۔ تم پوچھ رہی ہو' کس راستے سے آئی ہوں؟ تمہیں معلوم ہونا چاہیے' کہیں راستہ نہ ہو تب بھی میں چلی آتی ہوں۔“

وہ اپنے چہرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

”میری آنکھیں نہیں ہیں پھر بھی دیکھ لیتی ہوں۔“

وہ اپنی دونوں بانہیں پھیلا کر بولی۔ ”میں ایک ہوں مگر اپنی ذات میں بے شمار ہوں۔ ان لمحات میں دنیا کے کتنے ہی ملکوں میں' شہروں میں' مجلسوں اور محفلوں میں ہوں۔ ابھی تمہارے سامنے بھی ہوں اور ٹھیک انہی لمحات میں تمہارے مجازی خدا فرہاد علی تیمور کی کھوپڑی میں بھی ناچ رہی ہوں۔“

سونیا بڑی بے یقینی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ بولی۔ ”میں جانتی ہوں' تمہیں میری باتوں پر یقین نہیں آئے گا...... مگر آ جائے گا۔ میں ایک راز ہوں اور راز جلدی نہیں کھلتا۔ ذرا دم لو...... تمہیں بھی بہت کچھ معلوم ہونے والا ہے۔“



سونیا اُس پُراسرار حسینہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ پُراسرار اس لیے تھی کہ تکون نما کمرے میں نہ جانے کہاں سے چلی آئی تھی؟ پھر اُس کے سفید دیدے بتا رہے تھے کہ وہ اندھی ہے مگر اُس نے کہا تھا کہ وہ دیکھ سکتی ہے۔ اپنی ذات میں ایک ہے' ابھی اس کے روبرو ہے لیکن اس کا کہنا تھا کہ عین اسی وقت وہ دنیا بھر کے مختلف شہروں میں بھی موجود ہے۔ اپنے کسی نئے دین کا پرچار کر رہی ہے۔

سونیا کو چپ دیکھ کر وہ مسکرانے لگی پھر بولی۔ ”میرا نام حلالہ ہے۔“

”حلالہ......؟“

”ہاں۔ اور میرے دین کا نام ہے' عظمتِ انسان... میں دنیا کے سب ہی لوگوں کو انسان اور انسانیت کی پہچان کرانے آئی ہوں۔ میرے دین میں کوئی خدا نہیں ہے۔ کوئی مسلمان' کوئی ہندو' کوئی عیسائی نہیں ہے۔ اس دنیا میں بسنے والے سب ہی لوگ صرف انسان ہیں۔ کوئی اپنے اپنے مذہب کے حوالے سے کسی سے کمتر یا برتر نہیں ہے۔“

”اوہ! تو تم انسانیت کی علمبردار بن کر آئی ہو؟“

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ دھیرے سے ہاں کے انداز میں سر ہلا دیا۔ سونیا نے کہا۔ ”مگر تم میں انسانوں والی تو کوئی بات نہیں ہے پھر لوگوں کو انسانیت کا سبق کیسے پڑھاؤ گی؟“

اس کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔ اس نے بھویں سکیڑ کر کہا۔ ”تم میری توہین کر رہی ہو۔“

”تم نے اب تک اپنا جو تعارف پیش کیا ہے' اسے سن کر تو یہی لگتا ہے' کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہو۔ بغیر دروازے والے کمرے میں چلے آنا' نابینا ہوتے ہوئے بھی بینا ہونا' میرے سامنے رہتے ہوئے بھی یہ دعویٰ کرنا کہ دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی موجود ہو۔“

وہ خاموش رہ کر اس کی باتیں سن رہی تھی۔ سونیا نے ذرا ٹھہر کر کہا۔ ”اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان تب ہی انسان مانا جاتا ہے' جب وہ کسی ایک خدا پر یقین رکھتا ہے۔ اس کا خدا چاہے بھگوان ہو' عیسائیوں کا گاڈ ہو یا پھر اللہ جلِ شانہ ہو۔ کیونکہ تہذیب کسی بھی مذہب کو ماننے اور اس کے طور طریقوں پر عمل کرنے سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ ورنہ جانور اور انسان کا فرق ہی مٹ جائے۔“

”انسانیت سب سے بہترین تہذیب ہے۔“

”تم انسانیت کی باتیں نہ کرو۔ میں سمجھ گئی ہوں' تم ایشورارا کی پیدا کردہ اور پروردہ ہو۔ وہی تمہارا نا خدا ہے۔ اب یہ بحث چھوڑو اور سیدھی طرح شرافت سے بتاؤ' کس راستے سے اس کمرے کے اندر پہنچی ہو؟“

سونیا کی باتوں نے اس کا دماغ گرم کر دیا تھا۔ اس کے تیور بدلے ہوئے تھے۔ وہ ایک گہری سانس لے کر اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ ”بہت ہی بچگانہ سوال کر رہی ہو۔ کیا یہ سمجھ رہی ہو کہ میں بتا دوں گی اور تم یہاں سے فرار ہو سکو گی؟“

اس کے سفید دیدے گھورتے ہوئے سے لگ رہے تھے۔ اگرچہ ان میں دیکھنے والی سیاہ پتلیاں نہیں تھیں پھر بھی ایسا لگ رہا تھا' جیسے وہ اسے چھپ کر دیکھ رہی ہے۔ سونیا نے مسکرا کر کہا۔ ”میں تمام تر پابندیوں کے باوجود فرار ہو سکتی ہوں... تمہارے آقا گریٹ ایشورارا کو اسی بات کا خوف ہے اور یہی خوف تمہارے اندر بھی ہے۔“

”بہت بول رہی ہو۔ یہ سمجھ بھی نہیں سکتیں کہ میں کیا کر سکتی ہوں؟“

”کسرِ نفسی سے کام نہ لو۔ میں نہتی ہوں' تمہاری قید میں ہوں۔ اپنے بچاؤ کے لیے شاید کچھ کر نہ پاؤں۔ اگر کمزور اور بے بس افراد پر ہی تمہارا بس چل سکتا ہے تو اپنی شہ زوری آزماؤ۔ کم آن......“

اس نے دونوں بانہیں پھیلا کر اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔ چیلنج کرنے کا یہ انداز ایسا تھا کہ وہ قیدی اور نہتی ہونے کے باوجود خطرناک لگ رہی تھی۔ حلالہ نے اس آسمانی بجلی کے بہت سے قصے سنے تھے۔ اس کی ہسٹری سے اچھی طرح واقف تھی۔ یہ جانتی تھی کہ سونیا کبھی کمزور نہیں پڑتی۔ اس وقت بھی ایسا ہی لگ رہا تھا' جیسے ہیں کو اکب کچھ... نظر آتے ہیں کچھ......

کوئی بھی عورت دوسری عورت کے سامنے کمزور پڑنا نہیں چاہتی۔ کوئی بھی موقع ہو' اپنی برتری جتانا چاہتی ہے۔ حلالہ دنیا بھر کے معاملات میں اپنے جذبات پر اور خاص طور پر اپنے غصے پر قابو پانا خوب جانتی تھی مگر اس وقت سونیا کے چیلنج نے اس کے اندر کی عورت کو بھڑکا دیا تھا۔ وہ اس پر واضح کر دینا چاہتی تھی کہ ان لمحات میں اس سے کہیں زیادہ شہ زور ہے۔ چاہے تو اس آسمانی بجلی بن کر رہنے والی کو چٹکیوں میں زمیں بوس کر سکتی ہے۔

سونیا سب کچھ جانتی تھی مگر خیال خوانی نہیں جانتی تھی۔ اس کے باوجود ٹیلی پیتھی جاننے والے دشمنوں سے نمٹتی رہتی تھی۔ یوگا میں زبردست مہارت رکھتی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے کہا تھا' فی الحال دشمن غالب آ رہے ہیں۔ سونیا کو کمزور بنا رہے ہیں۔ اس کا دماغ بھی متاثر ہو رہا ہے۔ یعنی اگر حلالہ

خیال خوانی کے ذریعے اس پر حملہ کرنے والی تھی تو سونیا کو اپنا بچاؤ کرنے میں پریشانی ہوسکتی تھی۔ عین ممکن تھا کہ اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا۔

پھر یہ کہ ہم میں سے کوئی وہاں اس کی مدد کے لیے پہنچ نہیں سکتا تھا۔ پتا نہیں کیا مصلحت تھی کہ اعلیٰ حضرت نے اس کے دماغ کو لاک کر دیا تھا۔ ہم خیال خوانی کے ذریعے یہ بھی معلوم نہیں کر سکتے تھے کہ اسے کہاں پہنچایا گیا ہے؟ عجب معاملہ تھا' دشمنوں کے لیے سونیا کے دماغ کے دروازے کھلے رکھے گئے تھے۔

ان لمحات میں وہ اپنے اندر کی کمزوریوں کو سمجھ نہیں سکتی تھی۔ ہمیشہ شہ زور بن کر رہنے والے کمزور ہو جانے کا تصور بھی نہیں کرتے۔ وہ بھی یہی سمجھ رہی تھی کہ بے شک دشمنوں کی قید میں ہے مگر اس کا جسم' اس کا دماغ اور اس کی مکاریاں کسی کے زیر اثر نہیں ہیں۔ حلالہ قریب آنے کی غلطی کرے گی تو وہ لڑائی کے مختلف داؤ پیچ آزماتے ہوئے اسے ٹھوکروں میں اڑا کر رکھ دے گی۔

مگر افسوس...! یہ سونیا کی خام خیالی تھی۔

دوسری طرف حلالہ اس کے چیلنج کا منہ توڑ جواب دینے اور اسے مزہ چکھانے کے لیے بے چین تھی۔ پنجے سے پنجہ لڑانے کے لیے جسمانی طور پر خود کو تیار کیا جاتا ہے مگر وہ تو خیال خوانی کے ایک ہی وار سے اسے چاروں شانے چت کرنے والی تھی۔ اس لیے خود کو دماغی طور پر تیار کر رہی تھی۔ سونیا کی شخصیت ہی ایسی تھی کہ اس کی بے بسی کا یقین ہونے کے باوجود حلالہ کے اندر ایک خوف سا سمایا ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی' اگر خوش فہمی میں مبتلا ہو کر حملہ کرے گی تو منہ کی کھائے گی۔

نہ جانے وہاں کیا ہونے والا تھا؟ دو عورتوں میں ٹھن گئی تھی۔ مقابلہ برابر کا ہوتا تو اور بات تھی۔ انہوں نے اپنی دانست میں سونیا کو کمزور بنا رکھا تھا۔ اس حساب سے وہاں ایک زبردست تھی اور دوسری پانی کا بلبلہ ثابت ہونے والی تھی۔

چند لمحوں بعد سونیا نے کہا۔ "اوہو... کوئی کیڑا میرے دماغ میں کلبلا رہا ہے۔ یقیناً یہ تم ہی ہو۔"

یہ کہتے ہی اس نے سانس روک کر حلالہ کو دماغ سے دھتکارنا چاہا مگر ناکامی ہوئی۔ اس نے دوبارہ کوشش کی مگر دماغی کمزوری کے باعث اس بار بھی ناکامی ہوئی۔ ایسی صورت حال دیکھ کر حلالہ کو ایک ذرا اطمینان ہوا۔ اُدھر سونیا کچھ پریشان ہوگئی تھی۔

پھر اس نے اپنے اندر اس دشمن عورت کا قہقہہ سنا۔ وہ چند لمحوں تک فاتحانہ انداز میں قہقہے لگاتی رہی پھر بڑے تکبر سے بولی۔ "ختم ہوگئی تمہاری خوش فہمی...؟ اب سمجھ میں آیا کہ صرف جسمانی طور پر ہی نہیں' دماغی طور پر بھی تم میری محکوم ہو میڈم سونیا...!"

سونیا کی سمجھ میں یہ بات آرہی تھی کہ اسے ٹریپ کرنے کے لیے بے ہوشی کی جو دوا اس کے جسم میں انجیکٹ کی گئی تھی' اس کا اثر ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔ اسی لیے وہ سانس روک کر اسے بھگانے میں ناکام ہو رہی ہے۔

حلالہ نے اس کی سوچ کو پڑھتے ہوئے کہا۔ "تمہارا خیال درست ہے مگر یہ کمزوری عارضی نہیں ہے۔ تم نے ہمیشہ اپنے مخالفین کو انگلیوں پر نچایا' ٹھوکروں میں اڑایا۔ اب تمہاری باری ہے۔ اونٹ خود کو بہت اونچا سمجھتا ہے' مگر پہاڑ تلے آتا ہے' تب معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے۔ تم بھی پہاڑ تلے آگئی ہو۔ اب اپنے قد کا درست اندازہ ہو رہا ہوگا!"

سونیا نے اثبات میں سر ہلا کر طنزیہ لہجے میں کہا۔ "مجھے تو اپنے قد کا بخوبی اندازہ ہے مگر تم لوگ اپنی اوقات بھول رہے ہو۔ کسی کو بے بس بنا کر اس پر حاوی ہونے کو کامیابی سمجھ رہے ہو۔"

وہ مسکرا کر ایک انگلی کو اپنی ٹھوڑی پر رکھتے ہوئے بولی۔ "پتا ہے سونیا! مجھے ایسا لگ رہا ہے' جیسے تم بول نہیں رہی ہو۔ منمنا رہی ہو۔ ہاہاہاہا...."

اس نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "آج معلوم ہوا' شکار کو دبوچنے والی شیرنی کیسے بھیگی بلی بن جاتی ہے۔"

سونیا کے اندر بے بسی چیخ رہی تھی۔ جی چاہ رہا تھا' آگے بڑھ کر اس کا منہ نوچ لے۔ اس نے ایک بار پھر سانس روک کر اسے اپنے اندر سے بھگانے کی کوشش کی۔ وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "بغیر پَروں کے اڑان نہیں بھری جاتی میڈم سونیا! تمہارے پَر کاٹ دیے گئے ہیں۔ ایڑی چوٹی کا زور لگاؤ' تب بھی مجھے اپنے دماغ سے بھگا نہیں سکو گی۔"

وہ ایک طرف رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے انگلیاں چٹخا کر بولی۔ "تم میرے ہاتھوں کی کٹھ پتلی ہو۔ میری انگلیوں پر ناچتی رہو گی۔ تماشا دکھاؤں؟"

سونیا اسے گھور کر دیکھ رہی تھی۔ نہ جانے وہ کیا کرنے والی تھی؟ چند لمحوں بعد ہی سونیا نے ذرا ٹھٹک کر اپنے دائیں ہاتھ کو دیکھا۔ اس کمرے میں ایک میز پر پھلوں سے بھری ہوئی ٹرے رکھی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ ایک چاقو بھی تھا۔ تھوڑی دیر کے لیے وہ غائب دماغ سی ہوگئی۔



اسی دوران اس نے حلالہ کی مرضی کے مطابق وہ چاقو اٹھایا۔ اس کا تیز پھل بتا رہا تھا کہ وہ پھلوں کے علاوہ پہاڑ جیسی عورت کو بھی کاٹ سکتا ہے۔ چاہے تو صرف زخم پہنچا سکتا ہے' چاہے تو جاں سے بھی گزار سکتا ہے۔

اس نے حلالہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ زیر لب مسکرا رہی تھی۔ اس کا انداز ایک فاتح جیسا تھا۔ سونیا نے ایک نظر چاقو پر ڈالی پھر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہوں۔ تم سمجھ رہی ہو کہ بڑی آسانی سے میری جان لے سکتی ہو جبکہ نہیں لے سکو گی۔"

"چاقو کی نوک پر بھی یقین ہے کہ جان نہیں جائے گی۔"

سونیا نے مسکرا کر کہا۔ "یہ تمہاری توہین ہے کہ میں تم سے خوفزدہ نہیں ہوں۔ تم سے رحم کی بھیک نہیں مانگ رہی ہوں۔"

وہ غصے سے مٹھیاں بھینچ کر بولی۔ "تم مجھے غصہ دلا رہی ہو۔ ابھی پلک جھپکتے ہی فرش پر تڑپتی ہوئی دکھائی دو گی۔"

سونیا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اگر یہ سمجھ رہی ہو کہ میری جان لینا تمہارے ہاتھوں میں ہے تو فوراً لے لو۔ کہیں قسمت کا موڈ بدل گیا تو پچھتاؤ گی۔"

"تم کیا سمجھتی ہو' میں تمہیں چھوڑ دوں گی؟ چاقو کی نوک تمہارے سینے پر ہے۔"

"اور میرا دماغ تمہاری مٹھی میں ہے۔ میں یہ چاقو اپنے سینے سے ہٹا نہیں سکتی اور میں ضروری بھی نہیں سمجھتی۔ تم خود ہی اسے یہاں سے ہٹاؤ گی۔"

وہ بولی۔ "تمہیں اپنے زندہ رہنے کا اتنا یقین کیوں ہے؟"

"اگر مجھے مار ڈالنا ہوتا تو یہاں قیدی بنا کر نہ رکھا جاتا۔ تمہارا ایشورارا مجھے چارا بنا کر فرہاد کو ٹریپ کرنا چاہتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ مجھ تک پہنچنے کے لیے وہ زمین آسمان ایک کر دے گا۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آتے ہوئے بولی۔ "تم درست کہہ رہی ہو۔ جب تک فرہاد ادھر نہیں آئے گا' تم زندہ رہو گی۔"

سونیا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "یعنی ابھی تمہارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں؟"

"ہاں مگر اتنے بھی نہیں کہ اپنی توہین کا بدلہ نہ لے سکوں۔"

وہ سونیا کے اور قریب آگئی تھی۔ اس کے تیور بدل گئے تھے۔ دیدے کچھ عجیب نادک سے لگ رہے تھے۔ سونیا سمجھ گئی کہ وہ خنجر کے ذریعے اسے زخم پہنچانا اور تکلیف میں مبتلا کرنا چاہتی ہے۔ حلالہ نے کہا۔ "درست سوچ رہی ہو۔"

مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کرتی۔ اچانک ہی سونیا کو ایسا لگا' جیسے اس کا دماغ دشمن عورت کی گرفت سے آزاد ہوگیا ہے۔ دوسری طرف گریٹ ایشورارا حلالہ کے دماغ میں پہنچا ہوا تھا۔ غصے سے بول رہا تھا۔ "یہ کیا تماشا کر رہی ہو؟ کیا اس کی جان لینا چاہتی ہو؟"

"میرے خیالات نے تمہیں بتایا ہوگا' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تو صرف...."

وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "تمہیں وہاں اس لیے نہیں پہنچایا ہے کہ تم سونیا کو نقصان پہنچاؤ۔"

اس نے کہا۔ "یہ عورت میری توہین کر رہی تھی۔"

"اپنی اوقات مت بھولو۔ یہ بھی نہ بھولو کہ تمہارے پاس ٹیلی پیتھی کی صلاحیت عارضی ہے۔ میں جب چاہوں تمہیں پھر سے ایک معمولی عورت بنا سکتا ہوں۔ میرے احکامات پر عمل کرتی رہو گی تو سلامت رہ سکو گی۔"

اس نے ذرا توقف سے کہا۔ "دنیا بھر کے سامنے تمہیں ایک قابلِ تعظیم راہبہ بنا کر پیش کرنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ تم میرے معاملات میں دخل اندازی کرو۔ میں مغرب کی طرف جانے کو کہوں تو تم مشرق کی طرف دوڑنا شروع کر دو۔"

وہ جواباً کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ایسے ہی وقت کمر پر ایک زور کی لات پڑی۔ وہ اوندھے منہ فرش پر گر گئی۔ سونیا نے موقع دیکھتے ہی اس پر وار کیا تھا پھر اس سے پہلے کہ وہ اٹھنے کی کوشش کرتی۔ سونیا اس کی کمر پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر لا کر یوں جکڑ لیے' جیسے رسّی سے باندھ دیے ہوں۔ وہ کسمسا رہی تھی' خود کو اس کی گرفت سے چھڑانے کی کوششیں کر رہی تھی۔ حاوی ہونے والی دشمن کو خیال خوانی کے ذریعے زیر کرنا چاہتی تھی لیکن اُدھر ایشورارا اسے خیال خوانی کرنے کا موقع نہیں دے رہا تھا۔

سونیا نے اس کے ہاتھوں کو ایک زور کا جھٹکا دیا۔ اس کے دونوں شانے جھٹکے کی شدت سے یوں کھنچ گئے' جیسے ہڈیاں چٹخ گئی ہوں۔ وہ تکلیف سے چیخنے لگی۔ سونیا ذرا جھک کر اپنا چہرہ اس کے چہرے کے پاس لائی پھر اس کی گردن پر چاقو کی نوک رکھ دی۔

وہ چیخ کر بولی۔ "گریٹ ایشورارا! اِس کے ہاتھ میں خنجر ہے۔ یہ میری جان لے لے گی۔"

سونیا نے خنجر کی نوک کو ذرا چبھوتے ہوئے کہا۔ "اب سر پر پڑی ہے تو اپنے ناخدا کو پکار رہی ہے؟ پکار...! چیخ چیخ کر پکار...! میں نے کہا تھا نا' میری جان لینی ہے تو دیر نہ کر۔ آخر قسمت کا موڈ بدل گیا ناں..."

وہ چلّا کر بولی۔ "ایشورارا! تم خاموش کیوں ہو؟ اسے

سنبھالو۔ کیا یہ میری جان لے لے گی' تب کوئی ایکشن لوگے؟''
سونیا نے کہا۔ ''ایشورارا! کیا تم یہاں موجود ہو؟''
وہ اس کے دماغ میں آکر بولا۔ ''ہاں۔ اسے جانے دو۔ تم مجھ سے بات کرو۔''
وہ حلالہ کو مزہ چکھانا چاہتی تھی مگر ایشورارا کے کہنے کے مطابق اسے چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ حلالہ اس کی گرفت سے آزاد ہوتے ہی کروٹ لیتی ہوئی سیدھی ہوگئی۔ اس کے دونوں بازو بری طرح دُکھ رہے تھے۔ وہ دائیں ہاتھ سے بائیں شانے کو اور بائیں ہاتھ سے دائیں شانے کو دباتے ہوئے سونیا کو گھور رہی تھی۔
اُدھر سونیا ایشورارا سے مخاطب تھی۔ طنزیہ لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ ''کیا سامنے آنے کی ہمت نہیں ہے' جو دماغ میں آکر بول رہے ہو؟''
''زیادہ اکڑ نہ دکھاؤ سونیا! میں چاہوں تو ابھی تمہیں ایسی دماغی اذیتوں میں مبتلا کرسکتا ہوں کہ تڑپ تڑپ کر موت کی بھیک مانگنے لگو گی۔''
''کچھ دیر پہلے تمہاری یہ آلہ کار بھی یہی کہہ رہی تھی لیکن جب تک اوپر والا نہ چاہے' کسی کے مارنے سے کوئی نہیں مرتا۔ اب اصل بات کی طرف آؤ۔ تم تو انوشے کو حاصل کرنا چاہتے تھے' پھر مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟''
''ارادہ بدل گیا ہے۔ سوچا' ناگن کی گردن ہاتھ میں آئے گی تو ناگ اسے تلاش کرتا ہوا ضرور ادھر آئے گا۔''
اُدھر حلالہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی تھی۔ وہ غصے اور جنون میں مبتلا تھی۔ اس نے سونیا کو اپنی طرف سے غافل دیکھ کر اپنے بدن کو گھماتے ہوئے ایک فلائنگ کِک اس کی گردن پر ماری۔ سونیا کا رخ دوسری طرف تھا۔ وہ ایسے حملے کے لیے تیار نہ تھی۔ تکلیف سے کراہتی ہوئی فرش پر گر پڑی۔
ایشورارا نے فوراً ہی خیال خوانی کی چھلانگ لگائی۔ حلالہ کے اندر پہنچ کر کہا۔ ''کتیا تو...! عورتوں والی ضد دکھانے سے باز نہیں آئے گی...''
پھر اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا یا کرتا۔ حلالہ کے حلق سے ایک کراہ نکلی۔ فرش پر گری ہوئی سونیا نے نشانہ لیتے ہوئے خنجر اس کی طرف پھینکا تھا۔ اس کی نوک حلالہ کے شانے میں آکر پیوست ہوگئی تھی۔ اس کے ایسے اذیت ناک حملے نے اسے اور زیادہ جنون میں مبتلا کردیا۔ وہ خنجر کو کھینچ کر نکالتے ہوئے تکلیف سے چلاتے ہوئے بولی۔ ''میں اِسے زندہ نہیں چھوڑوں گی....''
وہ حملے کے لیے آگے بڑھی۔ اُدھر سونیا بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اپنے بچاؤ کے لیے تن گئی۔ دونوں ہاتھ جوڈو کراٹے کے انداز میں سینے کے سامنے تھے لیکن دوسری طرف حلالہ آگے بڑھتے ہی ٹھٹک کر رک گئی تھی۔ خنجر ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر چیخنے لگی۔ اس کی چیخیں سمجھا رہی تھیں کہ ایشورارا اسے دماغی جھٹکے پہنچا رہا ہے۔ وہ چیختی ہوئی فرش پر گر کر تڑپنے لگی پھر چند لمحوں بعد ہی ساکت ہوگئی۔
سونیا چپ چاپ یہ تماشا دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ''کتے پاگل ہوجائیں تو اپنے ہی ساتھی کتوں کو بھنبھوڑ ڈالتے ہیں۔ لگتا ہے' تم نے اسے مار ڈالا ہے؟''
وہ بولا۔ ''مارا نہیں ہے' موت کا نمونہ دکھایا ہے۔''
سونیا نے قریب آکر اسے دیکھا پھر کہا۔ ''تم اسے ایک نئے دین کی علمبردار بنا کر پیش کر رہے ہو' ایسے تماشے کا مقصد کیا ہے؟''
''میں ایک طرف اکابرین سے اور تم لوگوں سے نمٹ رہا ہوں۔ دوسری طرف اس دنیا کے تمام لوگوں کو ایک ایسے دین کی طرف لا رہا ہوں جہاں انہیں بیروزگاری' بھوک' بیماری اور دوسروں کی محتاجی سے نجات ملے گی۔''
''نجات کیسے ملے گی؟''
''میرے لاکھوں وفادار خیال خوانی کے ذریعے نیا دین قبول کرنے والوں کو روٹی' کپڑا اور مکان مفت دیں گے۔ جسے عورت کی ہوس ہے' اسے عورت' جسے شراب کی طلب ہے' اسے شراب مفت دیتے رہیں گے۔''
''کیسی احمقانہ باتیں کر رہے ہو۔ ہماری دنیا کے اربوں انسانوں کو کب تک مفت میں کھلاتے پلاتے اور عیش کراتے رہوگے؟ جب مفت عیش و عشرت کی زندگی ملے گی تو کوئی ہل نہیں چلائے گا۔ کوئی ملوں اور کارخانوں میں محنت مزدوری کے لیے نہیں جائے گا۔ دنیا کے سارے ترقیاتی کام رک جائیں گے۔ کوئی کسان نہیں رہے گا۔ سب عیاش بن جائیں گے تو اناج پیدا نہیں ہوگا۔ لوگ بھوکے مریں گے۔''
وہ ذرا ہنسنے کے بعد بولا۔ ''جتنا تم سمجھا رہی ہو اس سے زیادہ عقل مجھ میں ہے۔ میں نے حساب لگایا ہے' دو مہینوں تک یورپ اور امریکا کے عوام کو مفت عیاشی کرا سکتا ہوں۔ وہ سب میرے وفادار بن جائیں گے۔ میں عوام کی طاقت سے اور ٹیلی پیتھی کی قوت سے حکمران بن جاؤں گا۔''
وہ پھر ہنستے ہوئے بولا۔ ''اور یہ تو تم اپنی دنیا میں دیکھتی آرہی ہو' اقتدار حاصل ہونے کے بعد عوام کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ دو چار مہینوں میں جو کام کے لوگ ہوں گے' انہیں [illegible] تا رہوں گا۔ باقی لوگ پھر محنت مزدوری [illegible] نہیں کریں گے تو بھوکے مریں گے۔''
وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ ''میں نے یہاں اپنی [illegible] قائم کرنے کے سلسلے میں فرہاد سے سودا کرنا [illegible] اسے سمجھایا تھا کہ مسلمانوں کے علاقوں کو چھوڑ کر دیگر [illegible] لوں پر میری حکومت رہے گی۔ یوں ہم اپنے اپنے طور [illegible] میں حاکم بن کر رہیں گے۔''
وہ ذرا چپ رہا پھر بولا۔ ''سپر پاورز ہمیشہ سے [illegible] وں کو کچلنے کی سازشیں کرتے آرہے ہیں۔ میری آفر [illegible] ق فرہاد سمیت پوری دنیا کے مسلمانوں کو طاقت اور [illegible] والا تھا لیکن اس نے میری پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ طاقت [illegible] ار حاصل کرنے کا ایک اہم موقع کھو دیا پھر جب میں [illegible] سودا امریکی اکابرین سے کرنا چاہا تو تم اور فرہاد [illegible] استے میں رکاوٹیں پیدا کرنے لگے۔''
''کیونکہ ہم طاقت اور سلامتی صرف اپنے خدا سے [illegible] ہیں۔ تمہارے جیسے بار بار مات کھانے والوں سے کبھی [illegible] اتحاد نہیں کریں گے۔''
''کروگے۔ اب ضرور کروگے۔ اور وہ جس ادارے [illegible] گوں نے پُراسرار بنا کر رکھا ہے' اس کے دروازے بھی [illegible] لیے کھولوگے۔''
''یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ ویسے کوشش کرتے رہو۔ سر [illegible] رہو۔ یوں بھی ناکامیوں کا سامنا کرنے کی تو عادت [illegible] ہے تمہیں...''
وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''جس دنیا میں ہم تم سانسیں لے [illegible] ہیں' وہاں سب کچھ ممکن ہے اور تمہیں ٹریپ کرنے کے [illegible] بات کا مکمل یقین ہوگیا ہے کہ کوئی بھی کام مشکل تو [illegible] مگر ناممکن نہیں ہوتا۔''
''تم اپنی مشکلوں کو آسان کرو۔ ہم تمہاری کامیابی کا [illegible] ریں گے۔''
''ہاں جنگ تو جاری ہے اور تمہاری گرفتاری کے بعد [illegible] ہماری ہے۔ جلد ہی کامیابی بھی ضرور نصیب ہوگی۔''
وہ ہنستے ہوئے بولی۔ ''جنگ...؟ ہواؤں سے لڑتے [illegible] تم جنگ کہتے ہو؟ ہم سے سامنا کرنے کی ہمت تو ہے [illegible] ابھی ایک گوشے میں سر جھکا کر سوچو' کب تک ہواؤں [illegible] تے رہوگے؟''
اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ ذرا دیر چپ رہنے کے [illegible] ل۔ ''ہاں۔ یہ الگ بات ہے' تم نے مجھے ٹریپ کرکے [illegible] بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے لیکن میں اس بات پر حیران ہوں کہ تم نے اب تک تنویمی عمل کے ذریعے مجھے اپنا معمول اور تابعدار کیوں نہیں بنایا؟''
''تمہاری فیملی میں بڑے بڑے عجوبے ہیں۔ تم بھی اُن میں سے ایک ہو۔ میں نے ابھی تمہارے دماغ میں گھس کر تمہیں اپنی مرضی کے مطابق حلالہ سے دور کیا تھا۔ یعنی اپنی مرضی کے مطابق اور بھی بہت کچھ کرسکتا ہوں لیکن یہ عجیب بات ہے۔ میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں کہ تم پر تنویمی عمل کرتے وقت ناکام کیوں ہو جاتا ہوں؟''
وہ ذرا ٹھہر کر بولا۔ ''خیر... فی الحال یہ اطمینان ہے کہ دماغی طور پر نہ سہی' جسمانی طور پر میری گرفت میں ہو۔ یہاں سر پھوڑتی رہوگی' مگر نکل نہیں پاؤ گی۔''
وہ ایک گہری سانس لے کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولی۔ ''نکلنا تو ہوگا اور ضرور نکلوں گی۔ بس تم محتاط رہنا۔''
اس نے جواباً کچھ نہ کہا۔ اس کے دماغ میں خاموشی چھائی رہی۔ وہ خلا میں تکتے ہوئے بولی۔ ''کیا ہوا؟ کچھ تو بولو! کیا جا چکے ہو؟''
شاید وہ جا چکا تھا۔ اس نے بے ہوش پڑی ہوئی حلالہ کی طرف دیکھا پھر قریب آکر اسے ایک ٹھوکر ماری۔ وہ بے سدھ پڑی ہوئی تھی۔ سونیا نے اس کمرے کی تینوں دیواروں کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ سوچ یہی تھی کہ آخر وہ بے ہوش ہونے والی کس راستے سے اندر آئی ہوگی؟ وہ پھر سے دیواروں کو بڑی توجہ سے دیکھنے لگی۔
مگر یہ کھوج زیادہ دیر تک جاری نہ رکھ سکی۔ اچانک ہی اس کا سر چکرانے لگا تھا۔ آنکھوں کے سامنے دھندسی چھا رہی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامتی ہوئی' ڈگمگاتی ہوئی بستر پر آکر بیٹھ گئی پھر بیٹھے بیٹھے ایک طرف ڈھلک گئی۔ پھر دوسرے ہی لمحے میں اپنے آپ سے اور آس پاس کے ماحول سے غافل ہوگئی۔

☆☆☆

کبریا نے دو امریکی اکابرین کو ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہلاک کیا تھا۔ کیونکہ انہوں نے اسلام دشمنی کے حوالے سے بہت ہی شیطانی منصوبہ تیار کیا تھا۔ ان کا ارادہ تھا کہ اس بار مقدس مقامات کو ٹارگٹ بناتے ہوئے مسلمانوں کے دینی جذبات کو زبردست ٹھیس پہنچائی جائے گی۔ وہ ایمان افروز ماحول میں بارود کی بُو پھیلانا چاہتے تھے۔ یہ اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ اُن کے ایسے عمل کا ردعمل بہت شدید ہوگا۔ پورا عالم اسلام سراپا احتجاج بن جائے گا۔
مگر انجام کچھ بھی ہوتا' وہ مسلمانوں پر اپنی طاقت کا

سکہ جما کر پوری دنیا کو یہ جتلانا چاہتے تھے کہ اسلام میں کہیں امن اور سلامتی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ وہ اپنے خدا کے گھر میں بھی محفوظ نہیں ہیں۔

مارک اور تھامسن نامی امریکی اکابرین اس شیطانی منصوبے کے ماسٹر مائنڈ تھے اور جس رات انہوں نے یہ پلاننگ کی تھی' اسی رات کبریا نے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ مارک نے خود کو گولی ماری تھی اور تھامسن کی گاڑی کو حادثہ پیش آیا تھا۔ اُن کی ایسی غیر متوقع ہلاکت نے تمام اکابرین کو بری طرح خوفزدہ کر دیا تھا۔

کسی حد تک یہ حقیقت سمجھ میں آ رہی تھی کہ انہیں یقیناً ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہلاک کیا گیا ہے اور یہی بات الجھن اور تشویش میں مبتلا کر دینے والی تھی۔ سوال پیدا ہو رہا تھا کہ جن کے دماغوں کو تنویمی عمل کے ذریعے لاک کیا جا چکا ہے' انہیں کوئی بھی ٹیلی پیتھی جاننے والا دشمن ٹریپ کیسے کر سکتا ہے؟

اس سوال کے پیش نظر اکابرین کے نظریات بدل رہے تھے اور پریشانی بڑھ رہی تھی۔ ان کے درمیان کھلبلی مچ گئی تھی۔ راتوں رات ایک ہنگامی اجلاس منعقد کیا گیا۔ تمام اکابرین سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ سب سے پہلے یہ سوچنے اور غور کرنے والی بات تھی کہ ان کی ہلاکت کے پیچھے ٹیلی پیتھی جاننے والے دشمنوں کا ہاتھ ہے بھی یا نہیں؟

ایک اعلیٰ حاکم نے کہا۔ ''مارک یہاں سے بڑے جذبے کے ساتھ ایک منصوبہ بنا کر رخصت ہوا تھا۔ دوسرے روز جشن کا پروگرام تھا۔ وہ خوش تھا پھر اچانک ہی اتنا مایوس کیسے ہو سکتا ہے کہ خود کو گولی مار کر ہلاک کر ڈالتا؟''

دوسرے نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ ''یہ بات حلق سے نہیں اتر رہی ہے۔ مارک اپنی زندگی سے بہت محبت کرتا تھا۔ وہ خودکشی کر ہی نہیں سکتا۔''

ایک اعلیٰ عہدیدار نے کہا۔ ''تھامسن کی ہلاکت بھی سوالیہ نشان ہے۔ اس کی کار کو ایک ایسی سڑک پر حادثہ پیش آیا' جہاں ٹریفک نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ وہ ہمارے پاس سے اٹھ کر گیا تھا۔ یہ بات یقینی ہے کہ نشے میں نہیں تھا۔ ڈرائیونگ میں بھی اس سے بھول چوک نہیں ہوتی تھی۔ اس کے باوجود ایکسیڈنٹ ہو جانا....؟''

وہ سر جھٹک کر دوسرے اکابرین کو دیکھنے لگا۔ ایک نے کہا۔ ''ہو نہ ہو... یہ خیال خوانی کرنے والے دشمنوں کا کیا دھرا ہے۔ کسی نے ان سے دشمنی کی ہے۔''

''مگر ان دونوں کے اور ہم سب کے دماغ لاکڈ ہیں۔ کوئی بھی ٹیلی پیتھی جاننے والا دشمن اُن کے دماغوں میں پہنچ کر کیسے دشمنی کر سکتا تھا؟''

ایک اعلیٰ حاکم نے ذرا دیر سوچنے کے بعد کہا۔ ''کوئی تو گڑبڑ ہے' جو ابھی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔''

''گڑبڑ یہی ہے کہ دشمنوں نے موقع دیکھ کر انہیں ہلاک کر ڈالا ہے۔''

''مگر وہ دشمن کون ہو سکتے ہیں اور مقفل دماغوں میں کیسے پہنچ سکتے ہیں؟''

ایک اعلیٰ حاکم نے کہا۔ ''مجھے لگتا ہے' ہمارے تین ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے ہم سے غداری کی ہے۔''

تمام اکابرین ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ اعلیٰ حاکم نے کہا۔ ''مارک اور تھامسن نے مسلمانوں کے خلاف منصوبہ بنایا تھا اور عمل کرنے سے پہلے ہی ہلاک ہو گئے۔ یہی پوائنٹ غور طلب ہے۔''

وہ ذرا دیر کے لیے چپ ہوا پھر بولا۔ ''ہمارے وہ تینوں ٹیلی پیتھی جاننے والے وائس مین' ٹف گائی اور جیمز ہارڈی مسلمانوں سے متاثر ہیں۔ انہوں نے ہماری مدد کرنے سے پہلے یہ بات واضح کر دی تھی کہ مسلمانوں کے خلاف کسی بھی قسم کی سازش میں وہ ہمارا ساتھ نہیں دیں گے۔''

''اور اب جبکہ مارک نے ہمارے سامنے ایک زبردست منصوبہ پیش کیا تو یقیناً یہ بات ان تینوں کو پسند نہیں آئی اور انہوں نے ان دونوں کا کام تمام کر دیا۔''

ایک نے اس کی تائید میں سر ہلا کر کہا۔ ''ہم دماغی طور پر اُن کے غلام ہیں۔ وہ کب آ کر ہماری گفتگو سنتے ہیں' ہمیں معلوم نہیں ہوتا۔ یقیناً اس وقت بھی چھپ کر ہماری باتیں سن رہے ہوں گے۔''

''اگر حقیقت یہی ہے تو ہمارے لیے یہ بڑی تشویشناک صورتِ حال ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم جب بھی مسلمانوں کے خلاف سوچیں گے یا کچھ کرنا چاہیں گے تو ہمارے ہی ٹیلی پیتھی جاننے والے ہماری جان کے دشمن بن جائیں گے؟''

''اس طرح دیکھا جائے تو یہ تیار ے والوں سے اور مسلمانوں سے بھی زیادہ ہمارے لیے خطرناک ثابت ہوتے رہیں گے۔''

ایسے وقت امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والے ٹف گائی نے ایک اعلیٰ افسر کے اندر پہنچ کر سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''ہم پر کوئی بھی الزام لگانے سے پہلے اتنا سوچو' اگر تم لوگوں کو نقصان ہی پہنچانا ہوتا تو ہم تمہیں تحفظ کیوں دیتے؟''

ایک اعلیٰ عہدیدار نے کہا۔ ''بے شک۔ تم نے ہمیں تحفظ دیا اور اسی لیے اب تک گریٹ ایشورارا کی طرف سے کوئی حملہ نہیں ہوا مگر تم تینوں مسلمانوں کے لیے نرم گوشہ ... ہو۔ اسی لیے جب یہ سنا کہ مارک اور تھامسن ان کے ... جذبات کو ٹھیس پہنچانا چاہتے ہیں تو تم نے انہیں موت ... گھاٹ اتار دیا۔''

وہ بولا۔ ''یہ سراسر تم لوگوں کی کمینگی ہے۔ دماغی طور پر ... حاصل کرتے ہی تمہارے ذہنوں میں کیڑا کلبلانے لگا ... تم مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔''

''اور یہی بات تم سے برداشت نہ ہوئی۔ اپنے ہی ... سے دشمنی کر بیٹھے؟''

''خوامخواہ ہمیں الزام نہ دو۔''

''تو پھر کسے الزام دیں؟ فرہاد کو؟ یا پھر ایشورارا کو...؟ ... ہی الزام دیں گے' قصوروار تم ہی ٹھہرو گے۔ ابھی دعویٰ ... ہے ہو کہ ہمارے دماغوں کو لاک کر چکے ہو مگر یہ کیسا تحفظ ... دشمن مقفل دماغوں میں گھسے چلے آتے ہیں؟''

ٹف گائی نے کہا۔ ''اس بات پر تو ہم بھی حیران ہیں۔''

''تم صرف حیران ہو اور ہمارے ساتھی جان سے ... آئندہ مزید اکابرین کو بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ یقیناً ... تنویمی عمل کمزور ہے یا پھر تم مسلمانوں سے ملے ... ہو۔ ہمیں یقین کی حد تک شبہ ہے کہ مارک اور ... ن کے خلاف فرہاد یا اس کے ساتھیوں نے ہی ... وائی کی ہے اور انہیں تم نے موقع دیا ہے۔ ان کے ... عہدیداروں کے دماغ کے دروازے کھول دیے ... ہم سب کے سامنے ہے۔''

وہ بولا۔ ''ایسی بات نہیں ہے۔ ہم یہاں دھوکا دینے ... آئے ہیں۔''

ایک اعلیٰ حاکم نے پوچھا۔ ''اگر ایسی بات نہیں ہے تو ... انہیں کسی خیال خوانی کرنے والے دشمن نے کس ... ٹریپ کر لیا؟''

''کیا ضروری ہے کہ انہیں کسی ٹیلی پیتھی جاننے والے ... ٹریپ کیا ہو؟ ان کی موت حادثہ بھی تو ہو سکتی ہے۔''

''تھامسن کی ہلاکت کو حادثہ تسلیم کیا جا سکتا ہے لیکن ... بھی خودکشی نہیں کر سکتا۔''

ایک عہدیدار نے کہا۔ ''ہمارے دماغ تمہارے ... کرم پر ہیں۔ ہم سب ہی تمہارے معمول اور تابعدار ... نہ تو تمہاری مرضی کے خلاف کچھ کر سکتے ہیں' نہ سوچ ... ہیں۔''

وہ بولا۔ ''اگر ہم نے تمہیں اپنا غلام بنا کر رکھا ہوتا تو تم ... مسلمانوں کے خلاف کچھ نہ سوچتے۔''

''سوچنے کا نتیجہ سامنے آ چکا ہے۔''

ایک عہدیدار نے برہمی سے پوچھا۔ ''کیا تم تینوں ہمیں بے وقوف بنا رہے ہو؟ دماغوں کو لاک کرنے کا ڈھونگ رچا کر ہمیں خوش فہمی میں مبتلا کر رہے ہو؟''

''ہم نے کوئی ڈھونگ نہیں رچایا ہے۔ بھرپور طریقے سے سب ہی کے دماغوں کو لاک کیا ہے۔''

ایک نے کہا۔ ''مجھے تو لگتا ہے' آئندہ گریٹ ایشورارا اور اس کے ٹیلی پیتھی جاننے والے جاں نثار بھی جب چاہیں گے' ہمارے اندر پہنچ سکیں گے۔''

دوسرے نے تشویشناک لہجے میں کہا۔ ''یعنی ہم آج بھی دشمنوں سے محفوظ نہیں ہیں؟''

وہ سب ہی پریشان ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ ٹف گائی نے اپنے آلہ کار افسر کے ذریعے کہا۔ ''ایسی بات نہیں ہے۔ ہمیں مکمل یقین ہے' ایشورارا اور اس کے چیلے تمہارے دماغوں میں جھانک بھی نہیں سکتے مگر...''

''مگر کیا...؟''

وہ بولا۔ ''مسلمان خیال خوانی کرنے والے بہت زبردست ہیں۔ ان سے کچھ بعید نہیں ہے۔ وہ انہونی کو ہونی بنا دیتے ہیں۔ ہم نے دشمن بن کر بھی اور دوست بن کر بھی انہیں آزمایا ہے۔''

''گویا تم یہ تسلیم کر رہے ہو کہ ہم مسلمانوں سے محفوظ نہیں ہیں؟''

وہ بولا۔ ''اصل میں تم لوگوں کو اور پوری دنیا کو آفاقی دشمنوں کی طرف سے خطرہ ہے۔ وہ ہم سب پر مسلط ہونا چاہتے ہیں۔ تمہیں مطمئن رہنا چاہیے۔ کیونکہ اُن کی طرف سے سب کو تحفظ مل چکا ہے۔''

''بات کو جتنا بھی گھماؤ' ہماری سمجھ میں یہ بات آ گئی ہے کہ تم مسلمانوں کے آلہ کار بن کر ہمارے پاس آئے ہو۔ امداد کرنے کے بہانے تم نے ہمیں اُن کا محکوم بنا دیا ہے اور یہ ہم سے برداشت نہیں ہو رہا ہے۔''

ٹف گائی نے کہا۔ ''تم اپنی مرضی سے کچھ بھی سوچ سکتے ہو' سوچتے رہو لیکن ہم مطمئن ہیں' ہم نے کوئی غداری نہیں کی ہے۔ نیک نیتی سے تمہارے کام آئے ہیں اور آتے رہیں گے۔''

جیمز ہارڈی نے کہا۔ ''رہی بات اُن ہلاک ہونے والے دو عہدیداروں کی تو انہیں ان کے ناپاک عزائم کی عبرتناک سزا مل چکی ہے۔ لہٰذا تم سب بھی خبردار رہو۔ کبھی مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لاؤ۔ اسی میں تم سب کی بھلائی ہے۔ اس سے زیادہ میں

کچھ نہیں کہوں گا۔"

ایک نے پوچھا۔"کیا تم ہمیں دھمکی دے رہے ہو؟"

دوسرے نے کہا۔"یوں کترانے سے بات نہیں بنے گی۔ ہمارا مسئلہ حل کرو۔ ہم مسلمانوں کے محکوم بن کر رہنا ہرگز گوارہ نہیں کریں گے۔"

وہ جواباً کچھ بول نہیں رہا تھا۔ ایک اعلیٰ حاکم نے اس کے آلہ کار افسر کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔"تم خاموش کیوں ہو گئے۔۔۔؟ ہماری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہے ہو؟"

اس نے جواباً کچھ نہ کہا۔ ایک عہدیدار نے کہا۔"میرا خیال ہے وہ جا چکا ہے۔ وہ تنہا نہیں تھا۔ ہم نے جیمز ہارڈی کی آواز بھی سنی ہے۔"

اعلیٰ حاکم نے کہا۔"ہاں۔ لگتا ہے وہ دونوں بھاگ گئے ہیں اور ہمیں الجھن میں ڈال گئے ہیں۔ ہم لوگ جن بھوت سے اور شیطانوں سے تو لڑ سکتے ہیں' مگر ٹیلی پیتھی جاننے والوں کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ وہ بڑے آرام سے چلے گئے اور ہم انہیں روک بھی نہ سکے۔"

ایک اعلیٰ عہدیدار نے سوچتے ہوئے کہا۔"ابھی یہ حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ تینوں ہم سے واقعی دشمنی کر رہے ہیں پھر بھی ہمارے تین اطراف تین دشمن ہیں۔ ایک تو آفاقی دشمن گریٹ ایشورارا ہے' دوسرا فرہاد علی تیمور ہے اور تیسرے ہمارے اپنے تین ٹیلی پیتھی جاننے والے۔"

تمام اکابرین بڑی توجہ سے اور خاموشی سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ وہ بولا۔"حالیہ صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ ان تین دشمنوں میں سے کسی ایک سے دوستی اور اتحاد لازمی ہے۔ ورنہ ہم مارک اور تھامسن کی طرح ایک ایک کر کے مارے جائیں گے۔"

ایک عہدیدار نے کہا۔"یہ تینوں امریکی خیال خوانی کرنے والے ہمارے وفادار تو ہیں مگر مسلمانوں کے حمایتی بھی ہیں۔ اُن کے خلاف بھی کچھ کرنے نہیں دیں گے۔"

"ہمیں کسی زبردست اتحادی کی ضرورت ہے۔"

ایک عہدیدار نے کہا۔"وہ زبردست تو صرف مسلمان ہیں۔"

اعلیٰ حاکم نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔"فرہاد بھی اتحاد نہیں کرے گا۔"

دوسرے نے کہا۔"اس لیے کہ ہم نے بارہا اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔"

ایک عہدیدار نے ٹھیس پہنچانے والی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔"گریٹ ایشورارا بھی ہمارا آزمایا ہوا ہے پھر ہم کس سے اتحاد کریں' کس سے مدد مانگیں؟"

وہ عہدیدار تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر تمام اکابرین کو دیکھتے ہوئے بولا۔"حلالہ سے۔۔۔"

سب ہی نے چونک کر اسے دیکھا۔"حلالہ۔۔۔؟"

ایک نے کہا۔"گروہ تو اپنا ایک الگ دین لے کر آئی ہے۔ انسان اور انسانیت کی باتیں کرتی ہے۔ ہماری کیا مدد کرے گی؟"

وہ بولا۔"وہ غیر معمولی صلاحیتیں رکھتی ہے۔ یقین ہے کہ ٹیلی پیتھی بھی جانتی ہو گی۔ منظرِ عام پر آتے ہی دنیا بھر کے مذاہب کو چیلنج کر رہی ہے۔ جن میں دینِ اسلام سرفہرست ہے۔"

ایک نے کہا۔"کوئی پاورفل ہوتا ہے تب ہی مقابلے پر آ کر کسی کو چیلنج کرتا ہے۔ یقیناً وہ زبردست ہے۔ اسی لیے آتے ہی لوگوں کے ذہنوں پر چھا رہی ہے۔ ایک دنیا اس کی گرویدہ ہو رہی ہے۔"

اکابرین نے ایک دوسرے کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ ایک نے کہا۔"کوئی بھی خواہ مخواہ کسی کے کام نہیں آتا۔ یہ بھی سوچو' وہ ہماری مدد کیوں کرے گی؟ کرے گی تو یقیناً اپنے کچھ مطالبات منوائے گی۔"

"یہ تو اصولی بات ہے۔ کسی سے کچھ لینے کے لیے کچھ دینا پڑتا ہے۔ یا پھر اس کی خواہش اور مزاج کے مطابق شرائط ماننی پڑتی ہیں۔"

"حلالہ کی خواہش ہے کہ دنیا کے تمام انسان اس کے نئے مذہب عظمتِ انسان کی طرف کھنچے چلے آئیں اور جو کشاں کشاں جا رہے ہیں' وہ اُس کی بھرپور مدد اور حمایت حاصل کر رہے ہیں۔"

تمام اکابرین نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ایک نے کہا۔"بے شک۔ وہ اچھی باتیں بتاتی ہے مگر یہ بھی تو سوچو کہ لوگ اس کی راہ پر چلتے ہوئے بے دین ہو رہے ہیں۔"

ایک نے پوچھا۔"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہم اس کی حمایت حاصل کرنے کے لیے اپنے مذہب سے پھر جائیں؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔"وقت پڑنے پر گدھے کو بھی باپ بنا لیا جاتا ہے۔ ہم اس گدھی کو ماں بنا لیں گے۔ یہی ظاہر کریں گے کہ اس کی باتوں سے متاثر ہو کر اس کے نئے دین کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔"

"اگر وہ خیال خوانی کرتی ہے تو ہمارے اندر کی باتیں جان لے گی۔"

دوسرے اکابرین نے اس کی تائید کی۔ وہ عہدیدار بولا۔



"یوں بھول رہے ہو کہ ہمارے دماغ لاک ہیں؟"

ایک نے طنزیہ انداز میں سر جھٹک کر کہا۔"لاک ... ہمارے دو ساتھی بے موت مارے نہ جاتے۔"

ان دو عہدیداروں کی ہلاکت نے انہیں بری طرح ... تھا۔ خاص طور پر ہماری طرف سے وہ خود کو غیر محفوظ ... ہے تھے۔ یہ بھی سوال پیدا ہو رہا تھا کہ آیا وہ گریٹ ... سے محفوظ ہیں یا نہیں؟

وہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ اُن کے دماغ مقفل ہیں ...۔۔۔؟

کیا صرف انہیں بہلایا گیا ہے۔۔۔؟ کیا ان ... وفاداری کی آڑ میں انہیں مسلمانوں کا ... یا ہے۔۔۔؟

کیا آئندہ ایشورارا کی طرف سے بھی خطرہ ہو ...؟ ایسے سوالات تھے جن کے جوابات لازمی تھے لیکن ... نہیں آ رہا تھا' جوابات کہاں سے حاصل کیے جائیں؟

جب کچھ سمجھ میں نہیں آتا تو انسان راہِ فرار حاصل کرتا ہے۔ وہ ہم سے اور آفاقی دشمنوں سے دور بھاگنے کے ... ایسی ایک نئی سحر زدہ کرنے والی کے بارے ... رہے تھے۔

یوں دیکھا جائے تو ہم نے انہیں تحفظ فراہم کر دیا ... ان کی کم بختی کہنا چاہیے کہ وہ اسی سمت ... تھے' جہاں ان کا سامنا ایشورارا سے ہونے والا ... وہ جس سے بچنا چاہتے تھے' اسی کے شکنجے میں ... والے تھے۔ موت سے پہلے مصائب مقناطیس کی ... رہتے ہیں۔

☆☆☆

گریٹ ایشورارا کے جاں نثاروں نے اسے اطلاع ... امریکا سمیت جرمنی' فرانس اور انگلینڈ کے تمام ... نے دماغی طور پر تحفظ حاصل کر لیا ہے۔ سب ہی ... اروں کے دماغ مقفل ہو چکے ہیں۔ یہ بڑی حیران ... والی اطلاع تھی۔

ایشورارا نے کہا۔"کمال ہے۔ ان چار بڑے ممالک کے ... ایسے بھرپور طریقے سے تحفظ کیسے حاصل کر لیا ہے؟"

... اس نے کچھ سوچ کر کہا۔"اس کا مطلب ہے' ان ... ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی اچھی خاصی تعداد موجود ... کیا وہ ہمارے لاکھوں ٹیلی پیتھی جاننے والوں ... سکیں گے؟"

اس کے ماتحت نے کہا۔"وہ ہماری تعداد کے سامنے تنکے کی طرح اُڑ جائیں گے۔"

وہ اثبات میں سر ہلا کر بولا۔"عین ممکن ہے' فرہاد اور اس کے ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے اُن کی مدد کی ہو۔۔۔۔ بہرحال۔ ان کے دماغوں کو کسی بھی صورت کھولنا ہو گا۔"

پھر وہ بڑے اعتماد سے ایک گہری سانس لے کر بولا۔"ویسے سونیا کو ٹریپ کرنے کے بعد اب کوئی بھی بات ناممکن نہیں لگ رہی ہے۔"

وہ واقعی ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔ ابتدا سے کوششیں کرنے اور زبردست نقصانات اٹھانے کے بعد اسے ہمارے معاملے میں اب ایک کامیابی نصیب ہوئی تھی اور یہ ایسی کامیابی تھی جو سابقہ تمام ناکامیوں پر حاوی ہو رہی تھی۔ یہ اس کا بہت بڑا کارنامہ تھا' سونیا کو دنیا بھر کے دشمن ٹریپ کرنا چاہتے تھے مگر کوئی نہ کر پایا' وہ اس نے کر دکھایا تھا۔

اُس نے اپنے ماتحتوں کو حکم دیا کہ کسی بھی طرح اکابرین کے دماغوں کو کھول کر انہیں ٹریپ کیا جائے۔ خاص طور پر امریکی اکابرین کو پہلے نشانہ بنایا جائے۔

وہ اپنے چیمبر میں تھا۔ اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے کیمونیکیٹنگ مشین کی طرف دیکھا پھر اسے آپریٹ کرنے لگا۔ میرے اور اس کے درمیان رابطے کا وہی ایک ذریعہ تھا مگر اب میرے حالات بدل گئے تھے۔ میں دوست اور دشمنوں کے علاوہ اپنے لہو کے رشتوں سے بھی عارضی طور پر کٹ کر رہ گیا تھا اور اعلیٰ حضرت کے مشورے کے مطابق میری جگہ کبریا نے سنبھال لی تھی۔

اصل میں میرا وہ بیٹا میرا ڈپلی کیٹ تھا۔ اسی لیے دوست اور دشمن میری غیر حاضری کو سمجھ نہیں سکتے تھے۔ میں آرام دہ بستر پر تھا اور میرا بیٹا میرے نصیب کے پُر خار راستوں سے گزر رہا تھا۔ دشمنوں سے اپنے طور پر نمٹ رہا تھا۔

ایشورارا نے کیمونیکیٹنگ مشین کے ذریعے مجھے مخاطب کیا تھا۔ یہ سمجھ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرے بیٹے سے مخاطب ہو رہا ہے۔

اس مشین سے سگنل موصول ہوا۔ کبریا نے اسے آپریٹ کرتے ہوئے ایشورارا کا تحریری پیغام پڑھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔"لوگ دوستوں کے دوست ہوتے ہیں مگر تمہاری کیا بات ہے فرہاد! تم تو اپنے دشمنوں سے دوستی کر رہے ہو۔"

کبریا نے پوچھا۔"کون سے دشمن؟ کیسی دوستی؟"

"وہی دوستی جو تم نے امریکی اکابرین کے ساتھ قائم کی ہے۔ سپر پاورز کو گلے لگا رہے ہو۔"

"میں دشمنوں کو بھی گلے لگانے کی غلطی نہیں کرتا۔ ہاں۔ ان کی غلطیوں کو معاف کر کے ان کے کام ضرور آتا

ہوں مگر ڈور ہی ڈور سے...‘‘

’’یہ بھی دوستی کرنے کا ایک ڈھنگ ہے۔تم دور ہی دور سے انہیں ٹیلی پیتھی کے ذریعے تحفظ فراہم کررہے ہو۔‘‘

’’یہ سراسر تمہاری غلط فہمی ہے۔وہ جو کررہے ہیں‘ اپنے بل بوتے پر کررہے ہیں۔‘‘

’’اُن کے بل بوتے کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔وہ ٹیلی پیتھی کے معاملے میں کنگال ہیں۔درجنوں اکابرین کے دماغوں کا لاک ہوجانا کوئی معمولی بات نہیں ہے اوراس غیر معمولی بات کے پیچھے یقیناً تمہارا اور تمہارے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کا ہاتھ ہے۔‘‘

کبریا نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔’’اچھا لگتا ہے‘ جب دشمن ہم سے مرعوب ہوتے ہیں۔ہماری طاقت کو مانتے ہیں۔‘‘

کبریا کی یہ بات اسے پتھر کی طرح لگی۔وہ نادانستگی میں مجھ جیسے دشمن کی برتری کو تسلیم کررہا تھا۔فوراً ہی بات بناتے ہوئے بولا۔’’میں یہاں تمہیں سراہنے نہیں آیا ہوں۔سمجھانے آیا ہوں۔دشمنوں سے دوستی نہ کرو۔‘‘

’’یہ تو دھمکی ہوئی۔‘‘

’’ہاں۔دھمکی کہہ سکتے ہو مگر جو سمجھا رہا ہوں‘ اسے سمجھ لو تو اچھا ہے۔‘‘

’’میری سونیا تمہارے پاس ہے۔تم جو سمجھاؤ گے‘ مجھے سمجھنا ہوگا مگر تمہیں بھی یہ سمجھنا چاہیے کہ کبھی کسی دشمن کو کمزور نہ سمجھو۔کیونکہ ایسا سمجھنے والے جب دھوکا کھاتے ہیں‘ تب اپنی غلطی سمجھ میں آتی ہے۔‘‘

وہ ایک ذرا جھنجلا کر بولا۔’’تم سمجھانے کے چکر میں مجھے الجھا رہے ہو۔‘‘

کبریا نے کہا۔’’میں تو تمہیں باخبر کررہا ہوں۔امریکی اکابرین کو کمزور نہ سمجھو اور اس بات کا یقین کرلو کہ اُن کے اپنے ٹیلی پیتھی جاننے والے ہی اُنہیں تحفظ فراہم کررہے ہیں۔‘‘

وہ سوچ میں پڑ گیا۔یہ بات حلق سے نہیں اتر رہی تھی کہ اکابرین کے پاس خیال خوانی کرنے والوں کی اتنی بڑی تعداد ہوسکتی ہے کہ وہ درجنوں اکابرین کے دماغوں کو لاک کرسکتے ہیں۔

کبریا نے کہا۔’’میرے سب ہی دوست اور دشمن میری اچھائیوں اور برائیوں سے واقف ہیں۔تم بھی جانتے ہو۔اس بات کو مانتے بھی ہو کہ جب میں کچھ کرتا ہوں تو ڈنکے کی چوٹ پر اُس کا اعتراف بھی کرتا ہوں۔اگر اکابرین کو میری طرف سے تحفظ ملا ہوتا تو یقیناً اس بات کو ضرور تسلیم کرلیتا۔‘‘

وہ خاموش تھا۔اس کی خاموشی سمجھا رہی تھی کہ وہ کبریا کی باتوں سے قائل ہورہا ہے پھر اس نے کہا۔’’یہ بھی تو ہوسکتا ہے‘ تم سونیا کی وجہ سے اس بار جھوٹ بول رہے ہو کہ کہیں میں اسے کوئی نقصان نہ پہنچاؤں۔اس لیے باتیں بنا رہے ہو؟‘‘

’’سونیا پہلی بار دشمنوں کے چنگل میں نہیں گئی ہے۔اکثر ایسے حالات کا سامنا کرتے رہتے ہیں۔لہٰذا مجھے اس وجہ سے کمزور سمجھنے کی غلطی کبھی نہ کرنا۔‘‘

’’دشمن‘ دشمن میں فرق ہوتا ہے۔جلد ہی اندازہ ہوجائے گا کہ میں تمہیں کیسے کمزور بناتا رہوں گا؟‘‘

’’فی الحال تو اکابرین کے دماغوں کو کھولنے اوران کے اندر گھسنے کی کوشش کرو۔یہ حیرانی کی بات ہے کہ انہوں اتنے بھرپور انداز میں دماغی طور پر تحفظ کیسے حاصل کرلیا؟‘‘

’’جیسے بھی کیا ہو مگر وہ زیادہ عرصے تک میرے لیے چیلنج بن کر نہیں رہ سکیں گے۔‘‘

’’بے شک۔تمہارے پاس لاکھوں ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے علاوہ جدید ٹیکنالوجی بھی ہے اوراب ایک پُراسرار راہبہ کے ذریعے تم اپنی طاقت کو مزید دوآتشہ بنا رہے ہو۔‘‘

وہ فاتحانہ انداز میں مسکرا کر بولا۔’’تم دیکھتے جاؤ۔میں کیسے مقناطیس بن کر ارضی دنیا کے لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا رہوں گا۔فی الحال بڑے ممالک کے اکابرین سے نمٹ لوں۔‘‘

اس نے آخری پیغام بھیج کر کمیونیکیٹنگ مشین کو آف کر دیا۔اب وہ دوسرے حوالے سے سوچ رہا تھا۔کبریا کی بات دل کو لگی تھی کہ دشمنوں کو کبھی کمزور نہیں سمجھنا چاہیے۔

اس نے سوچتے ہوئے اثبات میں سرہلا کر زیرِ لب کہا۔’’اس سے تو یہی ظاہر ہورہا ہے کہ اکابرین کے پاس خیال خوانی کرنے والوں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے اور اگر ایسی بات نہیں ہے تو مجھے اصل حقیقت معلوم کرنی ہوگی۔‘‘

اس کے لاکھوں ٹیلی پیتھی جاننے والے اکابرین کے پیچھے پڑ گئے تھے۔وہ ہمارے اوراکابرین کے درمیان ایسا الجھا ہوا تھا کہ اپنے لاکھوں خیال خوانی کرنے والوں کا صحیح حساب رکھ نہیں پاتا تھا۔ہمہ وقت ایک ایک کو گن نہیں سکتا تھا۔

وہ سب دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔اس نے اس پہلو سے نہیں سوچا تھا کہ ہم بھی اس کے خیال خوانی کرنے والوں کو ٹریپ کرسکتے ہیں یا اسے یقین تھا کہ ہم ان سیارے والوں کے اندر نہیں پائیں گے۔آگے چل کر نفع نقصان سامنے آنے والا تھا۔

☆☆☆



ایشورارا اپنے کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں آیا۔ بیڈ پر حلالہ آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھی۔ایک ہاتھ سے پیشانی کو کبھی دبا رہی تھی‘ کبھی سہلا رہی تھی۔آہٹ پاتے ہی اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور ایشورارا کو دیکھتے ہی اٹھ کر بیٹھ گئی۔جس شانے پر سونیا نے خنجر سے وار کیا تھا‘ وہاں پٹی بندھی ہوئی تھی۔

ایشورارا نے کہا۔’’تمہیں دماغی توانائی کی دوائیں دی جا رہی ہیں۔جلد ہی اپنی ڈیوٹی انجام دینے کے قابل ہوجاؤ گی۔‘‘

وہ بولی۔’’جلدی تو مجھے بھی ہے۔‘‘

وہ اثبات میں سرہلا کر بولا۔’’ویسے تمہاری غیر حاضری کے باعث تمہارے علاقوں اور عقیدت مندوں پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔وہاں دوسری حلالہ ڈیوٹی انجام دیتی رہے گی۔‘‘

گریٹ ایشورارا نے اپنی جدید ٹیکنالوجی اور پلاسٹک سرجری کے ذریعے مختلف عورتوں کے چہروں پر ایک جیسا چہرا بنا دیا تھا۔وہ سب ہی اس کی معمولہ اور تابعدار تھیں۔ایک سی خصوصیات رکھتی تھیں۔یہی وجہ تھی کہ ایک ہی وقت میں حلالہ ہی راہبہ مختلف ممالک میں دکھائی دیتی رہتی تھی۔

لوگ سمجھ رہے تھے کہ وہ کوئی انتہائی پُراسرار اور روحانی صلاحیتیں رکھنے والی راہبہ ہے۔جو خود کو جس قدر پُراسرار اور مافوق الفطرت ظاہر کرتا ہے‘ لوگ اس سے اُتنا ہی متاثر ہوتے ہیں۔یوں گریٹ ایشورارا کو اپنے مقصد میں کامیابی نصیب ہورہی تھی۔وہ حلالہ کے ذریعے دنیا کے ہر ملک‘ ہر مذہب کے اور ہر قوم کے لوگوں کو متاثر کررہا تھا۔

حلالہ نے کہا۔’’میں چاہوں گی کہ دوسری حلالہ کو زیادہ دنوں تک میری ڈیوٹی سنبھالنی نہ پڑے۔‘‘

وہ اپنے سر کو ایک ہاتھ سے دباتے ہوئے بولی۔’’تم سے بڑی دشمنی کی ہے۔بے شک اس وقت میں غلطی کی تھی مگر سزا دینے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟ دماغی جھٹکوں نے تو سر پر ڈال دیا ہے۔یہاں سے اٹھ کر واش روم تک جاتی ہوں تو سر چکرانے لگتا ہے۔‘‘

پھر اس نے شانے پر بندھی پٹی کو چھوتے ہوئے کہا۔’’اس نے زخم بھی گہرا دیا ہے۔بھرتے بھرتے وقت لگے گا۔‘‘

وہ بولا۔’’سزا سخت ملے تو آئندہ غلطی کرنے کا چانس کم ہوجاتا ہے۔تمہیں سبق سکھانے کے لیے مجھے ایسا کرنا پڑا۔ویسے پریشانی کی بات نہیں ہے۔میرے پاس فوری اثر دکھانے والی ادویات ہیں۔جلد ہی اس بستر سے تمہاری جان چھوٹ جائے گی۔‘‘

اس نے پہلو بدل کر پوچھا۔’’پھر بھی کتنے دن لگیں گے؟‘‘

’’زیادہ سے زیادہ تین چار دن...‘‘

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ایسے وقت کمرے کا دروازہ کھلا۔ایک حلالہ بستر پر بیٹھی ہوئی تھی۔دوسری ہنستی مسکراتی اندر آرہی تھی۔وہی چہرہ‘ وہی قد اور وہی جسامت...بستر پر بیٹھی ہوئی حلالہ کو یکبارگی ایسا لگا‘ جیسے آئینہ دیکھ رہی ہو۔وہ سب ہی اپنے اپنے علاقوں میں رہتے ہوئے گریٹ ایشورارا کے احکامات کی تعمیل کرتی رہتی تھیں۔اس روز پہلی بار ان میں سے دو عورتیں ایک دوسرے کے روبرو آئی تھیں۔

آنے والی نے بستر پر بیٹھی ہوئی حلالہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔’’تمہیں دیکھ کر بہت خوشی ہورہی ہے۔تم سر سے پاؤں تک بالکل میرے جیسی ہو اور آئینہ دیکھ کر کسے خوشی نہیں ہوتی؟‘‘

اس نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کیا۔وہ بولی۔’’مجھے بھی خوشی ہورہی ہے۔میں کوشش کروں گی‘ تمہیں زیادہ دنوں تک میری جگہ سنبھالنی نہ پڑے۔‘‘

گریٹ ایشورارا نے دروازے کی طرف پلٹتے ہوئے دوسری حلالہ سے کہا۔’’آؤ۔میں تمہیں یہاں کے معاملات سمجھا دوں۔ویسے بہت کچھ تمہارے دماغ میں فیڈ کرچکا ہوں۔‘‘

وہ بولتا ہوا باہر چلا گیا۔حلالہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلی گئی۔دروازہ بند ہوگیا۔وہ بستر پر بیٹھی بند دروازے کو دیکھتی رہی پھر لیٹ کر سوچ میں پڑ گئی۔اسے ایک بار کبریا کے دماغ میں پہنچنے کا موقع ملا تھا۔دوسرے تمام دشمنوں اور دوستوں کی طرح وہ بھی یہی سمجھتی رہی تھی کہ میرے اندر پہنچی ہوئی ہے۔

اس نے کروٹ بدلتے ہوئے ایک گہری سانس لی۔’’ہائے فرہاد! مجھے اب بھی یقین نہیں آتا کہ میں نے تمہاری سوچ کی لہروں کو پالیا ہے۔‘‘

اس نے پھر کروٹ بدلی۔’’تم میرے اندر آکر بول رہے تھے۔اگرچہ میری تعریف نہیں کی تھی پھر بھی تمہارا جادوئی لہجہ میرے اندر گونجتا رہتا ہے۔‘‘

کسی کروٹ چین نہ آیا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔’’تم میرے حسن وشباب سے سحر زدہ نہیں ہوئے تھے‘ میری شخصیت سے بھی متاثر نہیں ہوئے تھے۔’’اُونہہ‘‘ کا پتھر مار کر چلے گئے تھے۔یہ پتھر رہ رہ کر چوٹ لگاتا ہے۔زخم دیتا ہے اور سمجھاتا ہے کہ میں دوسروں کے لیے بہت کچھ سہی‘ پر تمہارے لیے کچھ بھی نہیں ہوں۔‘‘

اس نے پھر ایک گہری سانس کھینچی۔’’ہائے! تم نہیں جانتے کہ میں کیا ہوں اور گریٹ ایشورارا نے مجھے کیا سے کیا بنا دیا ہے مگر...‘‘

اس نے سر جھکا کر اپنے زخمی شانے کو دیکھا پھر

ناگواری سے کہا۔ ''فی الحال تو میں واقعی کچھ نہیں ہوں۔ تمہاری اُس بلی نے مجھے زخمی کر دیا ہے۔ اُسی کی وجہ سے گریٹ ایشورارا کا ظلم سہنا پڑا۔ پتا نہیں' زخم بھرنے میں اور دماغی تکلیف کم ہونے میں کتنا وقت لگے گا؟''

اس نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔ ''میری جگہ دوسری حلالہ کو دی جا رہی ہے۔ وہ میرے ادھورے کام سنبھالے گی۔ یقیناً فرہاد کو ٹریپ کرنے کے لیے بھی اُسے استعمال کیا جائے گا۔ وہ اُس کے پیچھے پڑے گی تو میں پیچھے رہ جاؤں گی۔ ہائے! ایسا رنگین اور سنگین معاملہ میرے ہاتھوں سے نکل رہا ہے۔ میں کیا کروں؟''

اُدھر وہ پریشان تھی۔ دوسری طرف کبریا اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ یہ تو سمجھ میں آ گیا تھا کہ وہ ایشورارا کی ایک آلہ کار ہے اور پتا نہیں ایسی کتنی عورتیں ہیں' جنہیں سرجری کے ذریعے ہم شکل بنا دیا گیا ہے۔ اگر وہ دور سے دیکھے گا تو سمجھ نہیں پائے گا کہ وہ حلالہ کون ہے جو اس کے پاس آئی تھی؟ مگر جب بھی اس کے اندر پہنچے گا تو اس کے مخصوص لب و لہجے سے اسے پکڑ لے گا۔

وہ اس کے دماغ میں اٹک کر رہ گئی تھی۔ اٹکنے کی چند وجوہات تھیں۔ ایک تو وہ غیر معمولی صلاحیتوں کی حامل تھی۔ دوسرے یہ کہ اس نے کہا تھا' سونیا اس کی مٹھی میں ہے اور تیسرے اس کا حسن ایسا بے مثال تھا کہ کفر بولنے کے باوجود اپنے کافرانہ حسن و جمال سے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ ویسے اس کشش میں محبوبیت نہیں تھی۔

جس طرح لذیذ پکوان کی خوشبو سونگھ کر بھوک بڑھ جاتی ہے' حلالہ کے لیے بھی کبریا کے اندر کچھ ایسا ہی جذبہ بیدار ہو رہا تھا یا یوں کہنا چاہیے کہ بیٹے کے اندر باپ کا لہو چیخ رہا تھا۔ مقدر نے جب بھی میری زندگی میں کوئی خوبصورت دسترخوان سجایا تو میں نے کبھی منہ نہیں پھیرا۔ اب کبریا بھی کچھ ایسے ہی رنگ دکھا رہا تھا۔ معاملات سنگین ہوں یا رنگین...ہر مرحلے پر میرے نقشِ قدم پر چلنے والا تھا۔

اس نے کچھ سوچ کر پہلا قدم اٹھایا۔ حلالہ کی آواز اور لب و لہجے کو گرفت میں لے کر خیال خوانی کی پرواز کی۔ خیال تھا' وہ اسے اپنے اندر محسوس کرتے ہی سانس روک لے گی مگر وہاں پہنچ کر حیرانی ہوئی۔ غیر معمولی بن کر رہنے والی کا دماغ بڑا ہی معمولی سا ہو گیا تھا۔

وہ دشمن کو اپنے اندر سے بھگانے کے لیے سانس تو کیا روکتی' اسے یہ بھی محسوس نہ ہوا کہ کوئی اس کے دماغ میں پہنچا ہوا ہے۔ وہ زخمی تھی' دماغی تکلیف میں مبتلا تھی۔ نہ خیال خوانی کے قابل رہی تھی' نہ ہی اسے اپنے اندر محسوس کر رہی تھی۔

کبریا کے لیے یہ ایک نیا انکشاف تھا۔ وہ چپ چاپ اس کے خیالات پڑھنے لگا۔ تب معلوم ہوا کہ وہ اسی کے خیالوں میں کھوئی ہوئی ہے۔ وہ چور خیالات کے ذریعے اس کے حالات معلوم کرنے لگا۔ اس کا اصل نام صوفیہ تھا۔

وہ ایک عام سی عورت تھی۔ ایشورارا نے کاسمیٹکس سرجری کے ذریعے اسے دنیا کی حسین ترین عورت بنا دیا تھا پھر ٹیلی پیتھی کی صلاحیت نے جیسے اس کی شخصیت میں چار چاند لگا دیے تھے۔ وہ اندھی نہیں تھی مگر اندھی بن کر دنیا بھر کے لوگوں کو اندھا بنا رہی تھی۔

کبریا نے جو سوچا تھا' اس کے مطابق حلالہ کے خیالات بھی وہی بتا رہے تھے کہ وہ ایک ہی ایشورارا کی آلہ کار نہیں ہے۔ بلکہ اُس کی کئی ہم شکل عورتوں کو دنیا کے مختلف حصوں میں پہنچایا گیا ہے۔ اس کے چور خیالات بڑی اہم معلومات فراہم کر رہے تھے۔ کرامات دکھانے والی پُراسرار راہبہ کی اصلیت کھُل کر سامنے آ رہی تھی۔ یہ بھی پتا چلا کہ سونیا نے اسے زخمی کیا ہے۔ صوفیہ اُس سے دشمنی کرنا چاہتی تھی۔ ایسے وقت ایشورارا نے اُسے دماغی جھٹکے پہنچائے تھے۔

کبریا اس کے ذریعے سونیا کے حالات معلوم کرنے لگا۔ اس کے خیالات نے بتایا کہ اسے ایک تکون نما کمرے میں قید کیا گیا ہے۔ وہ ایک ایسا کمرا ہے' جس میں کوئی کھڑکی یا دروازہ نہیں ہے۔ سونیا ہزار کوششوں کے باوجود وہاں سے فرار ہونے کا راستہ تلاش نہیں کر سکے گی۔

کبریا نے اس کے اندر سوال پیدا کیا۔ ''جب وہاں کوئی دروازہ نہیں ہے تو پھر وہ کس راستے سے اس کمرے میں گئی تھی؟''

وہ میرے بارے میں یعنی کبریا کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اچانک ہی سونیا کا خیال آیا تو اس نے چونک کر سوچا۔ ''ارے ہاں۔ یہ بھی کتنی عجیب بات ہے۔ میں ایک ایسے کمرے میں گئی' جہاں کوئی دروازہ نہیں تھا پھر وہاں سے واپس بھی آئی مگر کیسے گئی اور کیسے آئی؟ مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔''

کبریا نے سوال پیدا کیا۔ ''کیوں معلوم نہیں ہے' جبکہ میں خود وہاں گئی تھی؟''

وہ اپنی پیشانی کو سہلاتے ہوئے زیرِلب بولی۔ ''ہاں میں گئی تو تھی مگر یاد کیوں نہیں آ رہا ہے' کیسے گئی تھی؟''

وہ یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ''اس تکون اور غیر معمولی کمرے کا کیا راز ہے' یہ تو ایشورارا ہی جانتا ہے۔''

اس کی سوچ میں پھر سوال پیدا کیا گیا۔ ''مجھے معلوم تو کرنا چاہیے۔''

''میرا خیال ہے اس تکون کرے کا راز مجھ سے بھی چھپایا گیا ہے۔ شاید مجھے غائب دماغ بنا کر وہاں پہنچایا گیا ہوگا۔''

وہ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر بڑے یقین سے بولی۔ ''ایشورارا کسی کو رازدار نہیں بناتا۔ غائب دماغ بنا کر اپنی مطلوبہ جگہ پہنچا دیتا ہے پھر اسی طرح واپس بلا لیتا ہے۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ ہوا تھا مگر......''

اس نے چونک کر کہا۔ ''میں یہ سب کیوں سوچ رہی ہوں؟''

کبریا نے اس کے دماغ میں خیال پیدا کیا۔ ''کیونکہ مجھے سونیا سے اپنی توہین کا بدلہ لینا ہے۔ اس نے مجھے زخمی کیا ہے۔ اسی کی وجہ سے ایشورارا نے مجھے دماغی تکلیف میں مبتلا کیا ہے۔ مجھے سونیا تک پہنچنا ہوگا۔ اس کے دیے ہوئے زخم کا حساب برابر نہیں کروں گی تو یہ ناسور بن جائے گا۔ لمحہ لمحہ یہ احساس دلائے گا کہ میں ایک قیدی عورت سے ہار کر آئی تھی۔''

وہ اسے اپنی ماں کے خلاف اُکسا رہا تھا تا کہ اس کے ذریعے سونیا تک پہنچنے کی راہ ہموار ہو سکے۔ اس کے دماغ میں سوچ ابھری۔ ''سونیا سے انتقام لینے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ میں فرہاد کو ٹریپ کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔''

کبریا نے سر جھٹک کر سوچا۔ ''شِٹ...! میں اسے اپنی اماں کے پیچھے لگانا چاہتا ہوں اور یہ میرے ابا کے پیچھے پڑ گئی ہے۔''

وہ ابا کے پیچھے کیا پڑی ہوئی تھی؟ دراصل اُسی کے پیچھے تھی۔ اس وقت بھی میرا نام لے کر اُسی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اسے فرہاد سمجھتے ہوئے ٹریپ کرنا چاہتی تھی۔ یہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی جگہ کوئی دوسری حلالہ فرہاد کو ٹریپ کرے۔

کبریا کو یہ سوچ کر بھی تعجب ہو رہا تھا کہ ایشورارا نے اپنی آلۂ کار کے دماغ کو یوں آزاد کیسے چھوڑ رکھا ہے؟ اگر وہ مقفل ہوتا تو کبریا کبھی صوفیہ کے اندر پہنچ نہ پاتا۔ اس نے اب تک براہِ راست اسے مخاطب نہیں کیا تھا۔ چپ رہ کر یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ دشمن اس کے دماغ میں موجود ہے یا نہیں؟ مگر وہاں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ صرف صوفیہ کی اپنی ہی سوچ سنائی دے رہی تھی اور سوچ یہی تھی کہ وہ جلد از جلد صحت یاب ہو کر فرہاد تک پہنچنا چاہتی ہے۔ کبریا نے مزید وقت برباد کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس کے دماغ پر پوری طرح قبضہ جما کر حکم دیا کہ وہ آرام سے لیٹ جائے۔ اس نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ذرا چونک کر کہا۔ ''یہ۔ یہ گریٹ ایشورارا کی آواز تو نہیں ہے۔ کون...؟ کون ہے میرے دماغ میں...؟''

''میں فرہاد علی تیمور ہوں۔''

وہ ایکدم سے چونک کر اٹھ بیٹھی۔ خوش ہو کر بولی۔ ''کیا سچ...؟ فرہاد! یہ تم ہو؟ تم میرے اندر آئے ہو؟''

''آرام سے لیٹی رہو۔''

اس نے حکم دیا۔ وہ فوراً ہی لیٹ گئی پھر بولی۔ ''گریٹ ایشورارا نے میری صلاحیتیں چھین لی ہیں۔ میں سانس روک کر تمہیں اپنے اندر سے بھگا نہیں سکوں گی مگر ابھی تمہاری موجودگی بہت اچھی لگ رہی ہے۔''

''آگے بھی اچھی لگے گی۔ آرام سے لیٹی رہو۔''

وہ جلد از جلد تنویمی عمل کے ذریعے اس کے دماغ کو لاک کر دینا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس نے خاموشی سے لیٹے رہنے کا حکم دیا پھر تنویمی عمل کے دوران اس نے مخصوص کوڈ ورڈز اس کے ذہن میں نقش کرتے ہوئے کہا۔ ''ایشورارا جب بھی تم پر تنویمی عمل کرنے آئے گا تو تم کسی شک و شبے کے بغیر اس کی معمولہ اور تابعدار بن جاؤ گی۔''

اس نے معمولہ کی حیثیت سے کہا۔ ''میں تابعدار بن جاؤں گی۔''

کبریا نے حکم دیا۔ ''میں جب بھی تمہارے دماغ میں آ کر یہ مخصوص کوڈ ورڈز ادا کروں گا تو تم ایشورارا کے سحر سے نکل آؤ گی۔''

وہ بولی۔ ''اس کے سحر سے نکل آؤں گی۔''

''پھر میں تمہارے دماغ سے جاؤں گا تو تم پھر اُس کی معمولہ اور تابعدار بن جاؤ گی۔ ایشورارا کو بھی یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ میں تمہارے اندر آتا جاتا ہوں۔''

تنویمی عمل کے بعد اس نے صوفیہ کو سونے کی ہدایت کی پھر خاموشی سے اس کے دماغ میں رہ کر ایشورارا کا انتظار کرنے لگا۔

اُدھر گریٹ ایشورارا دوسری حلالہ کے ساتھ مصروف تھا۔ اسے تمام معاملات سمجھا رہا تھا۔ یہ سمجھ نہیں سکتا تھا کہ دوسری طرف ایک حلالہ تنویمی عمل کی چھری سے حلال ہو چکی ہے۔ اس کے ہاتھوں سے نکل چکی ہے۔ دراصل معاملات کچھ ایسے غیر متوقع انداز میں الجھے تھے کہ اسے صوفیہ پر تنویمی عمل کرنے کا وقت نہیں ملا تھا۔

جنگ میں تو یہی ہوتا ہے۔ چھوٹی موٹی بھول چوک ہی فاتح کو ناکام اور ناکام کو فاتح بنا دیتی ہے۔ ایشورارا کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ وہ سونیا کو حاصل کرنے کے بعد ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔ آئندہ اس کے ذریعے بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کرنے کے خواب بُن رہا تھا۔ یہ نہ سمجھ سکتا تھا نہ سوچ سکتا تھا کہ اس کے پیروں تلے کیسی سرنگ بچھائی جا رہی ہے؟

ابھی بہت کچھ ہونا تھا مگر اس ہونے کے بیچ بہت سی انہونیاں بھی ہونے والی تھیں۔

☆☆☆

امریکی اکابرین کو پھر سے اپنی سلامتی کی فکر لاحق ہو گئی ...ہیں ایک زبردست اتحادی کی ضرورت تھی اور وہ ...ے اتحاد کرنا چاہتے تھے۔ یعنی اپنی شامت کو خود ہی ...نے والے تھے۔

...انی سوچ بچار کے بعد آخر انہوں نے دعوت دے ...لی۔ ایک اعلیٰ عہدیدار نے حلالہ کے فون نمبر پنچ کیے پھر ...انتظار کرنے لگا۔ دیگر تمام اکابرین بھی بے صبری سے ...کر رہے تھے۔ چند لمحوں بعد حلالہ کی آواز سنائی دی۔

عہدیدار نے کہا۔ ''میں امریکا کا ایک اعلیٰ حاکم بول ...ہا ہوں۔''

گریٹ ایشورارا حلالہ کے اندر موجود تھا۔ اعلیٰ حاکم ...ن کال پر چونک گیا۔ یہ سن کر حیرانی ہوئی تھی کہ وہ حلالہ کو ...کر رہا تھا۔ وہ جواباً بولی۔ ''اس دنیا میں کوئی کسی کا حاکم ...ہے۔ حاکمیت صرف انسانیت کی ہونی چاہیے۔''

...وہ جیسے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے بولا۔ ''بے ...ہونی چاہیے۔ تمہاری یہی تعلیمات دنیا بھر کے لوگوں ...ں میں گھر کر رہی ہیں۔ تمہارے نئے مذہب سے ہم ...متاثر ہو رہے ہیں۔''

''یہی تم لوگوں کی غلطی ہے۔ تم سب اپنے اپنے ...ب کی ڈگر پر چلتے ہوئے انسانیت کو بھول گئے۔ جبکہ ...ہی دنیا کا سب سے پہلا مذہب ہے اور آخری ...ب ہی یہی ہوگا۔''

وہ فون پر اعلیٰ حاکم سے بول رہی تھی اور ایشورارا اس ...ماغ میں رہ کر سن رہا تھا۔ اعلیٰ حاکم نے کہا۔ ''تم بہت ...ہو۔ ہمیں بھولا ہوا سبق یاد دلانے آئی ہو۔ تمہاری یہی ...لوگوں کو متاثر کر رہی ہیں اور آئندہ بھی کرتی رہیں گی۔ ...دور نہیں' جب پوری دنیا تمہارے دین ''عظمتِ ...انسان'' کی پیروکار بن جائے گی۔''

''ایسا ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔ کیونکہ کسی بھی بات ...ہم سب ہی کو متاثر نہیں کر پاتے۔ میرے دین میں ...زبردستی نہیں ہے۔ عظمتِ انسان کے دروازے سب کے ...کھلے ہوئے ہیں۔ جو آنا چاہے خوشی سے چلا آئے اور جو نہ ...آئے' اسے زبردستی لایا نہیں جائے گا۔''

''تمہارے اس دین میں ایسی کشش اور ایسی چٹکی ...سب ہی اپنے اپنے دین کو بھول رہے ہیں۔''

گریٹ ایشورارا نے باتوں کے دوران اُس اعلیٰ حاکم ...کے اندر پہنچنے کی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی۔ اُدھر حلالہ نے فون پر ...''میں ہرگز یہ نہیں چاہتی کہ کوئی بھی شخص اپنے مذہب سے منہ پھیرے۔ اگر ایسا ہوا تو زمین پر فساد پھیلے گا اور میں بھلائی کے لیے آئی ہوں۔ فساد پھیلانے کے لیے نہیں....''

پھر اس نے ایشورارا کی مرضی کے مطابق پوچھا۔ ''اب تم اپنی بات کرو۔ میرے پاس آئے ہو تو یقیناً کوئی مقصد ہوگا؟''

اس نے دوسرے اکابرین کی طرف دیکھا۔ وہ سب ہی وائڈ اسپیکر کے ذریعے حلالہ سے ہونے والی گفتگو سن رہے تھے۔ اعلیٰ حاکم نے فون پر کہا۔ ''پہلی بات تو یہی ہے کہ ہم سب تم سے متاثر ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ اس وقت ہم شدید مشکلات سے گزر رہے ہیں۔''

''کیسی مشکلات...؟''

''ہمارے پاس طاقت ہے' اختیارات ہیں۔ اسی لیے ہم سپر پاور کہلاتے ہیں مگر اس کے باوجود ہمیں دشمنوں کی طرف سے خطرہ ہے۔''

وہ بولی۔ ''بیرونی خطرات سے بچنے کے لیے گھر کے دروازے بند کر لیے جاتے ہیں۔ مجھے حیرت ہے' تم لوگ تحفظ حاصل کرنے کے باوجود گھبرائے ہوئے ہو؟''

ایشورارا اندر کی بات جاننا چاہتا تھا۔ اسے یہ سن کر واقعی حیرت ہوئی تھی کہ وہ لوگ دماغی طور پر تحفظ حاصل کرنے کے بعد بھی پریشان تھے۔ یہ جاننا ضروری تھا کہ آخر وہ اکابرین دشمنوں کی طرف سے یعنی ایشورارا کی طرف سے کیسا خطرہ محسوس کر رہے ہیں؟

حلالہ نے اس کی مرضی کے مطابق کہا۔ ''جہاں تک میرا علم کہتا ہے' تم لوگوں کے دماغوں کو تنویمی عمل کے ذریعے لاک کیا جا چکا ہے۔ کوئی بھی دشمن تمہارے اندر گھسنے کی کوشش کرے گا تو ناکام ہوگا پھر تمہیں کس بات کا ڈر ہے؟''

اعلیٰ حاکم نے خوش ہو کر کہا۔ ''ہمیں یہ سن کر خوشی ہو رہی ہے کہ تم ہمارے حالات سے باخبر ہو۔ جبکہ.... جبکہ ہم نے ابھی تمہیں اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا ہے۔ واقعی تم غیر معمولی صلاحیتیں رکھتی ہو۔ کچھ سنے بغیر ہمارے اندر کی باتیں بول رہی ہو۔''

''یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔''

اس نے دوسرے اکابرین کی طرف دیکھا پھر فون پر کہا۔ ''دراصل ہمارے دماغ لاک تو ہیں مگر ان کی ماسٹر کی ہمارے دشمنوں کے ہاتھوں میں ہے۔''

''اور تمہارے دشمن کون ہیں؟''

اس نے ناگواری سے کہا۔ ''مسلمان ٹیلی پیتھی جاننے والے ہمارے ازلی دشمن ہیں۔ ہم اب تک اُن سے کسی نہ کسی

طرح نمٹتے رہے مگر اب آفاقی دشمنوں سے پالا پڑا ہے۔ گریٹ ایشورارا اور اس کے لاکھوں ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے ہماری نیندیں حرام کر ڈالی ہیں۔ ان سے تحفظ حاصل کرنے کے لیے ہم نے اپنے خیال خوانی کرنے والوں سے مدد مانگی۔ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کے ذریعے مسلمانوں کے زیرِ اثر آجائیں گے۔"

بات ایشورارا کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ حلالہ نے اس کی مرضی کے مطابق پوچھا۔ "کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تمہارے اپنے ٹیلی پیتھی جاننے والے مسلمانوں سے ملے ہوئے ہیں؟ تم سے غداری کرتے ہوئے انہوں نے تمہیں اُن کا محکوم بنادیا ہے؟"

"بات کچھ ایسی ہی ہے۔ ہم بری طرح الجھے ہوئے ہیں۔ حالات ایسے ہیں کہ کسی پر بھی بھروسا نہیں کر پا رہے ہیں۔ ہمارے آس پاس دشمن ہی دشمن ہیں اور اُن کے درمیان تم نجات دہندہ کی طرح دکھائی دے رہی ہو۔"

اتنا سننے کے بعد ایشورارا کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کاٹھ کے الو یقیناً اس راہبہ سے مدد مانگنے آئے ہیں۔ گویا وہ خود ہی شکار ہونے چلے آئے تھے۔ حلالہ نے اس کی مرضی کے مطابق پوچھا۔ "مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

اعلیٰ حاکم نے کہا۔ "ہم تم سے دوستی اور اتحاد چاہتے ہیں۔"

ایشورارا نے مسکرا کر ایک گہری سانس لی۔ حلالہ نے پوچھا۔ "اتحاد کیسے کرو گے؟ جبکہ اپنے ہی ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے اور مسلمانوں کے محکوم بنے ہوئے ہو؟"

اُدھر وہ اکابرین حلالہ سے باتیں کر رہے تھے اور اِدھر وہ تینوں ٹیلی پیتھی جاننے والے واکس مین' لف گاگی اور جیمز ہارڈی بھی وہاں پہنچ گئے تھے۔ خاموش رہ کر ان کی گفتگو سن رہے تھے۔ واکس مین اس اعلیٰ حاکم کے اندر پہنچا ہوا تھا' جو حلالہ سے باتیں کر رہا تھا۔

حلالہ نے کہا۔ "میں فون پر طویل گفتگو نہیں کرتی۔ مجھ سے اتحاد کرنا چاہتے ہو تو تم میں سے کسی ایک کو اپنے دماغ کا دروازہ کھولنا ہوگا۔ میں اب خیال خوانی کے ذریعے تم سے باتیں کروں گی۔"

اعلیٰ حاکم جواباً کچھ کہنا چاہتا تھا مگر دوسری طرف سے رابطہ ختم کر دیا گیا۔ ایک عہدیدار نے کہا۔ "یہ کیسے ممکن ہے؟ ہم تنویمی عمل کے زیرِ اثر ہیں۔ اُس کے لیے اپنے دماغوں کو کیسے کھول سکتے ہیں؟"

جیمز ہارڈی اکابرین کو مخاطب کرتے ہوئے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ واکس مین نے اسے چپ رہنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ "انہیں اپنے طور پر سوچنے اور بولنے دو۔ ... ہیں' یہ کیا کرتے ہیں؟"

لف گاگی نے کہا۔ "یہ حلالہ سے بہت زیادہ متا... رہے ہیں۔ اس سے باتیں کرنے کے چکر میں کچھ الٹا... کر بیٹھے تو ہماری ساری محنت پر پانی پھر جائے گا۔"

واکس مین نے کہا۔ "ایسا وقت نہیں آئے گا۔"

اُدھر وہ تینوں آپس میں بول رہے تھے اور ا... اکابرین الجھے ہوئے تھے۔ ایک نے کہا۔ "وہ خیال خوا... ذریعے باتیں کرنا چاہتی ہے۔ ہم کیا کریں؟ کیسے اُسے ا... دماغ میں آنے کی اجازت دیں؟"

ایک عہدیدار نے کہا۔ "ایک حل ہے۔"

تمام اکابرین اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ و... "ہم میں سے کسی کو اعصابی کمزوری کی دوا استعمال کرنی ہوگی۔"

"اعصابی کمزوری کی دوا...؟"

وہ اثبات میں سر ہلا کر بولا۔ "ہاں۔ اس دوا کو اس... کرنے والے کا دماغ عارضی طور پر کمزور ہوگا تو حلالہ... رکاوٹ کے بغیر اس کے اندر پہنچ سکے گی۔ یوں ہمارے... پیتھی جاننے والوں کا تنویمی عمل بھی برقرار رہے گا۔"

وہ سب ہی ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے د... لگے۔ سوال یہ تھا کہ ایسا کون کرے گا؟ اس طریقہ کار... نتیجے میں حلالہ اسے اپنا معمول اور تابعدار بنا لیتی اور کسی... کے دماغ میں پہنچنے کا مطلب یہی ہوتا کہ دھیرے دھیرے... تمام اکابرین کے اندر جگہ بناتی چلی جاتی۔

ایشورارا کی دہشت ایسی تھی کہ اُن میں سے کوئی... اعصابی کمزوری کی دوا کھانا نہیں چاہتا تھا۔ ایک عہدیدار... کچھ سوچ کر کہا۔ "خیال خوانی کے ذریعے حلالہ سے ا... کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ کسی آلۂ کار... دماغ میں آ کر ہم سے گفتگو کرے۔ ہم اسے اپنے کسی... جاننے والے ماتحت کے اندر بلا سکتے ہیں۔"

اعلیٰ حاکم نے کہا۔ "ہمیں یہی کرنا چاہیے۔ ہم ا... اپنی مجبوری بتائیں گے کہ ہمیں ایشورارا کی طرف سے خطرہ ہے۔ اس لیے ہم دماغ کے دروازے کھول کر... رسک نہیں لے سکتے۔ لہٰذا وہ ہمارے یوگا جاننے والے ما... کے ذریعے ہم سے باتیں کرے۔"

واکس مین نے خیال خوانی کے ذریعے کبریا سے... کیا اور اسے اکابرین کے حالات بتاتے ہوئے کہا۔ ... لوگ اُس پُراسرار راہبہ سے اتحاد کرنا چاہتے ہیں۔ ... رہے ہیں کہ ہم نے انہیں دھوکا دیا ہے۔ تنویمی عمل...



...انہیں مسلمانوں کا غلام بنا دیا ہے۔ وہ ہم پر بھروسا نہیں ... ہیں۔"

کبریا نے مسکرا کر کہا۔ "پُراسرار راہبہ... حلالہ تصویر کا ... ہے اور دوسرا رخ ایشورارا ہے۔"

"کیا مطلب...؟"

"وہ پُراسرار نہیں ہے۔ بنائی گئی ہے۔ ایشورارا کے ... میں ایک کٹھ پتلی ہے۔"

"یعنی اکابرین حلالہ کے دھوکے میں ایشورارا کے ... میں پہنچنے والے ہیں؟"

"یہی بات ہے۔"

کبریا اس کے ساتھ ایک اعلیٰ افسر کے دماغ میں پہنچ ... انہوں نے فون کے ذریعے حلالہ سے رابطہ کیا تھا اور ... اپنے یوگا جاننے والے ایک ماتحت کے اندر آنے کی ... دے رہے تھے۔ حلالہ نے ایشورارا کی مرضی کے ... کہا۔ "ٹھیک ہے۔ مجھے اس ماتحت کی آواز سناؤ۔"

اکابرین نے یوگا جاننے والے ماتحت کی آواز اسے ... چند لمحوں بعد ہی ایشورارا حلالہ کے ساتھ اُس آلۂ کار ... دماغ میں پہنچ گیا۔ اسے تو اکابرین کے قریب پہنچنے کا ... مل رہا تھا۔ ان دونوں کے ساتھ ہی کبریا اور واکس مین ... اس کے دماغ میں پہنچ گئے۔

وہ یوگا جاننے والا ماتحت سمجھ نہیں سکتا تھا کہ اس کے ... میں ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی کیسی بھیڑ لگی ہوئی ... وہاں صرف حلالہ بول رہی تھی۔ اسی لیے صرف اُس کی ... کو سمجھ رہا تھا۔

حلالہ اکابرین سے مخاطب تھی اور ایشورارا اس ماتحت ... خیالات پڑھ رہا تھا' جو سیاہ فام تھا۔ یہ معلوم ہو رہا تھا ... وہ امریکی ہے۔ اپنے رنگ روپ کے حوالے سے اسے ... کہا جاتا تھا۔ اتنی بڑی دنیا میں سوائے ایک گرل ... ڈولف کے اس کا کوئی قریبی رشتہ دار نہیں تھا۔ دوسری ... کبریا نے بھی یہی معلومات حاصل کی تھیں۔ اسے یقین ... شبہ تھا کہ ایشورارا بلیک مین کو ٹریپ کرنے کے لیے ... گرل فرینڈ ڈولف کو مہرہ بنائے گا۔

لہٰذا کبریا نے اس کے چور خیالات کے ذریعے ... لب و لہجہ معلوم کیا پھر ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اسے ... میں لے کر خیال خوانی کی پرواز کی۔

اس کا شک درست نکلا۔ ڈولف کے دماغ میں پہنچتے ... ہوا کہ ایشورارا پہلے سے وہاں پہنچا ہوا ہے اور اسے ... تنویمی عمل کے ذریعے اپنی معمولہ اور تابعدار بنا رہا ہے پھر اُس نے ایک خاص لب و لہجہ ڈولف کے ذہن میں نقش کر کے اس کے دماغ کو لاک کر دیا۔ کبریا بڑی خاموشی سے اس کی یہ کارروائی دیکھ رہا تھا۔

ایشورارا سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کبریا وہاں موجود ہے اور اُس نے جو خاص لب و لہجہ ڈولف کے ذہن میں نقش کیا ہے' آئندہ اس کے ذریعے وہ بھی وہاں پہنچ سکے گا۔ وہ اسے تنویمی نیند سونے کی ہدایت کر کے بلیکی کے دماغ میں آگیا۔ وہاں حلالہ کے اور اکابرین کے درمیان معاملات طے ہو رہے تھے۔ فی الحال اس کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ ان میں سے کوئی ایک عہدیدار اعصابی کمزوری کی دوا استعمال کر کے اس کے لیے اپنے دماغ کا دروازہ کھول دے۔

ایشورارا جانتا تھا کہ وہ لوگ اپنے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی مرضی کے خلاف کبھی کچھ نہیں کریں گے لیکن وہ آئندہ بلیکی کے ذریعے بہت کچھ کرنے والا تھا۔ اس کا کام بن گیا تھا۔ لہٰذا حلالہ اس کی مرضی کے مطابق اس آلۂ کار کے دماغ سے چلی گئی۔ وہ یوگا کا ماہر تھا۔ حلالہ کے جاتے ہی اس نے سانس روکی تو کبریا کے ساتھ وہ تینوں امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والے بھی اس کے دماغ سے نکل گئے۔

گریٹ ایشورارا ڈولف کے دماغ میں گھات لگائے بیٹھا تھا۔ یہ نہیں جانتا تھا کہ کبریا بھی وہاں موجود ہے۔ رات گئے جب بلیکی گھر پہنچا تو ڈولف اس کی منتظر تھی۔ وہ اپنے محبوب کا انتظار کر رہی تھی۔

وہ پیار کرنے والی یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کے اندر کوئی اپنے شکار کی تاک میں ہے۔ وہ محبت سے اُس کے گلے لگ رہی تھی' یہ نہیں جانتی تھی کہ ابھی جو بانہیں گلے کا ہار بن رہی ہیں' وہ نہ جانے کس لمحے میں گلے کا پھندا بن جائیں گی؟

کبریا خاموش تھا۔ اپنی موجودگی ظاہر نہیں کر رہا تھا۔ دوسری طرف ایشورارا مطمئن تھا۔ اس نے اپنی آلۂ کار کو حکم دیا کہ وہ دودھ کے گلاس میں اعصابی کمزوری کی دوا ملائے۔ اس نے حکم کے مطابق یہی کیا۔ دودھ سے بھرے ہوئے گلاس میں دوا گھول دی۔ کبریا چاہتا تو اسے ایسا کرنے سے روک سکتا تھا مگر وہ خاموش تماشائی بنا ہوا تھا۔

ڈولف ایشورارا کے حکم کے مطابق دودھ کا گلاس لے کر بیڈ روم کی طرف جانے لگی۔ وہاں بلیکی اس کا منتظر تھا مگر دروازے پر پہنچنے سے پہلے ہی کبریا نے ڈولف کو بہکا دیا۔ وہ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے اسٹور روم کی طرف آگئی۔ ایشورارا نے حیران ہو کر سوچا۔ "یہ کیا؟ اسے تو بلیکی کے پاس جانا چاہیے تھا۔ یہاں کیوں آگئی؟"

اس نے ڈولف کے دماغ پر پوری طرح قبضہ جما کر اسے کمرے میں جانے کا حکم دیا۔ وہ فوراً ہی اپنے عامل کی مرضی کے مطابق وہاں سے پلٹ گئی لیکن ذرا دور جانے کے بعد سوچ کے ذریعے بولی۔ ”مجھے اسٹور روم میں کچھ کام تھا۔“

دراصل وہ کبریا کی مرضی کے مطابق بھٹک رہی تھی۔ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے اسٹور روم کی طرف جانے کا سوچ رہی تھی۔ ایشورارا نے اس کے اندر سوچ پیدا کی۔ ”نہیں۔ مجھے کمرے میں جانا ہے۔ اسٹور روم میں کوئی کام نہیں ہے۔“

کبریا نے ڈولف کی سوچ کے ذریعے کہا۔ ”کیوں کام نہیں ہے؟ وہاں بلیکی کے لیے ایک گفٹ رکھا ہے۔ میں نے اس کی ایک بڑی سی تصویر بنوائی ہے۔ اسے سرپرائز دوں گی۔“

ایشورارا کچھ الجھ سا گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیسی معمولہ ہے' جو اپنے عامل کی مرضی کے مطابق عمل کرنے کے بجائے بحث کر رہی ہے؟ اپنی مرضی کے مطابق سوچ رہی ہے۔ وہ دودھ کے گلاس کو ایک میز پر رکھ کر اسٹور روم کی طرف جانے لگی۔ ایشورارا نے اسے روکنا چاہا مگر وہ کبریا کی مرضی کے مطابق اسٹور روم میں آگئی۔ وہاں سامان میں بلیکی کی تصویر تلاش کرنے لگی۔ تصویر ہوتی تو ضرور ملتی۔ ایشورارا نے الجھ کر پھر اس کے دماغ پر قبضہ جمایا اور اسے زبردستی بیڈ روم کی طرف جانے پر مجبور کرنے لگا۔

وہ اس کے حکم کے مطابق کمرے کی طرف چل پڑی۔ ایشورارا نے اسے روکتے ہوئے حکم دیا کہ دودھ کا گلاس بھی ساتھ لے۔ کبریا نے ڈولف کی سوچ میں کہا۔ ”بلیکی کوئی بچہ نہیں ہے۔ وہ روز روز دودھ نہیں پیتا۔“

ایشورارا نے اسے سختی سے حکم دیا۔ کبریا چاہتا تو ڈولف کو حکم عدولی پر مجبور کر دیتا مگر وہ فی الحال ایشورارا کو کسی شبہے میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ڈولف کے دماغ کو اپنی طرف سے آزاد کیا تو وہ ایشورارا کی مرضی کے مطابق دودھ کا گلاس لے کر کمرے میں آگئی۔

وہ بے چاری دو ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے درمیان فٹ بال بنی ہوئی تھی۔ اندر سے کچھ الجھی ہوئی تھی۔ اپنی ذہنی کیفیت کو سمجھ نہیں سکتی تھی۔ وہ بلیکی کے پاس آکر بیٹھی تو اس نے پوچھا۔ ”کیا بات ہے؟ تم کچھ پریشان لگ رہی ہو؟“

وہ ایک ہاتھ سے پیشانی کو سہلاتے ہوئے بولی۔ ”پتا نہیں' میرے دماغ میں کیا ہو رہا ہے؟“

ایشورارا نے اسے مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ وہ بلیکی کو چوکنا کر کے کوئی جھمیلا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یعنی سیدھی انگلی سے نکلنے والے گھی کو خواہ مخواہ ٹیڑھی انگلی سے نکالنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ نہیں جانتا تھا کہ کبریا کیسے اس کی سیدھی انگلی کو ٹیڑھا کر کے توڑنے والا ہے؟

بلیکی نے اس سے دودھ کا گلاس لے کر سائڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا ہو رہا ہے؟ کیا سر میں درد ہے؟“

”نہیں مگر کچھ گڑبڑ ہے۔“

اس نے ٹھٹک کر پوچھا۔ ”کیسی گڑبڑ...؟“

اس نے ایشورارا کی مرضی کے مطابق بات بدلتے ہوئے کہا۔ ”معلوم نہیں۔ تم دودھ تو پیو۔“

پھر گلاس اٹھا کر بلیکی کی طرف بڑھانا چاہا۔ ایسے وقت کبریا نے گلاس پر اس کی گرفت ایک ذرا ڈھیلی کی۔ وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر کر چکنا چور ہو گیا۔ دودھ اِدھر سے اُدھر تک پھیلتا چلا گیا۔ ایشورارا جھنجلا گیا۔ اس کے دماغ کو پوری طرح گرفت میں لے کر غصے سے بولا۔ ”تم کیا بلا ہو؟ میری معمولہ ہونے کے باوجود میرے حکم کے مطابق عمل نہیں کر رہی ہو۔“

وہ چونک گئی تھی۔ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بولی ”اوہ گاڈ! کوئی میرے اندر بول رہا ہے۔“

بلیکی نے ٹھٹک کر اسے دیکھا پھر اچھل کر بیڈ سے اتر کر اس سے دور ہوتے ہوئے کہا۔ ”یقیناً تمہارے اندر کوئی دشمن پہنچا ہوا ہے اور تمہارے ذریعے میرے دماغ تک پہنچنا چاہتا ہے۔“

ایشورارا بری طرح جھنجلایا ہوا تھا۔ بلیکی کو فرار ہونے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس نے ڈولف کو حکم دیا کہ وہ ٹوٹے ہوئے گلاس کا ایک ٹکڑا اٹھا کر اسے زخمی کرے۔ معمولہ ہونے کے ناتے اسے یہی کرنا چاہیے تھا مگر وہ کبریا کی مرضی کے مطابق بولی۔ ”بلیکی! میرے اندر جو کوئی بھی ہے' وہ چاہتا ہے' میں کانچ کے ٹکڑے سے تمہیں زخمی کروں۔“

تنویمی عمل کے زیرِ اثر رہنے والے کبھی اپنے عامل کی مرضی کے خلاف نہیں بولتے۔ وہ جو حکم دیتا ہے' آنکھ بند کر کے اس پر عمل کرتے رہتے ہیں۔ جبکہ وہ بدستور ایشورارا کی مرضی کے خلاف عمل کر رہی تھی۔

وہ کچھ گڑبڑا گیا تھا۔ غصے اور جنون میں مبتلا ہو کر اسے دماغی جھٹکا پہنچانا چاہتا تھا۔ کبریا نے ڈولف کے دماغ پر مضبوطی سے قبضہ جما لیا۔ اس نے ایک نہیں دو تین بار دماغی جھٹکے پہنچانے کی کوشش کی اور ہر بار ناکام رہا۔ تب بات سمجھ میں آگئی۔

اس نے پوچھا۔ ”کون ہے یہاں؟“

جواب میں خاموشی رہی۔ اس نے کہا۔ ”تمہاری خاموشی مجھے دھوکا نہیں دے گی۔“

کبریا نے جواباً کچھ نہ کہا۔ ڈولف نے اپنے محبوب کا بازو تھام کر کہا۔ ”کوئی میرے اندر بول رہا ہے۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ ابھی وہ چاہتا تھا کہ میں ٹوٹا ہوا گلاس اُٹھا کر تم پر حملہ کروں۔ بلیکی! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔“

وہ بولا۔ ”میں کسی حد تک سمجھ رہا ہوں۔ آج میں نے اکابرین کی خاطر اپنے دماغ کے دروازے کھولے تھے۔ تب ہی کوئی کتا یہاں گھس آیا ہے۔“

وہ کسی بھی طرح ڈولف کو انجانے ٹیلی پیتھی جاننے والے دشمن سے نجات دلانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی محبوبہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”تم کون ہو؟ ہم سے کیا چاہتے ہو؟“

اِدھر ایشورارا نے ڈولف کے دماغ میں رہ کر پوچھا۔ ”یہاں کون ہے؟ کیوں میرے راستے میں رکاوٹ ڈال رہا ہے؟“

کبریا نے کہا۔ ”غلط راستوں پر چلو گے تو رکاوٹیں ضرور پیش آئیں گی۔“

وہ ایکدم سے ٹھٹک گیا۔ ”فرہاد علی تیمور...؟“

وہ میرے لب و لہجے میں بولتا تھا۔ تمام دشمن اور دوست یہی سمجھتے تھے کہ میں ان سے مخاطب ہوں۔ وہ بھی ہوکا کھا رہا تھا۔ کبریا نے پوچھا۔ ”پریشان کیوں ہو گئے؟“

وہ بولا۔ ”میں پریشان نہیں ہوں۔ حیران ہو رہا ہوں۔ تمہاری سونیا میرے قبضے میں ہے اور تم مجھ سے دشمنی کرنے آئے ہو؟ کیا یہ سمجھانا پڑے گا کہ میرے راستے کی رکاوٹ بنو گے تو اُدھر سونیا کا انجام کیا ہو گا؟“

”میں برے شخص سے کبھی اچھائی کی اُمید نہیں رکھتا۔ تمہیں جو کرنا ہے' کرو۔ مجھے جو کرنا ہے' میں وہ کرتا رہوں گا۔“

وہ دونوں ڈولف کے دماغ میں رہ کر بول رہے تھے۔ وہ پہلی بار ایسی صورتِ حال سے گزر رہی تھی۔ بری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔ اسے بہت ہی عجیب سا لگ رہا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بلیکی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے کبریا اور ایشورارا کے درمیان ہونے والی گفتگو بتا رہی تھی۔

بلیکی اس کے لیے پریشان تھا مگر اس کے قریب نہیں آرہا تھا۔ یہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والے موقع دیکھتے ہی اس پر حملہ کر سکتے ہیں۔ وہ جان سے عزیز محبوبہ ان لمحات میں جان کی دشمن بنی ہوئی تھی۔

وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامتے ہوئے بولی۔ ”پلیز بلیکی! ان ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے میری جان چھڑاؤ۔“

اُدھر باتوں کے دوران ایشورارا نے اچانک ہی ڈولف کو دماغی جھٹکا پہنچایا۔ اگرچہ کبریا نے فوراً ہی اسے سنبھال لیا۔ لیکن وہ تکلیف سے بلبلا اٹھی تھی۔ دوسری طرف بلیکی تڑپ گیا۔ اس سے اپنی محبوبہ کی تکلیف برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو مخاطب کیا پھر کہا۔ ”میں اپنے دماغ کے دروازے کھول رہا ہوں۔ تمہیں جو کہنا ہے' میرے اندر آکر کہو۔“

اس کی یہ بات سنتے ہی ایشورارا نے خیال خوانی کی چھلانگ لگائی۔ اس کے دماغ میں پہنچنا چاہا تو آسانی سے جگہ مل گئی۔ کبریا بھی وہاں چلا آیا تھا۔ اس نے کہا۔ ”ایشورارا! تمہیں کامیابی مبارک ہو۔ ایک یوگا جاننے والے کے اندر جگہ مل گئی ہے۔ اب ذرا اسے اپنا معمول اور تابعدار بنا کر دکھاؤ۔“

وہ غصے سے بولا۔ ”فرہاد! تم میرے راستے کی رکاوٹ بن کر بہت بڑی غلطی کر رہے ہو۔“

”میری ایسی ہی غلطیاں دشمنوں کے ہوش اُڑا دیتی ہیں۔ میں نے کہا ناں... میں جو کر رہا ہوں' مجھے کرنے دو۔ تم اپنا کام کرو۔“

ایشورارا کبھی سمجھ نہیں سکتا تھا کہ وہاں کیسا گیم کھیلا جا رہا ہے؟ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ ڈولف کے دماغ میں اس کے علاوہ صرف کبریا موجود ہے۔ جبکہ وہاں امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والا لمف گاگی بھی موجود تھا۔ اس نے ان دونوں کے جاتے ہی ڈولف کے دماغ کو پوری طرح اپنی گرفت میں لے لیا۔ اب کوئی بھی اس کے اندر آکر اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔

ادھر کبریا نے بلیکی سے کہا۔ ”تم سانس روک کر ہمیں اپنے اندر سے بھگاؤ۔“

وہ بولا۔ ”نہیں مسٹر فرہاد! میں اپنی ڈولف کو کسی مصیبت میں ڈالنا نہیں چاہتا۔“

کبریا نے کہا۔ ”جیسا کہہ رہا ہوں' ویسا کرو۔ ہمیں اپنے اندر سے بھگاؤ۔ تمہاری ڈولف کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔“

میں اس کی سلامتی کی ذمہ داری لے رہا تھا۔ میرے یہ الفاظ بلیکی کے اطمینان کے لیے کافی تھے۔ اس نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ دوسرے ہی لمحے میں سانس روک لی۔

ایشورارا یہی سوچ رہا تھا کہ وہاں سے نکلتے ہی ڈولف کے دماغ میں پہنچ جائے گا۔ وہ پہنچ تو گیا مگر اس پر اثر انداز نہ ہو سکا۔ اس نے پھر اس کے اندر زلزلہ پیدا کرنا چاہا تو ایسا ہی لگا' جیسے پتھر کو ہلانا چاہتا ہے اور وہ ہلنا تو کیا ٹس سے مس نہیں ہو رہی تھی۔ اُدھر لمف گاگی نے قبضہ جما رکھا تھا۔

وہ دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ بری طرح جھنجلانے لگا۔ اب نہ جانے اس جھنجلاہٹ اور غصے میں مبتلا رہتے ہوئے وہ سونیا کے خلاف کیا کرنے والا تھا؟

☆☆☆

زندگی کا ورق ورق پڑھو اور ماضی کی طرف دیکھتے رہو تو معلوم ہوتا ہے کہ روز روز جیتے رہنے سے روز روز موت کا ہلکا ہلکا چٹخارا ملتا رہتا ہے۔

میں اچھی خاصی تھکا دینے والی زندگی گزار چکا ہوں۔ ماضی میں میرا کوئی دن بیماری میں نہیں گزرا۔ کبھی بیمار ہوا تب بھی حرکت میں رہا اور مخالف حالات سے لڑتا رہا۔ یہ کہہ سکتا ہوں کہ دشمنوں نے اور دشمن حالات نے کبھی مجھے چاروں شانے چت نہیں کیا۔

اب کر دیا ہے۔ اب میں بستر پر ہاتھ پاؤں پھیلائے پڑا ہوں۔ زندگی میں پہلی بار بے دست و پا ہو گیا ہوں۔ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اچانک سونیا کا ساتھ کبھی چھوٹ جائے گا اور میں ایک مکان کی چار دیواری میں تنہا رہ جاؤں گا۔

میں بستر پر پڑا چھت کو تک رہا تھا۔ بڑے دکھ سے سوچ رہا تھا' کیا میری آخری سانسوں میں میری کوئی شریک حیات کوئی اولاد دروازے پر نہیں آئے گی؟ دم رخصت کوئی حلق میں پانی ڈالنے والا نہیں ہوگا؟

اعلیٰ حضرت نے اِدھر مجھے اور اُدھر سونیا کو آزمائش میں مبتلا کیا تھا۔ میرے لہو کے رشتوں کو بھی مجھ سے دور کر دیا تھا۔ صرف کبریا کو اتنی اجازت دی گئی تھی کہ وہ خیال خوانی کے ذریعے میرے اندر آ سکتا تھا مگر میرے دروازے پر قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔

ادھر سونیا کے دماغ کو لاک کر دیا گیا تھا۔ ہمارا کوئی خیال خوانی کرنے والا اس کے دماغ میں پہنچ نہیں سکتا تھا۔ یہ معلوم نہیں کر سکتا تھا کہ وہ ایشورارا کی قید میں کہاں ہے اور اس پر کیا بیت رہی ہے؟

میرے حالات مجھے مایوس کر رہے تھے اور میں مایوس کُن باتیں سوچ رہا تھا۔ ایسے وقت اعلیٰ حضرت کی آواز سنائی دی۔ میں نے سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "دنیا کا کوئی فرد نہیں جانتا کہ اس سے محبت کرنے اور اس سے بچھڑنے والے پر کیا بیت رہی ہے؟

'آج تک ٹیلی پیتھی کے علم نے تم سب کو تن آسانی فراہم کی۔ تم سب بیٹھے ہی بیٹھے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے تک اپنوں اور بیگانوں' دوستوں اور دشمنوں تک پہنچتے رہے۔

یہ سوچو کہ جو ٹیلی پیتھی نہیں جانتے وہ اپنوں سے دور ہو کر ان سے بے خبر رہ کر کیسے جی رہے ہیں؟ تم بھی ایک ایسے عام انسان بن گئے ہو۔ جو قدرتی حالات کے رحم و کرم پر رہ کر زندگی گزارتے رہتے ہیں۔

تم تنہا ہو' تمہارے اپنے بچھڑ گئے ہیں۔ اس دنیا میں لاکھوں افراد تمہاری طرح تنہا ہیں۔ کتنی ہی عورتیں سونیا کی طرح کہیں دور مصائب میں گرفتار ہیں۔ وہ ٹیلی پیتھی نہیں جانتے مگر اپنے حالات سے لڑ رہے ہیں۔ قدرت کی منشا ہے کہ تم بھی اپنی زندگی کے آخری ایام میں ایسی ہی جنگ لڑتے رہو۔"

انہوں نے دل کی گہرائیوں سے اور بڑے جذبے سے کہا۔ "اللہ تعالیٰ کا شکر ہے' میں روحانیت کے مدارج سے گزر رہا ہوں۔ وہ باتیں جانتا ہوں جو دوسرے نہیں جانتے۔ ہمیں قدرتی منشا کے مطابق فرائض ادا کرنے پڑتے ہیں اور میں ایسا ہی ایک فرض ادا کرنے کے لیے ٹیلی پیتھی جاننے والے عزیز و اقارب کو تمہارے معاملات میں مداخلت کرنے سے روک رہا ہوں۔ اسی لیے تم تنہائی کے عذاب سے گزر رہے ہو۔"

انہوں نے ایک ذرا توقف سے کہا۔ "ابھی دشمنوں کو مصلحتاً ڈھیل دی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا تو یہی سہولتیں ان کے گلے کا پھندا بن جائیں گی۔ بہتر اعمال کے بہتر نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ ہم اپنے دین کی بہتری اور بقاء کے لیے سیارے والوں سے جہاد کر رہے ہیں۔ ہمیں اس کا انعام ضرور ملے گا۔"

میں نے کہا۔ "میں اپنے لیے نہیں سونیا کے لیے عرض کر رہا ہوں۔ وہ ٹیلی پیتھی نہیں جانتی ہے۔ ایسے غیر معمولی علم کے بغیر وہ اپنی ذہانت سے دشمنوں کو مات دیتی آئی ہے۔ اگر اس کے دماغ کو لاک نہ کیا جائے۔ اسے ہمیشہ کے لیے بھرپور ذہانت کا مظاہرہ کرنے دیا جائے تو وہ کسی کی مدد حاصل کیے بغیر اپنے لیے بہت کچھ کر سکے گی۔"

اس کی سفارش نہ کرو۔ بظاہر یہی نظر آ رہا ہے کہ ایشورارا اسے ٹریپ کر کے لے گیا ہے لیکن قدرتی لائن آف ایکشن کے مطابق سونیا اس روپوش رہنے والے تک پہنچ رہی ہے۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گا۔ اٹھو نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ پہلے بے انتہا معروفیات کے باعث پانچوں وقت کی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اپنے حالات کو سمجھو عبادت کرنے کے لیے تمہیں فرصت ہی فرصت دے دی گئی ہے۔"

وہ دعائیں دے کر چلے گئے۔ میں نے ان کی باتوں پر غور کیا تو حوصلہ ہوا۔ ایشورارا نے سونیا کو اغوا کرا کے کہیں اسے قیدی بنایا تھا۔ بظاہر نظر کچھ آتا ہے اور ہوتا کچھ ہے۔ وہ خود ہی انجانے میں سونیا کے قریب ہو رہا تھا۔

اسے خوش فہمی تھی کہ وہ ہمیشہ کی طرح روپوش رہے گا۔ سونیا نے اب سے پہلے اس کی ایسی ہی خوش فہمی کو خاک میں ملایا تھا۔ اس پر اچانک ہی ایسے جان لیوا حملے کیے تھے کہ وہ جان بچانے کے لیے اپنے سیارے پر چلا گیا تھا۔

اس کے پاس لاکھوں ٹیلی پیتھی جاننے والے تھے۔ ہمارے خیال خوانی کرنے والے بڑی خاموشی اور راز داری سے ان کی تعداد کم کرتے جا رہے تھے اور ایشورارا کئی محاذوں پر مصروف رہنے کے باعث اپنے وفاداروں کے کم ہونے کا حساب نہیں کر پا رہا تھا۔

ہماری زمین پر آنے کے بعد اسے اپنی فکر زیادہ تھی۔ وہ ایک مسلمان عالمِ دین بن کر لندن کے ایک علاقے میں رہتا تھا۔ اس کے ایک بھائی کا نام ایکورارا تھا۔ وہ اس کا قابلِ اعتماد دستِ راست بھی تھا۔ اس نے تنویمی عمل کے ذریعے دینِ اسلام کی تمام اہم باتیں اور کلام پاک کی چند آیات ایشورارا کے دماغ میں نقش کر دی تھیں۔

وہ ایسٹ لندن کی ایک مسجد میں نمازیں پڑھتا تھا۔ پڑھتا کیا تھا' بس اٹھتا بیٹھتا رہتا تھا۔ بڑی توجہ سے نمازیوں کے درمیان بیٹھ کر ان کی باتیں سنتا تھا۔ اپنی طرف سے ایمان افروز باتیں کر کے انہیں متاثر کیا کرتا تھا۔ یہ شیطان کی خوبی ہے وہ ہمیشہ انسان کے روپ میں رہ کر انسان کو الّو بناتا آیا ہے۔

اس نے اس لیے یہ بہروپ بھرا کہ ہم مسلمان اس پر دشمن ہونے کا شبہ نہ کریں۔ کبھی مجھ سے یا سونیا سے سامنا ہو تو وہ دینی معاملات میں ہم سے مدلل گفتگو کر کے ہمیں متاثر کر سکے اور ہمارا اعتماد بھی حاصل کر سکے۔

وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ مجھ کو اور سونیا کو ختم کیے بغیر اس زمین پر اپنی حکمرانی قائم نہیں کر سکے گا۔ وہ ہمارے قریب آنے سے ڈرتا تھا اور دور ہی دور رہ کر ہم سے نجات حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی غیر معمولی مشینیں اور ٹیلی پیتھی کے ہتھیار ہمارے خلاف ناکارہ ہو چکے تھے۔

اسے ایک ہی تدبیر سوجھی کہ شیطان مسلمان بن جائے۔ ایک عالمِ دین بن کر شک و شبہات سے بالاتر ہو جائے۔ کبھی اتفاقاً ہمارے روبرو آئے تو کسی پہلو سے پہچانا نہ جائے۔

یوں محتاط رہ کر' شک و شبہات سے بالاتر رہ کر سامنا ہوتا رہتا تو وہ ہماری غفلت سے فائدہ اٹھا کر ہمیں گولی مار دیتا۔ یہ بات اس کے دماغ میں بیٹھ گئی تھی کہ ہماری غفلت ہی اسے فائدہ پہنچائے گی۔ وہ ہم سے ذرا دور رہ کر ہی دھوکا کھائے بغیر ہمارا کام تمام کر سکے گا۔

اسے سونیا سے زیادہ خطرہ تھا اور وہ اسے اپنی خوش نصیبی سمجھ رہا تھا کہ اس نے بڑی چالبازی سے اسے گھیر کر قیدی بنا لیا ہے۔ وہ کشمکش میں مبتلا تھا' اس خطرناک بلا کو فوراً مار ڈالنا چاہتا تھا لیکن عقل سمجھا رہی تھی کہ ناگن کو مارے گا تو ناگ اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔



وہ نہیں جانتا تھا کہ میں لاہور میں ہوں۔ شاہدرہ کے ایک مکان میں بے یار و مددگار پڑا ہوں' اسے معلوم ہوتا تو وہ مجھے مکھن کے بال کی طرح نکال لاتا۔ بلکہ وہیں گولی مار دیتا۔ کبریا نے فرہاد علی تیمور بن کر اکابرین کو اور سیارے والوں کو مجھ سے دور کر دیا تھا۔

یوں ایشورارا الجھ کر سوچ رہا تھا کہ ناگ اپنی ناگن کو ڈھونڈتا ہوا اس نگون قید خانے تک آئے گا اور آئے گا تو پھر واپس نہیں جا سکے گا۔ سونیا کے ساتھ حرام موت مارا جائے گا۔

وہ کبریا کو حلالہ کے پیچھے لگا چکا تھا۔ یہ نہیں جانتا تھا کہ حالات بدل چکے ہیں۔ اس حلالہ کے زخمی ہونے کے باعث کبریا کو کسی حد تک اپنی مما کا سراغ ملنے والا ہے اور وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جو شکار کرنے جائے گی وہ خود شکار ہو جائے گی۔

یوں اعلیٰ حضرت کی باتیں کسی حد تک سمجھ میں آ رہی تھیں کہ قدرتی حالات مختلف راہوں سے مختلف ذرائع سے صرف ہمیں ایشورارا کے نشانے پر نہیں لا رہے ہیں بلکہ اسے بھی ہماری زد میں لاتے جا رہے ہیں۔

میں بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس حد تک اٹھنے بیٹھنے کے قابل تھا کہ نماز پڑھ سکتا تھا۔ کسی سہارے کے بغیر کچن اور ٹوائلٹ جا سکتا تھا۔ میں نے ظہر کی نماز ادا کی۔ سونیا کے لیے دعا مانگی کہ اسے جہاں بھی قید کیا گیا ہے وہاں سے رہائی مل جائے اور ایشورارا تک پہنچنے کی کوئی صورت نکل آئے۔

ایک صحت مند انسان کو بیماری کیسے گرا دیتی ہے۔ یہ اپنے حالات سے معلوم ہو رہا تھا۔ میں نماز پڑھنے کے بعد تھک گیا۔ تھوڑی دیر جائے نماز پر بیٹھا ہانپتا رہا۔ دیکھا جائے تو پچھلے ستر برس سے دوڑتا آ رہا تھا۔ کیسی عجیب سی بات ہے۔ جوانی موج مستی میں نہیں تھکاتی' بڑھاپا سجدے میں تھکا دیتا ہے۔

میں بستر پر آ کر لیٹ گیا۔ ایسے وقت کبریا کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میں دیکھ رہا ہوں آپ بہت کمزوری محسوس کر رہے ہیں۔ صبح تو آپ توانائی محسوس

کر رہے تھے اور خیال خوانی کرنا چاہتے تھے؟''

میں نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔ ''ہاں مگر نہ کر سکا۔ طبیعت سنبھلتی ہے پھر بگڑ جاتی ہے۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ تنویمی عمل کے ذریعے میرے دماغ میں کم از کم اتنی توانائی پیدا کردو کہ تھوڑی دیر تک خیال خوانی کرسکوں۔''

''پاپا! آپ کے تمام کام میں کررہا ہوں۔ سب ہی یہ سمجھ رہے ہیں کہ آپ تندرست اور توانا ہیں اور دشمنوں کے دماغوں میں وندناتے پھررہے ہیں۔ مما نے بھی آپ کو خیال خوانی سے منع کیا ہے۔ جسمانی اور دماغی طور پر آرام کرنا ہی آپ کے لیے بہتر ہوگا۔''

''میں صبح سے شام اور شام سے صبح تک آرام کرتا رہتا ہوں۔ تنہا در و دیوار کو تکتا رہتا ہوں۔ طبیعت گھبراتی ہے تو دل بہلانے کے لیے کوئی تو شغل ہونا چاہیے۔ ذرا سی توانائی ملے گی تو میں دشمنوں سے رابطہ نہیں کروں گا۔ بس یونہی خیال خوانی کے ذریعے خود کو بہلاتا رہوں گا۔''

''آپ بیماری اور تنہائی سے گھبرا کر صرف اپنے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ میری مما کے بارے میں کچھ نہیں پوچھ رہے ہیں۔''

''تھوڑی دیر پہلے اعلیٰ حضرت آئے تھے۔ تمہیں تو پتا ہے کہ وہ واضح الفاظ میں یہ نہیں بتاتے کہ جو ہو رہا ہے وہ کیوں ہو رہا ہے اور آئندہ کیا ہونے والا ہے؟''

''انہوں نے مما کے متعلق کیا بتایا ہے؟''

''کہہ رہا ہوں ناں .... وہ کھل کر کچھ نہیں بتاتے۔ انہوں نے اشارتاً کہا ہے کہ وہ قدرتی حالات کے مطابق ایشورارا تک پہنچیں گی۔''

''خدا کا شکر ہے اس سیارے والے منحوس کو مما ہی مات دیں گی۔''

''کیا تمہیں اپنی ماں کا سراغ مل رہا ہے؟''

''جی ہاں۔ کسی حد تک معلوم ہوا ہے کہ انہیں کسی ایسے وسیع و عریض کمرے میں رکھا گیا ہے جو اہرام مصر کی طرح تکون ہے۔''

''یعنی اس کمرے میں چار نہیں تین دیواریں ہیں؟''

''جی ہاں۔ سیدھی چھت نہیں ہے۔ وہ تین دیواریں اوپر کی سمت جاکر مل گئی ہیں۔ ان دیواروں میں نہ کھڑکیاں ہیں نہ دروازے ہیں۔ اس کے باوجود گھٹن اور حبس نہیں ہے۔''

''کوئی چور دروازہ ضرور ہوگا۔ ایشورارا تمہاری ماں سے اس قدر خوفزدہ ہے کہ قیدی بنا کر بھی سامنے نہیں آرہا ہوگا۔ وہ ایک مدت سے خوفزدہ ہے کہ کہیں تمہاری ماں اس کی شہ رگ تک نہ پہنچ جائے۔ اس لیے اس تکون قید خانے میں دروازہ ہی نہیں رکھا ہے اور جو چور دروازہ ہے وہ نظر نہیں آتا ہوگا۔''

کبریا نے حلالہ کے متعلق بتایا کہ ایشورارا نے درجنوں حسین عورتوں کو حلالہ کی ہم شکل بنایا ہے۔ ان عورتوں کے ذریعے ایک نئے دین کا پرچار کررہا ہے اور ایسی ہی ایک حلالہ کبریا کو ٹریپ کرنے آئی تھی لیکن بازی الٹ گئی۔ سونیا نے اسے زخمی کیا تھا۔ یوں کبریا کو اس کے دماغ میں پہنچنے کا موقع مل گیا تھا۔

میں نے پوچھا۔ ''کیا تم اس حلالہ کے ذریعے اپنی مما تک پہنچ سکو گے؟''

''کوئی ایسی صورت نظر نہیں آرہی ہے۔ ایشورارا نے اپنی اس آلۂ کار کو غائب دماغ بنا کر تکون کمرے میں پہنچایا ہوگا۔ وہ نہیں جانتی کہ اس کمرے میں مما کے پاس کیسے پہنچ گئی تھی۔ اس نے بھی وہاں کوئی کھڑکی دروازہ نہیں دیکھا تھا۔''

''اس کا مطلب ہے وہ تمہاری رہنمائی نہیں کرسکے گی اور ایشورارا اس زخمی حلالہ کو استعمال نہیں کرے گا۔''

''جی ہاں۔ وہ میرے کسی کام نہیں آئے گی۔ میں دن میں ایک آدھ بار مما کے دماغ میں جانے کی کوشش کرتا رہتا ہوں مگر نہ ان کا دماغ ملتا ہے نہ سوچ کی لہریں ملتی ہیں۔ دل کہتا ہے کوشش جاری رکھوں۔ کبھی اتفاق سے ان کے اندر جگہ مل سکے گی۔''

''ہاں کوشش کرتے رہو۔ ابھی مجھ پر عمل کرو۔ تنویمی عمل کے ذریعے اتنی توانائی ملے کہ ایک آدھ گھنٹے کے وقفے سے کم از کم دس پندرہ منٹ تک خیال خوانی کرسکوں۔''

اس نے عمل کیا۔ میں اپنی مرضی سے اس کے زیر اثر آ گیا۔ یہ دل سے چاہتا تھا کہ کسی حد تک توانائی حاصل ہو جائے اور یہ ہپناٹزم کے ذریعے ممکن تھا۔ اس علم کے ذریعے کسی بھی بیمار کے ذہن سے کمزوری کے احساسات کم سے کم کردیے جاتے ہیں۔ یوں اس کے اندر حوصلہ اور اعتماد پیدا کیا جاتا ہے۔ اس نے میرے ذہن میں یہ بات نقش کی کہ میں کمزوری کے احساسات کو غالب نہ آنے دوں۔ خیال خوانی کی حد تک دس بارہ منٹ سے زیادہ کسی کے اندر نہ رہوں۔ اس شغل کے تقریباً دو گھنٹے بعد پھر مختصری خیال خوانی کرسکوں اور یہ کہ میں خود کو زیادہ نہ تھکاؤں۔ تھکن محسوس کرتے ہی دماغی طور پر حاضر ہوجایا کروں۔

پھر وہ مجھے تنویمی نیند سونے کے لیے چھوڑ کر چلا گیا۔ میں تقریباً تین گھنٹے تک گہری نیند میں رہا۔ ایسے وقت میں نے سونیا کو دیکھا۔ وہ دروازہ کھول کر کمرے میں



[illegible] مسکرا کر بولی۔ ''کیسے ہو؟''

میں نے کہا۔ ''خود ہی دیکھو اور سمجھو کس حال میں ہوں؟ ہمیشہ میدانِ عمل میں زندگی گزارنے والا بستر پر باقی [illegible] لے رہا ہے۔''

وہ بولی۔ ''ایسا ہر ذی روح کے ساتھ ہوتا ہے۔ عمر کے [illegible]ری حصے میں بڑھاپا بیماری کمزوری اور مایوسیاں غالب [illegible]ہاتی ہیں۔ بہت کم لوگ تندرست اور توانا رہ کر دنیا سے [illegible]تے ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''میں صحت مند نہیں رہا اس کے باوجود [illegible] مسکراتا جاؤں گا۔ تم اپنی بات کرو ایسے وقت میرا ساتھ [illegible] چھوڑنا چاہیے۔ تم کہاں چلی گئی تھیں؟''

''میں بھی اپنے حالات سے مجبور ہوں۔ تم بیماری اور [illegible]کمزوری سے لڑ رہے ہو۔ میں دشمنوں سے نمٹ رہی ہوں۔ میں نے کبھی بُرے وقت میں تمہارا ساتھ نہیں [illegible]۔ اطمینان رکھو میں آؤں گی۔ جلد ہی آؤں گی۔''

وہ اچانک ہی گم ہوگئی۔ میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے [illegible] گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھا۔ کمرا اس کے وجود سے خالی تھا۔ وہ [illegible] تھی پھر بھی یوں لگ رہا تھا میرے چاروں طرف [illegible] اسے خواب میں دیکھنے کے بعد اب تک اس کی قربت [illegible]وس کررہا تھا۔

میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بستر سے اُتر کر واش روم میں گیا پھر [illegible] ہاتھ دھو کر کچن میں آکر فریج کو کھولا۔ وہاں پھلوں کا جوس [illegible]ہوا تھا۔ میں نے آرام سے بیٹھ کر ایک گلاس پیا۔ ایسے [illegible] سوچتا رہا کیا ابھی خیال خوانی کی پرواز کرسکوں گا؟

میں اس کمرے میں آکر ایک ایزی چیئر پر بیٹھ گیا' [illegible]س کی کھڑکی شمال کی جانب کھلتی تھی۔ وہ کھلی ہوئی تھی۔ میں [illegible] آنکھیں بند کرکے محسوس کیا' مقناطیسی لہریں آرہی تھیں اور [illegible]رے دماغ کو چھو رہی تھیں۔ میں دوسرے ہی لمحے میں اپنی [illegible] الوشے کے پاس پہنچ گیا۔ ''ہائے دادا کی جان!....''

وہ چونک کر بولی۔ ''اوہ خدایا! آپ خیال خوانی کر [illegible] ہیں؟ فوراً واپس جائیں میں آرہی ہوں۔''

میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہوگیا۔ میرے ذہن [illegible] بات تھی کہ اپنا ایک اہم کام صرف اپنی پوتی سے ہی [illegible] سکتا ہوں۔ وہ آتے ہی بولی۔ ''گرینڈ پا! آپ کے اعصاب کمزور ہوچکے ہیں۔ پہلے جیسی دماغی توانائی بھی نہیں [illegible] ہے۔ تعجب ہے آپ نے خیال خوانی کی پرواز کیسے کی؟''

میں نے کہا۔ ''کبریا نے تنویمی عمل کے ذریعے تھوڑی [illegible] توانائی پیدا کی ہے۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے۔ میں چار دیواری سے باہر نہیں جاسکتا۔ خیال خوانی کے ذریعے تو جانے دو۔''

اس نے کہا۔ ''آپ شغل کے طور پر کبھی کبھی خیال خوانی سے دل بہلانا چاہتے ہیں مگر وعدہ کریں چند منٹوں سے زیادہ ٹیلی پیتھی کو کھیل نہیں بنائیں گے۔ کبھی دل چاہے گا تو دو چار گھنٹوں کے بعد آپ خیال خوانی کریں گے۔''

''اگر تم میرا ایک کام کروگی تو وعدہ کرتا ہوں خیال خوانی بھول جاؤں گا۔''

''ہوں۔ آپ مجھ سے کوئی کام لینا چاہتے ہیں؟''

''ہاں۔ مگر تم نہیں کروگی۔''

''کیوں نہیں کروں گی؟''

''اعلیٰ حضرت نے پابندیاں عائد کی ہیں۔ ان کے مطابق صرف کبریا آتا ہے۔ باقی تم سب نے ایسے بھلا دیا جیسے میں پھٹا ہوا لباس ہوں۔ اب کوئی رشتہ مجھے نہیں پہنے گا۔''

''پلیز گرینڈ پا! آپ ایسے الفاظ استعمال نہ کریں۔ آپ ہمارا ایسا فخریہ لباس ہیں کہ ہماری آخری سانسوں تک ہمارے وجود کو ڈھانپتے رہیں گے۔ آپ کی آئندہ نسلیں قیامت تک آپ کی غیر معمولی شہرت اور نیک نامی کو اوڑھتی رہیں گی۔''

وہ ذرا چپ رہی پھر بولی۔ ''اعلیٰ حضرت نے ہمیں آپ کے پاس آنے سے اور گرینڈ مما کے دماغ میں جانے سے روک دیا ہے۔ ہمیں اس بات سے تکلیف ہوئی تھی مگر ہم جانتے ہیں کہ وہ ہماری بہتری کے لیے ایسا کررہے ہیں۔''

''ابھی کیسے آگئیں جب کہ پابندیاں ہیں؟''

''صرف میں نہیں آئی ہوں۔ آج اعلیٰ حضرت بھی آپ کے اندر آئے تھے۔''

''ہاں۔ توقع نہیں تھی۔ اچانک ہی آگئے تھے۔''

اس لیے کہ وہ پابندیاں ختم کررہے ہیں۔ شاید حالات رخ بدل رہے ہیں۔ قدرت کی منشا کے مطابق جو ہونا ہے اب وہی ہوگا۔''

''اس کا مطلب ہے کہ اب تم پابند نہیں ہو میرا کام کرسکتی ہو؟ میری خاطر سونیا کے دماغی دروازے کھول سکتی ہو؟''

''دروازے کھل جائیں گے۔ مجھے کچھ نہیں کرنا ہوگا۔ اعلیٰ حضرت ہم سے بہتر جانتے ہیں کہ کسے کس وقت کیا کرنا ہے۔ اتنا کہتی ہوں کہ آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔''

''تمہاری باتوں سے اطمینان حاصل ہو رہا ہے۔ ٹھیک ہے دادا کی جان! اب تم جاسکتی ہو۔''

''ویل گرینڈ پا! خدا حافظ....''

وہ چلی گئی۔ مجھے سونیا تک پہنچنے کی بے چینی تھی۔ میں

چند لمحات تک بستر پر چپ چاپ پڑا چھت کو تکتا رہا۔ اللہ تعالیٰ سے اس کی بہتری کے لیے دعائیں مانگتا رہا پھر بسم اللہ کہہ کر خیال خوانی کی پرواز کی تو خوشی کی انتہا نہ رہی۔

وہ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی خلا میں تک رہی تھی۔ انتظار کر رہی تھی پھر بولی۔ ''ایشورارا! خاموش کیوں ہو؟ جب بھی آتے ہو میرے چور خیالات پڑھتے ہو۔ تمہیں یقین ہے کہ یوں چور خیالات پڑھتے ہوئے فرہاد تک پہنچ جاؤ گے؟''

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''میری جان! میں تمہارا فرہاد ہوں۔''

وہ حیرانی اور بے یقینی سے بولی۔ ''میرا دماغ اپنے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی طرف سے مقفل ہو چکا ہے۔ تم کیسے آگئے؟ کیا تم فرہاد کے لب و لہجے میں بول کر دھوکا دے رہے ہو؟''

''مجھ پر شبہ نہ کرو۔ اعلیٰ حضرت نے پابندیاں اٹھالی ہیں۔ میں کبریا سے کہوں گا اب وہ بھی تمہارے اندر آسکے گا۔''

''نہیں۔ میں ایسی باتوں میں نہیں آؤں گی۔ اپنے فرہاد ہونے کا ثبوت دو۔''

''بڑی مشکل ہے۔ دس بارہ منٹ سے زیادہ خیال خوانی نہیں کرسکوں گا۔ خود کو فرہاد ثابت کرنے میں ہی وقت گزر جائے گا۔''

پھر میں نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''ہاں... ابھی ثابت کر رہا ہوں۔ ایشورارا نہیں جانتا کہ میں کہاں ہوں؟ تم جانتی ہو میں شاہدرہ والے مکان میں ہوں۔ اس مکان میں تین کمرے اور ایک صحن ہے۔ میں شمال کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے سامنے بیٹھا تمہارے پاس پہنچ گیا ہوں۔''

وہ بولی۔ ''اب یقین ہو رہا ہے۔ یا خدا! ابھی تمہاری آواز سن کر مجھے کتنی خوشی....''

بات ادھوری رہ گئی۔ میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ وہ بھرپور مسرتوں کا اظہار کر رہی تھی۔ ایسے ہی لمحات میں اچانک رابطہ ختم ہو گیا تھا۔ میں نے پھر اس کے پاس پہنچنا چاہا مگر خیال خوانی کا پرندہ پر سمیٹ کر بیٹھ گیا۔ پر نہیں مار رہا تھا۔ پرواز نہیں کر رہا تھا۔ بارہ منٹ گزر چکے تھے۔

آہ....! معشوق بلندی پر تھی۔ میں وہاں تک پہنچ گیا تھا۔ موجودہ حالات پر اہم باتیں ہونے والی تھیں۔ وہ خوش ہو رہی تھی۔ ایسے ہی وقت کہتے ہیں۔

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

ملتے ملتے بچھڑ جانے کی تکلیف کیسی ہوتی ہے یہ میں سمجھ رہا تھا۔ اب دو چار گھنٹوں کے بعد ہی اس کے پاس جا سکتا تھا۔ یا خدا...! میں کس قدر مجبور ہو گیا ہوں؟

اس وقت بہت زیادہ کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ مجھے منع کیا جاتا ہے کہ خیال خوانی نہ کروں۔ دماغ اور تھکے گا کمزوری اور بڑھے گی۔ ابھی خیال خوانی کے بعد ایسی ہی تھکن اور کمزوری برداشت کر رہا تھا۔

میں ایسے وقت فون کے ذریعے ڈاکٹر کو کال کرتا تھا۔ سرہانے فون رکھا ہوا تھا۔ میں نے چاہا کروٹ بدل کر اسے اٹھاؤں مگر اس سے پہلے ہی سر چکرانے لگا۔ تھوڑی دیر تک ساکت رہ گیا۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا کہ ڈاکٹر کو بلانے کے قابل نہ رہوں مگر اب ایسا ہو رہا تھا۔ میں فون کی طرف کروٹ نہ لے سکا۔ ہمیشہ شہ زور بن کر رہنے والے کو کمزوری گراں گزر رہی تھی۔

میں کیا کروں؟ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا تھا؟ ایسی کمزوری غالب آئی تھی کہ میں فون کی طرف ہاتھ نہیں بڑھا سکتا تھا۔

میں کیا سمجھوں؟ کیا جسمانی قوت جواب دے رہی ہے...؟ کیا میں ہل جل نہیں سکوں گا؟ منہ پھیرنے والی زندگی کو پکڑ نہیں پاؤں گا...؟

اچانک ہی میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ دن کا وقت تھا۔ میں اجالے کی ہلکی سی رمق دیکھنا چاہتا تھا مگر آنکھیں بند ہو گئیں۔ میں تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

میرے حالات درسِ عبرت ہیں۔ میں وہ فاتح اعظم تھا جو دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک انسانی دماغوں کو تسخیر کرتا چلا جاتا تھا۔ جسمانی قوت سے بڑے بڑے شہ زوروں کو پچھاڑ دیا کرتا تھا۔ ایسے وقت میں تو کیا دنیا کا کوئی بھی طاقتور یہ نہیں سوچتا بلکہ یقین نہیں کرتا کہ وہ کمزور بھی ہو گا۔

ایسا ہوتا ہے۔ کمال حاصل کرنے والے زوال کو بھول جاتے ہیں۔ ابھی ان لمحات میں دنیا کے تمام طاقتوروں سے کہا جائے کہ بیماری اور بڑھاپا تمہیں پہنچنے والا ہے اور بڑھاپے سے پہلے بھی قدرتی حالات تمہیں اس قدر کمزور بنانے والے ہیں کہ تم ایک فون تو کیا ایک تنکا بھی اٹھانے کے قابل نہیں رہو گے۔ تو وہ طاقت کے نشے میں کبھی یقین نہیں کریں گے۔

ہم بہت کچھ حاصل کرتے ہیں مگر دوسروں کے زوال سے عبرت حاصل نہیں کرتے.... ہے کوئی جو میرے حالات سے عبرت حاصل کرے؟

ٹیلی پیتھی کے فسوں کار فرہاد علی تیمور کی اس مقبول عام سرگزشت کے مزید واقعات آئندہ شمارے میں پڑھیے

سسپنس کا مقبول عام سلسلہ جو تین سو زائد ماہ سے جاری ہے
فرہاد علی تیمور
دیوتا
ہنگاموں
رنگینیوں
اور تحیر کے اُس
بے تاج بادشاہ کی
سحر انگیز کہانی جس نے
اپنی بھرپور زندگی میں کبھی
شکست کا ذائقہ نہیں چکھا وہ جب
اور جس کے ذہن میں چاہتا جھانک لیتا
اور یہی اس کا مُہلک ترین ہتھیار تھا۔ دو نسلوں
پر محیط وہ طلسم ہوش رُبا جسے قارئین کی
دوسری نسل بھی بہت شوق سے پڑھ رہی ہے۔ اپنے
اور مُلک و قوم کے دشمنوں کو خیال خوانی کے نرم و نازک
ہتھیار سے خاک و خون میں نہلا دینے والے فرہاد علی
تیمور کی لازوال اور بے مثال داستانِ عبرت جس میں وہ لہو
کے سارے رشتوں کے ساتھ حریفوں سے برسرِ پیکار ہے۔
اردو زبان کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا طویل ترین سلسلہ

ایک طرف وہ آفاقی دشمن تھا اور دوسری طرف خلائی آفات قیامتِ صغریٰ بن کر ٹوٹنے والی تھیں۔ بابا صاحب کے ادارے کے محققین نے بتایا تھا کہ خلائی آفتوں سے نمٹنے کے لیے دنیا بھر کے ماہرینِ فلکیات یکجا ہو رہے ہیں۔ گرینڈ میٹنگز منعقد کی جا رہی ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے حقائق تک پہنچنے اور ان کا سدباب کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔

ان گرینڈ میٹنگز کے جو بھی نتائج پیش آنے والے تھے، ادارے کے محققین مجھے اُن سے مطلع کرتے رہتے تھے۔ کبریا ہر معاملے میں میرا رول پلے کر رہا تھا۔ لہٰذا جب ادارے کے ایک محقق نے مجھ سے رابطہ کیا تو اسے معلوم نہ ہو سکا کہ کبریا سے مخاطب ہو رہا ہے۔ اس نے کہا۔ ”سر! ایک خوشخبری ہے۔“

کبریا نے پوچھا۔ ”کیا خلائی آفات ٹل گئی ہیں؟“

”فی الحال یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ٹل رہی ہیں۔ خطرات ستر فیصد ختم ہو چکے ہیں۔ اب سے پہلے جو تحقیق کی گئی تھی، اس سے ثابت ہوا تھا کہ سورج سے نکلنے والی شعاعوں کے منفی اثرات کو اور باردار ذرات کو زمین کی سطح تک پہنچنے سے روکنے کا قدرتی طریقۂ کار ہے۔ ہماری فضا اور زمین کے گرد جو ایک حفاظتی مقناطیسی میدان یا دیوار ہے، وہ ابھی اس حد تک ناکارہ نہیں ہوئی ہے کہ تیز باردار ذرات کو زمین کی سطح تک پہنچنے سے روک نہ سکے۔ لہٰذا اسی تحقیق کو مرکز بناتے ہوئے مزید تحقیقات کی گئیں۔ نتائج امید افزا ہیں۔ ہماری زمین کو جو تیس فیصد خطرہ ہے، اس میں بھی کمی آ رہی ہے۔“

کبریا نے پوچھا۔ ”اگر ایک فیصد خطرہ بھی باقی رہا تو زمین کا کون سا حصہ زیادہ متاثر ہوگا؟“

”کوئی خاص حصہ متاثر نہیں ہوگا۔ بلکہ ہمیشہ کی طرح خلائی تبدیلی کے اثرات یہاں کے موسمی حالات پر اثر انداز ہوں گے۔ اس کے باوجود دنیا بھر کے خلائی تحقیق کے ادارے کسی بھی ناگہانی آفت سے نمٹنے کے لیے اپنے اپنے طور پر الرٹ ہیں اور نت نئی تحقیقات کر رہے ہیں۔“

یہ واقعی دنیا کے سب ہی لوگوں کے لیے بہت بڑی خوشخبری تھی۔ قیامت آتے آتے ٹلنے والی تھی۔ اگرچہ اب دنیا بھر کے موسمی حالات میں غیر معمولی تبدیلیاں رونما ہو سکتی تھیں، پھر بھی ایک بہت بڑے خطرے سے نجات مل رہی تھی۔

خلائی تحقیقات کے حوصلہ افزا نتائج سامنے آتے ہی بابا صاحب کے ادارے میں سیکڑوں سر سجدۂ شکر میں جھک گئے۔ نفلی عبادتوں کا ایک ایمان پرور سلسلہ شروع ہو گیا۔

ارضی دنیا پر منڈلانے والی قیامتِ صغریٰ قدرتی طور پر ٹل گئی تھی۔ اب کبریا کے آگے دشمن اکابرین تو تھے ہی مگر ا[illegible] سے زیادہ آفاقی دشمن چیلنج بنے ہوئے تھے۔ اس نے پہلی ا[illegible] میری جگہ لے کر بہت بڑی ذمہ داری قبول کی تھی۔

☆☆☆

میں تھوڑی دیر پہلے سونیا کے دماغ میں پہنچ کر [illegible] خوشخبری سنا رہا تھا کہ اب اس کا دماغ مقفل نہیں رہے گا [illegible] آئندہ کبریا بھی اس کے پاس آئے گا۔ وہ اپنی خوشی کا اظہا[ر] کر رہی تھی۔ ایسے ہی وقت میری دماغی توانائی جواب د[ے] گئی تھی۔ میں اس سے کچھ کہے سنے بغیر بچھڑ گیا تھا۔

اُدھر وہ الجھ کر رہ گئی کہ میں نے کیوں اچانک رابطہ [ختم] کر دیا ہے؟ کیا اچانک ہی کوئی دشمن میرے مقابل چلا آ[یا] ہے؟ ایسا ممکن تھا، جیسے وہ اچانک ہی ایشورارا کی گرفت میں آ گئی تھی۔ میں بھی آ سکتا تھا۔

میرے موجودہ حالات کے پیشِ نظر ایک معمولی [illegible] دشمن بھی مجھے اپنے زیرِ اثر لا سکتا تھا۔ وہ ایسی باتیں سو[چتے] ہوئے جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ اس تکون کمرے میں ا[یسی] بندھی ہوئی تھی کہ کسی بھی طرح میری خیریت معلوم نہیں کر سکتی تھی۔

وہ سر جھکا کر سوچنے لگی۔ دل کہہ رہا تھا۔ ”کوئی دشم[ن] شاہدرہ والے مکان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا ہے۔ ک[وئی] وہاں نہیں پہنچے گا۔ میں خوامخواہ اندیشوں میں مبتلا ہو رہی ہوں۔“

پھر وہ سوچنے لگی۔ ”فرہاد کی سوچ کی لہریں بہت کمزور تھیں۔ صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ اور زیادہ بیمار اور کمزور ہو گ[یا] ہے۔ یا خدا! وہ بالکل تنہا ہوگا۔ کیسے دن گزار رہا ہوگا؟ ک[یا] ڈاکٹرز اسے اٹینڈ کرتے ہوں گے؟ کیا اسے وقت پر کھانا ا[ور] دوائیں مل رہی ہوں گی؟“

اس نے میری بیمار اور لرزتی ہوئی نحیف آواز [سنی] تھی۔ اب اس کا دل تڑپ رہا تھا۔ وہ ایسے تن گئی تھی، جیسے ا[ڑ] کر میرے پاس پہنچ جائے گی۔ اسے وہاں سے نکلنے کی بے چینی اس لیے بھی تھی کہ دماغ کے دروازے کھل [گئے] تھے۔ امید تھی کہ ابھی کبریا یا اپنا کوئی بھی ٹیلی پیتھی جاننے والا اس کے پاس آئے گا اسے باہر کی اہم معلومات فراہم کرے گا اور وہ اپنے طور پر دشمنوں سے نمٹ سکے گی۔

پہلے اس کا دماغ جکڑا ہوا تھا۔ اب وہ ایسی جکڑ بندی میں نہیں تھی۔ اس کے اندر جیسے پرواز کے لیے ایندھن بھر گ[یا] تھا۔ وہ چاروں طرف گھوم گھوم کر سہ طرفہ دیواروں کو گھورنے لگی۔ ”کہاں ہے دروازہ.....؟“

اس نے ایک دیوار کو فلائنگ کک ماری پھر اُ[لٹی ق]لابازی کھا کر فرش پر کھڑی ہو گئی۔ شکنجے میں آنے والی [ای]ک بلا دماغی طور پر آزاد ہو گئی تھی۔ اب تک دنیا کی بڑی [سے بڑ]ی رکاوٹیں اس کا راستہ کبھی نہ روک سکیں۔ وہ تین [دیوار]یں اسے کیا روک سکتی تھیں۔

اس نے اب سے پہلے ان دیواروں کو اچھی طرح [ٹٹول] کر دیکھا تھا۔ وہاں کوئی ایسا چھوٹا بڑا آلہ، کوئی ایسا [نظا]م نہیں تھا۔ ہوتا تو چور دروازہ وہیں ہوتا۔ اسے مایوسی [ہوئی تھ]ی۔

وہ ایک جگہ رک کر فرش کو دور تک دیکھنے اور سوچنے [لگ]ی۔ اس نے فرش پر بھی اچھی طرح ہاتھ پاؤں مار کر کان لگا [کر یہ] جاننے کی کوشش کی تھی کہ نیچے تہ خانے یا چور دروازے کا [پتا] ہے یا نہیں؟

نہیں..... کہیں فرش کے نیچے نہ خلا تھا نہ ہی ایک چیونٹی [کی] آمد و رفت کا کوئی راستہ دکھائی دے رہا تھا۔ یہ حیران [کر د]ینے والی بات تھی۔ عقل تھک کر یہ سوچ سکتی تھی کہ اسے [جاد]و کے ذریعے اس تکون کمرے میں پہنچایا گیا ہے۔

اور سونیا کی عقل یہ تسلیم نہیں کر سکتی تھی۔ وہ سر جھکا کر [ٹہ]ل پر ٹہلنے لگی۔ سوچنے لگی۔ ”ٹیلی پیتھی ایک جادو ہے۔ [میر]ے دماغ پر ایشورارا کا قبضہ تھا شاید ابھی نہیں ہے۔ وہ اب تک مجھے بھٹکا رہا تھا۔ خیال خوانی کے ذریعے مجھے چور [درو]ازے تک پہنچنے نہیں دے رہا تھا۔“

وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر سوچنے لگی۔ ”اب کیا صورت ہے؟ کیا اب بھی میرا دماغ اس کے زیرِ اثر ہے؟“

وہ فرش پر بیٹھ گئی پھر لیٹ گئی۔ جہاں تک نظر جا رہی تھی، [و]ہاں تک دیکھ رہی تھی۔ کمرے میں ایسا کوئی بڑا اور بھاری [سامان] نہیں رکھا تھا جس کے نیچے چور دروازہ چھپا ہوا ہو۔

کوئی بڑا اور بھاری سامان.....؟

ایکدم سے دماغ میں روشنی کا جھماکا سا ہوا۔ اس نے [بیڈ کی] طرف دیکھا۔ سوال پیدا ہوا کہ اب تک پورے کمرے [کو دی]کھتی رہی اور بیڈ کے نیچے کیوں نہیں گئی؟

سیدھی سی بات سمجھ میں آ گئی کہ ایشورارا نے جانے ہی [نہیں د]یا۔ وہ اس کے دماغ کو اپنی مٹھی میں رکھتا تھا۔ اسے [بیڈ کے] نچلے حصے کی طرف جانے نہیں دیتا تھا۔ اس لیے وہ [پور]ے کمرے کو دیکھتی تھی مگر بیڈ کو دیکھنے کے باوجود یہ بات [سمجھ] میں نہیں آتی تھی کہ نیچے جا کر بھی دیکھنا چاہیے۔

وہ فرش پر لڑھکتی ہوئی بستر کے پاس آ گئی۔ اوپر بچھی [ہوئ]ی بیڈ شیٹ نیچے فرش تک گئی تھی۔ اس لیے نچلا حصہ چھپ گیا [تھا۔] اس نے چادر اٹھائی تو گویا پردہ اٹھ گیا۔

وہاں ایک چھوٹا سا چبوترا بنا ہوا تھا۔ جبکہ بیڈ کے نیچے ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ یہ اندازہ ہو گیا کہ وہی چور دروازہ ہے۔ وہ فرش پر کھسکتی ہوئی قریب آئی۔ چبوترے کی اوپری سطح پر ایک چرخی لگی ہوئی تھی۔ وہی چرخی کھل جا سم سم کہتی ہوگی۔

سونیا نے اسے پکڑ کر ایک طرف گھمایا پھر دوسری طرف گھمایا تو وہ گھوم گئی۔ اس کے ساتھ ہی وہ چبوترا ایک سمت کھسکنے لگا۔ اس کی جگہ خلا پیدا ہونے لگا۔ اس نے آگے کو جھک کر دیکھا تو زیرو پاور کی روشنی میں نیچے جانے والی سیڑھی دکھائی دے رہی تھی۔

اس کے دل میں جیسے ٹھنڈک سی بھر گئی۔ رہائی پانے کا راستہ مل گیا تھا۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا پھر بسم اللہ پڑھ کر سیڑھی پر آ گئی۔ وہاں سے نیچے جانے لگی۔ ادھر تہ خانہ نہیں تھا۔ آگے ایک کشادہ سی سرنگ کسی سمت جا رہی تھی۔ پتا نہیں کہاں جا رہی تھی؟ اسے جانا تو تھا ہی، وہ چل پڑی۔

یہاں تک کامیابی حاصل کرتے ہوئے یہ یقین ہو گیا کہ وہ ایشورارا کے تنویمی عمل سے نجات حاصل کر چکی ہے۔ اب اسے جلد سے جلد وہاں سے دور نکل جانا چاہیے۔ سرنگ زیادہ طویل نہیں تھی۔ وہ تقریباً سو گز کے فاصلے پر ختم ہو گئی۔

جہاں اختتام ہوا وہاں سے ایک سیڑھی اوپر تک گئی تھی۔ چھت پر ویسے ہی چبوترے کے برابر خلا نظر آ رہا تھا۔ اس نے سیڑھی کے چند پائیدان پر چڑھتے ہوئے دیکھا۔ اوپر بلب کی روشنی تھی۔ یعنی وہ سرنگ اسے ایک تکون کمرے سے نکال کر کسی دوسرے مکان میں پہنچا رہی تھی۔

یہ بات ایک موٹی سی عقل میں بھی آ سکتی تھی کہ وہ مکان خالی نہیں ہوگا۔ سیارے سے آنے والے وہاں ضرور رہتے ہوں گے۔ ان کے پاس اسلحہ اور غیر معمولی مشینیں ہوں گی۔ پتا نہیں وہ کتنی تعداد میں ہوں گے؟

اس سے خوفزدہ رہنے والے ایشورارا نے یہ سوچا ہوگا کہ سونیا کسی طرح تکون کمرے سے فرار ہوگی تو اس سرنگ سے ہی گزرے گی۔ لہٰذا اسے روکنے کے لیے بڑے سخت انتظامات کیے گئے ہوں گے۔ وہ دبے قدموں ایک ایک پائیدان پر چڑھتی ہوئی سرنگ کی چھت تک آ گئی۔

وہ چھت دوسرے مکان کا فرش تھی۔ اس نے فرش کے خلا سے سر ابھار کر دیکھا۔ وہ ایک کوریڈور میں پہنچ رہی تھی۔ وہاں خاموشی اور ویرانی تھی، جیسے وہ مکان غیر آباد ہو۔ وہ سرنگ سے نکل کر کوریڈور میں آ گئی۔ دبے قدموں چلتی ہوئی ایک کمرے کے دروازے پر پہنچ گئی۔

دروازہ بند تھا۔ کھڑکی بھی بند تھی۔ اس نے جھک کر کی ہول سے آنکھ لگا کر دیکھا۔ دروازے سے کچھ فاصلے پر ایک عورت کا جسم دکھائی دیا۔ وہ ایک مرد کی آغوش میں تھی۔ دھیمی دھیمی موسیقی کی دھن میں وہ دونوں متحرک رہے تھے۔

سونیا نے سیدھے ہو کر دروازے کو دیکھا کچھ سوچا پھر اسے باہر سے بند کرکے آگے بڑھ گئی۔ آگے کوریڈور کے موڑ پر دوسرا کمرا تھا۔ اس نے کھڑکی کے پاس جا کر دیکھا۔ اندر ایک شخص کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ دوسرا بیڈ پر نیم دراز تھا۔ ایک کا سر جھکا ہوا تھا، دوسرا خلا میں تک رہا تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ دونوں ہی خیال خوانی میں مصروف ہیں۔

اس کی غیر معمولی سونگھنے کی حس نے بتا دیا کہ وہاں سیارے سے آنے والے لوگ ہیں۔ وہ اس دروازے کو بھی باہر سے بند کرکے دبے قدموں آگے بڑھ گئی۔ اس مکان میں چار کمرے تھے۔ ایک کمرا خالی تھا۔ چوتھے کمرے میں سیارے سے لائی جانے والی غیر معمولی مشینیں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک دیوار پر بہت بڑی ٹی وی اسکرین تھی۔ ایک شخص کمپیوٹر کو آپریٹ کر رہا تھا اور اسکرین پر نظر آنے والے شخص سے کچھ بول رہا تھا۔

سونیا کو یہ علم ہو گیا کہ اس مکان میں ایک عورت اور چار مرد ہیں۔ وہ ان سب سے نمٹنے کے لیے اس عورت کو تین مردوں سمیت دو کمروں میں بند کر چکی تھی۔ باقی چوتھا شخص مشینوں کے درمیان اپنے کسی معاملے میں مصروف تھا۔ وہ دروازہ کھول کر کمرے میں آ گئی۔

وہ اپنے کام میں اس قدر منہمک تھا کہ دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی ہلکی سی آواز نہ سن سکا۔ جو شخص اسکرین پر نظر آ رہا تھا وہ کہیں دور کسی دوسری چار دیواری میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنی مشین کی اسکرین پر سونیا کو دیکھتے ہی چیخ کر کہا۔ "منڈیلا... ہوشیار... یہ یہاں کیسے آ گئی؟"

منڈیلا فوراً ہی سونیا کی طرف پلٹا مگر اسے دیکھ نہ سکا۔ اسی لمحے میں آنکھوں کے سامنے بجلی سی کوند گئی۔ سونیا نے گھوم کر منہ پر لات ماری تھی۔ وہ پیچھے جا کر مشین سے ٹکرا کر فرش پر گر پڑا۔ اسکرین پر نظر آنے والے نے کہا۔ "سونیا! پچھتاؤ گی۔ یہاں سے زندہ نہیں جا سکو گی۔ سرینڈر کر دو۔ گھٹنے ٹیک دو۔"

وہ چھلانگ لگا کر کمپیوٹر کے پاس آئی۔ پھر اسے آف کر دیا۔ دیوار پر بڑی سی اسکرین بجھ گئی۔ اسے چیلنج کرنے والا اس کمرے سے گم ہو گیا۔ ایسی پچویشن میں تیزی طراری اور پھرتی کام آتی ہے اور وہ بڑی حاضر دماغی سے دشمنوں کو اپنی طرف آنے سے روک رہی تھی۔ لات کھانے والا اپنی جگہ سے اٹھ رہا تھا۔ وہ دوسری لات کھا کر پھر گر پڑا۔

مشین کے پاس کلاشنکوف رکھی ہوئی تھی۔ سونیا نے اسے اٹھا کر منڈیلا کا نشانہ لیا پھر حکم دیا۔ "فوراً اٹھو اور ٹوائلٹ میں چلو... کم آن..."

وہ اٹھ کر اس کے آگے آگے چلتا ہوا ٹوائلٹ میں آیا۔ وہاں پہنچتے ہی سونیا نے اس کے سر پر گن کے دستے سے ضرب لگائی وہ چکرا کر گر پڑا پھر اٹھ نہ سکا۔ وہ بیہوش ہو گیا تھا۔

اب اس کے ساتھی خیال خوانی کے ذریعے اس کے اندر نہیں آ سکتے تھے اور نہ سونیا کے خلاف اسے اپنے طور پر استعمال کر سکتے تھے۔ وہ واش روم کے دروازے کو باہر سے بند کرکے اس کمرے سے نکل آئی۔ اس نے جن دو کمروں کو باہر سے بند کیا تھا وہاں سے فائرنگ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پچویشن یہ تھی کہ سونیا نے جس شخص کو ٹی وی اسکرین سے بجھا دیا تھا اس نے خیال خوانی کے ذریعے دوسرے کمرے میں رہنے والوں کو بتا دیا تھا کہ سونیا منڈیلا کے پاس پہنچی ہوئی ہے۔

یہ معلوم ہوتے ہی انہوں نے اپنی اپنی گن سنبھالی تھی پھر کمروں سے باہر آنا چاہا تھا مگر وہ دروازے باہر سے بند تھے۔ اب وہ فائر کرکے دھکے مارتے ہوئے انہیں کھول رہے تھے۔

ان دروازوں کو تو کھلنا ہی تھا۔ ان کے ساتھ موت کے راستے بھی کھل گئے۔ جیسے ہی وہ منڈیلا کے پاس جانے کے لیے تیزی سے باہر آئے کلاشنکوف کے ایک برسٹ نے انہیں اچھال کر فرش پر گرا دیا۔ تیسرا شخص دوڑتا ہوا کوریڈور کے موڑ پر آیا تو سونیا کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ اسے سنبھل کر فائر کرنے کا موقع نہ ملا اس کی بھی موت آ گئی تھی۔

ایسے وقت ایک نوجوان لڑکی کوریڈور میں سہمی ہوئی کھڑی تھی۔ سونیا نے ڈانٹ کر پوچھا۔ "کون ہو تم.....؟"

وہ روتی ہوئی اکڑوں بیٹھ گئی۔ کہنے لگی۔ "سامنے والے بنگلے میں رہتی ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا یہاں کیسے آ گئی؟ یہ لوگ جادوگر ہیں۔ یہ جو کہتے ہیں، میں وہی کرنے لگتی ہوں۔"

وہ سیارے والا اس نوجوان لڑکی کو ٹیلی پیتھی کے ذریعے ٹریپ کرکے عیاشی کے لیے لایا تھا۔ سونیا نے اسے تھپک کر تسلی دی پھر اسے ساتھ لے کر اس کمرے میں آئی جہاں منڈیلا کو ٹوائلٹ میں بند کیا تھا۔ وہ فرش پر پڑا ہولے ہولے کسمسا رہا تھا۔ ہوش میں آ رہا تھا۔

سونیا نے بھری ہوئی بالٹی اس پر انڈیلی تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے کلاشنکوف سے نشانہ لیتے ہوئے کہا۔ "ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر بتاؤ ایشورارا کہاں ہے؟"



وہ سہم کر فرش پر پیچھے کی طرف کھسکتے ہوئے بولا۔ "میں ... جانتا۔ یقین کرو کوئی بھی نہیں جانتا... ہاں مگر اس کا ایک ... اس کا قابلِ اعتماد دستِ راست ہے۔ اس کا نام ...رارا ہے۔ وہ ضرور جانتا ہوگا۔"

"تم یہاں تمام مشینیں آپریٹ کر رہے ہو۔ تمہیں ... نگرانی کے لیے یہاں رکھا گیا ہے۔ ایشورارا دن رات ... سے رابطہ رکھتا ہوگا۔ چلو اٹھو ابھی اس سے بات کرو۔"

وہ وہاں سے اٹھ کر کمرے میں آیا۔ سونیا نے پوچھا۔ "ایکھ ارا ... متعلق بتاؤ وہ کہاں مل سکتا ہے؟"

"وہ بھی روپوش رہتا ہے۔ ایک اندازہ ہے کہ دونوں ...الی یورپ کے کسی ملک میں رہتے ہیں۔"

وہ بڑی اسکرین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "اس ... رابطہ کرو۔ میں اسے اسکرین پر دیکھنا چاہتی ہوں۔"

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "وہ بہت محتاط رہتے ...۔ دونوں بھائی اسکرین پر کبھی نہیں آتے۔ خیال خوانی کے ...ریعے یا پھر کمیونیکیٹنگ مشین کے ذریعے باتیں کرتے ہیں۔"

ایسے ہی وقت ایشورارا نے منڈیلا کے اندر آ کر ...کہا "مجھے ابھی معلوم ہوا ہے کہ یہ بلا شکنجے سے نکل گئی ہے۔ ... دیکھ رہا ہوں، تم دماغی طور پر کمزور ہو گئے ہو۔ اس کے ...نے پر رہ کر ہماری نہ سہی دوسرے ساتھیوں کی نشاندہی کرو گے۔ مجھے افسوس ہے میں تمہاری خدمت گزاری کا ...اف کرتے ہوئے تمہیں ہمیشہ کے لیے رخصت کرنے والا ہوں۔"

وہ گھبرا گیا۔ "نہیں۔ ایشورارا! مجھے ہلاک نہ کرو۔ ... اپنے کسی ساتھی کی نشاندہی نہیں کروں گا۔"

سونیا نے کہا۔ "ہائے ایشورارا! اپنا غصہ مجھ پر نہیں ...ر سکتے اس بیچارے پر اتارنے آئے ہو۔ کیا میرے دماغ ... آ سکتے ہو؟"

وہ بولا۔ "میں نے کوشش کی تھی لیکن پتا نہیں کس طرح تمہیں ہم سے دور کر دیا گیا ہے؟ ہماری سوچ کی لہروں کو تمہارا دماغ نہیں مل رہا ہے۔"

"یہ سوچو کہ تم نے مجھے ٹریپ کرکے کیا پایا؟ کیا کھویا؟"

"مجھ سے بڑی بھول ہوئی جس وقت میرے شکنجے میں آئی تھیں اسی وقت مار ڈالتا تو درد سر بننے کے لیے ابھی زندہ نہ ہوتیں۔"

"کیسے مار ڈالتے؟ تم تو مجھے چارہ بنا کر فرہاد کو ٹریپ کرنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ تمہارے ہاتھ میں میری ہلاکت کی لکیر نہیں ہے۔ میرے ہاتھ میں ابھی سے تمہارے خون کی بو آ رہی ہے۔"

وہ منڈیلا کو دیکھ کر بولی۔ "ابھی تم اس کے اندر ہو۔ اس کے بعد میرے آگے آگے بھاگتے رہو گے۔ مجھ سے چھپتے رہو گے۔ اگر کچھ روز جینا چاہتے ہو تو میرا مشورہ مانو اپنی ماں کی گود میں، باپ دادا کے سیارے میں واپس چلے جاؤ۔"

اس نے کہا۔ "سونیا! میں بہت پہلے ہی تسلیم کر چکا ہوں کہ تم ناقابلِ تسخیر ہو، ناقابلِ شکست ہو پھر بھی تمہیں کسی طرح جیت لینا چاہتا ہوں۔"

وہ بولی۔ "میں ابھی تمہارے اس خفیہ اڈے میں ہوں۔ آؤ اپنی حسرت پوری کرو۔ مجھے جیت لو۔"

"نہیں۔ میں تھک گیا ہوں۔ تم بڑی مضبوطی سے میری گرفت میں آنے کے بعد ہاتھوں سے نکل گئی ہو۔ میری عقل میرا تجربہ کہہ رہا ہے، تم مجھ سے دوستی کرو یا نہ کرو۔ مجھے دشمنی نہیں کرنی چاہیے۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "میں دوستی نہیں کروں گی تو کیا تم دشمنی سے باز آ جاؤ گے...؟ نہیں۔ ہماری زمین پر رہنے اور حکومت کرنے کے لیے پہلے کی طرح اکابرین سے سمجھوتا

کرو گے۔ وہ سمجھوتا مجھ سے دشمنی ہوگی۔“

وہ منڈیلا سے ذرا دور ہو کر بولی۔ ”تم جو پالیسی بھی اختیار کرو گے، تمہاری جو بھی حکمت عملی ہوگی، وہ مسلمانوں کے خلاف ہوگی۔“

ایسے وقت سونیا نے اپنے اندر سوچ کی لہریں محسوس کیں۔ کبریا نے کہا۔ ”مما! آپ اس سے بات کریں۔ ہم یہاں موجود رہیں گے۔“

عالی کی آواز سنائی دی۔ ”ہم کا مطلب ہے، آپ کی یہ بیٹی بھی موجود ہے۔“

الپا نے کہا۔ ”یس مما...! میں بھی ہوں۔“

سونیا خوشی سے کھل گئی۔ اس کے اندر اچانک ہی ٹیلی پیتھی کی بارود بھر گئی تھی۔

ایشورارا کہہ رہا تھا۔ ”میری کوئی بھی حکمت عملی مسلمانوں کے خلاف نہیں ہوگی۔ اگر تم ایک بار مجھ پر بھروسا کرو۔ ایک بار ایسا دوستانہ معاہدہ کرو، جس کے تحت میں اپنی قوم کے ساتھ اس زمین پر شاہانہ انداز سے رہ سکوں تو....“

وہ بات کاٹ کر بولی۔ ”ہم کبھی تمہیں شاہ تسلیم نہیں کریں گے۔“

”اور میں تسلیم کرانے کی غلطی نہیں کروں گا۔ میں مسلمانوں کے دینی جذبات کو ٹھیس پہنچانے والا کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔ دنیا کے ایسے حصے میں اپنی حکومت قائم کروں گا جہاں مسلمان نہیں ہوں گے۔“

وہ ایک ذرا توقف سے بولا۔ ”غیر مسلموں کے خلاف نہ تم میری اتحادی بنو گی نہ میں تمہیں محاذ آرائی کے لیے کہوں گا۔ تم بھی جانتی ہو اور میں بھی جانتا ہوں یہودی اور عیسائی اکابرین اور ان کی فوجیں میرے مقابل ٹھہر نہیں پائیں گی۔ میں حکومت کرنے کے لیے امریکا اور یورپ کا شمالی حصہ طلب کروں گا اور انہیں راضی ہونا پڑے گا۔“

”یہودی اور عیسائی جان لڑا دیں گے مگر تمہیں اپنے کسی علاقے کا حکمران نہیں بننے دیں گے۔“

وہ بولا۔ ”مجھے ہر قیمت پر یہاں رہنا ہے۔ میں اور میرے وفادار سیارے میں واپس نہیں جائیں گے۔ ہم یورپ اور امریکا کے اکابرین سے طویل جنگ لڑتے رہیں گے۔ تمہاری طرف سے مداخلت کا اندیشہ نہیں رہے گا تو ہم جلد ہی جنگ جیت لیں گے پھر اپنے مطلوبہ علاقوں پر اپنی حکومت قائم کرلیں گے۔“

سونیا نے کہا۔ ”بہت اچھی سیاسی اور جنگی حکمتِ عملی ہے۔ ہم سے جنگ نہ کرنے کا، ہمیں نقصان نہ پہنچانے کا معاہدہ کرو گے تو ہماری طرف سے کوئی اندیشہ نہیں رہے گا۔ تم ادھر اکابرین کے ایک ہی محاذ پر لڑتے رہو گے۔“

”ہاں۔ میں انہیں جلد ہی گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردوں گا۔“

”جب وہ لوگ تمہارے مطیع و فرمانبردار بن جائیں گے اور تم ایک مضبوط حکومت قائم کرلو گے تو پھر ہمیں مطیع [illegible] فرمانبردار بنانے کے لیے جنگ شروع کرو گے۔“

”میں کبھی ایسی غلطی نہیں کروں گا۔ تمہاری زندگی میں تو کبھی ایسا سوچوں گا بھی نہیں.... تمہارے بعد بھی بابا صاحب کے ادارے سے ٹکرانے کی جرات نہیں کروں گا۔“

”ابھی عقل سے سوچ رہے ہو، اس لیے ایسا کہہ رہے ہو۔ جب ہماری دنیا کے کسی ایک حصے کے حکمران بنو گے تو حکمرانی کی ہوس بڑھے گی۔ ٹیلی پیتھی کی قوتوں کا مظاہرہ کرنے کا خبط سوار ہوگا۔ سپر پاور بننے کے لیے دوسرے ممالک کو اپنے زیرِ اثر لاؤ گے۔ ہماری ارضی دنیا میں جگہ جگہ فتح کے جھنڈے گاڑتے جاؤ گے۔ طاقت کے نشے میں عقل چکرائے گی اور کہے گی کہ سونیا فرہاد کیا ہیں؟ بابا صاحب کے ادارے کی کیا مجال ہے کہ تمہاری سیلابی قوتوں کے آگے بند باندھیں....؟ ہم نے تاریخ کے آئینے میں بڑے بڑے فرعون دیکھے ہیں۔ تمہیں بھی فرعون بنتے دیر نہیں لگے گی۔“

وہ بڑی عاجزی سے سمجھانے کے انداز میں بولا۔ ”[illegible] مجھ پر بھروسا نہیں کرنا چاہتیں۔ کیونکہ ہم اب تک ایک دوسرے کے جانی دشمن رہے ہیں۔ کچھ ایسا کرو کہ عارضی طور پر مجھے آزما سکو۔“

”تم میرا اعتماد حاصل کرنے کے لیے کیا کرو گے؟“

”میں تمام دنیا سے کہوں گا کہ سونیا کا اعتماد حاصل کررہا ہوں اور دنیا والوں کے سامنے قسم کھا رہا ہوں کہ دینِ اسلام کے خلاف کبھی میری طرف سے ٹیلی پیتھی کا مظاہرہ نہیں ہوگا۔ مجھے ایک بار آزما کر دیکھ لو۔ میں مسلمانوں کے خلاف کبھی سیاسی اور فوجی قوت استعمال نہیں کروں گا۔“

وہ اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اس کے لب و لہجے سے یقین ہو رہا تھا کہ وہ آئندہ مسلمانوں سے دوستی اور اتحاد رکھنا چاہتا ہے۔ ہم سے بار ہا مات کھانے کے بعد ہماری برتری تسلیم کرتے ہوئے سونیا کے آگے گھٹنے ٹیک رہا ہے۔

ایسے وقت اسے اپنے اندر اعلیٰ حضرت کی دھیمی سی آواز سنائی دی۔ ”...اس کی بات مان لو۔ اسے آزماؤ پھر دیکھو کہ پردۂ غیب سے کیا ہونے والا ہے؟“ انہوں نے اچانک آکر یہ ہدایت دی پھر کہا۔ ”یہاں سے نکل کر ادارے میں ہمارے پاس آؤ۔“



[illegible] وہ اور بھی کچھ کہہ سکتے تھے۔ سونیا خلا میں تکنے [illegible] کرنے لگی لیکن اس کے اندر خاموشی رہی۔ وہ [illegible] اور مختصر سی ہدایت دے کر چلے گئے تھے۔

الپا نے کہا۔ ”مما! میں نے اعلیٰ حضرت کی آواز سنی ہے؟“

کبریا اور عالی نے کہا۔ ”ہم نے بھی سنی ہے۔ آپ [illegible] معاملے میں لچک پیدا کرسکتی ہیں۔“

[illegible] رارا نے منڈیلا کے ذریعے کہا۔ ”تم خاموش [illegible] میری دوستانہ التجا پر غور کررہی ہو؟“

اس نے کہا۔ ”ہاں۔ یہ سوچ رہی ہوں کہ اپنی دنیا میں [illegible] امان قائم رکھنے اور ایک طویل بے نتیجہ جنگ لڑنے کے [illegible] ہمیں ایک بار آزمانا چاہیے۔“

وہ خوش ہوکر بولا۔ ”تھینکس آلاٹ.... ایک بار مجھے [illegible] مجھے صرف ایک موقع دو۔ میں تمہارا اور تمام [illegible] کا اعتماد حاصل کرلوں گا۔“

”میں اس لیے سمجھوتا کروں گی کہ تمام بے گناہ [illegible] ہمارے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے شر سے محفوظ [illegible]۔“

وہ بولا۔ ”میرا کوئی بھی ٹیلی پیتھی جاننے والا کسی بھی [illegible] کے ایک ننھے سے بچے کو بھی نقصان نہیں پہنچائے [illegible] کیا ہمارے درمیان تحریری معاہدہ ہوگا؟“

”تم کبھی معاہدے کے خلاف دشمنی پر اتر آؤ گے تو ہم [illegible] عدالت میں وہ تحریری معاہدہ لے کر جائیں [illegible] کوئی تحریری معاہدہ نہیں ہوگا۔ ہمارے ایمان کے [illegible] صرف اللہ تعالیٰ کی عدالت میں فیصلے از خود ہو جاتے [illegible] تم آئندہ دیکھو گے۔“

[illegible] ٹھیک ہے تم دوستی قائم رکھنے کے سلسلے میں اپنی [illegible] سکتی ہو۔“

[illegible] سونیا نے منڈیلا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”پہلی اور اہم [illegible] ہے کہ ہمارے درمیان فاصلہ رہے گا۔ ہم بدستور ایک [illegible] سے روپوش رہیں گے۔ میں تمہاری طرف نہیں [illegible] تم مجھے اور فرہاد کو تلاش نہیں کرو گے۔“

”میں کبھی ایسی غلطی نہیں کروں گا۔“

”ہم نہیں چاہیں گے کہ تم بے گناہ غیر مسلموں کو بھی [illegible] پہنچاؤ۔ تم اپنے مخالفین سے ایسی جنگ لڑو گے جس [illegible] میں امن و امان کا مسئلہ پیدا نہ ہو اور عوام ہر طرح [illegible] رہیں۔“

”میں وعدہ کرتا ہوں عوام کا دل جیتنے کے لیے ان کی [illegible] خیال رکھوں گا۔“

**میرا خیال**

ایک خاتون تھانے میں:
”میرے شوہر کل دوپہر کو آلو گوشت لینے نکلے تھے ابھی تک واپس نہیں آئے۔“
تھانے دار کچھ کچھ سوچتے ہوئے:
”میرے خیال میں آپ آلو گوبھی پکا لو۔“

ان کی گفتگو کے درمیان الپا نے منڈیلا کے اندر جا کر معلوم کیا تھا کہ ان کا وہ خفیہ اڈہ انقرہ کے ایک مضافاتی علاقے میں ہے پھر اس نے اپنے ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے اور ادارے کے جاسوسوں سے کہا۔ ”تم سب اس خفیہ اڈے سے انقرہ کے ائیرپورٹ تک مما کی نگرانی دور ہی دور سے کرتے رہو گے۔ سیارے والوں کی چالبازیوں کو سمجھنے کی کوششیں کرتے رہو گے۔“

پھر اس نے سونیا سے پوچھا۔ ”آپ یہاں سے پیرس جائیں گی؟“

”ہاں، جاؤں گی۔ مگر اس سے پہلے فرہاد کے پاس جانا چاہوں گی۔ فوراً کسی بھی پہلی فلائٹ میں ایک سیٹ حاصل کرو۔“

اس نے عالی اور کبریا سے کہا۔ ”سب محتاط رہو۔ سیارے کے ٹیلی پیتھی جاننے والے بڑی رازداری سے میرا پیچھا کریں گے۔ چور چوری سے جاتا ہے ہیرا پھیری سے نہیں جاتا۔ ایشورارا بڑی مکاری سے تمہارے پاپا تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔“

ایشورارا نے منڈیلا سے کہا۔ ”اگر سونیا سے سمجھوتا نہ ہوتا تو وہ تمہیں اپنا آلۂ کار بنا لیتی یا مار ڈالتی۔ میں بھی تمہیں زندہ نہ چھوڑتا مگر اب میں خوش ہوں اور مطمئن ہوں اور بے شک تم میرے وفادار ہو۔ میں تمہیں نئی زندگی دے رہا ہوں۔“

منڈیلا سر جھکا کر اس کا شکریہ ادا کرنے لگا۔ وہ لڑکی جسے سیارے والا عیاشی کے لیے ٹریپ کرکے لایا تھا۔ سونیا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے عالی سے کہا۔ ”یہ لڑکی معصوم ہے۔ اسے ٹیلی پیتھی کے ذریعے ٹریپ کیا گیا تھا۔ یہ سامنے والے کسی بنگلے میں رہتی ہے۔ تم اسے وہاں پہنچا دو۔“

پھر اس نے منڈیلا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ایشورارا! میں یہاں سے نکل رہی ہوں۔ میرے پیچھے اپنے جاسوس نہ لگانا۔ یہ مت بھولنا کہ میں تمہیں آزما رہی ہوں۔“

"میں نہیں بھولوں گا۔تمہیں کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔میں جا رہا ہوں۔آئندہ کمیونیکیٹنگ مشین کے ذریعے رابطہ رہے گا۔یہ مشین یہاں رکھی ہوئی ہے۔تم اسے لے جا سکتی ہو۔"

وہ منڈیلا کے دماغ سے چلا گیا۔اس کے جو ٹیلی پیتھی جاننے والے انقرہ میں تھے۔ان سے رابطہ کرنے لگا پھر انہیں حکم دیا۔"دور ہی دور سے سونیا پر نظر رکھی جائے۔اسے کسی قسم کا شبہ نہ ہونے پائے۔وہ خطرناک بلا تم لوگوں کی بُو سونگھ کر ہوشیار ہو جائے گی۔لہٰذا اسی دنیا کے آلہ کاروں کو اس کے پیچھے لگاؤ۔"

اس نے اپنے وفاداروں کو سمجھایا۔"سونیا کو صرف اپنی نظروں میں رکھنا ہے۔فی الحال اس سے دشمنی نہیں کرنی ہے۔وہ ہماری سوچ سے زیادہ چالاک ہے۔کبھی یہ نہ سمجھنا کہ وہ غافل ہے اور آسانی سے مات کھانے والی ہے۔"

اس نے اپنے لوگوں کو آخری بات یہ سمجھائی کہ وہ آسانی سے نشانے پر آجائے تب بھی اسے گولی نہ مارنا۔اکابرین کو زیرِ اثر لانے اور انہیں اپنا محکوم بنانے تک سونیا سے دوستی اور اتحاد کا چرچا ہوتا رہے گا تو اکابرین کمزور پڑتے رہیں گے۔

سونیا اس چار دیواری سے نکل کر باہر آئی پھر ایک کار میں بیٹھ کر انقرہ کی طرف جانے لگی۔اس نے الپا سے پوچھا۔"کیا ہو رہا ہے؟"

اس نے کہا۔"مما...! ہم ایشورارا جیسے دشمن پر کبھی بھروسا کر ہی نہیں سکتے۔یقیناً اس کے آدمی آپ کی نگرانی کر رہے ہوں گے۔ہم بہت محتاط ہیں۔"

کبریا نے کہا۔"آپ یہاں سے اتاترک اسٹریٹ میں جائیں۔وہاں دنیا کے کئی ممالک سے آنے والی خواتین کا اجتماع ہے۔حقوقِ نسواں کے سلسلے میں مطالبات پیش کیے جا رہے ہیں۔اس اجتماع میں مردوں کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔"

سونیا نے کہا۔"میں سمجھ گئی۔وہاں اپنا لباس اور حلیہ آسانی سے تبدیل کر سکوں گی۔میری نگرانی کرنے والے خواتین کی محفل میں نہیں آسکیں گے۔"

عالی نے کہا۔"ہو سکتا ہے نگرانی کرنے والوں میں کوئی عورت بھی ہو۔"

"ہوں.... ہو سکتا ہے۔ایشورارا نے عورتوں کو بھی آلہ کار بنا رکھا ہو۔وہاں ہم محتاط رہیں گے۔مجھے مسلسل ایک ہی عورت کی بُو ملتی رہے گی تو وہ نظروں میں آجائے گی۔"

سونیا اس اجتماع میں جا کر گم ہوئی تو نگرانی کرنے والے مایوس ہو گئے۔انہیں اس عمارت کے اندر اور باہر ہزاروں خواتین کے درمیان جانے کی اجازت نہیں ملی۔وہ فوراً کسی عورت کو آلہ کار بنا کر اسے سونیا کے پیچھے نہیں لگا سکتے تھے۔

اور جب وہ چند خواتین کے ساتھ عمارت سے باہر آئی تو کوئی اسے پہچان نہ سکا۔عارضی میک اپ کے ذریعے اس کا چہرہ بدل گیا تھا۔سر پر ریشمی بالوں کی وگ تھی۔لباس بھی بدل چکا تھا۔نگرانی کرنے والے اسے اتاترک اسٹریٹ میں ڈھونڈتے ہی رہ گئے۔ہمارے کتنے ہی ٹیلی پیتھی جاننے والے سفارت خانے اور پاسپورٹ کے شعبوں میں پہنچ گئے۔انہوں نے وہاں کے تمام متعلقہ افسران کے دماغوں پر قبضہ جما لیا پھر ایک فرضی نام سے سونیا کا پاسپورٹ بنا۔وہاں سے روانہ ہونے والی ایک پہلی فلائٹ میں سیٹ حاصل کر لی۔اس طرح وہ آٹھ گھنٹے کے اندر میرے پاس پہنچ گئی۔

میں ان لمحات میں اسے یاد کر رہا تھا۔اس کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔مجھے خیال خوانی نہیں کرنی چاہیے تھی مگر اب میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔میں نے تڑپ کر ٹیلی پیتھی کی پرواز کی۔اس کے اندر پہنچتے ہی کہا۔"بس ایک جھلک کے لیے آیا ہوں۔آجاؤ میری جان! میری جان اٹکی ہے۔تمہیں دیکھے بغیر دنیا سے نہیں جا سکوں گا۔"

اس نے کہا۔"فوراً واپس جاؤ۔میں آرہی ہوں۔"

اس نے سانس روک لی۔میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔اسی وقت میں نے بیرونی دروازے کے کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں سنیں پھر اپنے کمرے کے کھلے ہوئے دروازے کو دیکھا۔یوں لگا جیسے دعا عرش تک پہنچنے سے پہلے قبول ہو گئی ہو۔وہ کھلے ہوئے دروازے پر کھڑی تھی۔

میرے اندر جیسے بجلی بھر گئی۔میں بیماری اور کمزوری کو بھول گیا۔اچھل کر بستر پر بیٹھ گیا۔وہ دوڑتی ہوئی آکر مجھ سے لپٹ گئی۔وہ خواب میں بھی ایسے اچانک نہیں آتی تھی۔جیسے اب آکر کلیجے سے لگ گئی تھی۔اسے بازوؤں میں جکڑ لینے کے باوجود یقین نہیں ہو رہا تھا کہ وہ اپنے بیمار کے پاس آگئی ہے۔

میں نے کہا۔"مجھے یقین دلاؤ کہ میں خواب نہیں دیکھ رہا ہوں۔تم سچ مچ آگئی ہو اور اب واپس نہیں جاؤ گی۔"

اس نے میرے چہرے سے چہرہ ملایا پھر میرے گال کو دانتوں سے کاٹا۔میں نے تکلیف محسوس کرتے ہوئے سسکاری لی۔اس نے پوچھا۔"یقین آیا....؟"

میں اسے دونوں ہاتھوں سے چھو کر دیکھ رہا تھا۔مجھ سے خوشی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔میرا سر چکرانے لگا۔ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔سونیا نے فوراً سہارا دے کر لٹاتے ہوئے کہا۔"تمہیں یوں جوانوں کی طرح اچھل کر بیٹھنا نہیں چاہیے تھا۔مگر تم خیال خوانی سے باز نہیں آتے ہو۔"

میں جواباً کچھ کہہ نہیں پا رہا تھا۔اس قدر کمزوری تھی کہ آواز نہیں نکل رہی تھی۔وہ جان لیوا جدائی کے بعد آئی تھی۔میں اسے جی بھر کر دیکھنا چاہتا تھا۔مگر نہ دیکھ سکا۔آنکھیں آپ ہی آپ بند ہوتی چلی گئیں۔کیسی بے بسی تھی۔میں اپنی محبت کو جی بھر کر دیکھ بھی نہ سکا۔آپ ہی آپ سے غافل ہو گیا۔

☆☆☆

ہم سب برسوں سے بولتے چلے آتے ہیں۔آخر ایک دن ہماری آواز ختم ہو جاتی ہے یا ہم انتہائی کمزوری کے باعث بول نہیں پاتے۔ساری عمر دنیا کو دیکھتے دیکھتے بینائی کمزور ہو جاتی ہے یا ختم ہو جاتی ہے۔جس دنیا کو چھوڑ کر جانا ہے وہ دھندلا جاتی ہے۔ہمیں بے دست و پا ہو کر عجیب بے بسی کی حالت میں یہاں سے رخصت ہونا پڑتا ہے۔

میں بھی ایک پہاڑ کہلاتا تھا۔کوئی میری بلندی کو چھو نہیں سکتا تھا مگر قدرت کا قانون ہے کہ دنیا کا ہر شخص پہلے اپنی جگہ پر رہتا ہے پھر فنا ہو جاتا ہے۔یہ سلسلہ ازل سے ہے۔میرے ساتھ بھی یہی ہو رہا ہے اور سب ہی کے ساتھ ہونے والا ہے۔

میں نے آندھی طوفان جیسی تیز رفتار زندگی گزاری اب تھک گیا ہوں۔سکون سے بستر پر پڑا رہتا ہوں۔ہونا بھی یہی چاہیے۔تھکنے کے بعد آدمی گرتا ہی ہے۔بستر پر گرے یا قبر میں...

کہنے کو تو میں اپنے بے شمار ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے حصار میں ہوں۔نہ پہلے کوئی دشمن میری موت بن پایا نہ اب بن پائے گا لیکن موت تو ہر ذی روح کا اختتام ہے۔

سونیا نے بڑی بے بسی سے مجھے دیکھا پھر پوچھا۔"تم موجودہ حالات کو سمجھ رہے ہو۔ایسے وقت بولو تمہاری خواہش کیا ہے؟"

میں بول نہیں پاتا تھا۔اٹک اٹک کر بولتا تھا۔میں نے کہا۔"دشمنِ اسلام....."

میں رُک کر سانسیں لینے لگا پھر رُک رُک کر بولا۔"کی ....."

میں نے پھر ذرا ٹھہر کر کہا۔"ایشورارا کی.... پسپائی...."

اگرچہ میں بڑی مشکل سے بول رہا تھا مگر بڑے جذبے سے بول رہا تھا۔"دیکھ... دیکھنا...چاہ...چاہتا ہوں..."

سونیا نے کہا۔"انشاء اللہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے۔دین کے دشمن خواہ سیارے سے تعلق رکھتے ہوں خواہ ارضی دنیا کے یہودی اور عیسائی ہوں۔وہ سب بُری طرح پسپا ہوں گے۔"

ان سیارے والوں کا قصہ ختم ہونا چاہیے تھا۔پہلے یہ اندازہ لگایا گیا تھا کہ ان کا سیارہ قدرتی آفات کی زد میں آکر بری طرح تباہ ہو جائے گا۔اسی لیے ایشورارا اپنے لاکھوں ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے ساتھ ہماری زمین پر آگیا تھا۔اب ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ان کا سیارہ محفوظ تھا۔اب وہ لوگ واپس جا سکتے تھے۔

سونیا نے ایشورارا سے سمجھوتا کیا تھا۔جبکہ یہ جانتی تھی وہ بھروسے کے قابل نہیں ہے۔وہ اپنے طور پر بڑی چالاکی سے ہمیں دوست بنا کر ہماری طرف سے محفوظ رہ کر صرف اکابرین کے محاذ پر جنگ لڑنا چاہتا تھا۔ان پر غالب آنے کے بعد انہیں اپنا محکوم بنانے کے بعد ہم سے نمٹنا چاہتا تھا۔

وہ اپنی دانست میں ہمیں دھوکا دے رہا تھا اور سونیا اسے خوش فہمی میں مبتلا کر چکی تھی۔اس کی پہلی اور آخری کوشش یہی تھی کہ مجھ سے اور سونیا سے چھپ کر رہے، کبھی ہماری نظروں میں نہ آئے۔لہٰذا وہ ہم سے چھپ کر رہنے کے لیے ایک مسلمان عالم دین بن گیا تھا۔

اس کا بھائی اس کا دستِ راست ایکورارا تنویمی عمل کے ذریعے دینِ اسلام کی تمام اہم باتیں اس کے دماغ میں نقش کر چکا تھا۔اب اس کے چہرے پر لمبی ڈاڑھی تھی۔وہ ٹخنوں سے اوپر شرعی پاجامہ پہنتا تھا۔دین کی تمام باتیں تمام مسائل اور ان کے تمام حل اس کے حافظے میں محفوظ رہتے تھے۔وہ علمائے دین کے درمیان بیٹھ کر بڑی عالمانہ مدلل گفتگو کرتا تھا۔سب ہی اس کی علمی قابلیت سے متاثر ہو جاتے تھے۔

اس نے خود کو ایسا مکمل عالم بنایا تھا کہ کوئی اسے بہروپیا نہیں کہہ سکتا تھا۔ہم بھی اس کے روبرو جا کر دھوکا کھا سکتے تھے۔اسے ایشورارا کی حیثیت سے کبھی پہچان نہ پاتے۔

ایسٹ لندن ہیملٹ میں ایک وسیع و عریض مسجد ہے۔اس مسجد میں عبادت کے لیے تقریباً ساڑھے چار ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے۔اس کے احاطے میں بہت بڑا کانفرنس ہال، لائبریری، مدرسہ، فٹنس سینٹر، دفاتر اور ایک ریڈیو اسٹیشن ہے۔ایشورارا اسی جگہ پہنچا ہوا تھا اور اس میں کوئی شبہ

نہیں تھا کہ وہ تمام شک وشبے سے بالاتر ہو گیا تھا۔

وہ اپنی دانست میں دو اہم پہلوؤں سے کامیابیاں حاصل کر چکا تھا۔ ایک تو یہ کہ بہروپیا عالم بن کر ہمیشہ ہمیں دھوکا دے سکتا تھا۔ کبھی ہماری گرفت میں نہیں آسکتا تھا۔

دوسری بڑی کامیابی یہ حاصل ہوئی تھی کہ ہماری طرف سے دشمنی کا اندیشہ نہیں رہا تھا اور یہ بہت بڑی کامیابی تھی۔ وہ ماضی میں ہم سے مسلسل مات کھاتا رہا تھا۔ اس نے شکست کھانے کی وہ راہیں فی الحال بند کر دی تھیں۔

☆☆☆

میری طبیعت ذرا سنبھل گئی تھی۔ میں بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ سونیا نے کبریا کو فون کے ذریعے بلا کر کہا۔ ”تمہارے پاپا بہت کمزور ہو گئے ہیں اور ایسا تمہاری حماقت سے ہو رہا ہے۔“

اس نے پوچھا۔ ”میں نے کیا حماقت کی ہے مما.....؟“

”تم نے اپنے باپ پر تنویمی عمل کیا۔ ان کے اندر اتنی توانائی پیدا کی کہ انہوں نے خیال خوانی کی پرواز کی‘ پہلے الوشے کے پاس گئے پھر میرے پاس آئے۔ جانتے ہو‘ وہ کس قدر تھک گئے ہیں اور کمزور ہو گئے ہیں؟“

”میں نے تو صرف دس منٹ کی توانائی پیدا کی تھی۔“

”کیوں کی تھی.....؟“

”وہ ضد کر رہے تھے۔ کہہ رہے تھے‘ دن رات بستر پر پڑے رہتے ہیں۔ باہر کھلی فضا میں جا نہیں سکتے‘ کم از کم خیال خوانی کے ذریعے تو دل بہلا سکتے ہیں۔“

”آئندہ کبھی ایسا نہ کرنا‘ وہ خیال خوانی کرنے کے بعد اتنے نڈھال ہو گئے تھے کہ ٹھیک طرح بات بھی نہیں کر سکتے تھے۔ خدا کا شکر ہے‘ میں دشمن کے شکنجے سے نکل آئی ہوں۔ میری قربت سے تنہائی‘ مایوسی‘ فکر اور پریشانی ختم ہو گئی ہے۔ یہ جلد ہی سنبھل جائیں گے۔“

وہ میرے پاس سے اٹھ کر بولی۔ ”میں سوپ تیار کرنے جا رہی ہوں۔ تم اپنے پاپا سے باتیں کرو۔“

وہ کچن کی طرف چلی گئی۔ کبریا نے میرے اندر آکر پوچھا۔ ”ہائے پاپا! اب تو آپ تنہا نہیں ہیں۔ ہزاروں دواؤں کی ایک دوا مما ہیں آپ کے پاس۔ آپ جلد ہی چلنے کے قابل ہو جائیں گے۔“

”ہاں بیٹے! تمہاری ماں کے آتے ہی بہتری محسوس کر رہا ہوں۔“

”پاپا! آپ کی بے جا ضد پوری کر کے میں نے مما کی ڈانٹ سنی ہے۔“

ایسے ہی وقت کبریا نے اپنے اندر پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کیا۔ کوئی بول رہا تھا۔ ”پھر ہاد بھیا.....! ہم [illegible] رہے ہیں۔“

میں ان ہی لمحات میں کبریا سے کہہ رہا تھا۔ ”آ[illegible] خیال خوانی کرنے کی ضد نہیں کروں گا۔ تمہاری ماں [illegible] ہے۔ مجھے اب کچھ نہیں چاہیے۔“

کبریا نے فوراً ہی سانس روک کر آنے وا[illegible] بھگایا‘ مگر ان چند ساعتوں میں میری بھی آواز سن لی تھی۔ اس نے کہا۔ ”پاپا! آپ ذرا خاموش رہیں۔ [illegible] میرے اندر آیا تھا۔ ابھی معلوم کرتا ہوں‘ وہ کون ہے؟“

وہ اس اجنبی کے اندر پہنچ گیا۔ اس نے کہا۔ ”میں [illegible] تھا‘ میرے کو بھگانے کے بعد کھد ہی آؤ گے۔“

اس نے پوچھا۔ ”کون ہو تم...؟“

”میں جے بلرام بھنڈاری ہوں۔ میری بڑی جے کار ہوتی ہے۔ یعنی کہ بڑی واہ واہ ہوتی ہے۔“

”کون ہو تم...؟ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟“

”میں وہی تو بول رہا ہوں۔ میرا نام جے بلرام بھنڈاری ہے۔ بلرام کا مطلب جانتے ہو‘ بھگوان رام کی طرح شکتی والا‘ تاکت والا اور اس دنیا کے بھنڈار میں دولت اور کامیابیاں ہیں‘ وہ سب میرے لیے ہیں۔“

کبریا نے ناگواری سے کہا۔ ”تم بہت بولتے ہو‘ بتاؤ میرے پاس کیوں آئے تھے؟“

”آنے کو تو میں پندرہ برس پہلے آجاتا۔ مگر دُرگا ماں کا بھگت ہوں۔ ماں نے منع کیا تھا کہ تم سے دور رہوں۔ اس لیے دور ہی دور رہا۔“

”اب کیوں آئے ہو؟“

”چلّہ کاٹنے سے ماں نے درشن دیے اور کہا‘ اب تم سے جیادہ بلوان ہو گیا ہوں۔ تم سے دوستی بھی کر سکتا ہوں اور دشمنی بھی...“

”یہ بہتر ہوگا کہ نہ دوستی کرو نہ دشمنی‘ جیسے اجنبی ہو ویسے ہی رہو۔“

”ماں دُرگا کا حکم ہے‘ میں دوست بن کر تم سے کام نکال سکتا ہوں۔ اگر کام نہ آئے تو دشمن بن سکتا ہوں۔“

کبریا نے بیزار ہو کر کہا۔ ”یا خدا! ہم آئے دن طرح طرح کے مسائل میں الجھتے رہتے ہیں۔ تم نئے مسائل پیدا کرنے کیوں آرہے ہو؟“

”میں کوئی مشکل پیدا نہیں کروں گا۔ تمہاری جندگی کو بہت سندر اور رنگین بنا دوں گا۔“

”کیسے بنا دو گے؟“

”تم بہت بھاگوان ہو۔ تمہاری جندگی میں ایک چالیس برس کی اور ایک بیس برس کی آنے والی ہے۔“

کبریا نے پوچھا۔ ”اس کا مطلب کیا ہوا؟“

”ساری عمر موج مستی میں بسر کرتے رہے۔ تعجب ہے چالیس اور بیس نہیں سمجھ رہے ہو؟“

”میں ناسمجھ ہوں۔ تم سمجھا دو۔“

”بھئی! میری دھرم پتنی پورے چالیس برس کی ہے۔ وہ تم پر مرمٹی ہے۔“

”یہ کیا بکواس ہے؟ تمہاری بیوی مجھ پر مرمٹی ہے اور تمہیں شرم نہیں آرہی ہے؟“

”شرم کیوں آئے گی؟ اب وہ میری گھر والی نہیں ہے۔ پندرہ برس پہلے تمہارا چرچا سنا تھا۔ تمہیں کہیں دیکھا بھی تھا۔ بس دیکھتے ہی میرے سے تلاک لے لی اور کہہ دیا‘ جب تک میں اس کو تمہاری دلہن نہیں بناؤں گا‘ تب تک وہ میری بیٹی میرے حوالے نہیں کرے گی۔“

”کیا تم اپنی دھرم پتنی سے ڈرتے ہو؟ کیا اس سے کمزور ہو؟“

”میں کمزور نہیں ہوں۔ اس سے ڈرتا نہیں ہوں۔ اب اس کو میری دھرم پتنی مت بولو۔ اس کا نام جیوتی جھالر ہے۔“

”یہ جھالر کیا ہوتا ہے؟“

”کچھ بھی ہوتا ہے۔ وہ پندرہ برس سے تمہارا انتجار کر رہی ہے۔ میں مجبور تھا۔ ماں دُرگا نے تم سے دور رہنے کو کہا تھا۔ جیوتی جھالر بھی اس کی پجارن ہے‘ ماں نے کہا تھا کہ اس سے جبردستی اپنی بیٹی نہ لو۔ پہلے جھالر کو پھرہاد کے گلے سے لگاؤ۔“

”اچھا تو تم اسے لگانے آئے ہو؟“

”وہ بہت سندر ہے۔ دیکھو گے تو پاگل ہو جاؤ گے۔ اسے اٹھا کر لے جاؤ گے۔“

”ٹھیک کہتے ہو‘ وہ پاگل ہی ہوگا جو چالیس برس کی عورت کو اٹھا کر لے جائے گا۔“

اس نے کہا۔ ”ایک بیس برس کی بھی ہے۔“

کبریا نے چونک کر پوچھا۔ ”اچھا تو ایک اور ہے‘ کیا تم عورتوں کے رشتے کراتے ہو؟“

”میرا امالہ گمبھیر ہے۔ اس کو مجاک میں نہ لو۔ وہ ایک سندر ہے۔ اس کو دیکھو گے تو دیکھتے ہی رہ جاؤ گے۔ بہت جبردست ہے۔ کمان کی طرح تن جاتی ہے۔ تیر کی طرح چل پڑتی ہے۔ اور وہ تمہاری اور چل پڑی ہے۔ قسم کھاتی ہے کہ تمہارے سوا کسی کو منہ نہیں لگائے گی۔“

”تمہاری باتیں دلچسپ ہیں۔ اس لیے سن رہا ہوں۔ یہ ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا کہ میرے پاس کیوں آئے ہو؟“

”ابھی تو بتایا ہے چالیس برس والی‘ بیس برس والی اور دُرگا ماں یہ تینوں کہتی ہیں کہ تم ہی میرے کام آسکتے ہو۔“

”وہ کام کیا ہے؟“

”تم کو پھیسلہ کرنا ہے۔ شادی چالیس برس والی سے کرو گے یا بیس برس والی سے...؟“

”تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں تمہارا مشورہ سنتے ہی شادی کر لوں گا؟“

”وہ تو کرو گے جرور کرو گے۔ میری بات مانو بیس برس والی سے کرو۔ وہ میری بیٹی ہے۔“

کبریا پھر ایک بار چونک گیا۔ ”کیا.....؟ ان میں سے ایک تمہاری سابقہ بیوی ہے اور دوسری بیٹی ہے؟“

”ہاں۔ وہ ماں بیٹی ایک دوسرے کو چاہتی ہیں مگر تمہارے لیے جھگڑا بھی کرتی رہتی ہیں۔ ماں کہتی ہے‘ پھرہاد بڈھا کھوسٹ ہے۔ ایک کنواری لڑکی کو اس کی آرجو نہیں کرنا چاہیے۔ ادھر بیٹی کہتی ہے کہ ماں.....! تم بڈھی ہو گئی ہو۔ میں جوان ہوں۔ میرے کو دلہن بننے دو۔“

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ”تم بے کھبر ہو اور وہ تمہارے لیے لڑتی رہتی ہیں۔ اگر وہ ماں بیٹی نہ ہوتیں تو اچھا ہوتا۔“

”کیا اچھا ہوتا....؟“

”دونوں ہی تم سے شادی کر لیتیں۔“

”تم اپنے دماغ سے یہ کیوں سوچ رہے ہو کہ میں تمہاری مرضی کے مطابق کسی سے شادی کر لوں گا؟“

”میں جو چاہتا ہوں‘ وہی ہوتا ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے میں مہاشکتی مان ہوں۔ تم ٹیلی پیتھی جانتے ہو۔ میں تم سے کم نہیں ہوں۔ بلکہ جیادہ ہوں۔ کیونکہ کالا جادو بھی جانتا ہوں۔“

وہ بڑے یقین سے بول رہا تھا۔ ”جب چاہوں گا‘ تمہاری کھوپڑی جیوتی جھالر کی طرف گھما دوں گا اور جب چاہوں گا‘ تمہیں اپنی بیٹی نیہا کا دیوانہ بنا دوں گا۔“

”کالا جادو کرنے والے انسان نہیں ہوتے۔ یہ شیطانی عمل ہوتا ہے۔ چلو یہ تو معلوم ہوا کہ تم شیطان ہو۔ تم سے کبھی دور کی بھی دوستی نہیں ہوگی۔“

کبریا لاحول پڑھ کر اس کے دماغ سے نکل آیا۔ جے بلرام بھنڈاری اپنے ڈرائنگ روم میں ایک ہینگنگ چیئر پر

بیٹھا آہستہ آہستہ جھول رہا تھا۔ زیرِ لب بڑبڑا رہا تھا۔ ”یہ فرہاد بہت گھمنڈی ہے۔ ہماری جات کے جادوگر گرو گھنٹال بھی کہتے ہیں کہ وہ کبھی کسی کی مٹھی میں نہیں آتا ہے۔ دوسروں کو اپنی مٹھی میں دبوچ لیتا ہے۔ مگر میں تو دُرگا ماں کا بھگت ہوں۔ اس کو تگنی کا ناچ نچا تا رہوں گا۔“

پھر وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ”میرے کو تو کچھ کرنا ہی نہیں ہوگا۔ جیوتی جھالرا اور نیہا اسے پوری دنیا میں دوڑاتی پھریں گی۔“

نیہا نے زینے کے اوپری حصے میں آکر باپ کو راکنگ چیئر پر جھولتے دیکھا پھر پوچھا۔ ”ڈیڈی! آج تم فرہاد سے بولنے والے تھے.... کیا ہوا؟“

اس نے کہا۔ ”جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ میں نے اسے بتایا ہے کہ تم کتنی سندر ہو۔ وہ تمہیں دیکھے گا تو تمہارے پیچھے پیچھے دُم ہلاتا پھرے گا۔“

”تب تو اسے دوڑ کر میرے پاس آنا چاہیے۔“

”ابھی آنے والا تھا مگر تمہاری ماں سے ڈرتا ہے۔ وہ اسے پکڑ لے گی۔“

نیہا جھنجلا کر بولی۔ ”کیا مشکل ہے۔ اسے ممی سے چھپا کر کیسے رکھوں؟ کیوں نہ میں اس کے پاس چلی جاؤں؟“

وہ تنبیہ کے انداز میں انگلی اٹھا کر بولا۔ ”خبردار! میں تم کو بتا چکا ہوں' شادی سے پہلے وہ تم کو ہاتھ لگائے گا تو تم پھسل جاؤ گی۔ اس کی دیوانی ہو جاؤ گی۔“

”میں اسے ہاتھ نہیں لگانے دوں گی۔“

”وہ پکا بدمعاش ہے۔ جس کو چھو لیتا ہے' اس کو پاگل دیوانی بنا دیتا ہے۔ تم تو ابھی سے اس کے نام کی مالا جپتی رہتی ہو۔ شادی سے پہلے ملوگی تو اس کی داسی بن کے رہ جاؤ گی۔“

”میں اسے اپنا داس بنا لوں گی۔ مجھے اس کا پتا ٹھکانا بتاؤ؟“

اس نے بہانہ کیا۔ ”ابھی معلوم نہیں ہے۔ جب میں اس کے دماغ میں گھس جاؤں گا تو بہت کچھ معلوم کرکے تمہیں بتاؤں گا۔“

نیہا کے فون سے کالنگ ٹون سنائی دی۔ وہ فون اٹینڈ کرتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

جے بلرام بھنڈاری کو بڑی دیر سے ایک بات کھٹک رہی تھی۔ اب اسے یاد آیا کہ اس نے کبریا کے دماغ میں پہنچتے ہی میری آواز سنی تھی۔

وہ کبریا کو فرہاد سمجھ رہا تھا۔ جبکہ میری آواز اور لہجہ بھی ویسا ہی تھا۔ وہ بڑی توجہ سے میرا اور کبریا کا موازنہ کرنے لگا۔ تب یہ فرق معلوم ہونے لگا کہ کبریا کی آواز میں جوانی کا زور تھا۔ میری آواز اور لہجے میں بڑھاپا اور بیماری تھی، کمزوری تھی۔

وہ جھولنے والی کرسی کو روک کر ایک جگہ تھم گیا۔ بڑی سنجیدگی سے سوچنے لگا۔ یہ تجسس پیدا ہوا کہ میں کون ہوں؟ کیا جو فرہاد اس سے باتیں کر رہا تھا' اس کا کوئی بیٹا یا کوئی رشتے دار بیمار ہے اگر ایسا ہے تو وہ اسے اپنا معمول اور تابعدار بنا کر فرہاد کی کمزوریوں سے کھیل سکتا ہے۔

اس نے میری بیمار اور لرزتی ہوئی آواز کو اچھی طرح ذہن نشین کیا پھر خیال خوانی کی پرواز کرتا ہوا میرے اندر پہنچ گیا۔ اس وقت سونیا میرے پاس بیٹھی مجھے سوپ پلا رہی تھی۔ میں کمزوری کے باعث اس کی سوچ کی لہروں کو محسوس نہ کرسکا۔

یہ میرا دماغ کھلی ہوئی کتاب بن گیا تھا۔ کتاب کے پہلے ہی صفحے نے بتا دیا کہ دراصل میں فرہاد علی تیمور ہوں اور جو اس سے باتیں کرتا رہا تھا وہ میرا بیٹا کبریا ہے۔ میری بیماری کو دنیا والوں سے چھپایا جا رہا تھا۔

کوئی بات اس سے چھپی نہ رہ سکی۔ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ میں پاکستان کے شہر لاہور میں ہوں۔ شاہدرہ کے علاقے میں میرا ایک چھوٹا سا مکان ہے اور میں سونیا کے ساتھ وہاں دکھ بیماری کے دن گزار رہا ہوں۔

اور کیا رہ گیا تھا' معلومات حاصل کرنے کے لیے؟ ایک نئے انجانے دشمن کو میرے ماضی اور حال کی ایک ایک بات معلوم ہو رہی تھی۔ میری زندگی کے جو گہرے راز تھے وہ بھی کھل کر اس کے سامنے آ رہے تھے۔ میں انجانے میں اپنے گھر کا بھیدی بنا ہوا تھا۔ خود اپنی لنکا ڈھا رہا تھا۔

وہ خوشی سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں ہاتھوں سے کبھی چٹکیاں بجا کر کبھی تالیاں بجا کر ناچنے لگا۔

”جے ماتا کی.... جے ماتا کی...

دُرگا ماں.... جے دُرگا ماں!

کوئی نہ پہنچ پایا جہاں...

تُو مجھ کو پہنچائے وہاں...

اب تو میں اس کی کھوپڑیا میں ناچوں گا اور اسے نچاؤں گا۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنی آسانی سے اسے چرنوں میں جھکا لوں گا۔“

وہ تھوڑی دیر تک خوشی سے ناچتا' گاتا اور جھومتا رہا پھر جھولنے والی کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ سوچنے لگا۔ ”وہ بیمار ہے... کیا بیماری ہے؟ مجھے معلوم کرنا چاہیے۔ میں تو جڑی بوٹیوں سے اور منتروں سے برسوں کے بیماروں کو اچھا کر دیتا ہوں۔“



وہ پھر میرے اندر آکر خیالات پڑھنے لگا۔ معلوم ہوا کہ مجھ پر ڈینگی وائرس کا حملہ ہوا تھا۔ تب سے بیمار ہوں۔ وہ میرے اندر زیرِ لب کچھ پڑھنے لگا۔ وہ سنسکرت بھاشا میں کچھ بول رہا تھا۔ یوں میں نے پہلی بار اس کی آواز سنی اور یہ معلوم ہوا کہ ایک اجنبی میرے اندر جگہ بنا چکا ہے۔

میں نے سونیا کو دیکھا۔ وہ مجھے سوپ پلانے کے بعد میرے پاس ہی بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ تھکن نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ میں نے اسے آواز نہیں دی۔ یہ سوچا کہ پہلے اس اجنبی کے متعلق کچھ معلوم کرلوں پھر سونیا کو اس کے بارے میں کچھ بتا سکوں گا۔

نہ جانے وہ کیا پڑھتا جا رہا تھا؟ میں نے تھوڑی دیر بعد بہت ہی آرام اور سکون محسوس کیا۔ اس نے میرے ذہن سے کمزوری کے احساسات کو کم سے کم کر دیا تھا۔ ایک طویل بیماری کے بعد پہلی بار ایسا لگ رہا تھا کہ نہ میں مریض ہوں اور نہ ہی کمزور ہوں۔ تندرست اور توانا بھی نہیں ہوں۔ بس ٹھیک ہوں۔

جب آرام اور سکون ملا تو آنکھیں بند ہونے لگیں۔ دراصل وہ تنویمی عمل کر رہا تھا۔ جب میں پوری طرح سحر زدہ ہو گیا تو اس نے کہا۔ ”بولو کیا تم میرے معمول اور تابعدار ہو؟“

میں نے کہا۔ ”ہاں۔ میں تمہارا معمول اور تابعدار ہوں۔“

”کیا میرے اس عمل سے تمہیں کوئی چھڑا سکتا ہے؟“

”ہاں۔ اگر میرے دین کے خلاف کوئی بات ہوگی تو روحانی ٹیلی پیتھی کے ذریعے مجھے تم سے نجات مل جائے گی۔“

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ”میں تمہارا علاج کر رہا ہوں۔ تم دھیرے دھیرے ٹھیک ہو جاؤ گے۔ چلنے پھرنے اور دوسروں کے اندر پہنچنے لگو گے۔ اتنی بڑی نیکی کے بدلے مجھے کیا دو گے؟“

”جو کام دین کے خلاف نہیں ہوگا اسے ضرور کروں گا۔ تمہاری ہر بات مانوں گا۔“

”تم یہ بات کسی کو نہیں بتاؤ گے کہ میں نے تم پر ایسا عمل کیا ہے۔“

میں نے ایک معمول اور تابعدار کی حیثیت سے کہا۔ ”میں کسی کو یہ بات نہیں بتاؤں گا۔“

”جب کوئی بھی دوست یا دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والا تمہارے خیالات پڑھے گا تو تم مجھے بھول جاؤ گے۔ کسی کو میرے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گے۔“

میں نے کہا۔ ”جب بھی کوئی دماغ میں آئے گا' میں تمہیں بھول جاؤں گا۔ تمہارے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔“

وہ مطمئن ہو کر مجھے تنویمی نیند سونے کے لیے چھوڑ کر چلا گیا۔ یہ لمحۂ فکریہ تھا۔ جے بلرام بھنڈاری کی صورت میں ایک نئی مصیبت گلے پڑ گئی تھی۔ پتا نہیں وہ مجھے کیسے کیسے مسائل سے دوچار کرنے والا تھا؟ فی الحال اس نے نیکی تھی۔ پتا نہیں کیا پڑھتا رہا تھا؟ کس قسم کا عمل کرتا رہا تھا۔ میں ایک ذرا سی توانائی محسوس کرتے ہوئے سکون سے سو گیا تھا۔

بھنڈاری شہر میں ایک خاندانی رئیس کی طرح زندگی گزارتا تھا۔ صرف اس کی سابقہ بیوی جیوتی جھالرا اس کی بیٹی نیہا جانتی تھی کہ وہ پراسرار کالے علوم کا مہا گیانی ہے۔

شہر سے دور ایک وسیع و عریض صدیوں پرانا مندر تھا۔ جہاں کالی مائی کی بارہ فٹ اونچی مورت تھی۔ اس کے سیاہ چہرے پر دو سیاہ گھورتے ہوئے دیدے تھے۔ سرخ لہو سے بھری ہوئی زبان باہر نکلی ہوئی تھی۔ وہ گلے میں انسانی کھوپڑیوں کی مالا پہنے ہوئے تھی۔ اس کے بے شمار ہاتھ تھے۔ ان ہاتھوں میں خون آلود بغدے اور ترسُول تھے۔ وہ غصے میں بھری ہوئی جیسے حملہ کرنے کے انداز میں تھی۔

اس کالی مائی کلکتے والی کو دیکھتے ہی خوف طاری ہو جاتا تھا۔ لیکن بھنڈاری جیسے لوگ ایسی خوفناک دیوی کی پوجا کرتے تھے۔ پراسرار کالے علوم میں مہارت حاصل کرنے کے لیے اور کالی دیوی کو خوش کرنے کے لیے جانوروں اور انسانوں کی قربانیاں دیتے تھے۔ اس کے چرنوں میں بچوں اور جوانوں کی گردنیں اڑا دیتے تھے۔

بڑی درندگی اور غیر انسانی پوجا پاٹ اور تپسیا کے بعد کالے جادو میں خطرناک مہارت حاصل کی جاتی ہے۔ بھنڈاری نے برسوں کی کٹھن اور جان نکال لینے والی تپسیا کے بعد ایسی مہارت حاصل کی تھی کہ بڑے بڑے جادوگروں کے مقابلے میں ناقابلِ شکست بن گیا تھا۔ اور ناقابلِ شکست بننے کے لیے اس نے ایک حیران کر دینے والا عمل خود پر کیا تھا۔ وہ کبھی اپنی پوری آتما کے ساتھ دشمنوں کے ہتھے نہیں چڑھتا تھا۔ اس نے اپنی آتما کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ہر آتما کا ایک جسم تھا۔ ہر جسم ایک الگ جے' بلرام' بھنڈاری تھا۔

اس طرح وہ ایک جگہ ایک بھنڈاری نہیں تھا۔ بلکہ تین جگہ جے' بلرام اور بھنڈاری تھا۔ دشمن کسی ایک کو ہلاک کرتے تھے تو باقی دو ساتھی اس ہلاک ہونے والے کی آتما کو اپنے اندر لے آتے تھے۔ بعد میں وہ تیسرا ساتھی پھر نئی زندگی پا لیتا تھا۔

ان تینوں نے یہ طے کیا۔ "اتنی بڑی دنیا میں صرف امریکا اور یورپ کے ممالک حکمرانی نہیں کریں گے۔ ہم ہندوستانیوں کا بھی بول بالا رہے گا۔"

ایک ساتھی جے نے کہا۔ "معلوم ہوا ہے' سیارے سے آنے والا بڑا شکتی مان ہے۔ اگر اسے روکا نہ گیا تو وہ پوری دنیا کو ہڑپ کرلے گا۔ سب کو اپنا گلام بنالے گا۔ اس سے پہلے ہم اسے اوندھے منہ گرائیں گے۔"

بلرام نے کہا۔ "ٹیلی پیتھی کی دنیا میں ایک پھرہاد علی تیمور نے دھوکس جمارکھی تھی۔ وہ ہمارے راستے کی بہت بڑی رکاوٹ بن سکتا تھا۔ میں نے آج صبح اس کو اپنے بس میں کرلیا ہے۔ وہ ہمیشہ میری مٹھی میں رہا کرے گا۔"

تیسرے ساتھی بھنڈاری نے کہا۔ "وہ بہت کھترناک ہے۔ اس کو جیادہ دیر مٹھی میں مت رکھو۔ اِدھر ماتا جی کے مندر میں لے آؤ۔ ہم اتنے بڑے آدمی کی بلی چڑھائیں گے تو ماتا جی بہت پرسن ہوں گی۔"

جے نے اس کی تائید میں کہا۔ "اس کو جلدی سے ماتا جی کے چرنوں میں لے آؤ۔ نہیں تو وہ معصیبت بن جائے گا۔"

بلرام نے کہا۔ "اس کا باپ بھی معصیبت نہیں بنے گا۔ میں نے اس کے پر کاٹ دیے ہیں۔ وہ میری مرجی کے بِنا کبھی میرے اندر نہیں آسکے گا۔ کبھی میرے کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ کبھی میرے کو جان سے مارے گا تو تم دونوں پھر میرے کو نیا جیون دے دو گے۔ اس کے بعد پھرہاد کی شامت آجائے گی۔ میری دشمنی اس کو بہت مہنگی پڑے گی۔"

پھر وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "وہ مارتا رہے گا' میں جندہ ہوتا رہوں گا۔ میرے کو کاہے کا ڈر ہے؟ میں ایک بار اس کو دیوی ماں کی بھینٹ چڑھاؤں گا تو دوسری بار اس کو جندگی نہیں ملے گی۔"

وہ تینوں ہم شکل تو نہیں تھے مگر اُن کی آتمائیں ایک تھیں۔ چونکہ جسمانی طور پر الگ الگ تھے۔ لہٰذا ایک دوسرے کو مخاطب کرنے کے لیے انہوں نے نام الگ الگ رکھے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام جے رکھا گیا۔ دوسرے کو بلرام کہا گیا اور تیسرا بھنڈاری کہلانے لگا۔

وہ لوگوں کو اپنا نام جے بلرام بھنڈاری بتاتے تھے اور پیدائشی طور پر اسی نام سے ان کا ایک وجود تھا۔ وہ جو میرے پاس آیا اور مجھ پر تنویمی عمل کر کے گیا تھا۔ اسے بلرام کہتے تھے۔ اس نے مجھے اپنا پورا نام جے بلرام بھنڈاری بتایا تھا۔

اگرچہ وہ پراسرار عمل کے باعث تین حصوں میں تقسیم ہوگئے تھے۔ تاہم اماوس کی رات ان کا پراسرار عمل کمزور پڑ جاتا تھا اور وہ تینوں ایک ہی جسم میں سمٹ آتے تھے۔ چونکہ روح ایک ہی تھی۔ اس لیے صبح ہونے تک ان کا ایک ہی وجود رہتا تھا۔

وہ تمام رات ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو پاتے تھے۔ ایک سے تین ہوکر ایک دوسرے کی حفاظت نہیں کرسکتے تھے۔ اگر ایسے وقت انہیں کوئی دشمن قتل کردیتا تو اس کے اندر سمائے رہنے والے دو وجود بھی فنا ہوجاتے پھر ان میں سے کسی کو نئی زندگی نہ ملتی۔

یہ ان تینوں کی زندگی کا اہم راز تھا۔ جب تک ان کی یہ کمزوری دشمنوں کو معلوم نہ ہوتی تب تک وہ مرنے والے نہیں تھے۔

بلرام نے کہا۔ "ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس دنیا میں ہماری بھی حکمرانی ہو۔ ہم بڑے بڑے تاکت ور لوگوں کو اپنے بس میں کریں گے اور انہیں انگلیوں پر نچائیں گے۔ تب ہماری منو کامنا پوری ہوگی۔"

وہ بڑے فخر سے بولا۔ "میں تو اپنا کام کرچکا ہوں پھرہاد میری مٹھی میں آگیا ہے۔ تم دونوں کیا کررہے ہو؟"

جے نے کہا۔ "دیوی ماں کی کرپا سے معلوم ہوا ہے کہ میں امریکا اور یورپ کے اکابرین کی کھوپڑیوں میں جاکر انہیں کٹھ پتلیاں بنا سکتا ہوں اور اب میں اُدھر جارہا ہوں۔ تم دونوں میرے اندر سے جاؤ۔ میرے کو اپنا کام کرنے دو۔"

بلرام اور بھنڈاری اس کے دماغ سے نکل گئے۔ بلرام نے پوچھا۔ "بھنڈاری! تم کیا کررہے ہو؟"

وہ بولا۔ "تم آسانی سے پھرہاد کے اندر پہنچ گئے کیونکہ وہ دوستوں اور دشمنوں کے اندر سوچ کی لہروں سے بولتا رہتا ہے۔ اکابرین بھی ریڈیو اور ٹی وی پر آکر بولتے رہتے ہیں۔ جے کے لیے بھی آسانی ہے۔ وہ ابھی ان کے اندر پہنچ جائے گا مگر میرے کو ایشورارا کی آواج نہیں مل رہی ہے۔ وہ کسی سے بھی کمیونیکیٹنگ مشین پر بولتا ہے۔"

بلرام نے کہا۔ "ہاں۔ وہ بہت ہوشیار ہے مگر بالکل گونگا بن کر نہیں رہتا ہوگا۔ اپنے بھروسے کے ماتحتوں سے جرور باتیں کرتا ہوگا۔"

"میں اسی انتجار میں ہوں۔ کبھی اسے بولتے ہوئے سن لوں تو پھر جونک کی طرح اس سے چمٹ جاؤں گا۔"

پھر اس نے کالی مائی کی مورت کو دیکھ کر دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "یہ مہاشکتی والی ماتا میرے سپنوں میں آئی تھی۔ یہ بتایا ہے کہ میرے کو کیسے کامیابی ملے گی؟"

"کیسے ملے گی؟"

بھنڈاری نے سر اٹھا کر مندر کی چھت کو دیکھا۔ ٹوٹی ہوئی چھت سے آسمان دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بڑی لگن سے آسمان کو دیکھ کر بولا۔ "سیارے کی ایک عورت میری مشکل آسان کرے گی۔"

بلرام نے حیرانی سے پوچھا۔ "سیارے میں عورتیں بھی ہیں؟ ہم نے تو اب تک یہی معلوم کیا ہے کہ وہاں سے صرف مرد آتے ہیں۔"

"وہاں عورتیں جرور ہوں گی۔ تب ہی تو مرد پیدا ہوکر وہاں سے آتے ہیں۔"

بلرام نے قائل ہوکر ہاں کے انداز میں سرہلایا پھر پوچھا۔ "دیوی ماں نے کیا کہا تھا؟ کیا سیارے سے کوئی عورت آئے گی؟"

"آنے کی بات نہیں کہی تھی۔ پر معلوم ہوتا ہے' آئے گی۔ تب ہی میری مشکل آسان ہوگی۔"

"یہ تو بتایا ہوگا کہ مشکل کیسے آسان ہوگی؟"

"ہاں۔ میں اس عورت کی بلی چڑھاؤں گا۔ اسے دیوی ماں کے چرنوں میں لاکر اس کی گردن اڑاؤں گا۔"

"پھر تو تیری شکتی بڑھ جائے گی۔ تُو اور مہاشکتی مان ہو جائے گا۔"

"ہاں۔ میں مہاشکتی مان بننے کے لیے تپسیا کررہا ہوں۔ اب میرے کو اکیلا چھوڑ دو۔ تم یہاں سے جاؤ۔"

وہ اسے کالی ماں کے سامنے تنہا چھوڑ کر مندر سے باہر آگیا۔ اس وقت اس کے دماغ میں سیارے کی ایک خیالی عورت رقص کررہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ "میں خیالی نہیں ہوں۔ آسمان کی طرف دیکھتے رہو۔ کسی بھی دن کسی بھی وقت آنے والی ہوں۔"

☆☆☆

اُدھر ایشورارا اپنی حکمتِ عملی کے مطابق اکابرین سے ... کے لیے پر تول رہا تھا۔ تین امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے اپنے اکابرین کے دماغوں کو مقفل کیا تھا۔ وہ ان کے اندر نہیں جاسکتا تھا لیکن اب وہ بڑی سے بڑی رکاوٹیں ... کر انہیں دن میں تارے دکھا سکتا تھا۔ اس نے معلوم کیا' اکابرین ایک کانفرنس ہال میں تھے۔ ان کا موجودہ مسئلہ تھا کہ وہ اپنے ان امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والوں پر بھروسا نہیں کررہے تھے۔ جنہوں نے ان کے دماغوں کو لاک کیا تھا۔ انہیں یقین کی حد تک شبہ تھا کہ وہ تینوں خیال خوانی کرنے والے واکس مین نف گاگی اور جیمس ہارڈی ہم مسلمانوں کے زیرِاثر ہیں۔

اس کانفرنس ہال میں ایشورارا بڑی خاموشی سے آیا۔ وہ چُپ چاپ ان کی باتیں سننے کے بعد اپنی کچھ سنانے والا تھا۔ یہ نہیں جانتا تھا کہ ان سب سے چھپ کر جے بھی وہاں پہنچا ہوا ہے۔ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے گویا آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔

وہاں تین امریکی خیال خوانی کرنے والوں کا محاسبہ ہو رہا تھا۔ اکابرین ان پر غداری کا الزام لگا رہے تھے۔ واکس مین نے اپنے طور پر صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ "ہم تمہارے دماغوں کو لاک کرنے سے پہلے یہ کہہ چکے تھے کہ مسٹر فرہاد ہمارے محسن ہیں۔"

جیمس ہارڈی نے کہا۔ "ہم ان کی بیٹی عالی سے دشمنی کرتے ہوئے پکڑے گئے تھے۔ وہ چاہتے تو ہمیں مار ڈالتے مگر انہوں نے دوستی اور امن و امان کے راستے پر چلنے کے لیے ہمیں یہ نئی زندگی دی ہے۔"

ایک اعلیٰ عہدیدار نے کہا۔ "اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ مسلمان ہمیں نقصان پہنچائیں گے تو کوئی بات نہیں' اور ہم ان کے خلاف جوابی کارروائی کریں گے تو تم ہمیں روکو گے؟"

واکس مین نے کہا۔ "وہ تب نقصان پہنچاتے ہیں' جب تم لوگ دشمنی میں پہل کرتے ہو۔ ابھی تمہیں ایشورارا جیسے خطرناک دشمن سے نمٹنا چاہیے مگر تم اسے نظر انداز کر کے مسلمانوں سے ازلی دشمنی کا ثبوت دے رہے ہو۔"

"تم تینوں ٹیلی پیتھی جانتے ہو۔ سیاست نہیں جانتے۔ یہ ہماری سیاسی حکمت عملی ہے۔ مسلمانوں کو ایک ذرا ڈھیل دی جائے تو وہ ہم پر غالب آجائیں گے۔ پوری دنیا پر چھا جائیں گے۔ ایسا ہونے سے پہلے ہی ہم ان کی رسّی کھینچ لیتے ہیں۔"

"ہم یہودیوں اور عیسائیوں کی یہی سوچ' یہی عداوتیں اسلام کی ابتدا سے چلی آرہی ہیں۔ تاریخ کے ہر دور میں مسلمانوں کو کچلنے کی بھرپور کوششیں کی گئی ہیں۔ چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ ہمارے تمام ہتھیار، تمام مکاریاں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ ناکامی کے چودہ سو سال کم نہیں ہوتے۔ اب تو ہمیں شرمندہ ہونا چاہیے۔"

"ہمیں شرم نہ دلاؤ۔ کام کی باتیں کرو۔ اپنا فیصلہ سناؤ۔ تم اپنے ملک اپنی قوم کے کام آؤ گے یا فرہاد کا ساتھ دے کر آدھے مسلمان اور آدھے عیسائی یعنی آدھے تیتر آدھے بٹیر بنے رہو گے؟"

"ہم آدھے نہیں مکمل ہیں۔ ذرا عقل سے سوچو! ابھی ہمارا اور مسلمانوں کا مشترکہ دشمن ایشورارا ہے۔ ہمیں متحد

ہو کر اسے اپنی دنیا سے بھگانا ہے۔ یہ سمجھ لو کہ تم نے فرہاد سے دوستی نہ کی' اس کا اعتماد حاصل نہ کیا تو سیارے والوں کا مقابلہ نہ کرسکو گے۔ وہ پورے امریکا کے حکمران بن جائیں گے۔ اور تم سب اپنے دماغوں کو مقفل کیے بیٹھے رہ جاؤ گے۔"

ایسے وقت ایشورارا کی آواز سنائی دی۔ اس نے ایک سیکیورٹی افسر کے دماغ میں جگہ بنا لی تھی۔ وہ افسر بے اختیار بول رہا تھا۔ "میں ایشورارا تمہارے اس افسر کی زبان سے بول رہا ہوں۔ تمہارا یہ ٹیلی پیتھی جاننے والا درست پیشگوئی کر رہا ہے۔ تمہاری فوج میرا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ میں جلد ہی یہاں کا حکمران بننے والا ہوں۔ جانتے ہو! میں اتنے اعتماد سے یہ بات کیوں کہہ رہا ہوں؟"

تمام اکابرین اس افسر کو دیکھنے لگے۔ وہ بول رہا تھا۔ "تمہیں مسلمانوں سے اتحاد کرنا چاہیے تھا۔ تم نے نہیں کیا۔ یہ دانشمندانہ قدم میں نے اٹھایا ہے۔ میں نے سونیا کا اعتماد حاصل کیا۔ ہمارے درمیان یہ معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہم دوست اور اتحادی بن کر رہیں گے۔"

ایک اعلیٰ عہدیدار نے کہا۔ "ہم نہیں مانتے۔ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ سونیا سے معاہدہ کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ بابا صاحب کا ادارہ سیارے والوں کو ہماری زمین پر حکومت کرنے کی چھوٹ دے گا۔ ہم نہیں مانتے' یہ مسلمان تمہارا وجود کبھی یہاں برداشت نہیں کریں گے۔"

"سانچ کو کیا آنچ؟ سونیا سے اور فرہاد سے اور بابا صاحب کے ادارے سے رابطہ کرو۔ جو سچ کہہ رہا ہوں' وہ تمہارے سامنے آجائے گا۔"

ایسے وقت جے نے بھنڈاری کے پاس آکر کہا۔ "اکابرین کی کانفرنس میں آؤ۔ تم ایشورارا کو پھانسنا چاہتے ہو۔ تمہارا وہ مُرگا وہاں موجود ہے۔"

بھنڈاری بھی فوراً وہاں پہنچ گیا۔ اُدھر چند اعلیٰ عہدیداروں نے فون کے ذریعے فرہاد سے یعنی کبریا سے رابطہ کیا۔ ایک نے پوچھا۔ "کیا آپ ایشورارا سے اتحاد کر رہے ہیں؟"

کبریا نے جواب دیا۔ "تم میرے ذاتی معاملات میں دلچسپی لینے کیوں آئے ہو؟"

"تمہارا یہ ذاتی معاملہ ہمارے لیے تباہی لائے گا۔ ہم تباہ ہو جائیں گے۔"

"مجھے تمہاری تباہی سے کیا لینا ہے؟"

"کیا تم سمجھتے ہو' وہ صرف ہمیں محکوم بنائیں گے؟ تمہیں نہیں بنائیں گے؟"

"ہمارے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے۔ ہم ایک دوسرے کو محکوم نہیں بنائیں گے۔ اس دنیا کو آدھا آدھا بانٹ لیں گے۔"

"نہیں فرہاد! تم ایسا کوئی معاہدہ نہیں کرو گے۔"

"ہم کر چکے ہیں۔ ایشورارا کو بابا صاحب کے ادارے کی سرپرستی حاصل ہو گی۔ اندازہ کرو' وہ کس قدر طاقتور ہو جائے گا؟"

"مسٹر فرہاد! ہم سے معاہدہ کرو گے تو ہم متحد ہو کر اپنی ارضی دنیا سے سیارے والوں کو بھگائیں گے۔"

"کیا تم لوگوں کی یادداشت کمزور ہے؟ ذرا یاد کرو کتنی بار تم لوگوں نے ہمیں دوستی کا جھانسا دیا۔ پھر اپنا مطلب نکلتے ہی طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیں۔ تم لوگوں نے اتنی بار ہمارے اعتماد کو دھوکا دیا ہے کہ اب کوئی عقل کا اندھا ہی تم پر بھروسا کرے گا۔"

"صرف ایک بار... آخری بار ہم پر بھروسا کرو۔"

کبریا نے فون بند کر دیا۔ اعلیٰ عہدیدار پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ان تینوں ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے فرہاد سے رابطہ کیا۔ کبریا کے ذہن میں میرا الب و لہجہ نقش تھا۔ اس لیے وہ اس کے اندر پہنچ گئے۔

لف گائی نے پوچھا۔ "سر! کیا واقعی آپ نے ایشورارا سے دوستی اور اتحاد رکھنے کا معاہدہ کر لیا ہے؟"

کبریا نے میرے انداز میں کہا۔ "تمہارا کیا خیال ہے میں ایسا کروں گا؟"

"نو سر! ہمارا دل نہیں مان رہا ہے۔ دماغ تسلیم نہیں کر رہا ہے۔"

"اور کرنا بھی نہیں چاہیے۔ ایشورارا ہمیں جھانسا دے رہا ہے۔ ہم نے اسے خوش فہمی میں مبتلا کیا ہے۔ یہ بات اپنے اکابرین سے ہرگز نہ کہنا۔ انہیں مشکل میں پڑنے دو۔ تب ہی شاید وہ سچے دل سے ہماری قدر کریں گے۔"

لف گائی نے کہا۔ "آپ بہت اچھی چال چل رہے ہیں۔ ایک طرف ایشورارا خوش فہمی میں مبتلا ہو کر آپے سے باہر ہو گا۔ دوسری طرف اکابرین کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو گا۔"

جیمس ہارڈی نے کہا۔ "آپ کے سائے میں رہ کر ہمیں بڑے تجربات حاصل ہو رہے ہیں۔ شکریہ سر! ہم جا رہے ہیں۔"

جے اور بھنڈاری کانفرنس ہال میں تھے۔ یہ نہیں جانتے تھے کہ امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے کبریا کے [illegible] آکر کیا باتیں کی ہیں۔

وہ تینوں خیال خوانی کے ذریعے کانفرنس ہال میں [illegible] گئے۔ لف گائی نے کہا۔ "ہم ابھی فرہاد صاحب کے پاس [illegible] تھے۔ ان سے گزارش کی ہے کہ ایشورارا سے دوستی اور [اتح]اد نہ کریں۔ وہ کہتے ہیں' تم لوگوں نے انہیں بارہا دھوکا [دیا] ہے۔ انہیں نقصان پہنچانے کی کوششیں کرتے رہے ہو۔ وہ [ایش]ورارا سے اتحاد کر کے تم سے انتقام لے رہے ہیں۔"

جے اور بھنڈاری یہ باتیں سن کر مسکرا رہے تھے۔ یہ [جا]نتے تھے کہ میں بیمار ہوں۔ بستر پر پڑا ہوں اور بلرام مجھے اپنا معمول اور تابعدار بنا چکا ہے۔ وہاں ایک عہدیدار اپنے [ٹی]لی پیتھی جاننے والوں سے کہہ رہا تھا۔ "فرہاد کو سمجھاؤ' ہمیں آخری موقع دے۔ آخری بار ہم پر بھروسا کرے۔"

جیمس ہارڈی نے کہا۔ "پہلے کئی بار یہی کہا گیا کہ آپ [کی ب]ات پر آخری بار بھروسا کیا جائے۔ یہ اچھی طرح یقین [ہو] چکا ہے کہ وہ آخری بار کبھی نہیں آئے گا۔ تم لوگوں کی آنکھیں اس وقت کھلیں گی جب ایشورارا کی جوتیوں میں [ر]ہو گے۔"

"بکواس مت کرو۔ ہم ایسے بھی گئے گزرے نہیں ہیں [کہ س]یارے والوں کا مقابلہ نہ کر سکیں۔"

دوسرے عہدیدار نے کہا۔ "تم تینوں ٹیلی پیتھی جاننے [وا]لے فرہاد کے زیر اثر نہیں رہو گے۔ ہمارا بھرپور ساتھ دو گے [تو] ہم سیارے والوں کو یہ دنیا چھوڑنے پر مجبور کر دیں گے۔"

جیمس ہارڈی نے کہا۔ "ہم امریکی ہیں۔ اپنے وطن [اور] اپنی قوم کو دوسروں کا محکوم بننے نہیں دیں گے۔ تم سب [ہما]رے اعلیٰ حاکم ہو۔ ہم تمہارے تابعدار رہ کر دشمنوں کا [مقا]بلہ کریں گے۔"

ایشورارا نے سیکیورٹی افسر کے ذریعے قہقہہ لگایا۔ تمام [اکا]برین اس کا منہ تکنے لگے۔ اس نے کہا۔ "میرے دو لاکھ [تین] ہزار ٹیلی پیتھی جاننے والے موجود ہیں۔ تمہارے ان [تینوں س]ورماؤں کو ایک پھونک میں اُڑا دیں گے۔"

لف گائی نے کہا۔ "دو لاکھ تین ہزار میں سے ایک بھی [ہمار]ے سائے تک نہ پہنچ سکا۔ تم جو نقصان اُٹھا رہے ہو' اس [سے] اب تک غافل ہو۔ اسی لیے ایسی ڈینگیں مار رہے [ہو۔] ہمارا مقابلہ کرنے سے پہلے جاؤ اور اپنے وفاداروں کی [گ]نتی کرو۔ تب پتا چلے گا کہ پاؤں تلے سے زمین کس طرح [کھس]کتی ہے؟"

وہ تینوں جانتے تھے کہ ہمارے بے شمار ٹیلی پیتھی [جان]نے والے بڑی رازداری سے سیارے والوں کو نشانہ بناتے رہتے ہیں۔ ہمارا طریقہ کار یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت کی ہدایات کے مطابق پہلے انہیں سمجھایا جاتا تھا کہ وہ سیارے میں واپس چلے جائیں۔ جب وہ نہیں مانتے تھے تو ان سے تین طرح کا سلوک کیا جاتا تھا۔ پہلے روحانی ٹیلی پیتھی کے ذریعے ان کی ڈھکی چھپی نیتوں کو سمجھا جاتا تھا۔ اگر وہ اس دنیا میں رہنے کے لیے ایک خدا اور آخری رسولؐ پر سچے دل سے ایمان لے آتے تھے تو ان مسلمان بننے والوں کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔ جو اپنے آباؤ اجداد کی طرح کسی مذہب کو نہیں مانتے تھے اور وعدہ کرتے تھے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف خیال خوانی نہیں کریں گے اور جب بھی ایشورارا انہیں خلائی جہاز فراہم کرے گا' وہ سیارے میں واپس چلے جائیں گے تو ایسے لوگوں کے دماغوں کو روحانی ٹیلی پیتھی کے ذریعے لاک کر دیا جاتا تھا۔ وہ سیارے میں جا کر خیال خوانی کر سکتے تھے مگر اس دنیا میں عام انسان کی طرح رہنے والے تھے۔

تیسرے وہ لوگ تھے جو شر پسند' ضدی اور مکار تھے۔ بولتے کچھ تھے مگر کرتے وہی تھے جو ایشورارا کہتا تھا۔ ایسے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔

ایشورارا اس کانفرنس ہال میں یہ باتیں سن کر چونک گیا کہ اس کے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی تعداد کم ہو رہی ہے۔ وائس مین لف گائی اور جیمس ہارڈی یہ چیلنج کر رہے تھے کہ وہ جائے اور اپنے وفاداروں کی گنتی کرے۔

اس نے فوراً ہی اپنے بھائی' اپنے دست راست ایکورارا سے کہا۔ "مجھے ابھی حساب دو کہ ہمارے ٹیلی پیتھی جاننے والے دنیا کے کتنے علاقوں میں ہیں اور کل کتنی تعداد میں زندہ سلامت ہیں؟"

ایکورارا نے کہا۔ "میں تھوڑی دیر میں مکمل حساب پیش کروں گا۔"

اکابرین یہ سن کر خوش ہو رہے تھے کہ ان کے تینوں ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے بہت بڑی خوش خبری سنائی تھی۔ وہ پہلی بار ایشورارا کو بہت بڑا نقصان اُٹھاتے دیکھ رہے تھے۔

ایک اعلیٰ عہدیدار نے کہا۔ "ایشورارا! جو قدرتی آفات آنے والی تھیں وہ ٹل گئی ہیں۔ تمہارا سیارہ تباہ نہیں ہو گا۔ وہ سلامت رہے گا۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ اپنے وفاداروں کے ساتھ واپس چلے جاؤ۔"

دوسرے عہدیدار نے کہا۔ "یہ بھول جاؤ کہ تم ہمارا کچھ بگاڑ سکو گے۔ اگر شرافت سے واپس جاؤ گے تو ہم بڑی عزت سے قیمتی تحائف کے ساتھ تمہیں رخصت کریں گے۔"

ایشورارا نے کہا۔ ”تم سب اس بات پر اکڑ رہے ہو کہ تمہارے دماغ مقفل ہوچکے ہیں۔ یہ خوف نہیں ہے کہ میں یا میرے ٹیلی پیتھی جاننے والے تمہارے اندر آسکیں گے۔ تمہیں اپنا مطیع و فرمانبردار بنا سکیں گے۔“

”بے شک۔ ہم محفوظ ہیں مگر تمہارے ٹیلی پیتھی جاننے والے خیریت سے نہیں ہیں۔ جاؤ ان کی گنتی کرو۔“

”میں ابھی جارہا ہوں۔ جلد ہی تمہیں معلوم ہوگا کہ تمہارے دماغ اب مقفل نہیں رہے ہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ غباروں سے کس طرح ہوا نکالی جاتی ہے!“

اس نے کانفرنس ہال سے نکل کر اپنے درجنوں خیال خوانی کرنے والوں کو طلب کیا۔ انہیں ہدایات دیں کہ وہ سب کانفرنس ہال سے باہر رہیں گے اور وہاں سے باہر آنے والے تمام اکابرین پر حملے کریں گے۔

ایسے وقت ایکورارا نے آکر کہا۔ ”برادر! بہت بُری خبر ہے۔ ہم اپنے ڈیڑھ لاکھ ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے محروم ہوچکے ہیں۔“

وہ حیرت سے چیخ پڑا۔ ”کیا بکواس کررہے ہو؟ میرے ڈیڑھ لاکھ وفادار مارے گئے اور مجھے خبر نہ ہوئی؟ میں نہیں مانتا۔ کیا تم نے نشہ کیا ہے؟“

”برادر! مجھے بھی یقین نہیں ہورہا تھا۔ جیسا کہ تم جانتے ہو ہمارے تمام وفاداروں کو بیس یونٹس میں تقسیم کیا گیا تھا۔ وہ سب بیس مختلف ممالک میں موجود ہیں۔ میں نے ہر یونٹ میں جاکر اچھی طرح گنتی کی ہے اور گم ہونے والوں کے متعلق معلوم کیا ہے۔ ڈیڑھ لاکھ میں سے صرف تیس ہزار مارے گئے ہیں۔“

”باقی ایک لاکھ بیس ہزار کہاں ہیں؟“

”ان میں سے چالیس ہزار خیال خوانی کرنے والوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ اب وہ ہمارے وفادار نہیں رہے۔“

وہ پریشان ہوکر سن رہا تھا۔ اتنے بڑے نقصان کی کبھی توقع نہیں کرسکتا تھا۔ ایکورارا نے کہا۔ ”باقی اسی ہزار وفاداروں کو خیال خوانی کی صلاحیت سے محروم کردیا گیا ہے۔ یہ کہا گیا ہے کہ سیارے میں جانے کے بعد ان کی یہ صلاحیت خود بخود بحال ہوجائے گی۔“

”کیا ان پر جادو کیا گیا ہے؟ مگر نہیں۔ یہ مسلمان جادو کی طرح کوئی عمل کرتے ہیں اور اسے روحانیت کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جادو سے دوسروں کو نقصان پہنچتا ہے۔ جبکہ روحانی عمل سے اصلاح ہوتی ہے۔ فیض حاصل ہوتا ہے۔“

ایکورارا نے کہا۔ ”ٹیلی پیتھی سے محروم ہونے والوں پر ہمارے وفاداروں نے تنویمی عمل کیا تھا۔ ان کی صلاحیتیں واپس لانے کی کوششیں کی تھیں مگر ناکام رہے۔“

وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گیا پھر اس نے کمیونیکیٹنگ مشین کے ذریعے سونیا کو مخاطب کیا۔ ”ہیلو سونیا! تم زبان سے پھر گئی ہو۔ زبانی معاہدہ کرتے ہی تم نے میرے ڈیڑھ لاکھ وفاداروں کو مجھ سے چھین لیا ہے۔“

اس نے کہا۔ ”اپنے وفاداروں سے پوچھو ان کے ساتھ جو ہوا وہ ہمارے درمیان سمجھوتا ہونے سے پہلے ہوا۔ تم سے صلح ہونے کے بعد کسی وفادار کو نقصان نہیں پہنچایا گیا ہے؟“

”تم درست کہہ رہی ہو مگر اب تو دشمن نہیں رہی ہو۔ میرے اسی ہزار وفاداروں کی صلاحیتیں بحال کرادو۔“

”سوری۔ جو دشمنی کے دور میں ہوگیا سو ہوگیا۔ کیونکہ دشمن بن کر تم نے بھی نقصان پہنچایا ہے۔ کیا تم ہمارا نقصان پورا کروگے؟ ہمارے جو لوگ مارے گئے ہیں انہیں واپس لاسکوگے؟ اگر نہیں تو ماضی کو بھول جاؤ۔ نئی دوستی اور معاہدے کو یاد رکھو میں تمہیں شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔“

اس نے رابطہ ختم کردیا۔ وہ جھنجلا کر رہ گیا۔ نہ وہ ہمارا نقصان پورا کرسکتا تھا اور نہ ہم اس کے وفاداروں کی صلاحیتیں واپس کرنے والے تھے۔ وہ ہم سے فائدہ اٹھانے کے لیے دوست بنا تھا۔ مگر پہلے ہی مرحلے میں ڈیڑھ لاکھ وفاداروں سے محروم ہوچکا تھا۔

اسے اب تک یہ گھمنڈ تھا کہ اس کے پاس لاکھوں ٹیلی پیتھی جاننے والے ہیں۔ اب پتا چلا کہ تعداد کچھ نہیں ہوتی، اس کے دو لاکھ تیس ہزار وفادار گھٹ کر صرف اسی ہزار رہ گئے تھے اور جو باقی اسی ہزار تھے، وہ ناکارہ ہوچکے تھے۔ آنے والے دنوں میں کارآمد رہنے والوں کی تعداد صفر بھی ہوسکتی تھی۔

وہ شکست خوردہ ہوکر سوچنے لگا۔ ”یہ ماننا پڑتا ہے کہ سونیا فرہاد اور بابا صاحب کا ادارہ ناقابلِ فہم ہیں۔ ناقابلِ تسخیر ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا یہ لوگ کیسی پراسرار قوتیں رکھتے ہیں؟ مجھے اب بھی یقین نہیں آرہا ہے کہ میں ڈیڑھ لاکھ ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے محروم ہوچکا ہوں۔“

کمال یہ تھا کہ کوئی جنگ لڑے بغیر خیال خوانی کرنے والے سپاہیوں کی اتنی بڑی تعداد کم کردی گئی تھی۔ اسے واضح طور پر اپنی شکست کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ عقل سمجھا رہی تھی کہ جلد سے جلد یورپ اور امریکا کے اکابرین کو اپنا محکوم نہ بنایا اور ان ممالک میں اپنی حکومت قائم نہ کی تو اس کے تمام ٹیلی پیتھی جاننے والے ختم ہوجائیں گے۔



سپاہیوں کے بغیر جنگ نہیں لڑی جاتی اور اس کے غیر معمولی ہتھیار والے سپاہی بڑی تیزی سے کم ہوتے چلے جارہے تھے۔ وہ اپنے خیال خوانی کرنے والوں کے پاس آیا جو کانفرنس ہال کے باہر اکابرین کو شکار کرنے والے تھے۔

وہ تقریباً پندرہ خیال خوانی کرنے والے تھے۔ ایسے لوگوں کے دماغوں میں پہنچ رہے تھے جو اس کانفرنس ہال کے آس پاس سے گزر رہے تھے۔ ایسے لوگوں کو غائب دماغ بنا کر ان کے اندر بیٹھ گئے تھے۔ جن کے پاس ریوالور یا شاٹ گن وغیرہ تھیں۔

وہ اکابرین پوری سیکیورٹی کے ساتھ عمارت سے باہر آئے اور اپنی اپنی گاڑیوں کی طرف جانے لگے۔ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اتنی سیکیورٹی کے باوجود اچانک ہی چاروں طرف سے فائرنگ شروع ہوجائے گی۔ انہیں بھاگنے یا اپنی گاڑیوں میں جاکر چھپنے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔

اور جب ایسا ہوا تو کتنے ہی سیکیورٹی گارڈز مارے گئے۔ اکابرین کو صرف زخمی کیا گیا پھر ان وی آئی پی زخمیوں کو ہاسپٹل لے جایا گیا۔ تب ایشورارا نے باری باری ہر ایک کے دماغ میں پہنچ کر پوچھا۔ ”کیا اسی مقفل دماغ پر گھمنڈ تھا؟ میں نے کہا تھا کہ غباروں سے ہوا نکالنا خوب جانتا ہوں۔ اب مرہم پٹی ہوتے ہی تم سب اعلان کرو کہ سیارے والوں سے معاہدہ ہورہا ہے۔ اس معاہدے کی رُو سے ایشورارا کو ایک اعلیٰ حاکم کا مرتبہ حاصل ہوگا۔“

اس نے کہا۔ ”یہ بھی اعلان کرو کہ مجھے اعلیٰ حاکم تسلیم نہ کیا گیا تو یہاں کسی کی حکومت قائم نہیں ہوگی پھر حکمرانوں کے بغیر اس ملک میں بدنظمی اور لاقانونیت پھیلے گی اور ہم لاکھوں ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے ذریعے باغیوں اور دشمنوں کے دماغوں کو درست کرنا جانتے ہیں۔“

ان اکابرین میں آرمی کے اعلیٰ افسران بھی تھے۔ وہ بھی زخمی ہونے کے بعد ان کے زیر اثر آگئے تھے۔ ایشورارا کے خیال خوانی کرنے والے آرمی کے تمام چھوٹے بڑے افسران کو اپنے شکنجے میں لینے والے تھے۔ وائس مین لف گائی اور جیمس ہارڈی اس صورتحال سے پریشان ہوگئے تھے۔

انہوں نے یوگا جاننے والے افسران سے رابطہ کیا۔ ان سے کہا۔ ”آپ حضرات اپنے دماغوں کو مقفل کیے بیٹھے ہیں۔ خود کو محفوظ سمجھ رہے ہیں۔ دوسرے تمام اکابرین سے سبق حاصل کریں۔ ان کی طرح آپ کے دماغوں کے دروازے بھی کسی دن کھل جائیں گے پھر کیا ہوگا؟“

ایک یوگا جاننے والے افسر نے کہا۔ ”ہماری سمجھ میں نہیں آرہا ہے، اُن کے لاکھوں ٹیلی پیتھی جاننے والوں کا مقابلہ کیسے کرسکیں گے؟“

جیمس ہارڈی نے کہا۔ ”اب وہ تعداد میں لاکھوں نہیں رہے ہیں۔ فرہاد صاحب اور ان کے ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے ان کی تعداد آدھی سے بھی زیادہ گھٹادی ہے۔“

لف گائی نے کہا۔ ”یہ مسلمان ہر برے وقت میں ہمارے کام آتے رہے۔ مگر ہم نے ان کی قدر نہیں کی۔ کام نکل جانے کے بعد ان کے دشمن بنتے رہے۔ اس وقت بھی مسلمان خیال خوانی کرنے والے ہی ہمارے کام آسکیں گے۔ سیارے کے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو ختم کرسکیں گے۔“

”جب انہوں نے ان کی تعداد کم کردی ہے تو اب بھی یہی کررہے ہوں گے۔ جلد ہی وہ سیارے والے مارے جائیں گے۔“

وائس مین نے کہا۔ ”ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ ایشورارا نے مسلمانوں سے دوستی اور اتحاد قائم کیا ہے۔ وہ سیارے والوں کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔“

”آپ حضرات جلد از جلد فرہاد صاحب سے اور بابا صاحب کے ادارے سے رابطہ کریں۔ ان سے کسی بھی قیمت پر دوستی کریں اور ایشورارا کا اتحاد توڑ دیں۔ تب ہی ہمارا ملک سلامت رہے گا اور ہماری برتری قائم رہ سکے گی۔“

ان یوگا جاننے والے افسران نے مجھ سے یعنی کبریا سے رابطہ کیا۔ وہی پرانا راگ الاپا۔ ہمیشہ کی طرح دوستی اور اتحاد قائم رکھنے کی قسمیں کھائیں پھر کہا۔ ”ہم یہ آخری بار قسم کھارہے ہیں۔ تمہیں بعد میں دھوکا نہیں دیں گے۔ ایشورارا کی فرعونی قوت نے یہ سمجھا دیا ہے کہ ہم زمین پر رہنے والوں کو ایک دوسرے سے عداوت نہیں رکھنی چاہیے۔ آپس میں اتحاد، میل محبت اور امن وامان سے رہنا چاہیے۔“

کبریا نے پوچھا۔ ”یہ تم ہمیں سمجھا رہے یا خود سمجھ رہے ہو؟ اور سبق حاصل کررہے ہو؟“

”ہم سمجھ رہے ہیں اور عبرت حاصل کررہے ہیں۔“

”پہلے بھی سمجھنے اور عبرت حاصل کرنے کی باتیں کرتے رہے ہو۔“

”ہم ماضی میں ہونے والی غلطیوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ پلیز۔ انہیں بھول جاؤ۔“

”تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ایشورارا کے ایک لاکھ بیس ہزار ٹیلی پیتھی جاننے والے ہمارے شکنجے میں ہیں۔ ہمارے اپنے ٹیلی پیتھی جاننے والے بے شمار ہیں۔ اب حساب کرو تو معلوم ہوگا کہ فی الوقت ہمارے پاس لاکھوں کی

تعداد میں ٹیلی پیتھی کا ہتھیار موجود ہے۔ اگر ہم ایشورارا بن جائیں اور تمہارے ملک پر قبضہ کریں تو کہاں سے مدد حاصل کرنے اور آزادی کی بھیک مانگنے جاؤ گے؟"

"تم ہمیشہ ہی بڑے ممالک سے زیادہ طاقتور رہے ہو۔ مگر تم نے کبھی کسی ملک کا حکمران بننے کی خواہش نہیں کی۔ اب بھی ہماری بے بسی سے فائدہ نہیں اٹھاؤ گے۔"

"درست کہہ رہے ہو۔ فائدہ نہیں اٹھاؤں گا اور فوراً ہی تمہاری کوئی مدد بھی نہیں کروں گا۔ تم نے ماضی میں ایشورارا کے ساتھ دوستی اور اتحاد قائم کیا۔ ہم مسلمانوں کو پسپا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ہمارا تو کچھ نہیں بگڑا تم خود اسی ایشورارا کے ہاتھوں پسپا ہونے جا رہے ہو۔ لہٰذا جو بویا ہے اسے کاٹو اور اچھی طرح سزا پاتے رہو۔ برتر سے کم تر ہوتے رہو۔ ذلتیں اٹھاتے رہو۔ ہم بعد میں سوچیں گے کہ تمہارے لیے کیا کیا جاسکتا ہے؟"

کبریا نے رابطہ ختم کر دیا۔ کسی ملک میں اپنی حکومت قائم کرنا اور خود کو حکمران کی حیثیت سے منوانا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ سیاسی اور عسکری رکاوٹوں سے گزرنے میں اچھا خاصا وقت لگتا ہے۔ ایشورارا بھی بڑی مشکلات سے گزرنے والا تھا۔ یوں کہنا چاہیے کہ ہم اسے مشکلات کی طرف لے جا رہے تھے۔

☆☆☆

جے' بلرام اور بھنڈاری نے اکابرین کی کانفرنس کا حال دیکھا تھا۔ وہ سب زخمی ہونے کے بعد تنویمی عمل کے حفاظتی قلعے سے باہر نکل آئے تھے۔ ایشورارا کے بے شمار ٹیلی پیتھی جاننے والے ان کے اندر جگہ بنا چکے تھے۔

را ایجنسی کے چیف نے کہا۔ "ایشورارا نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے مگر وہ سُپر پاور کو جھکا نہیں سکے گا۔"

بھنڈاری نے پوچھا۔ "کیوں نہیں جھکا سکے گا؟ کیا اب بھی کوئی رکاوٹ ہے؟"

"امریکن آرمی کے یوگا جاننے والے افسران انڈر گراؤنڈ رہتے ہیں۔ کسی کی نظروں میں نہیں آتے۔ سنا ہے' ان کے دو خاص ٹیلی پیتھی جاننے والے ہیں۔ انہوں نے ان اعلیٰ افسران کے دماغوں کو لاک کیا ہے' جو یوگا نہیں جانتے ہیں۔"

را کے ڈپٹی ڈائریکٹر نے کہا۔ "وہ تمام یوگا جاننے والے آرمی کے افسران بہت ہی مضبوط اور منظم ہیں۔ ایشورارا کی دال نہیں گلنے دیں گے۔"

جے نے کہا۔ "ہم نے تو سوچا ہے کہ ایشورارا نے جن اکابرین کو شکنجے میں لیا ہے' انہیں ہم اپنی ٹیلی پیتھی سے اور اپنے منتروں سے چھین لیں گے۔"

بھنڈاری نے کہا۔ "جس طرح مسلمانوں نے اس کے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو چھین لیا ہے۔ اسی طرح ہم اکابرین کو اس کے شکنجے سے نکال لائیں گے۔"

چیف نے کہا۔ "بے شک تمہیں یہ کرنا ہے لیکن اصل طاقت آرمی کے یوگا جاننے والے افسران ہیں۔ پہلے ان کے دماغوں پر قبضہ جماؤ۔ انہیں مجبور اور بے بس بناؤ' تب بات بنے گی۔"

را کے ڈپٹی نے کہا۔ "اور تب ہم امریکی حکمرانوں سے پاکستان کے خلاف اپنے مطالبات منوا سکیں گے۔"

چیف نے کہا۔ "پھر ہم اپنے دائیں بائیں اسلامی ملکوں کو ختم کر کے ہمارے دیس کے ہونے والے ٹکڑوں کو جوڑ کے ہندوستان کو پہلے کی طرح مکمل کر سکیں گے۔"

جے نے کہا۔ "یعنی ہم کو پہلے مشکل کام کرنا ہے۔ وہ یوگا جاننے والے' جو انڈر گراؤنڈ رہتے ہیں' پہلے ان کو پھانسنا ہوگا۔"

"ہاں' اصل طاقت اور حکومت ان ہی کے ہاتھوں میں ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ ہم پہلے ان سے ہی نمٹیں گے۔"

جے' بلرام اور بھنڈاری ان روپوش رہنے والی قوتوں تک پہنچنے کی تدبیر کرنے لگے۔ اُدھر ایشورارا اپنی دانست میں بہت بڑی کامیابی حاصل کر رہا تھا۔ جلد ہی ایک حکمران کی حیثیت سے پورے امریکا پر چھا جانے والا تھا۔ اور بہت بڑی ناکامی سے بھی دوچار ہو رہا تھا۔ ٹیلی پیتھی کے ڈیڑھ لاکھ ہتھیاروں سے محروم ہوگیا تھا اور یہ ناقابلِ برداشت نقصان تھا۔ اگرچہ سونیا نے کہا تھا کہ دوستی قائم رہنے تک اسے پھر ایسا صدمہ نہیں پہنچایا جائے گا لیکن دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی۔ اس کا دوغلا پن ظاہر ہوتا تو دیکھتے ہی دیکھتے باقی اسّی ہزار ٹیلی پیتھی جاننے والے وفادار بھی اس کے ہاتھوں سے نکل جاتے۔

اب وہ اس بات سے انکار نہیں کرسکتا تھا کہ ہم مسلمانوں کے رحم و کرم پر ہے۔ یہ بات اس کی سمجھ سے بالاتر تھی کہ ہم کس طرح اس کے وفاداروں کا سراغ لگاتے ہیں؟ اسے فکر کھائے جا رہی تھی۔ یہ اندیشہ رہنے لگا تھا کہ ہم کسی بھی وقت ٹیلی پیتھی کے تمام ہتھیار اس سے چھین سکتے ہیں۔ وہ سوچتے سوچتے تھک گیا تھا۔ مگر اسے ہمارا طریقۂ کار سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ نہ ہی روحانی ٹیلی پیتھی اس کی سمجھ میں آسکتی تھی۔ جبکہ وہ ایسٹ لندن کی مسجد کے روح پرور سائے

میں رہنے لگا تھا۔ ایک بناسپتی عالم وین بن چکا تھا۔ اندر سے شیطان تھا مگر بظاہر بڑا مہربان تھا۔ وہاں ایک معالج ایک مسیحا کی حیثیت سے مشہور ہو رہا تھا۔ سیارے میں پائی جانے والی جڑی بوٹیوں کے ذریعے جو دوائیں تیار کی گئی تھیں۔ وہ تمام دوائیں ہماری زمین پر لے آیا تھا اور ان کے جادوئی اثرات سے مریضوں کا علاج کر رہا تھا۔ جادوئی اثرات اس طرح تھے کہ وہ مریضوں کو دوا دینے سے پہلے ان کے دماغ میں گھس جاتا تھا۔ ان کے ڈھکے چھپے مسائل معلوم کرتا تھا پھر زیر لب کچھ پڑھ کر انہیں دوائیں دیتا تھا۔ یہ تاثر پیدا کرتا تھا کہ وہ ان کا روحانی علاج کر رہا ہے۔ وہ تشویشناک امراض میں مبتلا رہنے والوں پر ان کی نادانستگی میں تنویمی عمل کرتا تھا۔ اس عمل کے ذریعے مختلف امراض کے احساسات کو اور ان کی شدت کو کم کر دیتا تھا۔ مریض دماغی آسودگی اور اطمینان حاصل کرتے تھے اور اس کی مسیحائی کے گن گاتے تھے۔

اس وقت بھی وہ مسجد کے احاطے میں اس جگہ بیٹھا ہوا تھا۔ جہاں نماز کے بعد مریض آیا کرتے تھے۔ وہ ان کا مختصر سا دکھڑا سنتا تھا۔ باقی بہت کچھ ان کے اندر پہنچ کر معلوم کرلیا کرتا تھا۔

اس وقت وہ ذہنی طور پر بہت الجھا ہوا تھا۔ ڈیڑھ لاکھ ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے محروم ہوگیا تھا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ یہ محرومی اسے اندر ہی اندر کچوکے لگا رہی تھی۔ ایسا صدمہ پہنچا رہی تھی کہ وہ خود کو کھوکھلا محسوس کرنے لگا تھا۔ وہ مریضوں کی بھیڑ سے نکل کر تنہائی چاہتا تھا۔ چپ چاپ ایک گوشے میں بیٹھ کر سوچنا سمجھنا چاہتا تھا کہ اتنا بڑا نقصان کس طرح پورا کیا جاسکتا ہے؟ کس طرح جلد از جلد امریکی اکابرین کو اور یوگا جاننے والے آرمی کے افسران کو پوری طرح شکنجے میں لے کر وہاں حکومت قائم کی جاسکتی ہے؟

وہ بعض اوقات یہ سوچ کر جھنجلا جاتا تھا کہ مسلمانوں سے نفرت کرتا ہے اور جان بچانے کے لیے مولانا بن کر رہتا ہے۔ یہ سوچ کر بھی شرمندگی ہوتی تھی کہ ایک عورت کے ڈر سے چھپ کر رہنے لگا ہے۔ ڈرتا کیا نہ کرتا؟ چھپ کر رہنے میں ہی سلامتی تھی۔ فی الحال وہ مریضوں سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔ اس نے خیال خوانی کے ذریعے اپنے بھائی ایکو رارا کو مخاطب کیا اور کہا۔ ”مجھ سے اتنا بڑا نقصان برداشت نہیں ہو رہا ہے۔ ہمیں کچھ کرنا ہوگا۔ ہمارے جو ٹیلی پیتھی جاننے والے ہاتھ سے نکل گئے ہیں، انہیں ہر قیمت پر واپس لانا ہوگا۔“

ایکو رارا نے کہا۔ ”برادر...! جو مسلمان ہو چکے ہیں، وہ تو کبھی واپس نہیں آئیں گے۔ البتہ جو خیال خوانی سے محروم ہوگئے ہیں، ان کی صلاحیتیں سیارے میں جاتے ہی بحال ہو جائیں گی۔ ہم پھر انہیں کام میں لاسکیں گے۔“

”ہاں۔ ہم انہیں پھر سے استعمال کر سکتے ہیں۔ مجھے اس سلسلے میں بہت کچھ کرنا ہے۔ تم یہاں کلینک میں آکر میری جگہ لو۔ ان مریضوں کو سنبھالو۔ میں ذرا تنہا رہ کر پوری توجہ سے تدبیر سوچوں گا اور ان پر عمل کروں گا۔“

اس نے بھائی کو اپنا ڈپلیکیٹ بنا رکھا تھا۔ وہ باریش سفید جبہ پہنا ہوا ہاتھ میں تسبیح لیے ایشورارا کی غیر موجودگی میں نمازیوں اور مریضوں کے درمیان آتا تھا تو سب اسے مولانا نجیب اللہ اجمیری (ایشورارا) سمجھتے تھے۔ اس نے ایک مریض کو دوائیں دینے کے بعد باقی مریضوں سے کہا۔ ”معذرت چاہتا ہوں، بہت تھک گیا ہوں۔ ذرا کمر سیدھی کرنے جا رہا ہوں۔ آدھے گھنٹے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔“

وہ وہاں سے اٹھ کر جانا چاہتا تھا خبر ملی کہ احاطے کے باہر سرکاری گاڑیاں آئی ہیں۔ برطانوی پارلیمنٹ کا ایک اعلیٰ عہدیدار درجنوں سیکیورٹی گارڈز کے ساتھ آیا تھا۔ اس اعلیٰ عہدیدار کو کہیں بھی جانے سے کوئی روک نہیں سکتا تھا لیکن مسجد کے منتظمین نے اسے احاطے میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔

منتظم اعلیٰ نے کہا۔ ”سر! یہاں صرف پاک صاف رہنے والے ہی آسکتے ہیں۔ چونکہ غیر مسلموں کی پاکیزگی مشتبہ ہوتی ہے۔ اس لیے آپ یہیں رک کر اپنی آمد کا مقصد بیان کریں۔“

اس اعلیٰ عہدیدار نے کہا۔ ”یہاں ایک معالج ہیں۔ وہ مہلک امراض کا کامیاب علاج کرتے ہیں۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔“

ایشورارا مسجد کے منتظم اعلیٰ کے اندر تھا۔ اس نے اعلیٰ عہدیدار کی آواز اور لب ولہجہ سن کر اس کے اندر پہنچنا چاہا تو اس نے سانس روک لی۔ یہ بات معلوم ہوگئی کہ وہ یورپ کے اکابرین میں سے ایک اہم عہدیدار ہے۔ اسی لیے اس کے دماغ کو لاک کیا گیا ہے۔

اعلیٰ عہدیدار کے ساتھ ایک آدھ بار ایسا ہو چکا تھا۔ اس نے سیکیورٹی افسر سے کہا۔ ”میں خطرہ محسوس کر رہا ہوں، تمام گارڈز کو حکم دو، وہ محتاط رہیں۔“

ایشورارا نے مسجد کے احاطے سے باہر آکر اس عہدیدار سے مصافحہ کیا پھر پوچھا۔ ”فرمایئے.. مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“

اس نے کہا۔ ”میں شوگر کا مریض ہوں۔ کیا آپ اس بیماری کو جڑ سے ختم کر سکتے ہیں؟“

وہ آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔ ”بیماریوں سے نجات دینے والا وہ معبود ہے۔ میں تو محض وسیلہ ہوں۔ آپ انتظار کریں۔ میں ابھی دوا لاتا ہوں۔“

وہ مسجد کے احاطے میں واپس آیا۔ کلینک والے کمرے آکر اس نے ایک چھوٹی سی شیشی میں دوا لی پھر باہر آکر عہدیدار کو دیتے ہوئے کہا۔ ”اس دوا کے اثر سے پہلے کمزوری محسوس ہوگی پھر ایسی توانائی حاصل ہوگی کہ آپ حیران رہ جائیں گے۔ چند دنوں میں شوگر کا مرض جاتا رہے گا۔ ابھی گھر پہنچ کر اس کی ایک خوراک لے لیں۔“

وہ عہدیدار اس کا شکریہ ادا کر کے چلا گیا۔ ایشورارا اپنی رہائش گاہ میں آگیا۔ ایکو رارا کی رہائش گاہ وہاں سے دور تھی۔ اس نے آدھے گھنٹے میں کلینک پہنچ کر اس کا کام سنبھال لیا۔

دونوں بھائی وقتِ ضرورت ایک دوسرے کی جگہ لیتے رہتے تھے۔ ایشورارا ایک کمرے میں سر جھکائے خیال خوانی میں مصروف ہوگیا تھا۔ اپنے اُن وفاداروں سے باتیں کر رہا تھا، جنہیں ٹیلی پیتھی کی صلاحیتوں سے محروم کر دیا گیا تھا۔

اگرچہ وہ ہماری طرف سے ناکام ہو رہا تھا مگر دوسرے پہلوؤں سے کامیابیاں حاصل ہو رہی تھیں۔ امریکی اکابرین کے بعد اب یورپی ممالک کے اکابرین اس کے شکنجے میں آنے والے تھے۔

اس نے ایک گھنٹے بعد خیال خوانی کی پرواز کی۔ اس اعلیٰ عہدیدار کے اندر پہنچا تو جگہ مل گئی۔ وہ دوا کے اثر سے اعصابی کمزوری میں مبتلا ہو کر گہری نیند میں ڈوب گیا تھا۔ ایشورارا اس کے دماغ کو کھلی کتاب کی طرح پڑھنے لگا۔

وہ عہدیدار خارجہ پالیسیوں کے مطابق دوسرے بڑے ممالک کے اکابرین سے رابطے رکھتا تھا۔ اب ایشورارا کو اس کے ذریعے ان تمام اکابرین تک پہنچنے کے راستے ملنے والے تھے۔ ڈیڑھ لاکھ ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے محروم ہونے کا صدمہ کچھ کم ہوگیا۔ یہ حوصلہ مل رہا تھا کہ وہ یورپ کے بھی کئی ممالک میں جلد ہی اپنی حکومت قائم کر سکے گا۔

اس نے اپنے بھائی ایکو رارا کو اور چند خاص ماتحتوں کو بلا کر کہا۔ ”میرے اندر آؤ اور ایک برطانوی عہدیدار کے دماغ میں رہ کر اس کے چور خیالات پڑھو۔ اس کے ذریعے جرمنی، فرانس اور اٹلی وغیرہ کے اکابرین کو ٹریپ کر سکو گے۔“

اس نے ایکو رارا سے کہا۔ ”تم تنویمی عمل کے ذریعے اسے اپنا معمول اور تابعدار بنالو۔ مجھے رپورٹ دیتے رہو کہ دوسرے اکابرین تک پہنچنے کے لیے ان کے بیوی بچوں اور رشتے داروں کو کس طرح ٹریپ کر رہے ہو؟“

وہ اس سلسلے میں خود مصروف رہنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کا دھیان اپنے اسی ہزار خیال خوانی کرنے والوں کی طرف لگا تھا۔ یہ فکر ستا رہی تھی کہ انہیں کس طرح ہماری پہنچ سے دور رکھ سکتا ہے؟

یہی ایک بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ ہم اس کے روپوش رہنے والے وفاداروں تک کیسے پہنچ جاتے ہیں؟ بات جادو جیسی ہو، سمجھ میں نہ آتی ہو تو جھنجلاہٹ طاری ہو جاتی ہے۔ وہ مٹھیاں بھینچ کر سوچتا تھا کہ میرا اور سونیا کا گلا دبوچ کر مار ڈالے۔ افسوس کہ مقدر ہماری گردنیں تھال میں سجا کر پیش نہیں کر رہا تھا اور وہ خود ہمارے پاس آنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔

وہ ایک کمرے میں سر جھکائے خیال خوانی میں مصروف ہوگیا۔ اپنے اُن وفاداروں سے باتیں کرنے لگا، جنہیں ٹیلی پیتھی کی صلاحیتوں سے محروم کر دیا گیا تھا۔

وہ سب کہہ رہے تھے۔ ”ہم نے آپ کے لیے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ صرف آپ ہی کے وفادار رہنے کے لیے ٹیلی پیتھی کی صلاحیتوں سے محروم ہو گئے ہیں۔“

دوسرے وفادار نے کہا۔ ”اگر مسلمانوں کے تابعدار بن جاتے تو ابھی آپ کے خلاف خیال خوانی کرتے رہتے۔“

ایشورارا نے قائل ہو کر کہا۔ ”بے شک۔ تم سب وفادار ہو۔ میری خاطر ایک غیر معمولی علم سے محروم ہوگئے۔ اگرچہ اب میرے کسی کام کے نہیں رہے۔ تاہم میں تم سب کی قدر کرتا ہوں۔“

وہ ایک ذرا توقف سے بولا۔ ”میں تم سب کو سیارے میں واپس بھیج رہا ہوں۔ وہاں تمہاری صلاحیتیں بحال ہو جائیں گی۔“

ایک نے پوچھا۔ ”کیا ہم وہاں سے واپس آکر خیال خوانی کر سکیں گے؟“

دوسرے نے پوچھا۔ ”کیا ان کی روحانی ٹیلی پیتھی ہمیں پھر ناکارہ نہیں بنائے گی؟“

اس نے جواب دیا۔ ”میں یہی آزمانا چاہتا ہوں۔ تم سب سیارے میں واپس جاؤ گے۔ پہلے یہ دیکھو گے کہ تمہاری صلاحیتیں بحال ہوتی ہیں یا نہیں؟“

ایک نے پوچھا۔ ”اگر ہو گئیں تو...؟“

”تو میں تم میں سے دو چار کو واپس بلاؤں گا۔ ہم

دیکھیں گے کہ دوبارہ بحال ہونے والی صلاحیتیں یہاں ہمارے کام آئیں گی یا نہیں؟"

وہ آزمانا چاہتا تھا کہ سیارے سے واپس آنے والے اس کے لیے کارآمد ثابت ہوسکیں گے یا نہیں؟ اس کے چار خلائی جہاز جنوبی افریقہ کے ایک ویران صحرا میں چھپا کر رکھے گئے تھے۔ وہ ان کے ذریعے تمام وفاداروں کو سیارے میں بھیجنے لگا۔

ان وفاداروں کی پہلی کھیپ نے وہاں پہنچتے ہی.... کمیونیکیٹنگ مشین پر ایشورارا کو خوش خبری سنائی۔ "ہماری صلاحیتیں واپس مل گئی ہیں۔ ہم یہاں پہلے کی طرح ایک دوسرے کے دماغوں میں پہنچ کر بول رہے ہیں۔"

ایشورارا خوشی سے کھل گیا۔ یہ اطمینان ہوا کہ اس کے اسی ہزار وفادار ناکارہ نہیں ہوئے ہیں۔ اس نے حکم دیا۔ "تم میں سے دو وفادار ارضی دنیا میں فوراً واپس آئیں۔ ایک لمحہ کی بھی دیر نہ کریں۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔"

وہ دوسری رات واپس آگئے۔ ایشورارا اور ایکورارا نے ان دونوں کے اندر پہنچ کر حکم دیا۔ "خیال خوانی کا مظاہرہ کرو۔ ہمارے اندر آؤ..."

ان کی سوچ کی لہروں نے پرواز کے لیے پر تولے مگر وہ پر نہ مار سکے۔ بار بار کوششیں کرتے رہ گئے۔ دونوں بھائیوں نے مایوس ہوکر ایک دوسرے کو دیکھا۔ ایکورارا نے دل برداشتہ ہوکر کہا۔ "براور! یہ کیا طلسم ہے؟ ہمارے وفادار سیارے میں حاصل کی ہوئی خیال خوانی یہاں آکر بھول جاتے ہیں۔"

ایشورارا نے کہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا' یہ مسلمان کیسی پُراسرار صلاحیتیں رکھتے ہیں؟ ہم کیسے ان کا توڑ کریں؟... فی الحال انہیں سیارے میں واپس بھیج دو۔"

وہ بڑی مایوسی سے بولا۔ "ان کے جانے کے بعد ہمارے پاس صرف اسی ہزار خیال خوانی کرنے والے رہ جائیں گے۔ ہمیں ان کی فکر کرنی ہے۔ وہ مسلمان انہیں بھی کسی دن کسی وقت ناکارہ بنا سکتے ہیں۔"

وہ دونوں تھوڑی دیر تک سوچتے رہے پھر ایشورارا نے کہا۔ "ہمارے جتنے وفادار خیال خوانی کے قابل ہیں انہیں سیارے میں بھیج دیا جائے۔ یہ لوگ وہاں محفوظ رہیں گے۔ مسلمان وہاں جاکر انہیں ناکارہ نہیں بنا سکیں گے۔"

"براور! پھر ہمارے پاس یہاں کیا رہ جائے گا؟"

"یہاں ہم دونوں کے علاوہ پچاس خیال خوانی کرنے والے رہیں گے۔ جب ہمیں مزید وفاداروں کی ضرورت ہوگی تو ہم انہیں سیارے سے طلب کریں گے۔ فی الحال انہیں روحانی ٹیلی پیتھی سے بچانا بہت ضروری ہے۔"

انہوں نے ابھی اس تدبیر پر عمل کرنے میں دیر نہیں کی۔ اسی دن سے انہیں واپس بھیجنے لگے۔ اس کے بعد وہ دونوں بھائی پچاس ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے ساتھ رہ گئے۔

دیکھا جائے تو ہم نے ان کے باقی کارآمد وفاداروں کو ایک ذرا نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ ان کی صلاحیتیں نہیں چھینی تھیں۔ انہوں نے خود ہی مزید نقصانات سے بچنے کے لیے اپنی سیاسی و عسکری قوت گھٹا دی تھی۔ یہ بات ایشورارا خوب سمجھ رہا تھا کہ ہم نے اس کے خلاف جنگ نہ کرنے کا معاہدہ یا وعدہ کیا ہے تو واقعی اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا رہے ہیں۔ نہ اس کے کسی وفادار کو جانی نقصان پہنچا رہے ہیں [illegible] کے باوجود وہ ہمارے ہی خوف سے خالی اور کھوکھلا ہو رہا تھا۔

بیچارے کے پاس لاکھوں ٹیلی پیتھی جاننے والے تھے۔ اب صرف پچاس عدد رہ گئے تھے۔ یہ اندیشہ تھا کہ وہ بھی کسی دن کسی وقت روحانی ٹیلی پیتھی کی زد میں آجائیں گے تو کیا ہوگا؟

☆☆☆

بلرام نے مجھے ٹریپ کیا تھا۔ اس کا دوسرا جنم ساتھی جے امریکی یوگا جاننے والے آرمی افسران کے دماغوں میں گھسنے والا تھا۔ تیسرا جنم ساتھی بھنڈاری بے چین ہو رہا تھا۔ ایشورارا کے دماغ میں جانے سے پہلے ہی یہ یقین ہوگیا تھا کہ وہ سانس روک کر اسے بھگا دے گا۔ خیال خوانی کی پرواز کرنے سے پہلے ہی ناکامی دکھائی دے رہی تھی۔

ہاں مگر دیوی ماں نے سپنے میں آکر کہا تھا کہ وہ سیارے کی ایک عورت تک پہنچے اور اس کی بلی چڑھانے کے بعد مزید کالی شکتی حاصل کرنے والا ہے۔ دیوی ماں کے حوالے سے اس کے سپنے سچ ہوا کرتے تھے۔

اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر سر جھکا کر کہا۔ "جے ماتا کی... جے کالی کلکتے والی۔ تیرا وچن نہ جائے کھالی....."

وہ خیال خوانی کی پرواز کرتا ہوا ایشورارا کے اندر پہنچ گیا۔ اس نے چونک کر پوچھا۔ "کون ہو تم؟"

وہ بولا۔ "دشمن نہیں ہوں۔ بناؤ گے تو بن جاؤں گا لیکن میری دوستی تم کو فائدہ پہنچائے گی۔"

"کیا ابھی تم کانفرنس ہال میں تھے؟"

"ہاں۔ وہیں تیرے میٹھے بول سنے اور پریم کرنے چلا آیا۔"

"میں کسی کو اپنے دماغ میں زیادہ دیر رہنے نہیں دیتا۔ تمام اکابرین کے دماغ کھل گئے ہیں۔ تم کسی کے بھی اندر جاکر اس کی کمیونیکیٹنگ مشین کے ذریعے مجھ سے باتیں کرو۔"

یہ کہتے ہی اس نے سانس روک لی۔ بھنڈاری کانفرنس ہال میں کئی اکابرین کی آوازیں سن چکا تھا۔ اس نے ایک اعلیٰ عہدیدار کی آواز اور لب و لہجے کو گرفت میں لیا پھر اس کے اندر کسی رکاوٹ کے بغیر پہنچ گیا۔

وہ اعلیٰ عہدیدار زخمی تھا۔ اس کی مرہم پٹی ہوچکی تھی۔ اب وہ اپنی خواب گاہ میں چاروں شانے چت پڑا پریشان ہوکر سوچ رہا تھا۔ "ہم نے کتنی محنت کی' ہمارے ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے دماغوں کو مقفل کر دیا تھا۔ اس کے باوجود ایشورارا نے اپنی آمد و رفت کا راستہ بنا لیا ہے۔ اب تو وہ بڑی آسانی سے ہمیں غلام بنائے گا اور یہاں اپنی حکومت قائم کرے گا۔"

بھنڈاری اس کی سوچ پڑھ کر ہنسنے لگا۔ اس نے چونک کر پوچھا۔ "کون...؟ کیا ایشورارا کے ماتحت ہو؟"

وہ بولا۔ "ایشورارا سے میرا کوئی ناتا نہیں ہے۔ میں ایک آجاد پنچھی ہوں۔ اڑتا ہوا تمہارے دماغ کے گھونسلے میں آیا ہوں۔"

"پھر تو تم مسلمان ٹیلی پیتھی جاننے والے ہو۔"

"میں ہندو ہوں۔ کالی مائی کا بھگت ہوں۔ مائی کے چرنوں میں بیٹھے بیٹھے کسی کے بھی اندر پہنچ جاتا ہوں۔ میرا نام بھنڈاری ہے۔"

"ہم نے یہ نام پہلے کبھی نہیں سنا۔"

"پہلے ہم اڑنے کی تیاری کر رہے تھے۔ میرے اور دو ہم ساتھی ہیں۔ ایک کا نام جے اور دوسرے کا نام بلرام ہے۔ آج سے تم ہی نہیں ایشورارا بھی ہماری شکتی اور اڑان دیکھے گا اور ہمارے آگے ہار مانتا رہے گا۔"

"اس کا مطلب ہے تم ایشورارا اور مسلمانوں کے مقابلے پر آئے ہو؟"

"ہاں' ہم بھی اس دنیا میں اپنی ایک سلطنت' ایک الگ حکومت بنانا چاہتے ہیں۔ کوئی ہم کو روک نہیں سکے گا۔"

"اگر اتنے طاقتور ہو تو ہم سے دوستی کرو۔ ہمیں ایشورارا کے شکنجے سے نکالو پھر ہم ایشیا میں تمہاری حکومت قائم کریں گے۔ کوئی ہمیں روک نہیں سکے گا۔ ہم مل کر بہت طاقتور ہو جائیں گے۔"

"ہم تم لوگوں سے دوستی کریں گے۔ لین دین کی باتیں کریں گے پھر تمہیں ایشورارا کے چنگل سے نکال لائیں گے۔ ابھی میں اس سیارے والے سے باتیں کروں گا۔ تم اپنی کمیونیکیٹنگ مشین سے رابطہ کرو۔"

وہ بیڈ سے اتر کر مشین کے پاس آیا پھر اس کی مرضی کے مطابق رابطہ کرنے لگا۔ تحریر کے ذریعے کہا۔ "ہماری دنیا میں ایک نیا طاقتور ہندو پیدا ہوا ہے۔ وہ اکیلا نہیں ہے۔ اس کی طرح اور دو طاقتور جنم ساتھی ہیں۔ ان میں سے ایک ابھی تم سے بولنا چاہتا ہے۔"

ایشورارا نے کہا۔ "ہاں۔ وہ میرے پاس آیا تھا۔ میں نے اسے بھگا دیا۔ وہ مجھ سے کیا بولنا چاہتا ہے؟"

بھنڈاری نے کہا۔ "گھمنڈ سے یہ نہ بولو کہ مجھے بھگا دیا ہے۔ تم میرے اندر آؤ گے تو میں بھی تمہیں ایک پھونک مار کے بھگا دوں گا۔ ویسے بھاگنے کے لیے بوریا بستر باندھ لو تو اچھا ہے۔ تم ہم کو ابھی نہیں مانو گے مگر بہت جلد ہاتھ جوڑ کر ہم سے دوستی کرنا چاہو گے۔"

"کچھ معلوم تو ہو کہ تمہاری طاقت کتنی ہے اور تم میرے خلاف کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"ہم تمہیں امریکا اور یورپ کے کسی بھی حصے میں حکومت قائم کرنے نہیں دیں گے۔ یقین نہیں ہے تو کوشش کرو اور ہم کو آجماؤ۔"

وہ بڑے فخر سے بولا۔ "میں اپنی کوششوں میں کامیاب ہو رہا ہوں۔ تمام امریکی اکابرین میری مٹھی میں آچکے ہیں۔ یورپی ممالک کے حکمران بھی میرے جوتوں تلے آنے والے ہیں۔"

اس کے بے شمار ٹیلی پیتھی جاننے والے ناکارہ ہوچکے تھے۔ اس کے باوجود اس نے دھونس جمانے کے لیے کہا۔ "کیا تم نہیں جانتے میرے پاس لاکھوں ٹیلی پیتھی جاننے والے ہیں؟"

"ہاں ہم نے سنا ہے کہ تمہارے پاس دماغ میں گھسنے والوں کی فوج ہے۔"

"پھر تم کیا کرو گے؟ تمام اکابرین کے دماغوں کو پھر سے لاک نہیں کرسکو گے۔ میرے وفادار ان اکابرین کو اپنی گرفت سے نکلنے نہیں دیں گے۔"

"ٹھیک کہتے ہو ہم ان کی کھوپڑیوں کو تالا لگائیں گے تم پھر ان کو گھائل کر کے ان کے اندر گھس جاؤ گے۔"

ایشورارا نے کہا۔ "میں ہنس رہا ہوں۔ تمہیں اس مشین سے میرا فاتحانہ قہقہہ سنائی نہیں دے گا۔"

بھنڈاری نے کہا۔ "اب میں جو کہنے والا ہوں اسے سن کر رونے لگو گے۔ اس مشین سے تمہارے آنسو دکھائی نہیں دیں گے۔"

اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "ایسی کیا بات کہنے والے ہو؟"

وہ بولا۔ "تمہاری کامیابی کا بھید یہ ہے کہ تم چوہے کی

طرح کسی بل میں چھپ کر رہتے ہو۔ کسی دشمن کے سامنے نہیں آتے اور اب تک کوئی دشمن تمہیں ڈھونڈ نہیں پایا..... بولو ہے ناں یہی بات؟"

"ہاں، اب تک نہ کوئی مجھے ڈھونڈ پایا ہے اور نہ ہی میرے سائے کو کبھی دیکھ سکے گا۔"

"آج سے ٹھیک چار دن کے بعد میں تمہارے سب ہی دشمنوں کو بتاؤں گا کہ تم کہاں ہو اور کس بھیس میں چھپے رہتے ہو؟"

ایشورارا کو چپ سی لگ گئی۔ ذرا دیر تک مشین کی اسکرین سادہ رہی۔ اس کا تحریری جواب ابھر نہیں رہا تھا۔ بھنڈاری نے پوچھا۔ "سوچ میں پڑ گئے؟ کیا سمجھتے ہو میں جھوٹ بول رہا ہوں؟"

ایشورارا نے پوچھا۔ "جب تم جانتے ہو کہ میں کہاں ہوں اور کس بھیس میں ہوں تو ابھی بتاؤ۔ چار دن کے بعد کیوں بتاؤ گے؟"

"اس لیے کہ میں ابھی نہیں جانتا۔ آدھی رات سے صبح ہونے تک منتر پڑھتا رہتا ہوں۔ آج سے چوتھے دن دو ہجار منتروں کا جاپ پورا ہو جائے گا پھر تم دیوی ماں کے چرنوں میں دکھائی دو گے۔ پاتال میں بھی چھپے رہو گے تو میں تم کو دیکھ لوں گا۔"

"مجھے یقین نہیں آ رہا ہے مگر میں نے اس دنیا میں آ کر کالے جادو کے بڑے بھیانک تماشے دیکھے ہیں۔ میں تمہیں چیلنج نہیں کروں گا۔ ایسا کرو مجھ سے آزمائش کے طور پر پہلے ایک سمجھوتا کرو۔"

"تم کیسا سمجھوتا کرنا چاہتے ہو؟"

اس نے کہا۔ "اگر آج سے چار دنوں کے بعد تم مجھے ڈھونڈ نکالو گے تو میرے کسی دشمن کو میرا بہروپ میری اصلیت نہیں بتاؤ گے۔ میں اسی وقت تم سے دوستی اور اتحاد کر لوں گا۔ تم جو مطالبہ کرو گے اسے پورا کروں گا۔"

"میرا ایک چھوٹا سا مطالبہ ہے اسے مان لو گے تو کسی دشمن کو تمہارا پتا نہیں بتاؤں گا۔ بڑی راج داری سے تمہارے ساتھ مالمہ کروں گا۔"

"تمہارا وہ چھوٹا سا مطالبہ کیا ہے؟"

"بہت معمولی سا ہے۔ تمہارا کوئی نکسان نہیں ہوگا۔ میں تمہارے سیارے کی ایک جوان عورت چاہتا ہوں۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا.....؟ میرے سیارے کی صرف ایک عورت.....؟ تعجب ہے ہماری ایک عورت تمہارے لیے ضروری کیوں ہو گئی ہے؟"

"یہ بھید نہیں بتاؤں گا۔ آج کل پرسوں تین دن کے اندر اسے انڈیا کے شہر کولکتہ پہنچا دو پھر ہماری دوستی تم کو امریکا اور یورپ کا حکمران بنا دے گی۔"

"ایسی بات ہے تو ایک کیا ہزاروں عورتیں سیارے سے لے کر آؤں گا۔"

"تو پھر آج ہی لے آؤ۔"

"اتنی جلدی ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ہماری عورتیں خوبصورت نہیں ہوتیں۔ ان کی ناک کے نیچے آدھا چہرہ خرگوش کی تھوتھنی کی طرح نکلا ہوتا ہے۔ ہمارے چہرے بھی ایسے ہی تھے۔ ہم نے سرجری کے ذریعے اس عیب کو ختم کیا ہے۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میری مطلوبہ عورت کی پہلے سرجری کرو گے اسے سندر بناؤ گے پھر یہاں لاؤ گے؟"

"ہاں۔ سرجری ایک دن میں ہوگی۔ ہمارے سیارے کے سرجن بہت ایکسپرٹ ہیں۔ وہاں کی آب و ہوا اور جڑی بوٹیاں ایسی ہیں کہ بڑے سے بڑا اور گہرا زخم بھی چوبیس گھنٹے میں بھر جاتا ہے۔"

"ایسی بات ہے تو میرے جنم ساتھیوں کے لیے اور چیلے چپاٹوں کے لیے سو پچاس عورتیں لے آؤ۔ وہ ہمارے بچے پیدا کریں گی تو تم سے دوستی ہی نہیں رشتے داری بھی ہو جائے گی۔"

"پہلے تمہیں آزمانے کے لیے سیارے کی ایک عورت لاؤں گا۔ چار دن کے بعد واقعی تم مجھے ڈھونڈ نکالو گے تو تمہاری طاقت کو اور کالے جادو کو مان لوں گا پھر سیارے کی جتنی عورتیں کہو گے تمہیں ملتی رہیں گی۔"

"تم ہمارے جادو ہماری شکتی کو جرور مان لو گے۔ آج سے تین دن کے اندر ہماری مانگ پوری کرو۔ کولکتہ میں ہوڑا پُل کے پاس ایک مندر ہے۔ اس عورت کو وہاں پہنچا دو پھر اس دنیا میں تمہاری حکمرانی پکی ہو جائے گی۔"

"تم صبح اور شام اس مشین کے ذریعے رابطہ رکھو۔ میں بتاؤں گا کہ سیارے سے لائی جانے والی عورت تمہیں کب مل رہی ہے؟"

ان کے درمیان ابتدائی معاملات طے ہو گئے۔ رابطہ ختم ہو گیا۔ وہ اس اعلیٰ عہدیدار کے دماغ پر قبضہ جما کر ایشورارا سے باتیں کرتا رہا تھا۔ وہ عہدیدار غائب دماغ رہا تھا۔ اسے معلوم نہ ہو سکا کہ بھنڈاری ان اکابرین کے خلاف ایشورارا سے دوستی اور اتحاد کرنے والا ہے۔

ڈیڑھ لاکھ ٹیلی پیتھی جاننے والوں کا نقصان ناقابلِ برداشت تھا۔ اکابرین کے سلسلے میں کامیابی ادھوری تھی۔ یوگا جاننے والے امریکی اکابرین جو آرمی کے اعلیٰ افسران تھے، وہ



[...]ت میں نہیں آئے تھے۔ ایسے وقت بھنڈاری اسے [...] ا تھا۔ یہ دعویٰ کر رہا تھا کہ ایشورارا اسے دوست [...] وہاں کا حکمران نہیں بن پائے گا۔

[...] دونوں بھائی پریشان تھے۔ اکورارا نے کہا۔ "کیا [...]؟ کیا پہلے ہی مسائل کچھ کم تھے؟ یہ نئی مصیبت کہاں سے آ گئی ہے؟"

[...] نے کہا۔ "نہ جانے یہ نیا دشمن کہاں سے پیدا ہو گیا [...] سانی سے دوست بن سکتا ہے۔ ہمارے سیارے کی [...] کا مطالبہ کر رہا ہے۔ کہتا ہے وہ مل جائے گی تو ہم [...] کرے گا۔ ہمارے دشمنوں کا دشمن بن کر یہاں [...] الی قائم کرے گا۔"

"[...] تو کوئی مہنگا مطالبہ نہیں ہے۔ کل ہی سیارے سے [...] کو بلاؤں گا۔"

ایشورارا نے کہا۔ "وہاں ہم دونوں کی چار بہنیں بارہ [...] اور چھ بیویاں ہیں۔ جنہیں سرجری کے ذریعے [...] بنایا گیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں ہماری خوب صورت [...] بیٹیاں یہاں کے خوبرو جوانوں سے بیاہی جائیں۔"

"ہاں تم نے کہا تھا، اس دنیا میں ہماری حکومت قائم [...] ہم یہاں کے زبردست قابل لوگوں سے رشتہ [...] ہیں۔"

ایشورارا نے کہا۔ "ہاں۔ حکومت قائم کرنے کے لیے [...] ری عورتیں کام آنے والی ہیں تو ہم ان سے بھی کام [...]"

ایشورارا نے کہا۔ "فی الحال سیارے کی کسی عورت کی [...] راؤں گا پھر اسے بلاؤں گا۔"

"[...] اور! ہم ڈیڑھ لاکھ وفاداروں کا صدمہ اٹھا رہے [...] یہ صدمہ کم کرنا ہے۔ انہیں پھر سے کسی بھی طرح [...] نا ہے۔ ابھی کسی عورت کو سیارے سے نہ بلاؤ۔ ابھی [...] جانتے کہ وہ کالا جادو کرنے والا واقعی ہمارے کام [...] گا یا نہیں؟ اسے کسی طرح ٹال دو۔"

"وہ نادان نہیں ہے۔ ٹالنے سے نہیں ٹلے گا۔"

"ایک تدبیر ہے۔ ہم اسے الو بنا سکتے ہیں۔ اسی دنیا [...] ت کو سیارے والی بنا کر پیش کر دو۔"

ایشورارا نے قائل ہو کر کہا۔ "اچھی تدبیر ہے۔ [...] خلائی جہاز کا ایندھن بچے گا۔ ہم فضول مصروفیات سے [...] اپنے وفاداروں کی بہتری کے لیے کچھ کر سکیں گے۔"

[...] وہ دونوں بھائی واقعی بُری طرح الجھے ہوئے تھے۔ کسی [...] ملے میں وقت ضائع نہیں کر سکتے تھے۔ یہ بہت آسان تھا۔ ایشورارا کسی عورت کو اپنی معمولہ اور تابعدار بنا کر اسے ایک سیارے والی کی حیثیت سے بھنڈاری کے حوالے کر سکتا تھا۔

☆☆☆

جے تمام اکابرین کے دماغوں میں چہل قدمی کر کے یہ معلوم کر چکا تھا کہ وہ لوگ اپنے دشمنوں کے مقابلے میں کمزور ہو چکے ہیں۔ را ایجنسی کے افسران نے بھی سمجھایا تھا کہ اصل طاقت یوگا جاننے والے آرمی کے افسران کے پاس ہے اور وہ ایسے روپوش رہتے ہیں جیسے زمین کے اندر ہمیشہ کے لیے چلے گئے ہوں۔

امریکی آرمی کے وہ افسران اب تک بڑی کامیابی سے دشمن خیال خوانی کرنے والوں کو ناکام بناتے رہے تھے۔ وہ کبھی کسی ٹیلی پیتھی جاننے والے کی گرفت میں نہیں آتے تھے۔ ہم نے بھی انہیں ٹریپ کرنے کی ضرورت کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ اس لیے وہ محفوظ تھے۔ انہیں یہ گمان تھا کہ کوئی ان کے دماغوں میں پہنچ نہیں پائے گا۔

جیمس ہارڈی، مف گائی اور اور وائس مین ان تین ٹیلی پیتھی جاننے والوں کا ذکر ہوتا رہتا ہے۔ ان کے علاوہ اور دو امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والے تھے جو یوگا جاننے والے افسران کی طرح روپوش رہتے تھے۔ وہ اپنے امریکی اکابرین سے بھی کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ کسی کو معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ دو ٹیلی پیتھی جاننے والے کون ہیں؟ ان کی صورتیں کیسی ہیں اور وہ کس حلیے میں کہاں رہتے ہیں؟

ایسی کامیابی سے روپوش رہنے کے باعث وہ اپنے یوگا جاننے والے افسران کی طرح محفوظ تھے۔ کامیابی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ کبھی کسی کو چیلنج نہیں کرتے تھے۔ اپنے اہم معاملات بڑی خاموشی سے نمٹا لیا کرتے تھے۔

جے نے اپنے دونوں جنم ساتھیوں، بلرام اور بھنڈاری سے کہا۔ "وہ یوگا جاننے والے آرمی کے بڑے افسران ہیں۔ وہ لوگ اپنے ہیڈ کوارٹر میں رہتے ہوں گے یا عام لوگوں کی طرح شہروں میں بھیس بدل کر بیوی بچوں کے ساتھ جندگی بسر کرتے ہوں گے۔"

بلرام نے کہا۔ "ہاں وہ جرورت پڑنے پر ایک دوسرے سے ملتے ہوں گے۔ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہوں گے۔ ایسے میں ہم انہیں پہچان کر ان کے اندر جبردستی گھس جائیں گے۔"

بھنڈاری نے کہا۔ "ہم انہیں پہچاننے کے لیے پچھلے دو دنوں سے آرمی کے تمام بڑے لوگوں کے اندر پہنچ رہے ہیں۔ ان میں کوئی یوگا جاننے والا اور سانس روک کر بھگانے

والا نہیں ہے۔‘‘

بلرام نے کہا۔ ’’ہے.... تمہارے پاس ابھی یہی کہنے آیا ہوں۔ تھوڑی دیر پہلے دو آرمی والوں نے میرے کو اپنے دماغ سے بھگا دیا تھا۔ میں نے ایک فوجی جوان کے اندر جا کر ان دونوں کو دیکھا ہے۔ معلوم کیا ہے ان میں سے ایک کرنل ہے اور دوسرا میجر ہے۔‘‘

بھنڈاری نے کہا۔ ’’وہی دونوں یوگا جاننے والے اور چھپ کر رہنے والے ابھسر ہوں گے۔ ہم ان کو نجروں میں رکھیں گے تو اور بہت کچھ معلوم ہوتا رہے گا۔‘‘

وہ تینوں اس فوجی جوان کے اندر گئے پھر اس کے ذریعے دوسروں کے دماغوں میں جگہ بناتے ہوئے ان افسران کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ معلوم ہونے لگا کہ ان میں سے ایک کا نام گائی ڈی البرٹ ہے اور دوسرے کا نام میجر میکائیل ہے اور میکائیل کے بیٹے کی شادی ہونے والی ہے۔

اور وہ شادی دوسرے دن چرچ میں ہونے والی تھی۔ انہوں نے چرچ میں صرف اعلیٰ افسران کو مدعو کیا تھا اور یہ طے کیا تھا کہ باقی تمام فوجیوں کو اپنی خوشیوں میں شریک کرنے کے لیے ہیڈ کوارٹر میں دعوت کے انتظامات کیے جائیں گے۔

جے‘ بلرام اور بھنڈاری بڑی تندہی سے خیال خوانی کر رہے تھے۔ وہ صبح سے رات گئے تک سیکڑوں افسران کے اندر گئے۔ ایسے وقت اور تین افسران نے ان کی آمد پر سانس روک لی۔ اس طرح مزید تین یوگا جاننے والے ان کی نظروں میں آگئے۔

وہ تینوں جنم ساتھی کھانا پینا بھول کر یوگا جاننے والوں کے پیچھے پڑ گئے تھے‘ پھر کامیابی کیوں نہ حاصل ہوتی؟ وہ میجر میکائیل کے بیٹے کے اندر پہنچے۔ بیٹے کو اس بات کی پروا نہیں تھی کہ باپ کیسی پراسرار زندگی گزارتا ہے؟ اس کی ماں مسز میکائیل کو شکایت تھی‘ شوہر بوڑھا ہی سہی اس کے ساتھ راتیں کیوں نہیں گزارتا ہے؟

وہ صرف شکایت کرتی تھی۔ اس بات پر حیران ہوتی تھی کہ شوہر سے اپنے حقوق کے لیے لڑتی کیوں نہیں ہے؟ یہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے ٹیلی پیتھی جاننے والے چپ چاپ دماغ کو ٹھنڈا کر دیا کرتے تھے۔

جے‘ بلرام اور بھنڈاری نے اس کے اندر سوال پیدا کیا۔ ’’ہاں۔ میں لڑتی کیوں نہیں ہوں؟‘‘

اس کی سوچ نے کہا۔ ’’مجھے میکائیل پر بہت غصہ آتا ہے مگر ایسے وقت لگتا ہے جیسے وہ پیار سے میرے اندر سرگوشیاں کر رہا ہو۔ میں جب بھی ناراض ہوتی ہوں خوابوں میں آکر مجھے منالیتا ہے۔‘‘

مسز میکائیل کی سوچوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا میکائیل ٹیلی پیتھی کے ذریعے کبھی اس کے خوابوں میں ہے کبھی خیالوں میں آکر اسے منالیتا ہے۔ جے‘ بلرام بھنڈاری نے طے کرلیا کہ وقت ضائع کیے بغیر پہلے میکا ٹریپ کیا جائے۔ دوسرے دن چرچ میں شادی تھی۔ اس موجودگی بہت ضروری تھی۔ وہ ایک رات پہلے بیوی اور کے پاس آگیا۔

بیوی بہت خوش تھی۔ بیٹے کی شادی تو دوسرے تھی۔ وہ مدتوں بعد میکائیل کے ساتھ سہاگ رات چاہتی تھی۔ اس نے خوب سنگار کیا تھا۔ جوانی کے گزر ہوئے دن واپس لانے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ اس کی گر میں بانہیں ڈال کر بولی۔ ’’وعدہ کرو آج ہی نہیں کل رات میرے ساتھ گزارو گے۔‘‘

وہ بولا۔ ’’تمہارے جیسی پیار کرنے والی بیوی کے سا ساری زندگی گزارنا چاہتا ہوں مگر تم میری مجبوریاں سمجھتی ہو

’’ہاں۔ تم یہی کہتے ہو کہ انجانے دشمن تمہیں مار چاہتے ہیں۔ وہ مجھے اور میرے بیٹے کو بھی نقصان پہنچا گے۔ اس لیے تم ہم سے دور رہتے ہو مگر ایسا کب تک ہوگا

’’ذرا صبر کرو۔ ہم جلد ہی دشمنوں کو جہنم میں پہنچا گے۔ اس کے بعد یہاں آکر آزادی سے تمہارے ساتھ کروں گا۔‘‘

میکائیل مجبوراً وہ رات گھر میں گزارنے آیا تھا۔ و بھوکا نہیں رہ سکتا تھا۔ کھانا پینا بھی ضروری تھا۔ اس کی بیو پتا ہی نہ چلا کہ اس نے ایک مشروب میں کب اور کیسے اعصا کمزوری کی دوا ملائی تھی؟ اسے پیتے ہی میکائیل کے ہا پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔

وہ سمجھ گیا کہ انجانے دشمن کا حملہ کامیاب ہو چکا اس نے فوراً ہی اپنے دوسرے ساتھی کو خطرے سے آگاہ چاہا مگر اعصابی کمزوری کے باعث خیال خوانی کی پرواز کر سکا۔ اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ’’کون ہو تم.....؟‘‘

اسے جواب نہیں ملا۔ وہ تینوں جنم ساتھی اس کے خیالات پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے اس ساتھی ٹیلی پیتھی جاننے والے کے متعلق معلومات حا کیں۔ میکائیل کبھی اس کے بارے میں کچھ نہ بتاتا مگر ہو گیا تھا۔ اس کے چور خیالات بے اختیار کہہ رہے تے دوسرے کا نام گائی ڈی البرٹ ہے۔ وہ دوست کے بیٹے



فنڈ کرنے اس کے گھر آیا ہے اور دوسرے کمرے میں رہا ہے۔

معلوم ہوتے ہی جے نے اس کی بیوی کے دماغ پر مایا۔ وہ اس کی مرضی کے مطابق الماری کے پاس اسے کھول کر وہاں سے ایک ریوالور اور خواب آور ں کا ایک پیکٹ نکالا۔ میکائیل نے گھبرا کر پوچھا۔ ’’تم ریوالور کیوں نکالا ہے؟‘‘

جے نے اس کی زبان سے کہا۔ ’’تم کیا سمجھتے ہو؟ ہم ے ساتھی کو چھوڑ دیں گے؟ نہیں۔ میکائیل! میں اس ں دماغ میں گھسنے جا رہا ہوں۔‘‘

اس کی بیوی ریوالور اور خواب آور گولیوں کا پیکٹ کمرے سے باہر چلی گئی۔ وہ اٹھنا چاہتا تھا۔ بھنڈاری نے پر کراتے ہوئے کہا۔ ’’آرام سے لیٹے رہو۔ بہت تھا کہ کوئی تمہارے اندر کبھی نہیں آسکے گا۔ ہم آگئے ہیں۔ ے باتیں کرو۔‘‘

جے اس کی بیوی کی کھوپڑی میں سوار ہو کر دوسرے میں آیا۔ گائی ڈی البرٹ سونے کے لیے بستر پر آیا مز میکائیل کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر اچھل پڑا۔ سہم کر ’’یہ۔ یہ تم ریوالور لے کر کیوں آئی ہو؟‘‘

جے نے اس کی زبان سے کہا۔ ’’آئی نہیں ہوں آیا آگے تم سمجھدار ہو بولو ہتھیار سے گھائل ہونا چاہو گے یا اں کھا کر میرے کو اندر آنے دو گے؟‘‘

اس نے خواب آور گولیوں کا پیکٹ اس کی طرف دیا۔ وہ کیچ کرتے ہوئے بولا۔ ’’تم کون ہو؟ اپنے میں کچھ بتاؤ؟‘‘

’’کچھ نہ پوچھو۔ تمہارے اندر آؤں گا تو میری ساری ہانی معلوم ہو جائے گی۔ سے برباد نہ کرو۔‘‘

وہ بولا۔ ’’پلیز مجھ سے دوستی کرو۔ بہت فائدے میں گے۔‘‘

اس نے سخت لہجے میں کہا۔ ’’میں تین تک گن ہوں۔ گنتی گننے تک گولیاں حلق سے نہیں اتارو گے تو الور کی گولیاں تمہارے اندر اتر جائیں گی۔‘‘

اس نے گنتی شروع کی۔ ’’ایک.....‘‘

گائی ڈی البرٹ نے بڑی بے بسی سے دروازے کی دیکھا کوئی اس کی مدد کو آنے والا نہیں تھا۔ اس نے گنتی ھائی۔ ’’دو.....‘‘

وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ’’رک جاؤ۔ نہ میں ریوالور سے نا چاہتا ہوں‘ نہ یہ گولیاں کھا کر کمزور ہونا چاہتا ہوں۔ تم میرے اندر آجاؤ میں سانس نہیں روکوں گا۔‘‘

جے اور بلرام فوراً ہی اس کے اندر پہنچ گئے۔ اس نے سانس نہیں روکی۔ چپ چاپ بیٹھا رہا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ وہ گائی ڈی البرٹ ہے اور اپنے ساتھی میکائیل کی طرح ٹیلی پیتھی جانتا ہے۔ پہلے ان دونوں کے نام کچھ اور تھے۔ اب وہ معلقا یوگا جاننے والے افسران کے حلقے میں نئے ناموں سے پکارے جاتے تھے۔

اس حد تک معلومات حاصل ہوتے ہی جے نے اس کے اندر ہلکا سا زلزلہ پیدا کیا۔ وہ اچھل کر بیڈ سے نیچے گر پڑا۔ تکلیف سے چیخنا چاہتا تھا۔ بلرام نے خیال خوانی کے ذریعے اس کا منہ بند کر دیا۔ وہ تھوڑی دیر تک تڑپتا رہا۔ دماغ کمزور ہو چکا تھا۔ وہ خیال خوانی کے ذریعے کسی کو مدد کے لیے نہیں بلا سکتا تھا۔

جے‘ بلرام اور بھنڈاری کسی طرح کا شور ہنگامہ نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے بڑی خاموشی اور رازداری سے دو ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو زیر کرلیا۔ تھوڑی دیر بعد تنویمی عمل کے ذریعے انہیں معمول اور تابعدار بھی بنالیا۔

ان کے دماغوں میں یہ باتیں ذہن نشین کر دیں کہ وہ تنویمی نیند سے جاگنے کے بعد اپنی بدنصیبی کو بھول جائیں گے‘ نہ انہیں یاد رہے گا نہ ہی وہ کسی کو بتائیں گے کہ کہیں سے تین جنم ساتھیوں نے آکر انہیں اپنا غلام بنالیا ہے۔ فی الحال وہ سب کچھ بھول کر دوسرے دن شادی کی خوشیاں مناتے رہیں گے۔

دوسری صبح وہ دونوں تنویمی نیند سے بیدار ہوئے تو پچھلی باتیں بھول چکے تھے۔ انہوں نے بے شمار آرمی کے افسران کے دماغوں کو لاک کیا تھا۔ وہ تمام افسران ابھی اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ گائی ڈی البرٹ اور میکائیل کے علاوہ تین اجنبی ٹیلی پیتھی جاننے والے بھی بڑے آرام سے ان کے اندر آنے جانے لگے ہیں۔ انہیں جلد ہی معلوم ہونے والا تھا کہ وہ پہلے کی طرح فولادی قلعے میں محفوظ نہیں ہیں۔ دشمنوں کے معاملے میں ان کی دفاعی لائن ٹوٹ چکی ہے۔

☆☆☆

ایک فاتح کسی ملک کو فتح کرلیتا ہے تو جیت کی خوشی میں کئی ہفتوں کئی مہینوں تک جشن مناتا رہتا ہے۔ جے‘ بلرام اور بھنڈاری نے جیسے ایک نہیں تین ممالک کو فتح کیا تھا۔ جے نے امریکا کو‘ بلرام نے مجھ کو جیت لیا تھا۔ بھنڈاری بھی ایشو رارا کو دبوچنے ہی والا تھا۔ یہ ایسی بے مثال کامیابیاں تھیں کہ وہ تینوں خوشی سے پاگل ہو رہے تھے۔ شراب پی

رہے تھے۔ ناچے جارہے تھے اور اچھل اچھل کر کالی مائی کے چرنوں میں گر کر زخمی ہوتے جارہے تھے۔

انہوں نے بیس جانوروں کو دیوی ماں کی بھینٹ چڑھایا تھا۔ وہاں کی زمین لہو میں نہا گئی تھی اور وہ اس لہو میں نہاتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ وہ دو دنوں کے بعد اماوس کی رات کو انسانوں کی بلی دے کر دیوی ماں کو پرسن کریں گے۔

جے کہہ رہا تھا۔ "میں امریکا سے گوری گوری سات کنواریاں لاؤں گا۔ ان کی گردنیں اڑاؤں گا۔ جے ماتا کی....."

بھنڈاری کہہ رہا تھا۔ "سب سے الگ سب سے انوکھی بھینٹ میں دوں گا۔ سیارے سے آنے والی کے لہو سے دیوی ماں کو اشنان کراؤں گا۔"

بلرام نے کہا۔ "سب سے بڑی بھینٹ میری ہوگی۔ جسے آج تک کوئی نہ مار سکا۔ اس پھرہاد کی گردن میں ماروں گا۔ دیوی ماں کی کرپا سے مہاشکتی مان بن جاؤں گا۔"

جے نے کہا۔ "ہم تینوں کی شکتی الگ بھی ہوگی اور ایک بھی ہوگی اور جب ایک ہوگی تو ہمارے آگے ساری دنیا اوندھے منہ گر پڑے گی۔"

وہ تینوں اس رات شراب و شباب میں ڈوبتے رہے۔ مدہوش ہو کر اپنے آپ سے غافل ہوتے رہے۔ دوسرے دن فون کی کالنگ ٹون نے انہیں جگایا۔ جے نے بٹن دبا کر اسے کان سے لگایا پھر کہا۔ "ہاں۔ کون اتنے سویرے سویرے بول رہا ہے؟"

دوسری طرف سے بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ "یہ سویرا نہیں شام ہو رہی ہے۔ ہوش میں آؤ اور بتاؤ کیا ہو رہا ہے؟"

وہ بولا۔ "ہو رہا ہے نہیں، ہو چکا ہے۔ ہم نے ایسا میدان مارا ہے کہ سنو گے تو اچھل پڑو گے۔ خوشی سے ننگے ہو کر ناچنے لگو گے۔"

دوسری طرف سے بھارتی انٹیلی جنس را کا ایک چیف آفیسر دیپک راٹھور بول رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے تم لوگوں نے بہت زیادہ پی لی ہے۔ ابھی کام کی باتیں نہیں کر سکو گے۔"

"ہم ہوش میں ہیں۔ تم یہ سن کر خوش ہو جاؤ کہ ہم نے امریکا کے تمام بڑے حکمرانوں کو اپنا غلام بنا لیا ہے۔"

راٹھور نے پوچھا۔ "میں کیسے یقین کروں کہ تم نے سپر پاور کو زیر کر لیا ہے؟"

"ہم کو ابھی اشنان کر کے تاجاہ دم ہونے دو پھر دو گھنٹے بعد ان حکمرانوں سے تمہاری بات کرائیں گے۔"

بھنڈاری نے اس سے فون لے کر کہا۔ "وہ جو سیارے سے ایشور آرا آیا ہے۔ ہم اسے بھی نیچا دکھانے والے ہیں"

بلرام نے فون لے کر کہا۔ "یہ تو کچھ بھی ہے۔ میں نے تو ایسے آدمی کو غلام بنایا ہے جو دنیا کے لوگوں کو ٹیلی پیتھی کے کرتب سے غلام بنا کے رکھتا تھا۔"

راٹھور نے پوچھا۔ "تم کس کی بات کر رہے ہو؟"

"پھرہاد کی بات کر رہا ہوں۔ میں نے پھرہاد کو ناڑے میں باندھ لیا ہے۔"

دیپک راٹھور ایزی چیئر پر آرام سے بیٹھا ہوا ایکدم سے سیدھا ہو کر تن کر بیٹھ گیا۔ بے یقینی سے بولا تم فرہاد علی تیمور کی بات کر رہے ہو؟"

"اور نہیں تو کیا؟ میں اس کی کھوپڑی میں گھس ہوں۔ اب وہ میری انگلی کے اشارے پر ناچتا رہے گا۔"

"دیکھو بلرام! یہ یقین کرنے والی بات نہیں بہت بڑا دعویٰ کر رہے ہو۔ کوئی فرہاد کے سائے کو بھی چھو سکتا۔ تم اس کے اندر کیسے پہنچ گئے؟"

"جے ماتا کی..... یہ سب دیوی ماں کی کرپا ہے۔ برسوں کی تپسیا رنگ لائی ہے۔ تم نہیں سمجھو گے اور ہم تم کو نہیں سکیں گے۔"

"اگر تمہارا دعویٰ درست ہے تو میری فرہاد سے کراؤ۔"

"ابھی سونیا اس کے ساتھ ہے۔ اس کو یہ معلوم ہے کہ میں پھرہاد کے اندر گھسا ہوا ہوں۔ کل تک اسے سے نکال کر کولکتہ لاؤں گا۔ اس کو دیوی ماتا کی بھی چڑھاؤں گا۔ تم سے بات بھی کراؤں گا۔"

"اگر وہ سچ مچ تمہاری گرفت میں ہے تو اس کو ڈالو۔ دیر کرو گے تو پچھتاؤ گے۔ وہ تمہارے شکنجے سے جائے گا۔"

"اس کا باپ بھی نہیں نکل سکے گا۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "دیکھو بلرام! تم تینوں نے ہم وعدہ کیا ہے کہ اپنے بھارت دیش کو اکھنڈ بھارت بنائیں گے"

"ہاں۔ ہم نے وعدہ کیا ہے۔ یہی کرنے کے تمہارا حکم بھی مانتے رہتے ہیں۔"

"تو پھر مانو... میں تم تینوں کو دوست بنا کر ر ہوں۔ تمہارا یہ دوست عقل کی بات سمجھا رہا ہے۔ فرہاد کبھی کے شکنجے میں نہیں رہا۔ وہ قسمت کا دھنی ہے۔ اگلے چند میں سمجھ نہیں پاؤ گے کہ وہ کیسے زنجیریں توڑ کر نکل گیا ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "تم نہیں جانتے وہ اتنا بیمار مجبور ہو گیا ہے کہ بستر سے اٹھ نہیں سکتا۔ میں اس کو ا



ؤں سے شکتی دے کر کولکتہ پہنچاؤں گا۔"

را کا چیف راٹھور یہ سن کر بے چین ہو گیا تھا کہ میں م کا تابعدار بن گیا ہوں۔ وہ اس سلسلے میں پوری طرح یقین نا چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔ "بلرام! میری ایک بات مانو۔ کسی ح ابھی فرہاد سے بات کراؤ۔ مجھے یقین کرنے دو۔"

اس نے کہا۔ "اچھی بات ہے میں کوشش کرتا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد تمہاری کھوپڑی میں آؤں گا۔"

بلرام فون کا رابطہ ختم کر کے میرے اندر آ گیا۔ اس میں بیڈ پر بیٹھا ہوا تھا۔ سونیا سامنے کرسی پر بیٹھی کہہ رہی ی۔ "میں حیران ہوں۔ صبح تک تم بستر سے اٹھنے کے قابل تھے۔ کمزوری کے باعث بات بھی نہیں کر رہے ے۔ اب اچانک ہی اٹھنے بیٹھنے اور بولنے لگے ہو۔"

میں نے کہا۔ "ہم خدا کی قدرت کو سمجھ نہیں پاتے۔ میں مطمئن ہوں۔ مجھے توانائی حاصل ہو رہی ہے۔"

میں بلرام کے تنویمی عمل کو بھول گیا تھا۔ یہ نہیں جانتا تھا اس نے کالے منتروں کے ذریعے میرے اندر عارضی انائی پیدا کی ہے۔ اس وقت وہ چاہتا تھا کہ سونیا مجھ سے دور کہیں چلی جائے۔ اس نے یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے ے دماغ پر قبضہ جمایا۔ میں نے اس کی مرضی کے مطابق کہا۔ "میں جوس پینا چاہتا ہوں۔"

وہ بولی۔ "کیلے کا ملک شیک بنا لاؤں۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا سیب نہیں ہیں؟"

"ختم ہو گئے ہیں۔ کہو تو بازار جا کر لے آتی ہوں۔"

"ہاں۔ چلی جاؤ اور کچھ تازہ پھل لے آؤ۔"

وہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ بلرام کا مقصد پورا ہو گیا۔ جب باہر کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی تو اس نے کہا۔ "میں تمہارا عامل ہوں۔ تم کو حکم دیتا ہوں۔ میرے کو ما کرو۔"

یہ یاد آ گیا کہ اس نے کس طرح مجھے معمول اور تابعدار بنایا تھا؟ اس نے کہا۔ "میرے بارے میں نہیں سوچو میں تمہارا دشمن نہیں دوست ہوں۔ اپنے منتروں سے تمہاری یاری دور کر رہا ہوں۔ تمہارے اندر تھوڑی تاکت پیدا کر رہا ہوں۔ تم سوچو میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ دیپک راٹھور کے اندر پہنچ کر بولا۔ "میں بلرام ہوں۔ فون اٹھا کے پھرہاد کے نمبر ملاؤ۔ میں بتا رہا ہوں۔"

اس نے نمبر بتائے۔ راٹھور نے رابطہ کیا۔ میرے فون کی کالنگ ٹون سنائی دی۔ بلرام نے کہا۔ "فون اٹھا کر بات کرو۔ دہلی راج دھانی سے ہمارا ایک افسر بول رہا ہے۔"

میں نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا پھر کہا۔ "ہیلو۔ فرمائیے۔"

راٹھور نے پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

میں نے بلرام کی مرضی کے مطابق کہا۔ "میں فرہاد علی تیمور بول رہا ہوں۔"

"میں کیسے یقین کروں کہ تم خطرناک ٹیلی پیتھی جاننے والے فرہاد ہی ہو؟"

"میں بیمار ہوں۔ ورنہ ابھی تمہارے اندر آ کر یقین دلاتا۔"

"کیا تم مجھے جانتے ہو؟ میرا نام دیپک راٹھور ہے۔"

میں نے کہا۔ "اگر تمہارا تعلق را ایجنسی سے ہے تو تمہیں جانتا ہوں۔ اب سے تقریباً بیس برس پہلے تم نے اور را کے سراغ رسانوں نے پاکستان کو ایٹمی قوت بننے سے روکنے کی بڑی کوششیں کی تھیں۔ طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کر رہے تھے۔ ایسے وقت میں نے تمہارے بارہ بجا دیے تھے۔ تم اپنی جان بچا کر فرار ہو گئے تھے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "ہاں۔ اب یقین ہو گیا... تم فرہاد علی تیمور ہو۔ کیا تسلیم کرتے ہو کہ بلرام کے معمول اور تابعدار بن چکے ہو؟"

میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ "ہاں تسلیم تو کرنا ہی ہوگا۔ مجھے اس طرح اپنے عمل سے جکڑ لیا گیا ہے کہ بلرام کے جاتے ہی اپنی بدنصیبی کو بھول جاتا ہوں۔ اپنے کسی ٹیلی پیتھی جاننے والے کو مدد کے لیے بلا نہیں پاتا۔ پتا نہیں خدا کو کیا منظور ہے؟"

راٹھور نے کہا۔ "بس مجھے یہی معلوم کرنا تھا۔ بے شک بلرام نے ایک پہاڑ کو اپنے قدموں میں جھکا لیا ہے۔ وہ ابھی تمہارے اندر رہ کر ہماری باتیں سن رہا ہوگا۔ پلیز بلرام! ابھی میرے پاس آؤ۔ میں فون بند کر رہا ہوں۔"

فون بند ہو گیا۔ بلرام نے مجھ سے کہا۔ "میں جا رہا ہوں۔ میرے جاتے ہی تم میرے کو اور میرے تنویمی عمل کو بھول جاؤ گے۔"

میں دوسرے ہی لمحے میں یہ بھول گیا کہ کوئی میرے دماغ میں آیا تھا اور کسی دیپک راٹھور نے فون پر باتیں کی تھیں۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے اب تک کچھ نہیں ہوا تھا۔ میں یونہی بڑی دیر سے بستر پر بیٹھا ہوا تھا۔ میرے پاس کوئی نہیں آیا تھا۔

میں تھکے ہوئے انداز میں تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔

دیپک راٹھور مجھ سے باتیں کرنے کے بعد بے چین ہو گیا تھا۔ کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ مجھ سے پرانی عداوت اور

شکست خوردگی تڑپا رہی تھی۔ وہ آفس کے وسیع و عریض کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔ اس وقت وہ تنہا نہیں تھا۔ وہاں را ایجنسی کے ڈائریکٹر' ڈپٹی ڈائریکٹر اور چار اعلیٰ افسران آرام دہ صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

بلرام نے خیال خوانی کے ذریعے آکر پوچھا۔ ''اب بولو... یقین آیا کہ میں نے پھرہاد کو چوہا بنا دیا ہے؟''

راٹھور ٹہل رہا تھا۔ ایک جگہ رک کر بولا۔ ''بالکل یقین آگیا ہے۔ تم نہیں جانتے بلرام! تم نے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔''

وہ ایک جونیئر افسر کے دماغ میں پہنچ کر اس کی زبان سے بول رہا تھا۔ ''میرے کو معلوم ہے میں نے بہت بڑا کام انجام دیا ہے۔ دیوی ماں کے چرنوں میں اس کی بلی چڑھاؤں گا تو مہا شکتی مان ہو جاؤں گا۔''

ڈائریکٹر نے کہا۔ ''ابھی راٹھور نے بتایا ہے' تم فرہاد کو کولکتہ لے جاؤ گے۔ ابھی وہ پاکستان کے شہر لاہور میں ہے۔ ذرا سوچو! اسے اتنی دور لے جانے میں کتنا وقت لگے گا؟ وہ بہت مکار ہے۔ اتنی دیر میں تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔''

''نہیں نکلے گا۔''

ڈپٹی ڈائریکٹر نے کہا۔ ''ہماری بات مانو' ابھی اسی پل اسے مار ڈالو۔ وہ ہمارے سیاسی معاملات میں ایسی رکاوٹ ہے جسے ہم آج تک دور نہ کر سکے۔ اب یہ سنہری موقع ہاتھ آیا ہے۔ اسے ہاتھ سے جانے نہ دو۔''

وہ بولا۔ ''تم چنتا نہ کرو۔ وہ بیمار ہے۔ میری مرجی کے بنا بستر سے اٹھ بھی نہیں سکے گا۔ میں اسے منتروں سے جکڑ کے کولکتہ لے جاؤں گا۔''

''تم نہیں جانتے بلرام! وہ کئی بار مرنے کے بعد بھی زندہ ہو کر ابھی تک سانسیں لے رہا ہے۔''

ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔ ''تم مہا شکتی مان بننے کے لیے اسے دیوی ماں کے چرنوں میں نہ لے جاؤ۔ ابھی اسے مار ڈالو۔ ہم ابھی تمہیں طاقتور بننے کے لیے جو مانگو گے وہ دیں گے۔''

''جے ماتا کی... جو دیوی ماں دے گی وہ اور کوئی نہیں دے سکے گا۔ تم نے کہا تھا امریکا ہمارے دیش کے آگے جھک جائے گا تو ہم پاکستان اور بنگلا دیش کو مجبور بنا دیں گے۔ دائیں بائیں دونوں مسلمان ملکوں کو بھسم کر دیں گے۔''

جے نے اس جونیئر افسر کی زبان سے کہا۔ ''میں جے بول رہا ہوں۔ ہم امریکا کے بڑے بڑے لوگوں کو اپنا غلام بنا چکے ہیں۔''

ڈائریکٹر نے کہا۔ ''ہم ان غلام بننے والے اکابر... سے باتیں کریں گے۔ اپنے مطالبات منوائیں گے۔ ... ہماری مرضی کے بغیر پاکستان کو اربوں ڈالرز کا قرضہ نہیں دی... گے۔ جدید ہتھیار لڑاکا طیارے اور جدید ٹیکنالوجی نہیں دی... گے۔ اس طرح وہ دونوں پڑوسی ممالک کمزور ہو جائیں گے... پھر ہم آسانی سے انہیں اپنے جوتوں تلے مسل ڈالیں گے۔''

چیف نے کہا۔ ''بنگلا دیش کی ہمیں پروا نہیں ہے۔ ... جب چاہیں گے اسے ہڑپ کر لیں گے۔ بس یہ پاکستان... ہمارے لیے چیلنج بنا رہتا ہے۔ ایک تو یہ ایٹمی طاقت بن گ... ہے۔ دوسرے یہ کہ فرہاد کی ٹیلی پیتھی ایٹم بم سے کہیں زیاد... خطرناک ہے۔ اسی لیے بلرام کو سمجھا رہے ہیں' ایک پل ضائع... نہ کرے' ابھی فرہاد کو ختم کر دے۔''

''پھرہاد سے کیوں ڈرتے ہو؟ وہ پاکستان میں نہیں... رہتا اور نہ ہی ٹیلی پیتھی کا ہتھیار وہاں استعمال کرتا ہے۔''

ڈائریکٹر نے کہا۔ ''وہ پاکستان سے دور رہتا ہے۔ سیاست... سے کوئی دلچسپی نہیں لیتا مگر بڑی رازداری سے خیال خوانی کرتا... اور پاکستان کی گرتی ہوئی حالت کو سنبھالتا ہے۔ وہ کئی بار ہماری... ایجنسی کی سازشوں کو ناکام بنا چکا ہے۔''

بھنڈاری نے کہا۔ ''ہم تینوں جے' بلرام اور بھنڈاری یہاں موجود ہیں۔ تمہاری ہر بات کو مانتے ہیں مگر پھرہاد والی بات کو نہیں مانیں گے۔ اس کی گردن دیوی ماں کے چرنوں میں اڑائیں گے۔''

بلرام نے کہا۔ ''ہم اپنے کالے منتروں کو تم سے جیادہ سمجھتے ہیں۔ یہ دیوی ماں کا وردان ہے کہ پھرہاد کی اور سیارے سے آنے والی عورت کی بلی چڑھائیں گے تو اس دنیا میں ہمارے جیسا شکتی مان کوئی نہیں ہوگا۔''

جے نے کہا۔ ''ہمارے شکتی مان ہونے سے بھارت دیش کو اور تم سب کو پھائدہ پہنچے گا۔ ہم نے سپر پاور کو جھکا لیا ہے۔ اب اپنے دیش کو طاقتور بنانا آسان ہو گیا ہے۔ یہ کام تم لوگ رہتی دنیا تک کبھی نہ کر پاتے۔ آگے بھی ہم بہت بڑے کام کرنے والے ہیں۔ جرا انتجار کرو۔ اور تماشا دیکھو۔''

وہ تمام اعلیٰ افسران ان سے زبردستی اپنا حکم نہیں منوا سکتے تھے۔ وہ سب سوچ میں پڑ گئے۔ ایک دوسرے سے مشورے کرنے لگے۔ کسی بھی صورت میں مجھے بلرام کے بھروسے پر چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ انہیں یقین کی حد تک اندیشہ تھا کہ میں ان کی گرفت سے نکل کر ہمیشہ کی طرح پھر اپنی موت کا رخ پھیر دوں گا۔

آخر ایک نے بلرام سے پوچھا۔ ''فرہاد کو لاہور سے ... لے جاؤ گے۔ ہندوستان کے ایک سرے سے ... سرے تک' مغرب سے مشرق تک کا لمبا سفر کیسے ... گے؟ کیا فرہاد کو میک اپ کے ذریعے چھپا سکو گے؟''

بلرام نے کہا۔ ''نہیں۔ میک اپ کا ٹائم نہیں ملے ... سونیا اس کے ساتھ ہے۔ میں سونیا کو دھوکا دے کے ... اس کو وہاں سے نکالوں گا۔''

چیف نے کہا۔ ''وہ پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ فرہاد کی ... ہوئی تمہاری جان کی دشمن بن جائے گی۔''

ڈائریکٹر نے کہا۔ ''بابا صاحب کے ادارے والے ... تمہیں کولکتہ پہنچنے نہیں دیں گے۔''

ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔ ''وہ لوگ روحانی ٹیلی پیتھی ... ہیں۔ تمہارے کالے جادو کا توڑ کریں گے۔ تم ایسا ... کام نہ کرو کہ ان سے ٹکرانا پڑے۔ ہم پر بھروسا کرو۔ ہم ... صرف دو گھنٹے کے اندر لاہور سے دہلی پہنچا دیں گے۔ تم ... دوسری فلائٹ سے کولکتہ لے جا سکو گے۔''

وہ اسے سمجھانے لگے کہ میرا جعلی پاسپورٹ بنوا کر ... تی سفارت خانے سے ویزا جاری کر کے کسی بھی پہلی ... سے مجھے دہلی پہنچایا جائے گا۔ اس دوران بلرام ... کے دماغ پر مسلط رہے گا۔ میرے اپنے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو مجھ تک پہنچنے نہیں دے گا۔

جے اور بھنڈاری نے کہا۔ ''ٹھیک ہے بلرام! یہ را ... اسے بڑی آسانی سے ہمارے مندر تک پہنچا دیں ... مسلمان ٹیلی پیتھی جاننے والے راستہ روکیں گے تو ہم ... کالے جادو سے اور را والوں کی مدد سے ان کو مار ... ئیں گے۔''

وہ اس بات پر متفق ہو گئے کہ مجھے کالی ماں کے ایک ... مندر تک پہنچانے کے دوران مجھ پر پراسرار عمل بھی ... کرتے رہیں گے اور را والوں کی مضبوط سیکیورٹی بھی حاصل ... تے رہیں گے۔

☆☆☆

جے' بلرام اور بھنڈاری نے ان امریکی اکابرین کی خبر ... یوگا کے ماہر تھے۔ ٹیلی پیتھی جاننے والے میکائیل اور ... ڈی البرٹ نے ان کے دماغوں کو لاک کر دیا تھا۔ وہ ... کامیابی سے روپوش رہ کر اب تک تمام دشمنوں کو چیلنج ... تے آئے تھے کہ کوئی طاقتور انہیں اپنے زیر اثر نہیں لا سکے ... لیکن کبھی تو اونٹوں کا قافلہ پہاڑ کے نیچے آتا ہے۔ آخر انہیں ... اوقات معلوم ہو ہی گئی۔

جے نے آرمی کے ایک اعلیٰ افسر کے اندر آکر پوچھا۔ ''ہائے ... ری پردے والی! کب تک ان چھوئی کنواری رہے گی؟''

وہ آرام سے بیٹھا ہوا تھا۔ ایکدم سے اچھل کر کرسی پر سیدھا ہو گیا۔ پریشان ہو کر بولا۔ ''کون ہو تم؟''

یہ کہتے ہی اس نے سانسیں روک لیں۔ اسے بھگانا چاہا' وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''جلدی سے سانس لے نہیں تو مر جائے گا۔''

اسے یقین نہیں ہو رہا تھا کہ سچ مچ کوئی اس کے اندر آکر بول رہا ہے۔ جے نے کہا۔ ''ہاں میں بول رہا ہوں۔ کیا جور جور سے چلا کے بولوں؟ وہ جو تیرے ٹیلی پیتھی جاننے والے باپ تھے۔ وہ میری ٹانگوں کے نیچے آگئے ہیں۔ اب میں تیرا باپ ہوں۔''

وہ سپر پاور کہلاتے تھے۔ کبھی سوچ نہیں سکتے تھے کہ کسی کے زیر اثر آئیں گے۔ اس نے شکست خوردہ لہجے میں پوچھا۔ ''پلیز۔ بتاؤ تم کون ہو؟ تم نے میرے اندر پہنچنے کا راستہ کیسے بنایا ہے؟''

''جیسے بھی بنایا ہے اتنا سمجھ لے کہ پہلے تیرے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو شکنجے میں لیا ہے پھر اپنا راستہ آسان بنایا ہے۔ اب یہ پوچھ کہ ہم کون ہیں؟''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''اے مہاراج سپر پاور...! ہم ہندوستانی ہیں۔ یہ تو دیکھ رہے ہو کہ ہم ٹیلی پیتھی جانتے ہیں۔ اس سے بھی جیادہ کالا جادو جانتے ہیں۔''

پھر وہ بولا۔ ''اور ہم اس لیے ہم کہہ رہے ہیں کہ ہم ایک اکیلے نہیں ہیں۔ تین ہیں۔ میرے کو جے بولتے ہیں۔ باقی ایک کا نام بلرام اور دوسرے کا نام بھنڈاری ہے۔''

''ہم سے کیا چاہتے ہو؟ کیا ایشورارا یا مسلمانوں کے لیے کام کر رہے ہو؟''

''کیا تم نہیں جانتے ہندو اور مسلمان کبھی ساتھ نہیں رہ سکتے؟ ہمیں آگ اور پانی کہا جاتا ہے۔ یعنی ہم آگ ہیں مسلمانوں کو جلا ڈالتے ہیں۔ وہ پانی ہیں' اپنے آپ کو بجھا نہیں پاتے۔''

''کیا ایشورارا سے تمہاری دوستی ہے؟''

''ابھی نہیں ہے مگر ہو سکتی ہے۔ اگر وہ ہماری مانگیں پوری کرے گا تو اس سے دوستی ہو جائے گی۔ تم پوری کرو گے تو ہم اس کو لات مار کے تمہارے دوست بن جائیں گے۔''

''تمہارے مطالبات کیا ہیں؟''

''یہ ہمارے بھارتی نیتا جانتے ہیں۔ میں ان کے نمبر بتا رہا ہوں۔ تم ان سے باتیں کرو۔''

ایسے وقت آفس کا دروازہ کھلا۔ دس عدد یوگا جاننے والے آرمی کے اعلیٰ افسران اندر آنے لگے۔ کمانڈران چیف

نے کہا۔ ”ہم سب کے دماغوں میں دو ٹیلی پیتھی جاننے والے گھس آئے ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام بلرام ہے اور دوسرے کا نام بھنڈاری ہے۔“

ایک جرنل نے کہا۔ ”انہوں نے حکم دیا ہے کہ ہم یہاں آکر بھارتی لیڈروں سے فون پر باتیں کریں۔ کیا تم ان سے رابطہ کررہے ہو؟“

اعلیٰ افسر نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا پھر جے کی مرضی کے مطابق وائڈ اسپیکر آن کرکے نمبر پنچ کرنے لگا۔ دوسری طرف را ایجنسی کے اعلیٰ افسران ٹیلی فون کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس فون کا وائڈ اسپیکر آن تھا۔ رابطہ ہونے پر ایک نے کہا۔ ”ہیلو...! میں بھارتی وزارتِ خارجہ کا چیف سیکریٹری اروِن پربھاکر بول رہا ہوں۔ تم اپنا تعارف کراؤ۔“

امریکی آرمی کے اعلیٰ افسر نے کہا۔ ”میں میجر جرنل ایس اونر بول رہا ہوں۔ تمہارے ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے ہمیں تم سے باتیں کرنے پر مجبور کیا ہے۔“

”مجبوریاں انسان کو منہ کے بل گرا دیتی ہیں۔ تم لوگ ایسے مغرور ہو کہ ایشیائی ممالک کے حکمرانوں کو اپنا محکوم سمجھتے ہو۔ اب بھی مجبور نہ کیے جاتے تو کبھی ہم سے بات کرنا گوارہ نہ کرتے۔“

اس نے کہا۔ ”ایک طرف سے مسلمان اور دوسری طرف سے سیارے والے ہمیں کمزور بنا رہے تھے۔ تم لوگوں نے آکر ہم یوگا جاننے والوں کو بھی کمزور اور بے بس بنا دیا ہے۔ بے شک۔ ہم مجبور ہو کر تم سے باتیں کررہے ہیں۔“

ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔ ”ہم سُپر پاور ہیں‘ کسی کے زیرِ اثر نہیں آنا چاہیں گے۔ تم لوگوں میں جو بھی زیادہ طاقتور ہوگا جو بھی ہماری آزادی اور خودمختاری کو برقرار رکھنے میں ہماری مدد کرے گا ہم اس سے دوستی اور اتحاد کریں گے۔“

چیف سیکریٹری اروِن پربھاکر نے کہا۔ ”تمہارے تمام دشمن تمہیں سپر پاور کی حیثیت سے گرانا چاہتے ہیں لیکن ہم ایسا نہیں چاہتے۔ ہمیں امریکا اور یورپ کے ملکوں سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ ہم ایشیائی ممالک میں برتری حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر اتحاد کروگے تو ہم تمہارے کسی بھی دشمن کو تم پر حاوی ہونے نہیں دیں گے۔“

”پھر تو ہم تمہارے تمام مطالبات تسلیم کریں گے۔ بولو... کیا چاہتے ہو؟“

”پہلے تو ہم دائیں بائیں پڑوسی مسلمان ملکوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ اپنے بھارت کے ٹکڑے جوڑ کر پہلے کی طرح مکمل اور اکھنڈ بھارت بنانا چاہتے ہیں۔“

را کے ڈائریکٹر نے کہا۔ ”ہم چاہتے ہیں کہ پاکستا[illegible] نئے ہتھیار اور لڑاکا طیارے اور جدید ٹیکنالوجی [illegible] جائے۔ اربوں ڈالرز کے قرضے بھی نہ دیے جائیں۔ [illegible] پڑوسی ملک کو ہر پہلو سے کمزور بنایا جائے۔“

ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔ ”فرہاد پہلے ہی ہمارا بد[illegible] دشمن ہے۔ پاکستان کو کمزور بنانا چاہیں گے تو وہ ہم سے [illegible] کی انتہا کردے گا۔“

بلرام نے کہا۔ ”تمہارے لیے خوشخبری ہے [illegible] پھر ہاد میرے شکنجے میں ہے۔ میں اماوس کی رات اسے مو[illegible] کے گھاٹ اتارنے والا ہوں۔“

میرے گرفت میں آنے والی بات کسی کے حلق [illegible] نہیں اترتی تھی۔ کوئی یہ یقین کر ہی نہیں سکتا تھا کہ مجھے کسی [illegible] طرح موت کے گھاٹ اتارا جاسکتا ہے۔

میجر میکائیل نے کہا۔ ”بے شک تم تینوں کالے [illegible] اور ٹیلی پیتھی کے ذریعے بہت طاقتور بن گئے ہو گے لیکن [illegible] ماننے والی بات نہیں ہے کہ فرہاد تمہارے شکنجے میں ہے۔“

”ہے...... ہم ثابت کردیں گے۔ تم اس سے فون [illegible] بات کرسکو گے۔“

”پھر بھی یقین نہیں ہوگا۔ وہ فون پر بات کرنے [illegible] بعد میں ڈمی فرہاد ثابت ہوگا۔ ایسا کئی بار ہو چکا ہے۔ وہ کئی [illegible] مرنے کے بعد زندہ ہو چکا ہے۔“

جے نے کہا۔ ”ہم تم کو اماوس کی رات کولکتہ آنے [illegible] دعوت دیتے ہیں۔ وہاں آکر اپنی آنکھوں سے بھر[illegible] کو دیکھو۔ جب بلرام ماتاجی کے بھاری بھرکم چھرے [illegible] اس کی گردن مارے گا تب تمہیں یقین ہوجائے گا۔“

”تب بھی یقین نہیں ہوگا۔ جب اسے طبعی موت آ[illegible] گی تو وہ قدرتی طور پر مرے گا اور بابا صاحب کے ادار[illegible] میں اس کی تدفین ہوگی تب پورے یقین کے ساتھ ہمار[illegible] کلیجے کو ٹھنڈک پہنچے گی۔“

ایک اعلیٰ افسر نے پوچھا۔ ”یہ بتاؤ اسے کب اپنے [illegible] میں لیا تھا؟“

بلرام نے کہا۔ ”پورے اڑتالیس گھنٹے ہو چکے ہیں۔ [illegible] دو دنوں سے ہپناٹزم کی اور کالے جادو کی جکڑ بندی میں ہے [illegible]“

میجر جنرل نے کہا۔ ”ذرا عقل سے سوچو۔ اس کے [illegible] شمار ٹیلی پیتھی جاننے والے ہیں۔ کیا ان دو دنوں سے وہ [illegible] غافل بیٹھے ہیں؟ یہ نہیں جانتے کہ وہ تمہارا قیدی بنا ہوا ہے؟“

”میں نے ایسی چالاکی سے گپت عمل کیا ہے کہ انہیں [illegible] کبھی معلوم نہیں ہوگا۔

”چاہے کتنی ہی رازداری سے عمل کرو۔ روحانی ٹیلی [illegible] جاننے والوں سے کوئی بات چھپی نہیں رہتی۔ ہم ابھی تم [illegible] بحث نہیں کریں گے مگر یہ لکھ لو کہ فرہاد تمہارے شکنجے میں [illegible] ہے۔ اماوس کی رات کو معلوم ہوگا کہ تم اس کی ڈمی سے [illegible] کھاتے رہے ہو۔“

ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔ ”ہماری ایک بات مانو۔ یہ [illegible] غور کرو کہ روحانی ٹیلی پیتھی جاننے والے تمہارے قیدی [illegible] سے کیوں غافل ہیں؟“

ایک اور اعلیٰ افسر نے پوچھا۔ ”تمہاری عقل کیسے مانتی [illegible] ایک زبردست ناقابلِ شکست ٹیلی پیتھی جاننے والے کو [illegible] صاحب کے ادارے والے بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے [illegible] ہی دور سے اس کے قیدی بن کر رہنے اور موت کے [illegible] اترنے کا تماشا دیکھیں گے؟“

میجر میکائیل نے کہا۔ ”آج تک ہمارے دماغوں [illegible] نہ آسکا تم لوگوں نے ہم پر حاوی ہو کر غیر معمولی طور پر [illegible] ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ ہم تمہارے تمام مطالبات [illegible] کریں گے لیکن پاکستان کے خلاف اس وقت تمہاری مدد [illegible] گے جب فرہاد کو واقعی موت کے گھاٹ اتار دو گے۔“

”ٹھیک ہے۔ آج سے دو دن کے بعد اماوس کی رات [illegible] یقین ہوجائے گا۔“

ان کے درمیان مزید معاملات پر باتیں ہوتی رہیں [illegible] ابطہ ختم ہوگیا۔ را کے ڈائریکٹر نے بلرام کو مخاطب [illegible] کرتے ہوئے کہا۔ ”آرمی افسران کی یہ بات دل کو لگ [illegible] ہے‘ فرہاد دو دنوں سے تمہارا قیدی بنا ہوا ہے پھر بابا [illegible] صاحب کے روحانی ٹیلی پیتھی جاننے والے اس کی خبر کیوں [illegible] نہیں لے رہے ہیں؟“

[illegible] را کے چیف نے کہا۔ ”روحانی علوم کے آگے کوئی [illegible] بات چھپی نہیں رہتی پھر تم نے فرہاد کو کیسے چھپا کر رکھا ہے؟ ان [illegible] مسلمانوں کو تمہارے کالے جادو سے ٹکرانا چاہیے تھا مگر ان کی [illegible] طرف سے بالکل خاموشی ہے۔“

بلرام نے کہا۔ ”ہم اس معاملے میں بحث نہیں کریں [illegible] دو دن اور صبر کرو پھر ساری دنیا حیران رہ جائے گی پھر ہاد [illegible] ماتا جی ماں کے چرنوں میں مرنے کے لیے پیدا ہوا ہے۔“

جے‘ بلرام اور بھنڈاری ماننے والے نہیں تھے کہ وہ [illegible] مجھ جیسے آدمی کو اپنا تابعدار بنا کر دھوکا کھا رہے ہیں۔ انہوں نے [illegible] منتروں کے ذریعے اچھی طرح یقین کرلیا تھا کہ [illegible] میں ان کے شکنجے میں ہوں اور کسی شک و شبہے کے بغیر [illegible] میں ان کا معمول اور تابعدار بنا ہوا تھا۔ یہ حیرانی کی

بات تھی کہ سونیا‘ میرے بچے اور تمام ٹیلی پیتھی جاننے والے اس حقیقت سے بے خبر تھے۔ شاید اسی کو تقدیر کا چکر بلکہ گھن چکر کہتے ہیں۔

☆☆☆

جو یوگا جاننے والے آرمی کے افسران تنویمی عمل کے فولادی قلعے میں رہا کرتے تھے اور جن کے دماغوں تک کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا پہنچ نہیں پاتا تھا وہ جے‘ بلرام اور بھنڈاری کے آگے کمزور پڑ گئے تھے۔ یہ بات ایشورارا کو معلوم ہوئی تو وہ حیران رہ گیا۔ اسے یہ یقین کرنا پڑا کہ ٹیلی پیتھی اور کالا جادو جاننے والے بہت طاقتور ہیں۔ ان سے کیا ہوا وعدہ اسے ہر حال میں پورا کرنا ہوگا اور وعدہ یہ تھا کہ سیارے کی ایک عورت کو بھنڈاری کے حوالے کرے گا۔

ایکورارا نے کہا۔ ”برادر! یہ کیا ہو رہا ہے؟ ہم مسلمانوں سے نمٹ نہیں پا رہے ہیں۔ ان سے دوستی کرکے عارضی طور پر جان چھڑا رہے ہیں۔ امریکی اکابرین کے مقفل دماغوں کو کھولنے کے باوجود ان سے کوئی فائدہ .... اٹھانے کے قابل نہیں ہیں۔ اُدھر جے‘ بلرام اور بھنڈاری یوگا جاننے والے اکابرین کو اپنا تابعدار بنا چکے ہیں۔“

ایشورارا نے کہا۔ ”ہاں۔ یوگا جاننے والوں کے آگے امریکی اکابرین کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ اکابرین بھی جلد ہی بھنڈاری کے تابعدار بن جائیں گے۔ ہم اقتدار حاصل کرنے کی جنگ میں سب سے پیچھے ہوتے جارہے ہیں۔“

”برادر! ہم بڑی مشکل میں ہیں۔ میری عقل کہتی ہے‘ جس طرح ہم نے مسلمانوں سے خطرات کو روکنے کے لیے ان سے دوستی کی ہے۔ اسی طرح بھنڈاری سے دوستی اور اتحاد رکھنا ہوگا۔ تب ہی ہم امریکا اور یورپ کے شمالی علاقوں میں اپنی حکومت قائم کرسکیں گے۔“

”ہاں۔ یہی کرنا ہوگا ورنہ اس ارضی دنیا سے ہمارے قدم اکھاڑ دیے جائیں گے۔ ہمیں بھنڈاری کا پہلا مطالبہ فوراً پورا کرنا چاہیے۔ کولکتہ میں ہمارے جو ٹیلی پیتھی جاننے والے ہیں۔ ان سے رابطہ کرو۔ انہیں حکم دو کہ ایک بہت ہی خوبصورت اور جوان لڑکی کو ٹریپ کریں۔“

ایکورارا نے کہا۔ ”تنویمی عمل کے ذریعے اس لڑکی کا برین واش کرنا ہوگا۔ اس کے ذہن میں یہ نقش کرنا ہوگا کہ وہ سیارے سے آئی ہے۔ پہلے بدصورت تھی۔ سرجری کے ذریعے اسے خوبصورت بنایا گیا ہے۔“

”ہاں اسی طرح اسے مکمل طور پر سیارے والی بنا کر بھنڈاری کے پاس پہنچا دو۔“

"کیا وہ کالے جادو کے ذریعے ہمارے فراڈ کو نہیں سمجھے گا؟"

"میرا خیال ہے اسے شبہ نہیں ہوگا۔ ہوگا تو دیکھا جائے گا۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ اپنے سیارے کی کسی عورت کی پلاسٹک سرجری کرائیں۔ اسے خوبصورت بنائیں اور پھر یہاں لائیں۔"

بھنڈاری کا مطالبہ پورا کرکے اسے دوست بنانا تھا۔ حالات کا تقاضا یہ تھا کہ دشمنوں کی تعداد کو کم اور دوستوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ کی جائے۔ ایکورارا نے کولکتہ میں اپنے ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے رابطہ کیا پھر ان کے ساتھ رہ کر ایک حسین بنگالی دوشیزہ کو دیکھا۔ اس کے اندر پہنچ کر اس کے خیالات پڑھے پھر تنویمی عمل کے ذریعے اسے اپنی معمولہ اور تابعدار بنالیا۔

پتا نہیں وہ کون تھی۔ پہلے تو اس بیچاری کا برین واش کیا گیا۔ اس کے بچپن سے اب تک کی تمام باتیں ذہن سے مٹا دی گئیں۔ نئی یادداشتیں ذہن میں محفوظ کی گئیں۔ اس عمل کے مطابق اس نے تنویمی نیند سے بیدار ہونے کے بعد اپنے متعلق سوچا تو دماغ نے یہی سمجھایا کہ اس کا نام مجالہ ہے۔ وہ سیارے میں پیدا ہوئی تھی۔ اپنے بھائی کے ساتھ ارضی دنیا میں آئی ہے اور اس وقت ہندوستان کے ایک شہر کولکتہ میں ہے۔

ایشورارا کا ایک وفادار مجالہ کا بھائی بنا ہوا تھا۔ اس کا موجودہ حافظہ کہہ رہا تھا کہ اس بھائی کے ساتھ برسوں سے رہتی آئی ہے۔ اس نے خود کو آئینے میں دیکھا۔ اس کا چہرہ اور حلیہ بدل چکا تھا۔ وہ بھول چکی تھی کہ پہلے اس کی صورت کیسی تھی؟ اس کے رشتے دار اور دیگر شناسا اسے دیکھتے تو پہچان نہ پاتے۔

دوسری طرف مجھے اغوا کرنے کی تدابیر پر عمل کیا جارہا تھا۔ را کے چیف نے پاکستان کے ہندوستانی سفارت خانے سے میرا جعلی ویزا جاری کرایا تھا۔ جے بلرام اور بھنڈاری نے ٹیلی پیتھی کے کمالات دکھا کر اسی نام سے میرا پاسپورٹ حاصل کیا تھا۔ اسی دوپہر کی ایک فلائٹ میں لاہور سے دہلی کے لیے سیٹ او کے کرائی گئی تھی۔

☆☆☆

میں صبح ناشتا کررہا تھا۔ سونیا نے کہا۔ "تم جلد ہی تندرست ہوجاؤ گے اور کہیں دور سفر میں جاؤ گے۔"

میں نے لقمہ چباتے ہوئے کہا۔ "میں اس حد تک اٹھنے بیٹھنے لگا ہوں کہ بستر سے کرسی تک جاتا ہوں یا ٹوائلٹ چلا جاتا ہوں۔ کیا تمہیں الہام ہوا ہے کہ دور کہیں سفر پر جانے والا ہوں؟"

"ہاں۔ میں نے خواب دیکھا ہے۔ تم ہشاش بشا... تھے۔ چہرے پر رونق تھی۔ کسی طرح بھی بیمار نہیں لگ ر... تھے۔ ایک طیارے میں سفر کررہے تھے۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "چلو اچھا ہے ہم اس عمر میں ... ہنی مون منانے جائیں گے۔"

"میں خواب میں تمہارے ساتھ نہیں تھی۔ کوئی دوسری تھ...

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اس عمر میں میرے سا... دوسری تیسری کو دیکھ رہی ہو؟ میری جان...! وہ دن ہوئے جب پسینہ گلاب تھا۔"

وہ میز پر سے پلیٹیں اٹھاتے ہوئے بولی۔ "جب تم ... پھرتے ایکشن میں رہتے ہو تو جانے کہاں سے جوانی اُمڈ آ... ہے؟ حضور کا پسینہ گلاب ہوجاتا ہے۔ تتلیاں آکر منڈلا... لگتی ہیں۔"

وہ کچن میں گئی۔ میں نے کہا۔ "اگر تم چاہتی ہو... تتلیاں میری طرف نہ آئیں تو دوائیں بدل دو مجھے تندرس... نہ ہونے دو۔"

"کسی دشمن عورت سے کہو وہ دوائیں بدل د... گی۔ میں تو دل سے چاہتی ہوں کہ تم پر پھر سے جوا... آئے۔ میرے سرتاج...! ابھی دنیا کو تمہاری ضرورت ہ...

میں نے کہا۔ "اور تمہاری بھی ضرورت ہے۔ دوس... سے نہیں دشمنوں سے بھی پوچھو تو وہ کہیں گے کہ سونیا کے ... فرہاد ادھورا ہے۔"

وہ چائے کی پیالیاں لاکر میز کے دوسری طرف ... گئی۔ میری طرف ایک پیالی بڑھاتے ہوئے بولی۔ "ہم ... جدوجہد سے بھرپور بڑے ہی رنگین اور سنگین دن گزار ... ہیں۔ اب وہ دن کبھی واپس نہیں آئیں گے۔"

"بابا فرید واسطی تم پر مہربان تھے۔ تمہیں ... تھے۔ پتا نہیں تم پر کیسا عمل کیا تھا اور دعا کی تھی کہ تم پر کبھی زو... نہ آئے۔ ساری دنیا دیکھ رہی ہے، آج بھی تم جوان ہو۔"

میں نے اس کی ہتھیلی کی پشت کو سہلاتے ہو... کہا۔ "یہ ان کی دعاؤں کا اثر ہے کہ تم جوانی کے ابتدائی دنو... کی طرح حاضر دماغ چست و چالاک اور پھرتیلی ہو۔ ... کی دعاؤں کا اثر ہے کہ تم پر زوال نہیں آرہا ہے۔ تم کمالا... حاصل کرتی ہوئی اس دنیا سے جاؤ گی۔"

اس نے گہری سنجیدگی سے مجھے دیکھا پھر کہا۔ "اس د... سے سب ہی کو جانا ہے۔ میں دن رات دعائیں مانگتی ہوں ... تم سے پہلے جاؤں اور تمہارے کاندھے پر جاؤں۔"

میں نے پورے یقین سے کہا۔ "تمہاری یہ آرزو پوری ... ہوگی۔ بابا صاحب کی پیش گوئی ہے کہ میری آخری ... وں میں تم میرے قریب رہو گی۔"

پھر میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ "اور میری آخری ... وں کی گنتی شروع ہوچکی ہے۔"

اس کی نظریں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اس ... ے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "پیش گوئی بدل بھی سکتی ... بعض اوقات بازی الٹ جاتی ہے۔ جو بات تمہارے ... ہونے والی ہے وہ میرے ساتھ ہوسکتی ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟ جو میرے ساتھ ہونا ہے وہ ... ے ساتھ کیسے ہوگا؟"

"ایسا ہوسکتا ہے میں آخری وقت بستر مرگ پر رہوں اور ... ڈھونڈتے ہوئے مجھ تک پہنچنے کی کوششیں کرتے رہو۔"

میں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "بے تکی باتیں ... ی ہو۔ کیا پیش گوئی بدل جائے گی اور وہ بھی بابا صاحب ...؟ ہرگز نہیں۔"

وہ بولی۔ "ہماری دنیا میں، ہماری زندگی میں صرف اللہ ... کا فرمان اٹل ہوتا ہے۔ باقی بندوں کے فرمان تبدیل ... ہیں۔ بابا صاحب اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ... کیا برگزیدہ بندوں کی باتیں اللہ تعالیٰ کی مرضی سے بدل ... سکتیں؟"

میں نے قائل ہوکر کہا۔ "اللہ تعالیٰ بے شک قادر مطلق ... اس کی مرضی سے تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔"

وہ چائے کا ایک گھونٹ لے کر بولی۔ "تو پھر ہمارے ... نہ ہی ایسا ہوسکتا ہے۔"

میں نے تعجب سے پوچھا۔ "کیا کہنا چاہتی ہو؟ ہمارے ... کیسا ہوسکتا ہے؟"

"یہی کہ میں آخری سانسوں میں تمہارے پاس نہیں ... وں گی۔ تم سے پہلے دنیا سے جاؤں گی اور تمہارے ... ے پر جاؤں گی۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ایسی آرزوئیں، ایسے ... ت دل کو بہلاتے ہیں، بے شک خود کو بہلاتی رہو۔"

وہ چائے پی رہی تھی اور بڑے اعتماد سے مسکرا رہی ... اس کا انداز کہہ رہا تھا کہ وہ خود کو بہلانے والی بات نہیں ... ی ہے۔ میں نے کہا۔ "تم کوئی بات چھپا کر خوامخواہ ... ن رہی ہو۔ کم آن.... جو بات ہے اسے اُگل دو۔"

"اگر چھپانا ہوتا تو یہ بات نہ چھیڑتی۔ کل عشا کی نماز ... بعد ذرا دیر کے لیے آنکھ لگ گئی تھی۔ تب میں نے بابا صاحب کو دیکھا۔"

میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ کوئی بہت ہی اہم بات کہنے والی تھی اور جو کہنے والی تھی اس کی اب تک تمہید باندھتی آرہی تھی۔

میں نے بے چین ہوکر کہا۔ "بول بھی چکو۔"

اس نے کہا۔ "بابا صاحب فرمارہے تھے، ہم روحانی علوم میں مہارت رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے بھید کو اور اس کے بدلتے ہوئے فیصلوں کو سمجھ نہیں پاتے۔ اپنی محدود معلومات کے مطابق پیش گوئیاں کرتے ہیں جو اکثر درست ہوتی ہیں اور کچھ تشنہ رہ جاتی ہیں۔ فرہاد کی وفات کے سلسلے میں میری پیش گوئی تشنہ رہے گی۔ مکمل نہیں ہو پائے گی..."

میں نے حیرانی سے پوچھا۔ "یہ کیا کہہ رہی ہو؟"

"یہ میں نہیں بابا صاحب فرمارہے تھے۔"

وہ تمہارے خواب میں آئے تھے؟"

"ہاں۔ میں خواب ہی بیان کررہی ہوں۔ انہوں نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ میں آخری سانس تک سہاگن رہوں گی۔"

میں نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ ایک عورت آخری سانس تک یعنی اپنی وفات تک سہاگن رہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شوہر اس کے بعد بھی زندہ رہتا ہے۔ وہ بیوی کے بعد دنیا سے جاتا ہے۔

میں ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "اس طرح کیا دیکھ رہے ہو؟"

میں نے کہا۔ "میں اب تک مطمئن تھا کہ میرے بعد تم میرے ٹیلی پیتھی جاننے والے اور نہ جاننے والے بچوں کی سرپرست اور محافظ بن کر رہو گی۔ تم نہیں رہو گی تو میں تمہارے بعد اپنے بچوں کو بھرپور توجہ نہیں دے پاؤں گا۔"

"جب سر پر پڑے گی تو اپنی تمام ذمہ داریاں پوری کرو گے۔"

"تم کسی سے بھی پوچھو ساری دنیا کہے گی باپ مرجائے ماں نہ مرے۔ ماں کی طرح باپ کبھی بچوں کو سمیٹ کر نہیں رکھ سکتا۔"

وہ بولی۔ "تم بھی کسی سے پوچھ لو۔ دنیا کہے گی کہ سب ہی اپنے اپنے وقت پر رخصت ہوجائیں مگر فرہاد کو نہ موت آئے نہ زوال آئے۔ یہ خیال خوانی کا بازی گر کتابِ زندگی کے صفحات پر جاری رہے۔"

میں نے اس کا ہاتھ تھام کر بڑے جذبے اور دل کی گہرائیوں سے کہا۔ "میرا دل نہیں مان رہا ہے۔ میں تمہارا آخری وقت نہیں دیکھ سکوں گا۔"

"میرا بھی دل نہیں مان رہا تھا مگر میں تمہیں دم توڑتے دیکھنے کے لیے کتنے حوصلے سے یہاں تمہارے ساتھ رہی۔ یہ میں ہی جانتی ہوں' جب وقت آئے گا تو تم بھی جان لوگے اور حوصلہ کرو گے۔"

بے شک! ہم سب اپنے حالات سے مجبور ہو جاتے ہیں۔ اپنے پیاروں کو جان سے جاتے دیکھنا نہیں چاہتے لیکن مجبوراً دیکھتے ہیں۔ ویسے توقع کے خلاف یہ عجیب سی بات ہو رہی تھی۔ بابا فرید واسطی مرحوم جیسے عظیم روحانی پیشوا کی پیش گوئی بدلنے والی تھی۔

میں سونیا سے باتوں میں مصروف تھا۔ ایسے وقت بلرام میرے اندر چپ چاپ آتا جاتا رہا تھا۔ میں اس کے زیر اثر تھا۔ محسوس کرتے رہنے کے باوجود اس کی مرضی کے خلاف کچھ بول نہیں سکتا تھا۔ وہ تھوڑے وقفے سے آتا تھا اور میرے ذہن میں یہ بات نقش کرتا تھا کہ میں سونیا کو کسی کام سے دور بھیج دوں۔ اتنی دور کہ وہ فوراً واپس نہ آئے۔

ویسے بھی سونیا کو میری میڈیکل رپورٹ لے کر ڈاکٹر کے پاس لاہور جانا تھا۔ کچھ ضروری شاپنگ بھی کرنی تھی۔ میں نے پوچھا۔ "تم انارکلی جاؤ گی؟"

"ہاں۔ سوچتی ہوں دھوپ ڈھلنے کے بعد شام کو جاؤں۔"

وہ میرے اندر کہہ رہا تھا کہ اسے دوپہر ایک بجے سے پہلے جانا چاہیے تاکہ وہ میرے راستے کی رکاوٹ نہ بنے۔ میں نے کہا۔ "ایک ضروری دوا ختم ہوگئی ہے۔ ابھی جاکر لاؤ گی تو شام کو دوا کا ناغہ نہیں ہوگا اور میرے لیے دہی بھلے بھی لے آؤ گی۔"

وہ دوپہر کو جانا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے ایسی دو چار ضروری چیزوں کی فرمائش کی کہ اسے بے وقت وہاں سے جانا پڑا۔ وہ میری محافظ تھی۔ میں نے خود ہی اسے جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ دن کے ایک بجے خدا حافظ کہہ کر چلی گئی۔ کیا مجبوری تھی' میں دشمنوں کے لیے راہیں ہموار کر رہا تھا۔

اس کے جاتے ہی جیسے میرے اندر جادوئی توانائی آگئی۔ ان میں سے ایک منتر پڑھ رہا تھا۔ باقی جے اور بھنڈاری خیال خوانی کے ذریعے توانائی کا ایندھن پہنچا رہے تھے۔ میں مکان سے نکل کر باہر آیا۔ دروازے کے سامنے ایک بڑی مہنگی کار کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے شیشے کلرڈ تھے۔ اندر بیٹھنے والے باہر سے نظر نہیں آسکتے تھے۔

ایک شخص نے کار کا دروازہ کھولا۔ میں اپنے اختیار میں نہیں تھا۔ کسی حیل و حجت کے بغیر پچھلی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ وہاں ایک شخص موجود تھا۔ دوسرا شخص دوسری طر... سے آکر بیٹھ گیا۔ کار وہاں سے چل پڑی۔

ان میں سے ایک نے میرا نیا پاسپورٹ ویزا اور ... ضروری کاغذات پیش کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارا نام سو... ہے۔ کولکتہ میں اپنے رشتے داروں سے ملنے جا رہے ہو..."

دوسرے نے ایک سفری بیگ کھول کر دکھاتے ہو... کہا۔ "اس میں تمہاری ضرورت کا ہر سامان موجود ہے۔ ... کے لیے دو جوڑے ہیں۔ جہاز میں لباس تبدیل کر سکو گے..."

وہ ریڈی میڈ میک اپ کا سامان لے کر آ... تھے۔ پاسپورٹ کی تصویر کے مطابق میرے چہرے کو تبد... کرنے لگے۔

لاہور ایئرپورٹ پہنچنے تک میں خاصا تبد... ہوگیا۔ بڑی مہارت سے تبدیلیاں لائی گئی تھیں۔ سونیا ... مجھے دیکھتی تو شاید ہی پہچان پاتی۔ ویسے اس کے سونگھنے کی ... اسے چونکا سکتی تھی۔ جب میں کلرڈ شیشے والی گاڑی میں ... روڈ سے گزر رہا تھا تب وہ کسی قریبی علاقے میں ہوگی۔ ... قریب سے میری بُو سونگھ کر اسے چونکنا چاہیے تھا کہ میں شا... سے ادھر کیسے چلا آیا ہوں؟

لیکن اسے میری بُو نہیں ملی۔ شاید وہ اتنی دور ہوگی ... شاہدرہ کا فاصلہ تھا۔ کوئی ایسی وجہ تھی کہ وہ میرے اغوا ہو... سے بے خبر رہی۔ کبریا عالی اور الپا صبح میرے اندر آئے ... پھر کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد چلے گئے تھے۔ ابھی وہ آ... والے نہیں تھے۔

میرے تمام ٹیلی پیتھی جاننے والے سونیا کی موجو... سے مطمئن تھے۔ اس لیے دن میں ایک آدھ بار آکر چلے جا... تھے۔ ایسے وقت بھی انہیں اطمینان تھا کہ میں خیریت سے ہو...

ایئرپورٹ میں مسافروں کے سامان کی بڑی سخت ... چیکنگ ہوتی ہے۔ اسلحہ جیسی غیر قانونی چیزوں کو ڈھونڈ نکا... کے لیے سامان کو مشین سے گزارا جاتا ہے۔ اس طرح ... قانونی سامان لے جانے والے پکڑے جاتے ہیں۔ اگر ... اینٹی میک اپ کیمرے سے گزارا جاتا تو میں بھی ... جاتا۔ لیکن ایئرپورٹ میں ایسا کوئی کیمرا نصب نہیں کیا جا...

میں بلرام کی مرضی کے مطابق ایئرپورٹ میں لبا... تبدیل کرنے گیا۔ وہاں اپنا سفری بیگ رکھ کر دوسری طر... منہ پھیر کر لباس تبدیل کرنے لگا۔ ایسے وقت ایک ادھیڑ... کے شخص نے دبے قدموں آکر میرے کھلے ہوئے بیگ ... ہیروئن کے دو پیکٹس رکھے پھر وہاں سے پلٹ کر جانے لگا... میں بے خبر تھا مگر جے' بلرام اور بھنڈاری تینوں ... کر رہے تھے اور میری لاعلمی میں جو ہو رہا تھا اسے دیکھ ... تھے۔ میں لباس بدلنے کے بعد ان کی مرضی کے مطابق ...ں کے پاس گیا۔ وہ واش بیسن کے پاس کھڑا منہ ہاتھ ... رہا تھا اور یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ میں لاعلمی میں اپنا بیگ بند ... اس کے دو پیکٹس وہاں سے لے جاتا ہوں یا نہیں؟

میں نے اسے مطمئن کیا۔ اپنے بیگ کی زپ لگائی پھر ... واش بیسن کے پاس آگیا۔ اسے اطمینان حاصل ... وہاں سے جانے لگا۔ میں نے کہا۔ "جسٹ آمنٹ۔ ... کی فلائٹ رائٹ ٹائم پر جا رہی ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "ہاں۔ انفارمیشن بورڈ پر یہی لکھا ہوا ہے۔"

وہ پھر پلٹ کر جانا چاہتا تھا مگر رک گیا۔ بلرام نے اس ... اور لہجہ سن کر دماغ پر قبضہ جمالیا تھا۔ وہ باہر جانا بھول ... سے غائب دماغ بنا دیا گیا تھا۔ اس نے میرے قریب ... کی رازداری سے دھیمی آواز میں کہا۔ "تمہارے بیگ ... پاؤڈر کے دو پیکٹس ہیں۔ وہ مجھے دے دو۔"

میں نے اپنے بیگ سے وہ پیکٹس نکال کر اسے ... اس نے اپنا بیگ کھول کر ان پیکٹس کو واپس رکھ لیا پھر ... یہ ادا کرکے جانے لگا۔ میں اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ ...ے کے پاس جاکر ٹھٹک گیا۔ بلرام نے اس کے دماغ ... چھوڑ دیا تھا۔

اب وہ غائب دماغ نہیں رہا تھا۔ اس لیے ایک ذرا ... کر سوچنے لگا۔ "مجھے کچھ ہوگیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہیں گم ... تھا پھر اچانک ہی ہوش میں آگیا ہوں۔"

بلرام نے اس کی سوچ میں کہا۔ "نشے کا دھندا کرنے کا ... ہوتا ہے۔ ہوش میں رہ کر بھی آدمی ہوش میں نہیں ... کھوپڑی کبھی کبھی چکرا جاتی ہے۔"

اس شخص نے سر گھما کر مجھے دیکھا۔ میں واش بیسن پر ... رہا تھا۔ کلی کر رہا تھا۔ اس نے اپنا سر سہلاتے ہوئے ... "اونہہ.... پتا نہیں کیا ہوا تھا؟ میرا کام تو ہوگیا ہے۔ ... مال پکڑا گیا تو یہ پکڑا جائے گا۔ اگر بچ گیا تو میں دہلی ... مال وصول کرلوں گا۔"

وہ دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔ بلرام نے میرے پاس ... پوچھا۔ "دیکھا تم نے.... ابھی تمہارے ساتھ کیا ... تھا؟"

میں نے کہا۔ "ہاں۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ تم نے ... ہتا اس کے سر پر مارا ہے۔"

وہ بولا۔ "میں نے تمہارے بارے میں بہت کچھ سنا تھا ... ن سے اندر آکر تمہاری زندگی کی پوری رام کہانی پڑھتا رہا ہوں۔ اس میں شبہ نہیں کہ تم بہت ہی خطرناک ہو۔ بڑے سے بڑا دشمن کبھی تم کو مات نہیں دے سکا۔"

میں نے واش روم سے نکلتے ہوئے کہا۔ "پھر بھی تم مجھے مات دینے آئے ہو؟"

"میں نے اور میرے دو جنم ساتھیوں نے جتنی مضبوطی سے تمہیں جکڑ لیا ہے اس کے بعد تو بھگوان بھی تم کو ہم سے چھڑا کے نہیں لے جائے گا۔"

"بہت بڑا بول بول رہے ہو۔ کان پکڑو اور اپنے منہ پر تھپڑ مارو۔"

"میں نے پہلے بھی پوچھا تھا اب بھی پوچھ رہا ہوں کیا تم کسی طرح میری جکڑ بندی سے نکل پاؤ گے؟"

"میں نہیں جانتا آگے میرے ساتھ کیسے حالات پیش آئیں گے؟ مگر ایک جواب تمہیں دے چکا ہوں۔ ہم پر روحانی عمل کیا گیا ہے۔ اگر میرے دین کے خلاف مجھ سے کوئی کام لوگے تو میں تمہارے شکنجے سے نکل جاؤں گا۔"

"میں نہیں جانتا تمہارا وہ روحانی عمل کیا ہوتا ہے؟ مگر میں ہوشیار رہوں گا۔ تمہارے دین کو بُرا لگنے والا کوئی کام تم سے نہیں لوں گا۔"

میں سفری بیگ اٹھائے مشین کی طرف جانے لگا۔ وہ شخص ایک طرف کھڑا میرا منتظر تھا۔ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ میں اس کے مال سمیت خیریت سے گزر جاؤں گا یا نہیں؟

اس کے ساتھ ایک حسین دوشیزہ کھڑی ہوئی تھی۔ میں اس پر سرسری سے نظر ڈالتا ہوا اپنے بیگ کو مشین کے سامنے رکھ کر دوسری طرف چلا گیا۔

ایک افسر اس مشین سے منسلک ٹی وی اسکرین کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ آس پاس مسلح سپاہی تھے۔ یقیناً اس شخص کا دل تیزی سے دھڑک رہا ہوگا۔ وہ بیگ آہستہ آہستہ مشین کے سامنے سے گزرتا ہوا میری طرف آرہا تھا۔ ایسے وقت اس افسر کی نظر مشین پر سے ہٹ گئی تھی۔ وہ ایک سپاہی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ ان لمحات میں میرا بیگ اسکرین کے سامنے سے گزر گیا۔

اس شخص نے اطمینان کی گہری سانس لی۔ فاتحانہ انداز میں مسکرا کر حسینہ کو دیکھا۔ وہ بھی مسکرا رہی تھی۔ میرے بیگ کو روکا نہیں گیا تھا۔ ان کا مال گرفت میں نہیں آیا تھا۔ میں اپنا بیگ اٹھا کر بورڈنگ کارڈ لینے چلا گیا۔ اس شخص نے بڑے اعتماد سے آگے بڑھ کر اپنا سامان چیکنگ کے لیے رکھ دیا۔ پھر اسے لینے کے لیے دوسری طرف چلا آیا۔ اب تو اس کا جو انجام ہونا تھا وہ ظاہر ہی تھا۔

میں نے بورڈنگ کارڈ حاصل کرکے وہاں سے جاتے ہوئے دیکھا۔ سپاہی اس کے بیگ سے وائٹ پاؤڈر کے پیکٹس نکال رہے تھے۔ اسے حراست میں لیا جارہا تھا۔ اس سے آگے کچھ دیکھنا اور سمجھنا ضروری نہیں تھا۔

میں ویٹنگ ہال میں آکر بیٹھ گیا۔ بلرام نے کہا۔ ”وہ آدمی ان پیکٹس سے اسّی ہزار روپے کمانے والا تھا۔ اتنے روپے کے لیے تم سے دشمنی کررہا تھا۔ تمہاری پوری ہسٹری بتاتی ہے کہ کوئی نہ کوئی تم سے دشمنی کرتا ہی رہتا ہے۔“

”جیسا کہ تم کررہے ہو۔“

”ہاں۔ یہ آخری ہوگی پھر نہ تم رہوگے نہ دشمن پیدا ہوں گے۔“

وہ کچھ سوچ کر بولا۔ ”میں بہت اندر تک تمہاری سوچ پڑھ رہا ہوں۔ تمہاری سوچ کی کسی لہر سے پریشانی اور گھبراہٹ کا پتا نہیں چل رہا ہے۔ تم اپنی مدد کے لیے اپنے کسی ٹیلی پیتھی جاننے والے کو بھی یاد نہیں کررہے ہو۔“

میں نے کہا۔ ”یہ موجودہ حالات کچھ بھی نہیں ہیں۔ میں اس سے بھی زیادہ بدترین عداوتوں سے گزرتا رہا ہوں۔“

ایسے کہتے وقت سونیا کا خواب یاد آیا۔ اس نے کہا تھا۔ ”ہاں۔ میں خواب ہی بیان کررہی ہوں۔ بابا صاحب نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ میں آخری سانس تک سہاگن ہی رہوں گی۔“

سونیا کے خواب اور بابا صاحب کی بدلتی ہوئی پیش گوئی مجھے حوصلہ دے رہی تھی کہ بلرام کا طلسم ٹوٹے گا اور میں اس سے ضرور نجات حاصل کرلوں گا۔

بلرام نے پوچھا۔ ”یعنی تم کو امید ہے کہ میری جکڑ بندی سے نکل جاؤ گے؟“

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”مجھے ڈرنا چاہیے۔ ڈر ڈر کر مرنا چاہیے۔ مگر تم خوف زدہ ہو۔ ایسا اکثر ہوتا ہے میرے دشمن مجھ پر حاوی ہونے کے باوجود مجھ سے خوف کھاتے رہتے ہیں۔“

”جیادہ نہ بولو۔ میرے کو کسی بات کا ڈر نہیں ہے۔ تمہارے ٹیلی پیتھی جاننے والے بابا صاحب کے ادارے والے جتنا بھی جور لگائیں گے میرے سے ہار جائیں گے۔ جے ماتا کی..... جے ماتا کی..۔ میں اکیلا نہیں ہوں۔ میرے دو اور جنم ساتھی بھی ہیں۔ ہم تینوں نے تمہارے دماغ میں ایسا گھور اندھیرا کیا ہے کہ تمہاری مدد کو آنے والے بھٹکتے ہی رہ جائیں گے۔ جے ماتا کی..... جے ماتا کی... کوئی تمہارے کام نہیں آئے گا۔“

وہ بڑے یقین سے بول رہا تھا مگر اندر سے کہیں گھبرایا ہوا تھا۔ وہ تینوں را ایجنسی کے اعلیٰ افسروں سے رابطے میں تھے۔ ان کے دو جاسوس لاہور سے میرے پیچھے لگے تھے اور اپنی نگرانی میں مجھے دہلی پہنچانے والے تھے اور دہلی ایئرپورٹ میں بھی زبردست سیکیورٹی کے انتظامات تھے۔ مجھے کولکتہ پہنچانے کی ذمہ داری را والوں کی تھی اور وہ تینوں جے، بلرام اور بھنڈاری خیال خوانی کے ذریعے اعلیٰ افسران کے دماغ بھی پڑھ رہے تھے۔ وہ کالی ماتی کے قدموں میں پہنچانے تک کسی افسر پر بھروسا نہیں کررہے تھے۔

وہ تینوں ان تمام مسافروں کے اندر بھی پہنچ رہے تھے جو اس وقت میرے ساتھ ویٹنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے خیالات سے پتا چلا کہ ان میں سے دو را کے جاسوس ہیں اور بڑی رازداری سے میری نگرانی کررہے ہیں۔ انہوں نے فون کے ذریعے اپنے ایک سیکریٹ افسر کو بتایا کہ میرے چہرے پر کس طرح کا ریڈی میڈ میک اپ کیا گیا ہے اور میں کس رنگ کی پتلون اور جیکٹ میں ہوں۔ را کے افسران نے جے، بلرام اور بھنڈاری کو یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ جاسوس رازداری سے میری نگرانی کریں گے اور وہ کسی سیکریٹ افسر کو میرے متعلق رپورٹ دیتے رہیں گے۔

وہ دو جاسوس فون کے ذریعے اپنے افسر سے رابطہ کررہے تھے۔ جے، بلرام اور بھنڈاری اس سیکریٹ افسر کی آواز سن کر اس کے اندر بھی پہنچ گئے۔ اس کے چور خیالات نے جو بتایا اسے پڑھتے ہی وہ تینوں غصے سے بھڑک گئے۔

دراصل میرے تمام دشمن یقین نہیں کرتے تھے کہ میں کبھی کسی کی گرفت میں آکر مارا جاؤں گا۔ را والے کہہ رہے تھے کہ میں اتفاقاً جے، بلرام اور بھنڈاری کے شکنجے میں آگیا ہوں۔ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر مجھے ہلاک کردینا چاہیے۔ ان تینوں نے ان کی بات نہیں مانی تھی۔ وہ افسران ماضی میں مجھے بری طرح بھگت چکے تھے۔ وہ یقین سے سمجھ رہے تھے کہ بلرام کے شکنجے میں ہی مجھے مار ڈالا گیا تو میں ہمیشہ کی طرح بچ نکلوں گا۔

یہ معاملہ یہاں آکر اٹکا تھا کہ را والے مجھے پہلی فرصت میں ہلاک کرنا چاہتے تھے اور وہ تینوں یہی کام کولکتہ میں کرنا چاہتے تھے۔ افسران ان تینوں کو ناراض بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا مجھے ٹھکانے لگانے کے لیے را ایجنسی کی بلیک کیٹس سے کام لے رہے تھے۔ یہ طے کیا گیا تھا کہ وہ سیکریٹ افسر اپنی مسلح ٹیم کے ساتھ دہلی ایئرپورٹ میں میرا خاتمہ کرے گا۔ مجھے اس عمارت سے باہر زندہ نہیں جانے دے گا۔ را والے بڑے محتاط ہوکر بڑی رازداری سے یہ کام کررہے تھے۔ اس کے باوجود ٹیلی پیتھی کی اڑان نے کام دکھایا۔ بلیک کیٹس کا وہ سیکریٹ افسران تینوں کے نشانے پر آگیا۔

بلرام نے اپنے جنم ساتھیوں سے کہا۔ ”ہم اپنے دیش کو آگے لانے کے لیے را والوں کے بڑے بڑے کام کرتے ہیں۔ ایسے کام جادو اور ٹیلی پیتھی کے بنا ہو ہی نہیں سکتے۔ اب تو ہم ان کی کھوپڑی الٹا دیں گے۔“

جے نے کہا۔ ”یہ ہمارے ان گنت احسان بھول کر ہمیں دھوکا دے رہے ہیں۔ ہم ان کی ایسی کی تیسی کردیں گے۔“

بھنڈاری نے کہا۔ ”ابھی صبر کرو۔ کرودھ (غصہ) نہ کرو۔ ان کے کمینے پن سے انجان بن کر رہو۔ پہلے کسی طرح فرہاد کو دیوی ماں کے چرنوں میں پہنچاؤ اس کی بلی چڑھاؤ۔ اس کے بعد را والوں سے نمٹا جائے گا۔“

پہلے تو انہیں یہ اندیشہ تھا کہ میرے ٹیلی پیتھی جاننے والے مجھے بچانے آئیں گے۔ اب را والے آستین کے سانپ بن گئے تھے۔ وہ تینوں سر جوڑ کر سوچنے لگے کہ ایسے دشمنوں سے کس طرح نمٹا جائے...

جہاز پرواز کے لیے تیار تھا۔ میں اپنی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ اس وقت میں نے محسوس کیا، وہ تینوں میرے اندر نہیں ہیں۔ شاید وہ را والوں سے نمٹنے کے سلسلے میں مصروف ہوگئے تھے۔ میرے ساتھ والی دو سیٹیں خالی تھیں۔ پرواز سے پہلے وہ حسینہ آکر بیٹھ گئی۔ میں نے اس شخص کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔ اس کی گرفتاری کے بعد ایک سیٹ خالی رہنے والی تھی۔ وہ میرے برابر آکر وہ بیٹھ گئی۔ مجھے دیکھ کر چونک گئی تھی۔

میں نے کہا۔ ”ہائے! دو ہنسوں کا جوڑا بچھڑ گیو رے....“

اس نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ میں نے پوچھا۔ ”کیا لگتا تھا تمہارا؟“

اس نے جواب نہیں دیا۔ میں اسے بولنے پر اکسا رہا تھا۔ ”عمر کے حساب سے تم دونوں باپ بیٹی لگ رہے تھے لیکن آج کے دور میں عمر کون دیکھتا ہے؟ دولت چھنا چھن برسانے والا بوڑھا بھی ہو تو اسے بوائے فرینڈ بنا لیا جاتا ہے۔“

اس نے ایک جھٹکے سے میری طرف گردن گھما کر بولی۔ ”یو شٹ اپ... میں ایسی نہیں ہوں۔“

”پھر کیسی ہو؟ جواب دینے سے پہلے مجھے اچھی طرح دیکھ لو۔ میں بھی بوڑھا ہوں اتفاق سے دولتمند بھی ہوں۔“

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھا پھر پوچھا۔ ”کیا تم جانتے ہو کہ اسے کس جرم میں گرفتار کیا گیا ہے؟“

”میں نہیں جانتا تم بتا دو۔“

”تم ضرور جانتے ہو۔ اس نے ٹوائلٹ سے باہر آکر کہا تھا کہ وائٹ پاؤڈر کے دونوں پیکٹس تمہارے بیگ میں رکھ دیے گئے ہیں۔“

میں نے حیران ہوکر پوچھا۔ ”میرے بیگ میں نشے کی چیز رکھی گئی تھی؟“

”ہاں۔ اس نے یہی کہا تھا۔ اور بہت مطمئن تھا کہ مال پار ہوجائے گا۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو تم پکڑے جاؤ گے۔“

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”اور وہ پکڑا گیا۔“

وہ مجھے غور سے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ”تم بہت گہرے ہو۔ بہت کچھ جانتے ہو۔ تم نے کوئی ایسا چکر چلایا ہے کہ بازی الٹ گئی ہے۔ گڑھا کھودنے والا خود اس میں گر گیا ہے۔“

”یہ تو پرانی کہاوت ہے جیسا کیا ویسا پایا۔“

”مگر یہ کیسے ہوا؟ جو مال تمہارے بیگ میں تھا اس کے بیگ میں واپس کیسے آگیا؟“

جہاز اپنی اڑان لے چکا تھا۔ میں نے کہا۔ ”تم اسے پیچھے چھوڑ کر آگئیں۔ اس کے ساتھ جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ یہ بتاؤ اب تنہا کہاں جارہی ہو؟ کیا پھر کسی بوڑھے کی ضرورت ہے؟“

اس بار اس نے بڑی شوخی سے مجھے دیکھا۔ میں نے سیٹ کی پشت سے لگ کر کہا۔ ”ارے باپ رے! میں نے مذاق میں پوچھا تھا۔ مجھ سے دور رہنا میری گھر والی تلوار کی طرح جھاڑو چلاتی ہے۔“

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ ”کہاں ہے تمہاری گھر والی؟“

میں نے کہا۔ ”آہ...! کچھ نہ پوچھو۔ آج صبح اس نے اپنا خواب بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں ہوائی جہاز میں سفر کرنے والا ہوں اور میرے آس پاس تتلیاں منڈلائیں گی۔“

اسی وقت ایئر ہوسٹس نے آکر پوچھا۔ ”کیا آپ ڈرنک لینا چاہیں گے؟“

میں نے کہا۔ ”ایک سے دو تتلیاں ہوگئیں۔ میری گھر والی نے سچ کہا تھا۔“

ایئر ہوسٹس نے کہا۔ ”سوری میں سمجھی نہیں۔“

میں نے کہا۔ ”ایئر ہوسٹس کو آسمان کی پریاں کہا جاتا ہے مگر تم خوب صورت تتلی ہو۔ اپنی پسند کا کوئی بھی سوفٹ ڈرنک پلا دو۔“

وہ دو گلاس پیش کرکے چلی گئی۔ میری پڑوسن نے کہا۔ ”تم بہت زندہ دل ہو۔“

"بڑھاپے میں ایک دل ہی ہے جو زندہ رہتا ہے۔ باقی جسم سوتا رہتا ہے۔ ہم بھی کیا ہیں؟ جوانی میں خوب کماتے ہیں خوب لٹاتے ہیں۔ بڑھاپے میں لٹانے کے لیے نہیں رکھتے، پچھتاتے ہیں۔ تمہاری جیسی حسینہ گلے پڑ جائے تب بھی دور ہی دور سے ترستے ہیں۔"

"اگر میں سر سے پاؤں تک ملتی رہوں تو کیا پھر بھی ترستے رہو گے؟"

"سمجھدار ہو تو سمجھو، پیاس بجھانے کے لیے کنواں کھودنا پڑتا ہے اور بڑھاپے میں محنت مشقت والی رومانی مزدوری نہیں ہوتی۔"

وہ اچانک ہی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر بولی۔ "ابھی کوئی میرے اندر بول رہا تھا۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا بول رہا تھا؟"

"وہ کہہ رہا تھا کہ وہ تمہاری طرح بوڑھا نہیں جوان ہے اور میں اس کی طرح ہندو ہوں۔"

پھر وہ چپ ہو کر خلا میں تکنے لگی۔ اس کے اندر بلرام بول رہا تھا "تمہارا نام شلپا سروج ہے۔ تم جیادہ سے جیادہ دولت حاصل کرنا چاہتی ہو۔ اس کے لیے دولتمند بوڑھوں کو پھانستی رہتی ہو۔ کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟"

شلپا نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ وہ بولا۔ "اس بار تم نے جس دولتمند بوڑھے کا پھانسا تھا وہ نشے کا دھندا کرتا تھا۔ دہلی پہنچ کر تم کو اسّی ہجار ملنے والے تھے۔ اب نہیں ملیں گے۔"

شلپا نے کہا۔ "یہ ٹیلی پیتھی ہے۔ تم میرے اندر کا سارا بھید معلوم کر رہے ہو۔ یہ بوڑھا جو میرے پاس بیٹھا ہوا ہے، اس کے بارے میں کچھ بتاؤ؟"

"یہ اتنا دھنوان ہے کہ اس کی دولت کا کوئی حساب نہیں ہے۔ مگر یہ تمہارے کام نہیں آئے گا۔ دو دن بعد مرنے والا ہے۔"

شلپا نے میری طرف دیکھا پھر بلرام سے کہا۔ "تم اندر کی سچی باتیں جانتے ہو۔ اگر یہ سچ مچ مرنے والا ہے تو میں اپنا وقت برباد کر رہی ہوں۔ تم بولو... کیا ہم دوست بن سکتے ہیں؟"

"تمہاری سوچ پڑھ کر معلوم ہوا ہے کہ بہت سندر ہو۔ بہت تگڑی ہو۔ کولکتہ آؤ گی تو تم کو سر سے پاؤں تک دیکھوں گا۔"

"میں آؤں گی۔ تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے دولت کماؤ گے۔ میں تمہارے بہت کام آؤں گی۔ ہندی، انگریزی، فرانسیسی، جرمنی، روسی، جاپانی اور عربی زبانیں جانتی ہوں۔ میں ایسی زبانیں جاننے والوں کے اندر تمہیں ... رہوں گی۔"

"پھر تو تم بڑے کام کی سندری ہو۔ دودھ بھی ہو ملائی ... ہو۔ بس اس بوڑھے کے ساتھ چلی آؤ۔"

اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "... تمہارا آدمی ہے؟"

"میرا اگلا م ہے۔"

جہاز میں اعلان ہو رہا تھا کہ وہ دہلی پہنچ ر... ہیں۔ لہٰذا حفاظتی بیلٹ باندھ لیں۔ بلرام نے میرے ... آ کر کہا۔ "میں تمہارے پاس آتا جاتا رہوں گا۔ تم جہاز اترنے کے بعد ہوشیار رہو۔ ایئرپورٹ سے باہر ہماری کا... میں جا کر بیٹھنے تک کھترا ہے۔ را والے تمہاری تاک ... ہیں۔ کہیں سے بھی چھپ کر تم کو گولی مار سکتے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "میں تمہارا معمول اور تابعدار ہوں ... کہہ رہے ہو اس لیے ہوشیار رہوں گا۔ ورنہ ضروری ... ہے۔ موت تو اُدھر ایئرپورٹ میں بھی اور اِدھر تمہارے ... میں بھی..."

"جیادہ مت بولو۔ جو بولتا ہوں، وہ کرتے رہو۔"

وہ چلا گیا۔ شلپا سیٹ بیلٹ باندھتے ... بولی۔ "اچھا تو تم اس کے غلام ہو؟"

میں نے جواب نہیں دیا۔ طیارہ رن وے ... رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "اوہ۔ میں تو اس کا نام پوچھنا ہی ... گئی۔ تم تو جانتے ہو گے؟"

میں نے کہا۔ "اب اسے پھانس رہی ہو۔ جدھر ... ہو پھسلنے میں دیر نہیں کرتیں۔ اس کا نام بلرام ہے۔"

وہ تینوں جے، بلرام اور بھنڈاری را کے سیکریٹ ... کے دماغ میں جگہ بنانے کے بعد بلیک فورس کے کمانڈر ... اندر بھی پہنچ گئے تھے۔ یوں کے بعد دیگرے بلیک فورس کے ... مسلح جاسوسوں کو بھی خیال خوانی کی گرفت میں لے چکے ... سیکریٹ افسر نے ایئرپورٹ کی وزیٹر لابی میں ... ماہر نشانہ بازوں کو لابی کے مختلف حصوں میں چھپ کر ر... حکم دیا تھا۔ خود ایک جگہ میرے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔

را کے ڈائریکٹر، ڈپٹی ڈائریکٹر اور مختلف آفیسر ... استقبال کے لیے آئے تھے۔ وہ ظاہر کر رہے تھے کہ ... بلرام اور بھنڈاری کی خواہش کے مطابق مجھے تحفظ دے ... ہیں۔ وہاں مسلح افراد کی ڈیوٹی لگائی ہے اور خود بھی ... کرنے آئے ہیں۔

موت کئی طرح کے نقاب پہن کر آئی تھی۔ ... افسران کو یہ خوش فہمی تھی کہ وہ جے، بلرام اور بھنڈاری کو دھوکا دے کر میرا کام تمام کر دیں گے۔ انہوں نے پوری کوشش کی تھی کہ بلیک فورس کے تمام افسران اور جاسوس راز میں رہیں اور وہ تینوں جنم ساتھی ان کی سازشوں سے بے خبر رہیں مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔

میں امیگریشن کاؤنٹر پر آیا۔ شلپا میرے ساتھ تھی۔ بلرام نے میرے پاس آ کر کہا۔ "میں ابھی مصروف رہوں گا۔ جب تک تمہارے پاس نہ آؤں تم لیج ہال سے باہر نہ نکلنا۔"

وہ سیکریٹ آفیسر کے اندر پہنچ کر بولا۔ "کتے ...!"

وہ ایکدم سے چونک کر اپنے سر کو تھام کر بڑبڑایا۔ "یہ میرے اندر کیسی آواز تھی؟"

"میں تیرا باپ بول رہا ہوں۔ تو پھرہاد کو مارنے آیا ہے۔"

وہ گھبرا کر بولا۔ "کون ہو تم؟ میرے اندر بول رہے ہو۔ ٹیلی پیتھی جانتے ہو؟ پلیز بتاؤ کون ہو؟"

"ہم وہی ہیں، جنہیں تم دھوکا دے رہے ہو۔ ہم کو الو بنانے کے لیے پھرہاد کی سیکیورٹی کا بندوبست کیا ہے اور اِدھر چھپ کے اس کو گولی مارنا چاہتے ہو۔"

"نن۔ نہیں ہم اسے نہیں ماریں گے۔ ہم تو اس کی حفاظت کے لیے آئے ہیں۔"

"ارے کتے! کیا ہم سے اندر کی سچ باتیں کبھی چھپائی جا سکتی ہیں؟"

وہ بے بسی سے بولا۔ "ہاں۔ میں بھول گیا تھا۔ ہماری گولی سوچ، ہمارا کوئی بھید تم سے نہیں چھپے گا۔ مجھے معاف کر دو۔ میں فرہاد کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"

"اگر پھرہاد کو بچانا چاہتے ہو تو اسے گولی مارو جو بک سٹال کے پاس گن لیے کھڑا ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "وہ میرا ماتحت ہے۔ میں نے ... سے حکم دیا تھا کہ..."

وہ بات پوری نہ کر سکا۔ بلرام نے اس کے دماغ پر قبضہ جمایا۔ اس نے گن سیدھی کی پھر اپنے ہی ماتحت کا نشانہ لے کر گولی چلا دی۔ فائرنگ کی زوردار آواز کے ساتھ وہ ماتحت اچھل کر فرش پر گر پڑا۔

دوسری طرف جے اور بھنڈاری نے بھی یہی کیا۔ دوسرے ماتحتوں کے دماغوں پر قبضہ جما کر گولیاں چلائیں۔ ادھر بھی دو لاشیں گریں۔ ایک گولی نے سیکریٹ افسر کو بھی ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا کر دیا۔

مسلسل فائرنگ کے باعث بھگدڑ مچ گئی تھی۔ مسافر مرد، عورتیں، بچے بوڑھے چیختے چلاتے ہوئے ادھر ادھر پناہ لینے کے لیے بھاگ رہے تھے۔ را کے افسران ایسی صورتِ حال سے بوکھلا گئے تھے۔ جے، بلرام اور بھنڈاری نے ان کے دماغوں میں آ کر پوچھا۔ "کچھ سمجھ میں آیا...؟ یہ کیا ہو رہا ہے؟"

چیف نے کہا۔ "ہم فرہاد کی سلامتی کے لیے پریشان ہیں۔ وہ لیج ہال سے باہر آنے والا ہے۔ اور اِدھر گولیاں چل رہی ہیں۔"

"اب نہیں چلیں گی۔ ہم نے تمام دشمنوں کو نرک میں پہنچا دیا ہے۔"

ڈپٹی ڈائریکٹر نے انجان بن کر پوچھا۔ "یہ دشمن کون تھے؟"

بلرام نے کہا۔ "تمہارے بھائی تھے۔"

"بھائی....؟ یہ۔ یہ کیا کہہ رہے ہو؟"

جے نے کہا۔ "تم نے ہم کو یہ کبھی نہیں بتایا کہ را ایجنسی کا ایک روپوش رہنے والا تمہارا بھائی بلیک فورس ہے۔ تم نے یہ بات چھپائی کہ بلیک فورس کے مسلح کتے پھرہاد کو یہاں مارنے آئیں گے۔"

را کے ڈائریکٹر نے کہا۔ "ہم نے تم سے کچھ نہیں چھپایا ہے۔ ہم پر شبہ نہ کرو۔ چاہے ہم سے جیسی قسم لے لو۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ..."

بھنڈاری نے اس کے دماغ کو ہلکا سا جھٹکا پہنچایا۔ وہ تکلیف کی شدت سے چیختا ہوا فرش پر گر پڑا۔ انہوں نے دوسرے افسران سے کہا۔ "جو جھوٹ بولے گا اسے پہلے ایسی سزا دی جائے گی پھر بلیک فورس والوں کی طرح موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔"

وہ سب سہم گئے۔ یہ سمجھ گئے کہ میرے خلاف ہونے والی سازش ظاہر ہو گئی ہے۔ ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے چور خیالات چھپے نہیں رہتے۔ ان کے چہروں سے نقاب اتر گیا ہے۔

را کے چیف نے کہا۔ "تم یہ ماننے کو تیار نہیں تھے کہ فرہاد قسمت کا دھنی ہے۔ تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ اس لیے ہم نے اور ہمارے حکمرانوں نے فیصلہ کیا کہ تم جنم ساتھیوں کی لاعلمی میں اسے مار ڈالا جائے۔"

ڈپٹی ڈائریکٹر نے کہا۔ "تمہیں سمجھا نہیں سکتے کہ وہ کیسا جادوگر ہے؟ بچ کر نکل جائے گا۔ ہم تمہیں اس کے فریب سے بچانا چاہتے تھے۔ یہ نہ سوچو کہ ہم نے تمہیں فریب دیا ہے۔ اگر ایسا سمجھتے ہو تو ہم ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتے ہیں۔"

چیف نے کہا۔ "اسے ہماری پہلی غلطی سمجھ کر معاف کر دو۔ اس بار ہم ایمانداری سے فرہاد کو سیکیورٹی فراہم کریں گے۔ چار گھنٹے بعد کولکتہ کی فلائٹ میں اسے جہاں کھو گے،

وہاں پہنچا دیں گے۔"

بلرام نے کہا۔ "اب ہم تم پر بھروسا نہیں کریں گے۔"

جے نے کہا۔ "کبھی نہیں کریں گے۔"

بھنڈاری نے کہا۔ "ہم نے جس طرح بلیک فورس کے سیکریٹ افسر کو اور جاسوسوں کو کتوں کی طرح مارا ہے' اسی طرح ابھی تم سب کو نرک میں پہنچا سکتے ہیں مگر پھرہاد کو کولکتہ پہنچانا جروری ہے۔ تم لوگ پھر راستے میں گڑبڑ کر سکتے ہو۔"

وہ سب ہاتھ جوڑ کر قسمیں کھانے لگے کہ کوئی گڑبڑ نہیں کی جائے گی۔ ڈائریکٹر نے کہا۔ "تم لوگ جادو اور ٹیلی پیتھی جیسی قوتیں رکھتے ہو۔ ہم نے بلیک فورس کے مسلح جاسوسوں کو اپنی آنکھوں سے حرام موت مرتے دیکھا ہے۔ ہم مرنا نہیں چاہیں گے۔"

چیف آفیسر دیپک راٹھور نے کہا۔ "ہمیں صرف ایک موقع دو۔ ہم پر بھروسا کرو۔ ہم فرہاد کی پوری طرح حفاظت کرتے ہوئے اسے کولکتہ لے جائیں گے۔"

ڈائریکٹر نے کہا۔ "میں خود فرہاد کے ساتھ جاؤں گا۔ اسے ذرا سا بھی نقصان پہنچے گا تو مجھے وہیں مار ڈالنا۔"

انہوں نے مصلحتاً انہیں معاف کر دیا۔ اُن افسران کے ذرائع اور اختیارات کے باعث مجھے کولکتہ لے جانا آسان ہو رہا تھا۔ ان کی پشت پناہی کی وجہ سے اس دیس کی پولیس اور آرمی والے مجھے قانونی گرفت میں نہیں لے سکتے تھے۔

انڈین آرمی کے افسران میرے جعلی پاسپورٹ اور ویزے کی بنا پر مجھے مجرم ثابت کر کے گرفتار کر سکتے تھے۔ میری آمد پر بلیک فورس کے اہم افراد مارے گئے تھے۔ وہ مجھے بھی گولی مار سکتے تھے۔ وہ تینوں اپنے جادو اور ٹیلی پیتھی کے ذریعے تمام آرمی والوں سے نمٹ نہیں سکتے تھے۔

پھر یہ کہ مجھے کسی رکاوٹ کے بغیر صحیح سلامت دیوی ماں تک پہنچانا لازمی تھا۔ اس لیے انہوں نے را کے افسران سے رابطہ کر لیا۔ میں شلپا کے ساتھ لیچ ہال میں بیٹھا ہوا تھا۔ بلرام نے آ کر کہا۔ "میدان صاف ہے۔ کوئی کھترا نہیں ہے۔ یہاں سے چلو۔"

پھر اس نے شلپا سے کہا۔ "ابھی ہمارے ساتھ بہت گڑبڑ ہو رہی ہے۔ تم کسی دوسری فلائٹ سے آؤ اور وہاں کسی ہوٹل میں رہو۔ میں تم سے بعد میں ملوں گا۔"

میں وہاں سے نکل کر وزیٹرز لابی میں آیا۔ تھوڑی دیر پہلے اچھی خاصی گولیاں چلتی رہی تھیں۔ وہاں پولیس فورس آ گئی تھی۔ پولیس افسران مسافروں کو تسلیاں دے رہے تھے کہ اب گولی نہیں چلے گی۔ وہ اُن کے دلوں سے خوف دور کر رہے تھے۔

ایسے ہی وقت ایک جوان عورت نے مجھے دور سے دیکھا پھر خوشی سے چیخ کر کہا۔ "ہائے پھرہاد...! تم آ ہی گئے۔"

را ایجنسی کے تمام افسران نے پریشان ہو کر اس عورت کو دیکھا۔ پریشانی یہ تھی کہ مجھے عارضی میک اپ کے ذریعے چھپایا گیا تھا۔ جعلی پاسپورٹ اور ویزا کے ذریعے وہاں لایا گیا تھا۔ کوئی مجھے پہچان نہیں سکتا تھا مگر وہ پہچان گئی تھی۔

میں بھی حیران تھا کہ وہ کون ہے؟ اس نے مجھے کیسے پہچان لیا ہے؟ وہ بڑے پیار سے' بڑے جذبے سے دونوں بانہیں پھیلائے میری طرف آ رہی تھی۔ را کے ایک جاسوس نے سامنے آ کر اسے روکنا چاہا۔ پتا نہیں' وہ کیسی تگڑی عورت تھی؟ جاسوس کو دونوں ہاتھوں سے دھکا دیا تو وہ پیچھے کی طرف فرش پر گر پڑا۔

چیف آفیسر نے اسے للکارا۔ "اے....! کون ہو تم؟ رک جاؤ...."

اتنی دیر میں وہ مجھ سے آ کر لپٹ گئی تھی۔ مجھے ایسا لگا' جیسے ایک چٹان آ کر ٹکرا گئی ہے۔ اس کا بدن ایسا سخت تھا کہ اسے پتھر کا مجسمہ کہا جا سکتا تھا۔ اس نے میری گردن میں بانہوں کا ہار پہنایا تھا مگر وہ فولادی زنجیریں لگ رہی تھیں۔

میں نے تکلیف محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔ "کون ہو تم؟"

مجھے اپنے اندر بلرام کی درد بھری کراہ سنائی دی۔ "آہ...! یہ جیوتی جھالر ہے۔ پتا نہیں' کہاں سے مرنے آ گئی ہے؟"

اُدھر بھنڈاری جیوتی کے دماغ میں کہہ رہا تھا۔ "بھگوان کے لیے یہاں سب کے سامنے اس کو پھرہاد مت بولو۔ گڑبڑ ہو جائے گی۔"

"کیوں گڑبڑ ہو گی؟ یہ میرا پھرہاد ہے تو میں پھرہاد ہی بولوں گی۔"

"سمجھا کرو۔ ہم اسے دشمنوں سے بچانے کے لیے اس نئے بہروپ میں یہاں لائے ہیں۔ کیا تم اس کی سلامتی نہیں چاہتی ہو؟"

وہ قائل ہو کر سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "پھر تو ٹھیک ہے۔ میں اس کو پھرہاد نہیں بولوں گی۔ اپنا پریمی بولوں گی۔"

را کے ڈائریکٹر نے کہا۔ "یہ پھر اسے فرہاد کہہ رہی ہے۔ اس کا منہ بند کرو۔"

جے نے کہا۔ "اس عورت کو کچھ نہ بولو۔ یہ کبھی میری بیوی تھی۔"

ڈائریکٹر نے کہا۔ "ابھی تھوڑی دیر پہلے بلرام نے کہا ہے کہ یہ اس کی بیوی تھی۔"

"ہاں۔ یہ بھنڈاری کی بھی بیوی تھی۔"

"تعجب ہے' تم تین پتی تھے اور یہ ایک پتنی تھی؟"

"ہاں۔ یہ ہم تینوں کے ساتھ رہتی تھی۔ پھر پھرہاد کی دیوانی ہو کر اس نے ہمیں چھوڑ دیا۔"

"اب تو یہ تمہاری کوئی نہیں ہے۔ اسے یہاں سے جانے کو کہو۔"

"بہت مشکل ہے۔ ہمارے کہنے سے نہیں جائے گی۔ ہم جبردستی نہیں کر سکیں گے۔ یہ ماں دُرگا کی پگلی پجارن ہے۔ ہم سب اس کا مان کرتے ہیں۔"

وہ مجھ سے لپٹی ہوئی تھی۔ میری طرف منہ اٹھا کر کہہ رہی تھی۔ "میرے کو پیار کرو۔ تم تو پکے عیاش ہو۔ سادھو کیوں بن گئے ہو؟"

میں نے کہا۔ "میں بیمار ہوں' کمزور ہوں۔ پلیز مجھے معاف کر دو۔ ذرا الگ ہو جاؤ۔ مجھے سانس تو لینے دو۔"

وہ فوراً ہی الگ ہو کر بولی۔ "ہائے...! تم کو دیکھتے ہی باؤلی ہو گئی۔ بھول گئی کہ تم بیمار ہو۔ چنتا نہ کرو۔ تمہارے لیے ایسی دوا لائی ہوں کہ ایک ہی دن میں بڈھے سے جوان ہو جاؤ گے۔"

بلرام نے پوچھا۔ "جیوتی! تم یہاں کیسے آ گئیں؟ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ پھرہاد یہاں آنے والا ہے؟"

وہ بولی۔ "جے ہو گرو مہاراج کی... انہوں نے بتایا تھا کہ آج کے دن' اسی سمے میرا پریمی مجھے یہاں ملے گا۔"

بلرام نے کہا۔ "گرو مہاراج گیان دھیان میں ڈوبے رہتے ہیں۔ ہم سے باتیں نہیں کرتے مگر تم سے پرسن رہتے ہیں۔ اُن کو پھرہاد کے بارے میں نہیں بتانا چاہیے تھا۔ اب تم اس کا پیچھا نہیں چھوڑو گی۔"

"میں پندرہ برس سے انتجار کر رہی تھی۔ یہ آج ملا ہے۔ میں تو مر جاؤں گی' پر اسے نہیں چھوڑوں گی۔"

میں نے جیوتی سے پوچھا۔ "یہ بتاؤ' اماوس کی رات کب ہے؟"

وہ بولی۔ "کل ہے مگر ہمارا وواہ اماوس کی کالی رات میں نہیں ہو گا۔"

میں نے کہا۔ "تم شادی کا سپنا دیکھو۔ کل میری موت ہو گی۔ یہ جے' بلرام اور بھنڈاری میری بلی چڑھانے کے لیے مجھے دُرگا ماں کے پاس لے جا رہے ہیں۔"

وہ غصے سے چیخ کر بولی۔ "یہ کبھی نہیں ہو گا۔ اتنے انتجار کے بعد تم کو بھینٹ چڑھنے نہیں دوں گی۔"

بلرام نے کہا۔ "تم انکار کرو گی' راستہ روکو گی تو ماں بھوانی تم کو جندا نہیں چھوڑیں گی۔ اپنے کان پکڑو' ناک رگڑو۔ پھرہاد ماں دُرگا کے نام ہو چکا ہے۔"

"میں گرو مہاراج سے بات کروں گی۔ دُرگا ماں کو منانے کے لیے پھرہاد کی جگہ سو جانوروں کو بھینٹ چڑھاؤں گی۔"

میں نے کہا۔ "تم اپنے آپ کو بھینٹ چڑھا دو گی' تب بھی یہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

دیپک راٹھور نے کہا۔ "کولکتہ جانے والی فلائٹ کا وقت ہو رہا ہے۔ اپنی سابقہ بیوی کو یہاں سے ہٹاؤ۔ تم تینوں اس کے آگے چپ کیوں ہو؟ کیا یہ تم لوگوں پر حاوی ہو گئی ہے؟"

جے نے کہا۔ "ہاں۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حاوی ہو رہی ہے۔ تم ہماری تاکت کو سمجھتے ہو۔ ہم بڑے سے بڑے دشمنوں کو چٹکیوں میں مسل سکتے ہیں۔ مگر یہ دُرگا مائی کی پگلی پجارن ہے۔ اسے پگلی اس لیے کہتے ہیں کہ یہ دن رات ماں دُرگا کے چرنوں میں ہی رہتی ہے۔"

بلرام نے کہا۔ "اُس نے ہم سے جیادہ ماں بھوانی کے آگے عورتوں اور بچوں کی بلی دی ہے۔ یہ پھرہاد کی جگہ کسی دوسرے کی بلی دینے کو بولے گی تو ہم کو ماننا پڑے گا۔"

بلرام نے کہا۔ "ہم کسی مشکل میں پڑتے ہیں تو گرو مہاراج ہماری مشکل دور کر دیتے ہیں۔ جیوتی نے اپنی پوجا اور بھگتی سے گرو مہاراج کا بھی دل جیت لیا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ پھرہاد کی پریم دیوانی ہے۔ وہ بھی پھرہاد کو مرنے نہیں دیں گے۔"

را کے ڈائریکٹر نے کہا۔ "تو پھر بات کیسے بنے گی؟ ہم نے فرہاد کو یہاں مار ڈالنے کے انتظامات کیے تھے۔ تم تینوں ہم سے ناراض ہو گئے۔ یہ بچ گیا۔ اب تم اسے کولکتہ لے جا کر ہلاک کرنا چاہتے ہو۔ یہ جیوتی اسے بچا رہی ہے۔"

چیف آفیسر دیپک راٹھور نے کہا۔ "ہم دیکھ رہے ہیں' تم تینوں جیوتی کے آگے مجبور ہو رہے ہو۔ ہم نے پہلے ہی کہا تھا' فرہاد قسمت کا دھنی ہے۔ یہ کسی نہ کسی طرح بچ نکلتا ہے یا خوش نصیبی اسے بچا کر لے جاتی ہے۔ جیسا کہ ابھی آثار نظر آ رہے ہیں۔"

ڈپٹی ڈائریکٹر نے کہا۔ "اگر یہ بچ نکلے گا تو صرف ہم سے ہی نہیں' تم تینوں سے بھی بدترین دشمنی کرے گا۔ ہم سب اس کے آگے آگے بھاگتے پھریں گے۔"

بھنڈاری نے کہا۔ "ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ ابھی جیوتی کو یہاں سے ٹال دیں گے۔"

اس نے جیوتی سے کہا۔ ''کل اماوس کی رات ہے۔ تم آج رات اس کے ساتھ خوب عیش کرو اور کل اس کا پیچھا چھوڑ دو۔''

بلرام نے کہا۔ ''اس طرح تمہارے دل کے ارمان بھی نکل جائیں گے اور ہمارا کام بھی ہو جائے گا۔''

وہ بولی۔ ''بکواس مت کرو۔ میں اس کو ایک رات کے لیے نہیں، ساری جندگانی کے لیے اپنا بنانے آئی ہوں۔ یہ میرے من مندر کا دیوتا ہے۔ میرے دیوتا کو چھین لینا چاہو گے تو دُرگا دیوی تم تینوں کی بھگتی کو سویکار نہیں کرے گی۔ تمہارے کالے جادو سمیت تمہیں مار ڈالے گی۔''

بلرام نے کہا۔ ''تم ہماری بات کبھی نہیں مانو گی۔ ہم ابھی گرو مہاراج سے پھیسلہ کراتے ہیں۔''

انہوں نے خیال خوانی کے ذریعے گرو مہاراج کو مخاطب کیا۔ ''تانترک مہاراج کی جے ہو۔ تمہاری بیٹی، تمہاری چہیتی ہمارے لیے مشکل پیدا کر رہی ہے۔ ہم ماں دُرگا کے چرنوں میں بہت بڑی بھینٹ چڑھانا چاہتے ہیں اور یہ رکاوٹ پیدا کر رہی ہے۔''

گرو مہاراج نے کہا۔ ''کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ میں تم سے زیادہ جانتا ہوں کہ ماں بھوانی کب پرسن ہوتی ہے اور کب کرودھ میں آتی ہے؟ میں جانتا ہوں، فرہاد کی جگہ کسی دوسرے کی بلی دو گے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ماں بھوانی تو صرف بلی چاہتی ہے۔ اس لیے فرہاد کو جیوتی کے حوالے کر دو۔ اس کی جگہ کسی دوسرے کو پکڑ کر لے جاؤ۔''

بھنڈاری نے کہا۔ ''مہاراج! ہم اسے جندا چھوڑ دیں گے تو یہ ہمارے لیے، رَا ایجنسی کے لیے اور ہمارے بھارت دیس کے لیے مصیبت بن جائے گا۔ ہم بھارت کے ٹکڑے جوڑنا چاہتے ہیں اور یہ جوڑنے نہیں دے گا۔''

''اسی بات کو دوسرے پہلو سے سوچو۔ اگر اسے زندہ رہنے دو گے تو یہ تمہارا دشمن نہیں، دوست بن کر رہے گا۔ ہم تم سب ہی ماں دُرگا کے پجاری ہیں۔ ہم سب کو پوجا پاٹ اور تپسیا پر دھیان رکھنا چاہیے۔ بھارت کے ٹکڑے جوڑنا یا نہ جوڑنا یہ سب سیاسی باتیں ہیں۔ ہم کو سیاست میں نہیں پڑنا چاہیے۔''

جے نے کہا۔ ''ہم صرف اپنے دھرم تک نہیں رہنا چاہتے۔ دنیا کے دھندوں میں رہ کر بھی کالے جادو اور ٹیلی پیتھی سے سارے سنسار کو جیت لینا چاہتے ہیں۔''

بلرام نے کہا۔ ''تم دنیا والوں سے دور کہیں ہمالیہ کی ترائی میں تپسیا کرتے رہتے ہو۔ ہم ایسا نہیں کر سکتے۔''

گرو مہاراج نے کہا۔ ''تم جو چاہو کرو۔ میں آخری بات سمجھا دیتا ہوں۔ میری بیٹی کی منوکامنا پوری کرو۔ فرہاد کو اس کے ساتھ جانے دو۔ اگر نہیں جانے دو گے اور چھل کپٹ سے کام لو گے تو بعد میں بہت پچھتاؤ گے۔ اب یہاں سے جاؤ۔ جے بھوانی کی...''

وہ تینوں دماغی طور پر ایئر پورٹ کی وزیٹرز لابی میں حاضر ہو گئے۔ رَا ایجنسی کے اعلیٰ افسران پریشان تھے۔ وہ تینوں تھوڑی دیر کے لیے غیر حاضر ہو گئے تھے پھر انہیں اپنے اندر تینوں کی آواز سنائی دی۔ وہ گرو مہاراج سے ہونے والی باتیں انہیں بتانے لگے۔

ڈائریکٹر نے کہا۔ ''وہ تانترک مہاراج ہیں۔ تم سب سے زیادہ شکتی مان ہیں۔ انہوں نے فرہاد کے حق میں فیصلہ سنا دیا ہے۔ کیا ان کے فیصلے سے انکار کرو گے؟''

''ہم مشکل میں پڑ گئے ہیں۔ وہ ہماری سوچ سے بھی جیادہ شکتی رکھنے والے تانترک مہاراج ہیں۔ ہم ان کو غُصّا دلانا نہیں چاہتے اور پھر ہاد کو چھوڑنا بھی نہیں چاہتے۔ یہ جندہ رہے گا تو ہم کو جینے نہیں دے گا۔''

دیپک راٹھور نے پوچھا۔ ''کیا وہ مہاراج تمہارے دماغوں میں آ کر چور خیالات پڑھتے ہیں؟''

''وہ آتے ہیں۔ ہم ان کی سوچ کی لہروں کو محسوس کر لیتے ہیں۔ وہ باتیں کرتے ہیں مگر ہماری ڈھکی چھپی سوچیں نہیں پڑھتے، نہ ہی ہم پڑھنے دیتے ہیں۔''

''پھر تو تم چالبازی سے جیوتی کو راستے سے ہٹا سکتے ہو۔ فرہاد کو کلکتہ لے جا سکتے ہو۔''

''جیوتی بعد میں مہاراج کو ہماری چالبازی بتا دے گی۔''

''جب بانس نہیں رہے گا تو بانسری کیسے بجے گی؟ وہ بولنے کے قابل نہیں رہے گی۔ مہاراج کو خبر نہیں ہوگی کہ یہاں کیا ہو چکا ہے۔ جو بھی ہوگا، وہ حادثاتی طور پر ہوگا تو تم تینوں پر شبہ نہیں کیا جائے گا۔ ہم قتل کو حادثہ بنانا خوب جانتے ہیں۔''

جے، بلرام اور بھنڈاری نے کہا۔ ''ایسا ہو جائے اور ہم پر الجام نہ آئے تو ہم تمہیں مان لیں گے۔ ابھی تم نے بہت بڑا دھوکا دیا تھا۔ ہم تمہاری اس بھول اور مکاری کو بھول جائیں گے۔ ہماری دوستی پھر سے پکی ہو جائے گی۔''

ان کے درمیان معاملات طے ہو گئے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا کرنے والے ہیں۔ جانو یا نہ جانو... جو شامت آنے والی ہے، وہ آتی ضرور ہے اور شاید میرے ساتھ جیوتی جھالر کی بھی شامت آ گئی تھی۔

ٹیلی پیتھی کے فسوں کار فرہاد علی تیمور کی اس مقبول عام سرگزشت کے مزید واقعات آئندہ شمارے میں پڑھیے

فرہاد علی تیمور

سسپنس کا مقبول عام سلسلہ جو تین چوتھائی ماہ سے جاری ہے

ہنگاموں رنگینیوں اور تحیر کے اس بے تاج بادشاہ کی سحر انگیز کہانی جس نے اپنی بھرپور زندگی میں کبھی شکست کا ذائقہ نہیں چکھا۔ وہ جب اور جس کے ذہن میں جاتا جھانک لیتا اور یہی اس کا مہلک ترین ہتھیار تھا۔ دو نسلوں پر محیط وہ طلسم ہوش ربا جسے قارئین کی دوسری نسل بھی بہت شوق سے پڑھ رہی ہے۔ اپنے اور ملک و قوم کے دشمنوں کو خیال خوانی کے نرم و نازک ہتھیار سے خاک و خون میں نہلا دینے والے فرہاد علی تیمور کی لازوال اور بے مثال داستان عبرت جس میں وہ لہو کے سارے رشتوں کے ساتھ حریفوں سے برسرپیکار ہے۔

اردو زبان کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا طویل ترین سلسلہ

عورت اور قیامت دونوں ہی مؤنث ہیں۔ جب یہ ٹوٹتی ہیں تو آدمی کے ہوش ٹھکانے پر نہیں رہتے۔ وہ جیسے مجھ پر قیامت بن کر ٹوٹی تھی اور پچھلے پندرہ برسوں سے مجھے ٹوٹ کر چاہنے کا دعویٰ کر رہی تھی۔ بے شک، چاہتی ہوگی مگر اس وقت تو اس کی چاہت نے میری ہڈیاں چٹخا کر رکھ دی تھیں۔

میں بسترِ مرگ سے اٹھ کر وہاں تک پہنچا تھا۔ گویا قبر کے دہانے سے زندگی کی طرف لوٹ کر آیا تھا۔ بظاہر بڑی حد تک صحت مند دکھائی دے رہا تھا مگر یہ صحت اور توانائی مصنوعی تھی۔ جے بلرام بھنڈاری نے مجھے اپنا معمول اور تابع بنانے کے ساتھ ساتھ سنسکرت بھاشا میں کچھ پراسرار پڑھے تھے۔ یوں مجھے توانائی نصیب ہوئی تھی اور پاکستان سے سفر کرتا ہوا دہلی تک آیا تھا۔

اُدھر را ایجنسی کے افسران پریشان تھے۔ جے بلرام اور بھنڈاری سے کہہ رہے تھے کہ وہ کسی بھی طرح جیوتی مہا کو وہاں سے ٹال دیں اور وہ تینوں جانتے تھے کہ وہ ٹلنے والا بلا نہیں ہے۔ ایک طویل عرصے کے بعد اس کے من کی

پوری ہوئی تھی۔ ان لمحات میں دنیا کی کوئی طاقت اُسے مجھ سے دور نہیں کرسکتی تھی۔

را ایجنسی کے افسران نے اور تینوں جنم ساتھیوں نے یہ متفقہ فیصلہ کیا تھا کہ فی الحال اسے میرے ساتھ کولکتہ جانے دیا جائے پھر وہاں پہنچ کر اسے حادثاتی طور پر موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ کیونکہ مجھے بھینٹ چڑھانے کے سلسلے میں وہ بہت بڑی رکاوٹ بننے والی تھی۔ جبکہ وہ لوگ میرے معاملے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں چاہتے تھے۔ فی الوقت انہیں اس کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔

بھنڈاری نے جیوتی سے کہا۔ ”ٹھیک ہے۔ تم اس کے ساتھ کولکتہ جاؤ۔“

وہ میرے بازو میں اپنا ایک بازو ڈال کر مجھ سے لگتے ہوئے بولی۔ ”مجھے تمہاری اجازت کی جرورت نہیں ہے۔ میں تو اسی کو لینے آئی تھی اور اپنے ساتھ لے کر ہی جاؤں گی۔“

بلرام نے میرے اندر آ کر کہا۔ ”تم اس کے ساتھ کولکتہ پہنچو۔ اس کے بعد کے حالات ہم سنبھال لیں گے۔“

میں نے بیزار ہو کر کہا۔ ”تم ایک عورت کو تو سنبھال نہیں پا رہے ہو۔ حالات کو کیسے سنبھالو گے؟“

”جیادہ نہ بولو۔ جو بولا ہے وہ کرو۔“

لہٰذا میں اس کے ساتھ کولکتہ جانے والی فلائٹ میں آ گیا۔ وہ میرے بازو کو پکڑ کر مجھ سے یوں چمٹی ہوئی تھی جیسے میں موقع پاتے ہی فرار ہونے والا ہوں یا پھر کوئی مجھے اڑا کر لے جانے والا ہے۔ طیارے میں آنے کے بعد میں نے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے کہا۔ ”یہاں کوئی مجھے تم سے چھین کر نہیں لے جائے گا۔“

وہ میرے بازو کو اور مضبوطی سے جکڑتے ہوئے بولی۔ ”میں تم سے دور بھی رہوں تو کسی کی مجال نہیں کہ تم کو چھین کر لے جائے۔“

پھر وہ باچھیں پھیلا کر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔ ”جرا لوگوں کو دیکھو... کھاس طور پہ عورتوں کو دیکھو...! کیسے رشک بھری نجروں سے مجھے تک رہی ہیں؟ یہ میرا گھمنڈ ہے جو تم سے الگ ہونے نہیں دے رہا ہے۔ سب یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ میں تم جیسے باوقار اور کھوبصورت مرد کی دھرم پتنی ہوں۔“

میں لوگوں کی نگاہوں کو پڑھ رہا تھا۔ وہ حیرانی اور رشک بھری نظروں سے ہمیں تک رہے تھے۔ میرا اور اس کا کوئی جوڑ نہیں تھا۔ میں جینز اور جیکٹ میں تھا۔ جبکہ اس کے بھاری بھرکم وجود پر گیروے رنگ کی ساڑھی لپٹی ہوئی تھی۔ جو

کہ ٹخنوں سے اوپر ہونے کی وجہ سے کچھ مضحکہ خیز سی لگ [illegible]
تھی۔ گلے میں موٹے موٹے موتیوں کی مالا جھول ر[illegible]
اور پیروں میں کھڑاویں تھیں۔

میں اس کے ساتھ اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ وہ [illegible]
مجھ سے لگی ہوئی تھی۔ میں نے بیزار ہو کر کہا۔ ”مجھے چھو[illegible]
اپنی سیٹ بیلٹ باندھو۔“

وہ ایک ادا سے بولی۔ ”میں تو تم سے بندھی ہوئی ہو[illegible]
”یہاں مجھ سے چپکنے سے زیادہ سیٹ بیلٹ [illegible]
ضروری ہے۔“

”میرے لیے تو صرف تم جروری ہو۔ اب اگر [illegible]
یاترا میں بیلٹ باندھنی جروری ہے تو لو... تم باندھ دو۔“

اس نے دونوں کہنیاں اوپر اٹھا دیں۔ میں نے [illegible]
ذرا ہچکچا کر اس کی کمرے تما کمر کو دیکھا پھر دل ہی دل [illegible]
کہا۔ ”کیا مصیبت ہے؟“

بلرام میرے اندر تھا۔ وہ بولا۔ ”اس مصیبت کو [illegible]
تک برداشت کرلو۔ بعد میں ہم سنبھال لیں گے۔“

میں نے آگے کو جھک کر اس کی بیلٹ لگاتے [illegible]
سوچ کے ذریعے کہا۔ ”معلوم نہیں، اس وقت تک
سنبھالے جانے کے قابل بھی رہوں گا یا نہیں؟“

چند لمحوں بعد میں اس کے ساتھ آسمان کی فضاؤں [illegible]
تھا۔ طیارہ اپنی اڑان بھر چکا تھا۔ ایسے وقت ایک ائیر ہ[illegible]
نے آ کر پوچھا۔ ”کیا پینا پسند کریں گے؟“

میں نے ایک سافٹ ڈرنک کا آرڈر دیا۔ اس [illegible]
ایک گلاس اٹھا کر میری طرف بڑھایا لیکن مجھ سے پہلے [illegible]
نے جھپٹ لینے کے انداز میں گلاس لیتے ہوئے کہا۔ ”[illegible]
جے بلرام بھنڈاری کو کھوب جانتی ہوں۔ وہ مو[illegible]
کھوبصورت بنا کر یہاں بھیج سکتے ہیں۔“

ایسا کہتے ہوئے اس نے ائیر ہوسٹس کو چبھتی [illegible]
نظروں سے دیکھا پھر گلاس کو منہ سے لگا کر ایک گھونٹ [illegible]
کے بعد کہا۔ ”جو ہوگا، میرے ساتھ ہوگا۔ میں اپنی جا[illegible]
کھیل کر تم کو بچاؤں گی۔“

چند لمحوں بعد اس نے مطمئن ہو کر گلاس میری ط[illegible]
بڑھا دیا۔ ”یہ لو۔ پی جاؤ۔ اب کوئی کھترا نہیں ہے۔“

ائیر ہوسٹس کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں اسے دیکھ[illegible]
تھی۔ جیوتی نے کہا۔ ”اب جاؤ اور ایک گلاس سادہ [illegible]
لے کر آؤ۔“

وہ چلی گئی۔ میں نے جیوتی سے کہا۔ ”یہ تم کیسی حر[illegible]
کر رہی ہو؟“





وہ مجھ سے لگتے ہوئے بولی۔ ”جو کر رہی ہوں، تمہاری سلامتی کے لیے کر رہی ہوں۔“

وہ اپنی سیٹ پر تھی، مگر اس کے چپکنے کا انداز ایسا تھا، جیسے اچھل کر میری گود میں آنا چاہتی ہو۔ میں نے بیزار ہو کر کہا۔ ”تم لاکھ میری سلامتی چاہتی رہو مگر ہوگا وہی، جو وہ تینوں چاہیں گے۔“

”تم میری شکتی کو نہیں جانتے۔ میں نے ان تینوں سے جیادہ دُرگا ماں کے چرنوں میں عورتوں اور بچوں کی بلی چڑھائی ہے پھر میرے پتا تانترک مہاراج میرے ساتھ ہیں۔ تم چنتا مت کرو۔“

بلرام کے علاوہ جے اور بھنڈاری بھی ہمارے اندر پہنچے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہی ائیر ہوسٹس ایک گلاس پانی لے آئی۔ جیوتی نے اس میں سے ایک گھونٹ لے کر مطمئن ہونے کے بعد اسے میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے انکار کرتے ہوئے کہا۔ ”میں نے ابھی ڈرنک لی ہے۔ مجھے پیاس نہیں ہے۔“

وہ گلاس میرے ہاتھ میں تھما کر اپنے گریبان میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بولی۔ ”یہ پیاس بجھانے کے لیے نہیں ہے۔ تمہارے پیاسے جیون کو جل تھل کرنے کے لیے ہے۔“

اس کا ہاتھ گریبان سے باہر آیا تو اس میں ایک پڑیا دبی ہوئی تھی۔ اس نے اسے کھول کر ایک بھورے رنگ کی موٹی سی گولی نکالی پھر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”یہ لو۔ دُرگا ماں کا نام لے کر اسے پانی کے ساتھ نگل لو۔“

میں نے پوچھا۔ ”یہ کیا ہے؟“

”بس یوں سمجھو کہ جادو کی چھڑی ہے۔ حلق سے اتارنے کے بعد اس کا چمتکار دیکھو گے۔“

اس نے میرا ہاتھ تھام کر اسے میری کھلی ہوئی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ میں تذبذب میں تھا۔ ادھر وہ تینوں جنم ساتھی ایک دوسرے سے بول رہے تھے۔ جے نے کہا۔ ”اس دوا کو ہمالیہ کی ترائی سے لائی گئی بہت ہی خاص جڑی بوٹیوں سے بنایا گیا ہے۔ یہ واقعی پھرہاد کو ایک ہی دن میں بڈھے سے جوان بنا دے گی۔“

بلرام نے کہا۔ ”بنانے دو۔ میں اس کو نہیں روکوں گا۔ اچھا ہی کر رہی ہے۔ میں بیمار مرغے کے بجائے ہٹے کٹے پھرہاد کی بلی چڑھاؤں گا تو دُرگا ماں اور جیادا پرسن ہوگی اور جیادا مجھ کو شکتی دے گی۔“

جیوتی نے مجھ سے کہا۔ ”سوچتے کیا ہو؟ نگل جاؤ۔ میں تمہیں جہر نہیں دوں گی۔ ڈرو مت۔“

میں نے ہتھیلی پر رکھی ہوئی گولی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”جس کے آگے اور پیچھے موت ہی موت ہو، وہ اس ننھی سی گولی سے کیا ڈرے گا؟ چاہے تم مجھے زہر دے کر مار ڈالو یا وہ تینوں جنم ساتھی دُرگا ماں کے چرنوں میں میری گردن اڑا دیں۔ مجھے تو ہر حال میں مرنا ہے۔“

میں نے اس گولی کو ایک گھونٹ پانی کے ساتھ حلق سے اتار لیا۔ وہ بڑے یقین کے ساتھ بولی۔ ”تم نہیں مرو گے۔ میری اور میرے پتا مہاراج کی مرجی کے بنا وہ تینوں کچھ نہیں کر پائیں گے۔ کیا تمہیں مجھ پر وشواس نہیں ہے؟“

”جسے اپنی زندگی پر بھروسا نہ ہو، وہ کسی پر کیا اعتبار کرے گا؟“

وہ میرے بازو سے لگی ہوئی تھی۔ میرے شانے پر سر رکھ کر بولی۔ ”تم کو وشواس ہوگا۔ جب میرے ساتھ جیون بتاتے رہو گے تو جرور میرے اوپر بھروسا کرو گے۔“

اُدھر جے نے کہا۔ ”ہمیں را ایجنسی کے افسروں کے پاس جا کر معلوم کرنا چاہیے، وہ جیوتی کے مالے میں کیا کرنے والے ہیں؟“

وہ دونوں بلرام کو میرے اندر چھوڑ کر را ایجنسی کے اعلیٰ افسران کے دماغوں میں پہنچ گئے۔ وہ لوگ جیوتی کی طرف سے تشویش میں مبتلا تھے۔ چیف آفیسر دیپک راٹھور... کہہ رہا تھا۔ ”فرہاد قسمت کا دھنی ہے۔ اس بار اسے کسی صورت بچنا نہیں چاہیے۔ اگر جیوتی کو کولکتہ پہنچتے ہی راستے سے نہ ہٹایا گیا تو فرہاد کی گڈ لک ایک بار پھر ہمارے لیے بیڈ لک بن جائے گی۔“

بھنڈاری نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”تم لوگ تو ایسے سہمے ہوئے ہو، جیسے پھرہاد کوئی ہوا کا جھونکا ہو۔ پلک جھپکتے ہی ہاتھوں سے پھُر ہو جائے گا۔“

ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔ ”وہ جھونکے کی طرح ہی ہے۔ کبھی ہاتھ نہیں آتا۔ ہمیشہ ایسے ہی جھانسے دیتا ہے، جیسے ہاتھ آ رہا ہو۔“

دیپک راٹھور نے کہا۔ ”یہ جیوتی کی غیر متوقع آمد خطرے کی گھنٹی بجا رہی ہے۔“

جے نے پوچھا۔ ”اور اُس گھنٹی کے بارہ بجانے کے لیے تم لوگ کیا کر رہے ہو؟“

”جب وہ فرہاد کے ساتھ آسمان سے زمین پر اترے گی تو ہم اسے ہمیشہ کے لیے اوپر پہنچا دیں گے۔ کولکتہ ائیر پورٹ پر اُس کی موت اُسے ویلکم کرنے کو تیار ہے۔“

اُن کے خیالات نے جے اور بھنڈاری کو بتایا کہ ائیر پورٹ پر دو مسلح افراد جیوتی کو ٹارگٹ بنانے کے لیے اپنی اپنی پوزیشن سنبھال چکے ہیں۔ وہ اُن کے چور خیالات کو اچھی

طرح کھنگال رہے تھے۔ ان مسلح افراد کے دماغوں میں بھی گئے تھے۔ اس بار را ایجنسی کے افسران انہیں دھوکا دینے کی غلطی کرنے والے نہیں تھے۔ جیوتی کو اس طرح موت کے گھاٹ اتارا جارہا تھا کہ اس کی ہلاکت کا الزام ان تین جنم ساتھیوں پر نہیں آسکتا تھا۔ یوں وہ تینوں تانترک مہاراج کی دشمنی اور قہر سے محفوظ رہنے والے تھے۔ وہ مطمئن ہو کر میرے اور جیوتی کے پاس آگئے۔

دہلی کی طرح اب کولکتہ ایئر پورٹ پر گولیاں چلنے والی تھیں۔ میری سلامتی چاہنے والی میرے سلسلے میں بہت محتاط تھی۔ یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میری طرف آنے والی قیامت مجھ سے پہلے اس کی شامت بننے والی ہے۔

دراصل ہماری زمین پر ایک دوسرے کی زندگی اور موت کا فیصلہ کرنے والے ناخداؤں کی کمی نہیں ہے۔ وہ چاہتے تھے' میں مر جاؤں لیکن جب تک اوپر والا نہ چاہے کوئی نہیں مرتا۔ جیوتی میری سلامتی کا بہانہ بن گئی تھی۔ اب را ایجنسی کے افسران چاہتے تھے کہ اُسے ہلاک کردیا جائے مگر ہونا کیا تھا' یہ تو طیارے سے اترنے کے بعد ہی معلوم ہونے والا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہم کولکتہ ایئر پورٹ پہنچ گئے۔ میں لگیج ہال سے اپنا بیگ لے کر جیوتی کے ساتھ وزیٹرز لابی میں آگیا۔ وہ تینوں جنم ساتھی بار بار را ایجنسی کے اعلیٰ افسران کے دماغوں میں جارہے تھے۔ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ وہ لوگ عین موقع پر انہیں کوئی دھوکا تو نہیں دینے والے ہیں؟ مگر ان کا نشانہ جیوتی ہی تھی۔ جے اور بھنڈاری ان مسلح افراد کے اندر چلے آئے تھے۔ خیال تھا' اگر اچانک ہی انہیں کسی خفیہ طریقے سے میری ہلاکت کا آرڈر ملا تو وہ انہیں ایسا کرنے سے باز رکھ سکیں گے۔

میں اور جیوتی وزیٹرز لابی سے گزرتے ہوئے باہر آرہے تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی را ایجنسی کے افسران نے اپنے ماتحتوں کو حکم دیا کہ فوراً اس مطلوبہ عورت کو نشانہ بنایا جائے۔ اُدھر انہیں آرڈر ملے اور اِدھر جیوتی آگے بڑھتے بڑھتے ٹھٹک کر رک گئی۔ اس کے ساتھ میں بھی رک گیا۔ وہ ایک طرف دیکھتے ہوئے منہ بنا کر بولی۔ ''یہ کہاں سے آگئی؟''

میں نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔ ایک سانولی سلونی سی تیکھے نین نقش والی دوشیزہ ہاتھ لہراتی ہوئی ہماری طرف دوڑتی چلی آرہی تھی۔ دوسری طرف را ایجنسی کے افسران اپنے مسلح ماتحتوں سے پوچھ رہے تھے۔ ''کیا بات ہے؟ تم فائر کیوں نہیں کررہے ہو؟''

ان کے دماغ جے اور بھنڈاری کے قبضے میں تھے۔ بھنڈاری نے دیپک راٹھور کے پاس آکر کہا۔ ''اب وہاں ایک بھی گولی نہیں چلے گی۔''

''کیوں نہیں چلے گی؟ کیا تم اپنی زبان سے پھر رہے ہو؟ فرہاد کے ساتھ ساتھ جیوتی کی بھی جان بچانا چاہتے ہو؟''

وہ بولا۔ ''ارے... جبان سے کون پھر رہا ہے؟ جرا اِدھر آکے دیکھو! پھرہاد کی جان بچانے والی پہلے ایک تھی۔ اب وہ ہوگئی ہیں۔''

''کیا مطلب دو ہوگئی ہیں؟''

''یہاں اچانک ہی ہماری بیٹی نیہا چلی آئی ہے۔''

وہ مجھ سے مل کر بڑی گرم جوشی کا اظہار کررہی تھی۔ جیوتی نے پوچھا۔ ''تم یہاں کیوں آئی ہو؟''

وہ بولی۔ ''میں اپنے فرہاد کو لینے آئی ہوں۔''

''اپنا پھرہاد نہ بولو۔ یہ میرا ہے۔ میرے من مندر کا دیوتا ہے مگر تمہیں کس نے بتایا کہ یہ یہاں آنے والا ہے؟''

نیہا بڑی لگاوٹ سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اگرچہ ماں سے مخاطب تھی مگر اس کی نگاہیں بدستور مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے کہا۔ ''اور کون بتائے گا؟ نانا مہاراج نے بتایا اور میں اڑتی ہوئی چلی آئی۔''

وہ تانترک مہاراج کو نانا کہہ رہی تھی پھر بولی۔ ''مگر تم اس کا ہاتھ چھوڑو۔ جمائی سے یوں چپک کر رہنا ساس کو شوبھا نہیں دیتا۔''

وہ ہاتھ نچا کر بولی۔ ''کون جمائی...؟ یہ میرا جمائی نہیں' تمہارا ہونے والا پتا ہے۔ چلو پاؤں چھو کر آشرواد لو۔''

خوب گزرتی ہے' جب مل بیٹھتے ہیں دیوانے دو.... وہ دو دیوانیاں مل رہی تھیں۔ تماشا تو بنتا ہی تھا۔ میں نے ایک ذرا ہچکچا کر آس پاس سے گزرتے ہوئے لوگوں کو دیکھا۔ ان میں سے بیشتر ہماری طرف متوجہ تھے۔ میں نے ان ماں بیٹی سے کہا۔ ''خدا کے لیے مجھے سینڈوچ نہ بناؤ۔ کم از کم یہاں سے تو چلو۔''

نیہا نے جلدی سے آگے بڑھ کر میرا بیگ لیتے ہوئے کہا۔ ''ہاں۔ چلو۔''

جیوتی نے جھٹ سے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔ ''یہ تمہارے ساتھ نہیں' میرے ساتھ جائے گا۔''

وہ بولی۔ ''یہ تمہارے ساتھ جائے یا میرے ساتھ' جانا تو اسی گھر میں ہے' جہاں ہم دونوں رہتی ہیں۔''

اُدھر جے' بلرام اور بھنڈاری جھنجلائے ہوئے تھے۔ نیہا کے آتے ہی صورتِ حال بدل گئی تھی۔ دیپک راٹھور کہہ رہا تھا۔ ''اب تو کوئی شبہ نہیں رہا ہے۔ فرہاد کے لیے قدرتی طور پر سلامتی کے راستے ہموار ہورہے ہیں۔ آئندہ بھی یہی ہوتا رہے گا۔ بھگوان کے لیے! اب تو سمجھ جاؤ۔ اسے دُرگا ماں کے چرنوں میں لے جانے کی ضد سے باز آجاؤ۔ ہمیں ہمیں اس کا قصہ پاک کرنے دو۔''

بھنڈاری نے کہا۔ ''ہرگج نہیں۔ ہم نے کہہ دیا ناں کہ یہاں ایک بھی گولی نہیں چلے گی۔''

مصیبت تو یہ تھی کہ را ایجنسی کے افسران اپنی من مانی کر کے ان جنم ساتھیوں کی دشمنی مول نہیں لے سکتے تھے۔ وہ بُری طرح جھنجلائے ہوئے تھے۔ ایک ذرا خوفزدہ بھی تھے۔ ایک اعلیٰ افسر نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ ''میری چھٹی حس مسلسل الارم دے رہی ہے۔ جے' بلرام اور بھنڈاری کی ضد ہم سب کو مصیبت میں ڈالنے والی ہے۔''

نہ جانے آئندہ کیا ہونے والا تھا؟ فی الحال تو میرے لیے وہ ماں بیٹی مصیبت بنی ہوئی تھیں۔ بلرام نے جیوتی جھالر کے دماغ میں پہنچ کر کہا۔ ''کیوں سے برباد کرتی ہو؟ یہاں جگہ جگہ پھرہاد کے دشمن چھپے ہوئے ہیں۔ اسے لے کر بیٹی کے ساتھ پھٹا پھٹ گھر پہنچو۔''

وہ بولی۔ ''باہر کے دشمنوں سے جیادہ مجھے گھر کے دشمنوں سے کھترا ہے۔ پر کان کھول کے سن لو! پھرہاد میرے کارن دُرگا ماں کے سائے میں چلا آیا ہے۔ پتا مہاراج کا آشرواد بھی ہمارے ساتھ ہے۔ اب کوئی دشمن اس کا بال بھی بانکا نہ کرسکے گا۔''

''ٹھیک کہتی ہو۔ جب تک دُرگا ماں نہیں چاہے گی' پھرہاد کو کچھ نہیں ہوگا۔ پر اب بحث نہ کرو۔ یہاں سے نکلو۔''

نیہا کی نگاہیں مجھ پر ٹکی ہوئی تھیں۔ میں عمر کے اُس دور سے گزر رہا تھا' جہاں محبوبیت کے احساسات ایک ذرا ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں پھر پچھلے کچھ عرصے سے بیماری کا عذاب جھیلتا رہا تھا لیکن عورت کی کشش اور اس کی چاہت ایسی ہوتی ہے کہ قبر میں جانے والے کو بھی اپنی طرف کھینچتی ہے پھر میں تو کسی حد تک زندگی کی طرف لوٹ کر آرہا تھا۔ وہ بھرپور جوان تھی۔ سانولے رنگ میں ایسی کشش تھی کہ اور سے ہی حسن کا چٹخارہ مل رہا تھا۔ میں نظریں چرانے کے باوجود چوری چوری اسے دیکھ رہا تھا۔

یہ اچانک کیا ہوگیا تھا؟ نیہا کو دیکھ کر میرے اندر ایک نئی امنگ اور جوانی کی ترنگ کیسے پیدا ہورہی تھی؟ جبکہ میری اور اس کی عمر میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

تب پتا چلا کہ جیوتی جھالر نے جو گولی کھلائی تھی' وہ اپنا کرشمہ دکھا رہی ہے۔ مجھے یاد آیا کہ میں طیارے سے اترنے کے بعد دور تک چلتا ہوا ایئر پورٹ کی عمارت میں آیا تھا اور ایک ذرا سی کمزوری محسوس نہیں کی تھی۔ اس وقت بھی نہ تو میری سانس پھولی تھی اور نہ ہی میں ہانپ رہا تھا۔ اس وقت میں نے یہ طے کیا کہ اب سنبھل کر رہوں گا۔ بڑھاپے میں جوانی کی بھول نہیں کروں گا۔ نہ ہی نیہا سے زیادہ متاثر ہوتا رہوں گا۔

ادھر نیہا اپنے سراپے کا جلوہ کبھی اس زاویے سے' کبھی اُس زاویے سے یوں دکھا رہی تھی' جیسے کتاب کھولنے سے پہلے پیش لفظ سنا رہی ہو۔ دسترخوان سجانے سے پہلے مینو دکھا رہی ہو.... ''دیکھ لو! یہاں کا ایک ایک پکوان تازہ اور گرما گرم ہے۔ ایک ذرا چکھ کر تو دیکھو... انگلیاں چاٹتے رہ جاؤ گے۔''

فی الحال تو میری قسمت میں باسی ہانڈی کی خوشبو لکھی ہوئی تھی۔ میں نے جیوتی جھالر سے اپنا بازو چھڑانا چاہا تو وہ اسے اور مضبوطی سے جکڑ کر بولی۔ ''میرا ساتھ تمہارے لیے جروری ہے۔ بچپن میں ماں کی انگلی پکڑ کر چلتے تھے تو ٹھوکر نہیں لگتی تھی۔ اب جوانی میں میرا ہاتھ پکڑ کر چلتے رہو گے تو سلامتی ملتی رہے گی۔''

یا اللہ! وہ مجھے جوان کہہ رہی تھی۔ اس لیے کہ اس کی کھلائی ہوئی گولی مجھے صرف اندر سے ہی نہیں' باہر سے بھی شاید جوانوں کی طرح نکھار رہی تھی۔ میں نے جیوتی کے بازو کو دیکھا۔ دہلی ایئر پورٹ پر اس نے مجھے دبوچا تھا تو ایسا لگا تھا' جیسے کسی فولادی گرفت میں آگیا ہوں۔ کمزوری ایسی تھی کہ کوشش کے باوجود خود کو اس کے شکنجے سے آزاد نہیں کرپایا تھا۔ وہ بھاری بھرکم پتھریلے بدن والی عورت کسی پہاڑ سے کم نہیں لگی تھی۔

مگر اب وہی چیونٹی جیسی لگ رہی تھی۔ بے شک۔ اس نے میرے بازو کو بڑی مضبوطی سے جکڑ رکھا تھا لیکن مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ اسے خود سے الگ کرنا چاہوں گا تو ایک ذرا مشکل پیش نہیں آئے گی۔ یہ میرے لیے حوصلہ افزا بات تھی۔

دوسری طرف دیپک راٹھور بھنڈاری سے پوچھ رہا تھا۔ ''اب جیوتی جھالر کے بارے میں کیا کرنا ہوگا؟ وہ زندہ رہے گی تو فرہاد پر کوئی آنچ نہیں آنے دے گی۔''

وہ بولا۔ ''اس کی جندگی تو ہم بھی نہیں چاہتے پھرہاد کو ہر حال میں کل رات دُرگا ماں کے چرنوں میں لے جانا ہے اور اس سے پہلے جیوتی کو اوپر پہنچانا ہے۔''

''مگر کب...؟ تم لوگوں نے تو ہمارے مسلح ماتحتوں کو جکڑ کر رکھا ہے۔ وہ گولی نہیں چلائیں گے تو جیوتی کو ہلاک

کیسے کیا جائے گا؟"

"جروری نہیں ہے کہ اس کو ائیرپورٹ سے ہی نرک میں پہنچایا جائے۔ ماں بیٹی کو گھر جانے دو۔ ہم بتا رہے ہیں۔ تم اس بنگلے کو بڑی رازداری سے گھیر لو۔ جیوتی جھالر کو اور اس کے پتا گرو مہاراج کو ذرا سا بھی شبہ نہ ہو مگر یاد رکھنا' ہماری بیٹی کو یا پھرہاد کو کچھ ہوا تو را ایجنسی کے اعلیٰ اپھسروں کو بہت کچھ ہو جائے گا۔ سب ہی ہم سے جندگی کی بھیک مانگتے پھریں گے۔"

ایک افسر نے کہا۔ "تم سے دشمنی مول لینی ہوتی تو ہم دہلی ائیرپورٹ میں ہی فرہاد کا کام تمام کر چکے ہوتے۔"

جے نے کہا۔ "جیادہ باتیں نہ بناؤ۔ اس کا کام تمام کرنے کا تم نے پورا بندوبست کیا تھا۔ وہ تو ٹھیک سمے پر پکڑے گئے۔"

دیپک راٹھور نے کہا۔ "ہم اپنی غلطی تسلیم کر چکے ہیں۔ اب ان باتوں کو دُہرانے سے بہتر ہے' نئی حکمت عملی پر عمل کیا جائے۔"

انہوں نے ان افسران کو جیوتی جھالر کا ایڈریس لکھوایا۔ ادھر نیہا نے ماں سے کہا۔ "ہم دونوں فرہاد کی سلامتی چاہتی ہیں۔ اس لیے ہمیں آپس میں جھگڑنا نہیں چاہیے۔ فی الحال اسے دشمنوں سے بچانا ہے۔ اگر ہمارے درمیان تُو تو میں میں ہوتی رہے گی تو دشمن اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

جیوتی نے قائل ہونے کے انداز میں اسے دیکھا۔ میں نے پوچھا۔ "اب چلیں؟ ہمارے ساتھ دہلی سے کولکتہ آنے والے تمام مسافر اپنے اپنے گھروں کو پہنچ چکے ہوں گے اور ہم اب تک یہیں کھڑے ہیں۔"

وہ مسکراتی ہوئی میرے ساتھ آگے بڑھنے لگی۔ نیہا بھی میرے دوسرے بازو سے لگی ہوئی تھی۔ ہمارے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل رہی تھی۔ وہ دونوں ہی میری طالب تھیں۔ مجھے ایسا سینڈوچ بنایا ہوا تھا کہ فی الحال ان میں سے کسی کے حصے میں نہیں رہا تھا۔

میں ان لمحات میں اپنی زندگی کے ایک عجیب دور سے گزر رہا تھا۔ میرے دائیں طرف بڑھاپا تھا اور بائیں طرف کھنکتی ہوئی جوانی تھی۔ سونیا نے اپنا خواب بیان کرتے ہوئے بتایا تھا کہ مجھے کسی عورت کا ساتھ ملنے والا ہے۔ طیارے میں شلپا سے مل کر لگا تھا کہ شاید وہ ساتھی بننے والی ہے مگر اسے بلرام لے اُڑا تھا پھر جیوتی ملی اور اب نیہا سے سامنا ہوا تھا۔

پتا نہیں' اُن میں سے کون میری زندگی میں رہنے والی تھی اور کون جانے والی تھی؟ فی الحال تو میں اُن ماں بیٹی کے درمیان گلفام بنا ہوا تھا۔ ایسے وقت مجھے سونیا کے الفاظ یاد آرہے تھے۔ اس نے کہا تھا۔ "جب تم چلتے پھرتے ایکشن میں رہتے ہو تو جانے کہاں سے جوانی اُمڈ آتی ہے؟ حضور کا پسینا گلاب ہو جاتا ہے۔ تتلیاں آکر منڈلانے لگتی ہیں۔"

کم از کم جیوتی جھالر کو تتلی نہیں کہا جاسکتا تھا مگر نیہا کی نگاہیں اور اس کی لگاوٹ سمجھا رہی تھی کہ پسینا گلاب ہو رہا ہے۔

جیوتی کا ساتھ بوجھ ہی سہی' مگر اس نے ایک بہت ہی زبردست کارنامہ انجام دیا تھا۔ وہ جادوئی اثر والی گولی اپنا اثر دکھا رہی تھی۔ پاکستان سے دہلی پہنچنے تک جو کمزوری حاوی ہوتی رہی تھی' وہ یکسر ختم ہوتی جا رہی تھی۔ میں خود کو بہت ہشاش بشاش محسوس کر رہا تھا۔

جیوتی نے چلتے چلتے مسکرا کر میرے ہاتھ کو تھپتھپایا پھر کہا۔ "میرے کو سمجھ میں آرہا ہے' میری کھلائی ہوئی گولی کام دکھا رہی ہے۔"

میں نے کہا۔ "ٹھیک سمجھ رہی ہو۔ کیا اس گولی میں کوئی جادو تھا؟"

"جادو ہی سمجھ لو۔"

بلرام میرے اندر تھا۔ اس نے کہا۔ "ہوں۔ اپنے آپ کو تگڑا جوان سمجھنے لگے ہو۔"

میں نے کہا۔ "قدرت مجھ پر مہربان ہے۔ تم کیوں جل رہے ہو؟"

"جیادہ گھمنڈ نہ کرو۔ ابھی تک جو ہوا' میری مرجی سے ہوا۔ میں چاہتا تو اس گولی کو تم کبھی حلق سے اتار نہ پاتے۔"

میں اُن ماں بیٹی کے ساتھ پارکنگ ایریا میں آگیا تھا۔ سوچ کے ذریعے بولا۔ "پھر تم نے کیوں نہیں چاہا؟ جبکہ یہ جانتے تھے کہ بیوی کے بعد اب کولکتہ ائیرپورٹ پر تمہاری جوان بیٹی سے میرا سامنا ہونے والا ہے؟"

"یہ تو اچانک ہی یہاں چلی آئی ہے مگر تمہارا سامنا صرف موت سے ہونے والا ہے۔ تمہاری جندگی یہاں کھتم ہونے والی ہے۔"

میں نے کہا۔ "تقدیر کے لکھے کو تو میں نہیں جانتا۔ ہاں۔ فی الحال قسمت کی مہربانیاں دیکھ رہا ہوں۔"

نیہا گاڑی کی چابی ماں کی طرف بڑھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "یہ لیں۔ آپ ڈرائیو کریں۔ میں فرہاد کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھوں گی۔"

وہ مسلسل مجھ سے لگی ہوئی تھی۔ اتنی دیر ہانڈی کو چولھے پر رکھا جائے تو وہ اُبل پڑتی ہے۔ وہ جیسے مجھے ابال رہی تھی اور میں اپنی قوت ارادی سے کام لیتے ہوئے اسے نظر انداز کر رہا تھا۔

جیوتی نے فوراً ہی آگے بڑھ کر اسے مجھ سے دور دھکیلتے ہوئے کہا۔ "تم نہیں جانتیں' اس کے دشمن صرف باہر نہیں۔ اس کے اندر بھی گھسے ہوئے ہیں۔ گھر پہنچنے تک میں اس کو چھوڑ نہیں سکتی۔ اسٹیئرنگ سیٹ سنبھالو اور گھر چلو۔"

نیہا نے میرا بازو تھام کر کہا۔ "میں بھی گھر پہنچنے تک اسے چھوڑ نہیں سکتی۔"

میں نے کہا۔ "تم دونوں ہی مجھے چھوڑنا نہیں چاہتیں پھر بات کیسے بنے گی؟"

جیوتی نے بیٹی کو ذرا غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ تو ہاتھ دھو کے پیچھے پڑ گئی ہے۔"

وہ بولی۔ "تم کچھ بھی کہہ لو۔ یہ میرا ہے۔ میں تمہارے لیے اسے نہیں چھوڑوں گی۔"

جے' بلرام اور بھنڈاری نے ان سے کہا۔ "بھگوان کے لیے یہاں سمے برباد نہ کرو۔ تم دونوں پھرہاد کو لے کے اگلی سیٹ پر جاؤ۔ اسے اپنے بیچ میں بٹھا کے یہاں سے آگے بڑھو۔"

انہوں نے یہی کیا۔ میں اگلی سیٹ پر ان کے درمیان آگیا۔ پتا نہیں' دو پاٹن کے بیچ کب تک پسنے والا تھا؟ نیہا نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

جے' بلرام اور بھنڈاری نے مجھ سے کہا۔ "بڑے اِندر دیوتا بنے ہوئے ہو۔ ایک طرف ہماری پتنی ہے اور دوسری طرف ہماری بیٹی... مگر ہم تمہیں موج مستی نہیں کرنے دیں گے۔"

میں نے کہا۔ "میں کیا کروں؟ کیا جونکیں چپٹی ہوں گی جیسے یہ چمٹی ہوئی ہیں۔"

پھر میں نے پوچھا۔ "کیا تم لوگوں کو شرم نہیں آتی؟ تمہاری بیوی اور بیٹی مجھے سینڈوچ بنا رہی ہیں اور تم مزے لے رہے ہو؟"

"کیونکہ آگے کی بات ہم جانتے ہیں۔"

"خدائی دعوے نہ کرو۔ اگر آگے کی بات جاننا تمہارے اختیار میں ہوتا تو یہ ضرور جان لیتے کہ دہلی ائیرپورٹ پر تمہاری بیوی اور کولکتہ ائیرپورٹ پر تمہاری بیٹی مجھے ویلکم کہنے والی ہے۔"

"یہ کوئی کھاس بات نہیں ہے۔"

"خاص تو ہے۔ یہ دونوں میری سلامتی چاہتی ہیں۔ جیوتی جھالر تانترک مہاراج کی بیٹی ہے۔ جو تم سے زیادہ پاور فل ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں' تم اس کی مرضی کے خلاف مجھے اس سے دور نہیں کر پا رہے ہو۔"

"کبھی کبھی میدان جیتنے کے لیے سپاہی کو پیچھے ہٹنا پڑتا ہے۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "تم یہ بات کسے سمجھا رہے ہو' جس کی پوری زندگی میدانِ جنگ میں ہی گزری ہے۔"

وہ ایک ذرا بے پروائی سے بولا۔ "ہاں ہاں۔ جانتا ہوں' تم ساری جندگی میدان مارتے رہے ہو۔ پر کبھی نہ کبھی تو اونٹ پہاڑ کے نیچے آتا ہے۔ تب اسے معلوم پڑتا ہے کہ وہ پہاڑ کے آگے اونٹ نہیں رہا' چیونٹی بن گیا ہے۔"

"یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ پہاڑ کے نیچے کون آرہا ہے؟"

گاڑی ایک بنگلے کے احاطے میں پہنچ کر رک گئی۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ اس بنگلے کے باہر را ایجنسی والے کیا کارروائی کر رہے ہیں؟ وہ ایک جیوتی جھالر اُن سب کے گلے میں ہڈی کی طرح اٹک کر رہ گئی تھی۔ وہ جلد از جلد اسے اُگل دینا چاہتے تھے۔ بھنڈاری نے دیپک راٹھور کو ہدایت دیتے ہوئے کہا تھا۔ "بے شک۔ جیوتی کو نرک میں پہنچانا ہے۔ پر ہوشیار رہنا کہ اس وقت اسے کبھی نشانہ نہ بنایا جائے' جس وقت پھرہاد یا ہماری بیٹی نیہا اس کے قریب ہو۔"

دیپک نے جھنجلا کر کہا۔ "مگر وہ تو فرہاد سے الگ ہی نہیں ہو رہی ہے۔"

"صبر کے ساتھ مناسب وقت کا انتظار کرو۔ ہم بھی کر رہے ہیں۔"

پتا نہیں' اُنہیں کتنا انتظار کرنا تھا؟ فی الحال تو ہم گاڑی سے نکل کر بنگلے کے اندر چلے گئے تھے۔ اُن کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ آہنی گیٹ بند ہو چکا تھا۔

نیہا نے اندر آکر ماں سے کہا۔ "اب تو فرہاد کو چھوڑ دو۔"

وہ مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ "چھوڑنا ہی تو نہیں ہے۔ اب تو ساری جندگی اسے اپنے ساتھ رکھنا ہے۔ پر ابھی چھوڑنا ہوگا۔ چلو آؤ۔ میں تمہیں تمہارا کمرا دکھا دوں۔ تم اشنان کر کے پھر فریش ہو جاؤ۔"

وہ مجھے لے کر ایک کمرے میں آگئی۔ ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "اُدھر باتھ روم ہے۔ تم نہانے جاؤ۔ میں بھی جاتی ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے میرا بازو چھوڑ دیا۔ میں بڑی دیر بعد اس کے شکنجے سے آزاد ہوا تھا۔ دونوں بازو پھیلا کر ورزش کرنے کے انداز میں انہیں اوپر نیچے اور دائیں بائیں کرنے لگا۔ وہ جاتے جاتے رک گئی۔ مسکرا کر معنی خیز انداز میں بولی۔ "ایسے نہ کرو۔ میں جا نہیں پاؤں گی۔"

میں اس کا انداز دیکھ کر ایکدم سے ٹھٹک گیا۔ فوراً ہی دونوں بازو نیچے کر لیے۔ مجھے اس کی وہ بے باکی یاد آئی جو اُس نے دہلی ائیرپورٹ پر دکھائی تھی۔ میرے گلے لگتے ہوئے کہا تھا۔ "میرے کو پیار کرو۔"

وہاں لوگوں کے ہجوم میں اُس نے ایسا مطالبہ کیا تھا۔ میں نے کمزوری کا بہانہ کرکے اسے ٹال دیا تھا مگر اب تو تنہائی تھی۔ اس کی دی ہوئی گولی کھانے کے بعد کمزور بھی نہیں رہا تھا۔ ''یا خدا! یہ عذاب پھر میرے گلے نہ پڑ جائے۔''

میں فوراً ہی اس سے کترا کر اپنے بیگ کی طرف پلٹ گیا۔ اسے کھولتے ہوئے بولا۔ ''میں نہانے کے بعد ذرا دیر آرام کرنا چاہوں گا۔ پلیز۔ ڈسٹرب نہ کرنا۔''

''اتنا تو وشواس ہو رہا ہے کہ وہ تینوں جنم ساتھی کل اماوس کی رات سے پہلے تم سے کوئی دشمنی نہیں کریں گے۔ آج آدھی رات کے بعد میں پتا مہاراج سے تمہارے لیے بات کروں گی۔ وہی اُن تینوں کی بدھی سیدھی کریں گے اور تمہیں عمر بھر کے لیے میرے نام کردیں گے پھر کوئی تم سے دشمنی نہیں کرسکے گا۔''

میں نے ایک سوٹ نکال کر باتھ روم کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ''کل کیا ہونا ہے' یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔''

میں نے اندر جاکر دروازہ بند کرنا چاہا۔ وہ فوراً ہی قریب آکر اسے زبردستی کھولتے ہوئے بولی۔ ''اشنان کے بعد پہلے کچھ کھا پی لینا پھر آرام کرنا۔''

''نہیں۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔ ہوگی تو تمہیں بلالوں گا۔''

وہ بڑے ہی میٹھے انداز میں مسکرا کر بولی۔ ''جو گولی کھائی ہے' اُس سے بھوک تو ضرور لگے گی۔ مجھے بلاؤ گے تو دوڑی چلی آؤں گی۔ پر سات فیرے لینے سے پہلے بھوک مٹانے نہیں دوں گی۔''

اُف...! میرا جی کر رہا تھا' دیوار سے سر پھوڑلوں۔ میرے مقدر میں ایسی عورت بھی لکھی گئی تھی؟ وہ مسکراتی ہوئی پلٹ کر چلی گئی۔ میں نے دروازے کو احتجاجاً ایک زوردار آواز کے ساتھ بند کیا پھر شاور کے نیچے آگیا۔

میں بڑی دیر سے بلرام کی غیر موجودگی کو محسوس کر رہا تھا۔ وہ مجھے یہاں تک پہنچانے کے بعد دوسرے معاملات میں مصروف ہوگیا تھا۔ دوسرے دن اماوس کی رات تھی۔ میری بلی چڑھائی جانے والی تھی۔ اس سے پہلے وہ دُرگا ماں کی پوجا پاٹ کر رہا تھا۔

میرے معاملے میں جو رکاوٹیں پیش آرہی تھیں' انہیں دور کرنے کے لیے وہ دیوی ماں کو خوش کر رہا تھا۔ سات بکروں کی گردنیں اڑا کر اُن کے لہو سے اُس کی مورتی کو نہلا رہا تھا اور خود بھی لت پت ہو رہا تھا۔ اس کی بس ایک ہی تمنا تھی کہ جیوتی جیسی رکاوٹ دور ہو جائے اور وہ تانترک مہاراج کے قہر و غضب سے بھی محفوظ رہے۔ وہ بھنگ پی کر سنسکرت اور ہندی بھاشا میں نہ جانے کیا کچھ جھوم کر پڑھ رہا تھا۔

پوجا شروع کرنے سے پہلے اس نے بے اور بھنڈاری سے کہہ دیا تھا کہ وہ را ایجنسی کے افسران کے علاوہ وقفے وقفے سے میرے اندر بھی جاتے آتے رہیں۔ فی الحال وہ اُن مسلح افراد پر نظر رکھے ہوئے تھے' جنہیں بنگلے کے باہر الرٹ کیا گیا تھا۔ وقتاً فوقتاً را ایجنسی کے اعلیٰ افسران کے اندر بھی جا رہے تھے۔ دراصل یہ اندیشہ ان کے دماغوں سے نکل نہیں رہا تھا کہ وہ افسران بہت مکار ہیں۔ اچانک ہی انہیں کوئی دھوکا دے سکتے ہیں۔ کسی بھی مسلح شخص کو بنگلے کے اندر پہنچا کر میرا کام تمام کرسکتے ہیں پھر بعد میں وہ تینوں جنم ساتھی لکیر پیٹتے رہ جائیں گے۔

میں غسل کرتے کرتے ایکدم سے ٹھٹک گیا۔ دروازے پر دستک ہوئی تھی پھر نیہا کی آواز سنائی دی۔ ''فرہاد...! دروازہ کھولو۔''

میں نے کہا۔ ''تھوڑی دیر انتظار کرو۔ بس ابھی نہا کر نکلنے والا ہوں۔''

''نہیں۔ فوراً کھولو۔''

نہ جانے کیا ایمرجنسی ہوگئی تھی؟ میں نے شاور بند کرکے دروازے کو ایک ذرا سا کھولا پھر جھانک کر پوچھا۔

''کیا بات ہے؟''

میں سمجھ رہا تھا' کوئی پریشانی کی بات ہے۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہوں گی مگر وہاں تو میٹھی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اس نے کمرے کے دروازے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''جب سے آئے ہو' تنہائی میں بات کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ممی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑ رہی ہیں۔ ابھی وہ نہانے گئیں تو میں یہاں چلی آئی۔ سوچا! جلدی جلدی دو چار باتیں ہی کرلوں۔''

میں نے کہا۔ ''اس کنڈیشن میں کیا باتیں ہوں گی؟ مجھے نہا کر لباس پہننے دو پھر آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔''

''ارے نہیں پھر تو ممی آجائیں گی۔''

میں نے بیزار ہوکر پوچھا۔ ''اچھا کہو۔ کیا کہنا چاہتی ہو؟''

''دراصل ہم ماں بیٹی ایک دوسرے کو بہت چاہتی ہیں۔ بس ایک تمہارا معاملہ ایسا ہے' جس کی وجہ سے ہم دونوں میں ٹھن جاتی ہے۔ وہ تمہیں مجھ سے چھین لینا چاہتی ہیں۔ اس بڑھاپے میں تم سے بیاہ رچانا چاہتی ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''ہاں۔ یہ تو سراسر بے وقوفی والی بات ہے۔ بھلا ایک بوڑھے شخص سے شادی کرکے کیا فائدہ ہوگا؟''

وہ جلدی سے بولی۔ ''میں تمہیں نہیں' اپنی ماں کو بوڑھی بول رہی ہوں۔''

''ہاں ٹھیک ہے لیکن میں بھی کون سا گبھرو جوان ہوں؟''

وہ معنی خیز انداز میں مسکرا کر بولی۔ ''ممی نے جو گولی تمہیں کھلائی ہے' اسے کھانے کے بعد تم خود کو بوڑھا کہہ تو سکتے ہو مگر محسوس نہیں کرسکتے۔ تمہارا بڑھاپا اب ہاتھی کا دانت بن کر رہ گیا ہے۔''

وہ سچ بول رہی تھی۔ میں اپنے اندر انقلابی تبدیلیاں محسوس کر رہا تھا۔ مجھے خاموش دیکھ کر اس نے پوچھا۔ ''بولو؟ کیا میں غلط بول رہی ہوں؟''

میں نے کہا۔ ''تم درست کہہ رہی ہو لیکن یہ توانائی میرے کسی کام نہیں آئے گی۔''

''آئے گی۔ ہم دونوں کے کام آئے گی۔ تم مجھ سے شادی کروگے۔''

میں نے ٹھٹک کر پوچھا۔ ''شادی...؟ کیا پاگل ہوئی ہو؟ ایک تو میں تمہارے دادا کی عمر کا ہوں پھر یہ کہ صرف دو دنوں کا مہمان ہوں۔ کل اماوس کی رات تمہارے تینوں باپ دُرگا ماں کے چرنوں میں میرے لہو سے مجھے نہلانے والے ہیں۔''

''جانتی ہوں اور یہ بھی جانتی ہوں کہ ایسا نہیں ہوگا۔''

''یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟''

''میرے نانا مہاراج بڑے مہا گیانی ہیں۔ میں اُن سے بات کروں گی۔ وہ میرے تینوں پتاؤں کو سمجھائیں گے۔ اگر وہ نہیں سمجھیں گے' نانا مہاراج کی مرضی کے خلاف چلیں گے تو دُرگا دیوی ان کی بھگتی کو سویکار نہیں کرے گی۔ ان کے کالے جادو سمیت انہیں مار ڈالے گی۔''

''یہ بات تو تمہاری ماں نے بھی اُن سے کہی تھی۔''

''پھر تو یقین کرلو' تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ میری ماں دُرگا ماں کی پجاری ہے۔ بڑی شکتی مان ہے پھر نانا مہاراج کا آشرواد اُس کے ساتھ رہتا ہے۔''

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''جو بات مجھے سمجھا رہی ہو' اُسے خود بھی سمجھنے کی کوشش کرو۔ اگر وہ ایسی ہی شکتی مان ہے تو پھر یہ سمجھ لو کہ میں تمہارے اُن تینوں پتاؤں سے بچ بھی گیا تو جیوتی سے نہیں بچ پاؤں گا۔ وہ عمر بھر کے لیے مجھے اپنانا چاہتی ہے۔''

وہ ذرا پریشانی سے بولی۔ ''یہی تو مشکل ہے۔ وہ ہر معاملے میں میری خوشیوں کا خیال رکھتی ہیں مگر تمہارے معاملے میں بہت خود غرض ہیں۔ میری خوشی کے لیے بھی تمہیں نہیں چھوڑیں گی۔''

''جب یہ یقین ہے تو پھر کیوں میرے بارے میں سوچ کر اپنا وقت برباد کر رہی ہو؟ تم حسین ہو' جوان ہو' ہزاروں نوجوان تم پر مرتے ہوں گے۔ کسی بھی ہم عمر کو پسند...''

وہ میری بات کاٹ کر بولی۔ ''ہاں۔ کسی بھی ہم عمر لڑکے کو پسند کرکے اس سے شادی کرسکتی ہو وغیرہ وغیرہ...''

وہ قریب آکر دروازے پر ہاتھ رکھتے ہوئے میٹھے لہجے میں بولی۔ ''بے شک۔ مجھ پر ہزاروں نوجوان مرتے ہیں لیکن میں تم پر مرتی ہوں۔ یہ دل صرف تمہارے لیے دھڑکتا ہے اور اس کی ہر دھڑکن میں صرف تمہارا نام اُبھرتا ہے۔ اگر محبت کرنا یا نہ کرنا انسان کے بس میں ہوتا تو شاید میں اپنی ماں کی خوشی کے لیے تمہیں بھول جاتی۔''

میں جواباً کچھ کہنا چاہتا تھا۔ ایسے ہی وقت آہٹ سنائی دی۔ وہ فوراً ہی پلٹ کر جاتے ہوئے بولی۔ ''شاید وہ نہا کر نکل آئی ہیں۔ میں جاتی...''

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ جیوتی کھلے ہوئے دروازے پر دکھائی دے رہی تھی۔ بیٹی کو گھورتے ہوئے بولی۔ ''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟''

وہ تنک کر بولی۔ ''مہمان کی مہمانداری... اپنی کہو! تم تو نہانے گئی تھیں مگر تمہارے یہ خشک بال بتا رہے ہیں کہ فرہاد کی وجہ سے تمہارا خون خشک ہو رہا ہے۔ بوڑھے دماغ کو یہ خوف لاحق ہے کہ کہیں جوانی بازی نہ لے جائے۔''

وہ غصے سے بولی۔ ''بکواس نہ کرو۔ یہاں کوئی کھیل نہیں کھیلا جا رہا ہے جو جیت جانے کی بات کر رہی ہو۔''

ماں بیٹی میں پھر سے ''تو تو میں میں'' شروع ہوگئی تھی۔ میں نے بیزار ہوکر واش روم کا دروازہ بند کردیا۔ فی الحال یہ نہیں جانتا تھا کہ آئندہ میرے ساتھ کیا حالات پیش آنے والے ہیں؟ نہ جانے میں کب تک ان دونوں کے درمیان سینڈوچ بن کر رہنے والا تھا؟ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ دوسری رات یعنی اماوس کی رات وہ تینوں جنم ساتھی مجھے جیوتی سے چھین کر دُرگا ماں کے قدموں میں پہنچا سکیں گے یا نہیں...!

سونیا نے اپنا خواب بیان کرتے ہوئے بتایا تھا کہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے۔ ''ہم روحانی علوم میں مہارت رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے بھید کو اور اس کے بدلتے ہوئے فیصلوں کو سمجھ نہیں پاتے۔ اپنی محدود معلومات کے مطابق پیشگوئیاں کرتے ہیں' جو اکثر درست ہوتی ہیں اور کچھ تشنہ رہ جاتی ہیں۔ فرہاد کی وفات کے سلسلے میں میری پیشگوئی تشنہ رہے گی۔ مکمل نہیں ہو پائے گی۔''

انہوں نے واضح طور پر بشارت دے دی تھی کہ فی الحال میری موت ٹل گئی ہے۔ اعلیٰ حضرت کی تازہ ترین پیشگوئی سے تو یہی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ تینوں جنم ساتھی میرے خلاف کچھ کر نہیں پائیں گے مگر اس ہونی اور

انہونی کے درمیان کیا کچھ ہونے والا تھا یہ تو آنے والا وقت ہی بتا سکتا تھا۔

وہ تین جنم ساتھی ہی نہیں، را ایجنسی کے اعلیٰ افسران بھی میری تاک میں تھے۔ ان تینوں کے پاس ٹیلی پیتھی کے علاوہ کالے جادو کا ہتھیار تھا اور را والوں کے پاس طاقت اور اقتدار تھا۔ میرے وہ سب ہی دشمن زبردست تھے اور قسمت نے جیسے مجھے ان کی گود میں لا کر بٹھا دیا تھا۔ فی الوقت بچاؤ کی کوئی صورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اگر میں ایک طرف سے بچ بھی جاتا تو دوسری طرف سے پھنسنے والا تھا۔

اُدھر را ایجنسی کے افسران پر ایک ایک لمحہ بھاری پڑ رہا تھا۔ دیپک راٹھور نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھ کر کہا۔ "پتا نہیں، وہ بڑھیا کب ہمارے نشانے پر آئے گی؟ جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا ہے، پریشانی بڑھتی جا رہی ہے۔ ایسا لگ رہا ہے، جیسے اس بنگلے کے اندر فرہاد اپنی سلامتی کے لیے راہیں ہموار کر رہا ہے۔"

بھنڈاری نے ایک اعلیٰ افسر کے ذریعے کہا۔ "بے شک۔ وہ بنگلے کے اندر ہے۔ تمہاری نجروں سے اوجھل ہے۔ پر ہم سے اوجھل نہیں ہو سکتا۔ ہم دیکھ رہے ہیں۔ اس کے کھیالات پڑھ رہے ہیں۔ اس کے سگے ٹیلی پیتھی جاننے والے بھی اس کے اندر نہیں آ سکتے۔ اُس ٹیلی پیتھی کے شہنشاہ کے دماگ پر صرف اور صرف ہمارا راج ہے۔ پر یہ بات تم لوگوں کی بدھی میں بیٹھتی ہی نہیں ہے۔"

جے نے دوسرے افسر کے ذریعے کہا۔ "اس سے تو یہی معلوم پڑتا ہے کہ تم کو ہماری ٹیلی پیتھی پر اور ہمارے کالے جادو کی تاکت پر بھروسا نہیں ہے۔"

ایک افسر نے کہا۔ "بھروسا ہے مگر فرہاد کا معاملہ ایسا ہے کہ ہم بری طرح الجھے ہوئے ہیں۔"

بھنڈاری نے کہا۔ "اصل میں وہ تم لوگوں کے لیے آدمی نہیں ہے۔ ایک کھوف ہے، ڈر ہے، جو تم لوگوں کے دماگوں پر چھایا ہوا ہے اور یہ ڈر تب ہی تمہارے اندر سے نکلے گا، جب ڈرگا ماں کے چرنوں میں اُس کی جان نکلے گی۔"

دیپک راٹھور نے کہا۔ "ٹھیک کہتے ہو۔ شاید ہم اس سے خوفزدہ ہیں۔ یا شاید نہیں ہیں۔ اصل میں ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس بار کیا ہونے والا ہے؟"

جے نے کہا۔ "وہ کوئی جن بھوت نہیں ہے۔ انسان ہے اور سب ہی جانتے ہیں، ہر انسان کو ایک نہ ایک دن مرنا ہے اور اس کا وہ ایک دن کل پورا ہونے والا ہے۔"

دیپک راٹھور نے کہا۔ "ماضی میں نہ جانے کتنی بار اُس پر جان لیوا حملے ہوتے رہے؟ دنیا بھر کی بڑی بڑی خطرناک تنظیموں نے اسے جہنم رسید کرنا چاہا۔ پوری انڈر ورلڈ مافیا اس کے پیچھے ہے۔ اس دنیا کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ انڈر ورلڈ مافیا جس کے پیچھے پڑ جاتی ہے، اسے کہیں پناہ نہیں ملتی۔ شکار پاتال میں جا کر بھی چھپ جائے، تب بھی وہ اپنے نام کی گولی سے بچ نہیں پاتا لیکن فرہاد کے ساتھ نہ جانے کیسی طاقتیں ہیں؟ وہ کیسا شکتی مان ہے کہ....."

بھنڈاری نے اس کی بات کاٹ کرنا گواری سے کہا۔ "اسے شکتی مان کہہ کر ہمارا اپمان نہ کرو۔ وہ ایسا ہی شکتی والا ہوتا تو آج اس کا دماگ ہماری مٹھی میں نہ ہوتا۔ اصل میں وہ نوٹنکی ہے۔ ایک دن معلوم ہوتا ہے، وہ مرنے والا ہے۔ پر دوسرے دن پتا چلتا ہے، وہ دشمنوں کے دماگوں میں گھس کر ان کے ہوش اڑا رہا ہے۔"

"ہاں۔ یہی تو ہوتا ہے۔"

بھنڈاری نے کہا۔ "ہوتا نہیں ہے، ایسا دکھایا جاتا ہے۔ اب جرا میری بات دھیان سے سنو۔ ہم پھرہاد کے دماگ میں گئے تو ہم نے دیکھا، وہ بستر پر بیمار پڑا ہے۔ دماگ اتنا کجور ہے کہ وہ آسانی سے ہمارا معمول بن گیا پھر ہم امریکی اکابرین کے پاس گئے تو معلوم ہوا، وہاں وہ بول رہا ہے۔ سپر پاور کو کھوب چیلنج کر رہا ہے۔ جبکہ ہم جانتے تھے کہ وہ تو بولنے کے قابل بھی نہیں ہے۔ اس بیمار کے دماگ نے ہم کو بتایا کہ بیٹے نے باپ کی جگہ سنبھال رکھی ہے۔ اگر نہ جانتے ہوتے تو کیا سمجھتے.....؟"

وہ تمام افسران بڑی توجہ سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ ایک اعلیٰ افسر نے اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "بے شک۔ یہی سمجھتے کہ فرہاد اکابرین کے درمیان پہنچا ہوا ہے۔"

بھنڈاری نے کہا۔ "ہاں۔ اب تم لوگوں کی سمجھ میں آئی اس کی نوٹنکی...؟ وہ جب گھائل ہو کر میدان میں گرتا ہے یا بیمار ہوتا ہے تو اپنی کسی ڈمی کو منظر عام پر لے آتا ہے۔ اس طرح تم جیسے سب ہی لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پھرہاد کے پاس نہ جانے کیسی شکتی ہے؟ وہ مرتے مرتے کبھی نہیں مرتا۔"

دیپک راٹھور نے قائل ہو کر کہا۔ "تم درست کہتے ہو۔"

"ارے ہم بھول چوک کرتے ہی کب ہیں؟ جب بولتے ہیں، بالکل ٹھیک بولتے ہیں۔"

ایک افسر نے کچھ سوچ کر بھنڈاری سے کہا۔ "ہم احمقوں کی طرح جیوتی کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہمارا وقت برباد ہو رہا ہے۔ کیا تم اسے غائب دماغ بنا کر ہمارے نشانے پر نہیں لا سکتے؟"

دیپک راٹھور نے قائل ہو کر کہا۔ "ہاں۔ تم لوگ یہ کر سکتے ہو۔"

وہ بولا۔ "اگر ایسا کچھ کر سکتے ہوتے تو دہلی ایئرپورٹ پر ہی اسے پھرہاد سے دور کر دیا جاتا۔ ہم اس کے دماگ کو جکڑ کے اپنی من مانی کرنا چاہیں گے تو تانترک مہاراج کو کھبر ہو جائے گی۔ جبکہ ہم کبھی بھی مہاراج کی دشمنی مول لینا نہیں چاہتے۔ اسی لیے تو آج تک ہم اس عورت سے کتراتے رہے ہیں۔"

وہاں ان کے درمیان مذاکرات ہو رہے تھے اور یہاں ماں بیٹی کے درمیان سرد جنگ چل رہی تھی۔ مجھے آرام کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن میں نے ان سے ذرا دیر نجات پانے کے لیے کہا تھا کہ آرام کرنا چاہتا ہوں۔ دراصل میں اپنے اندر کی بدلتی ہوئی کیفیت کو سمجھنا چاہتا تھا۔

یہ بھی آزمانا چاہتا تھا کہ مجھے جو توانائی مل رہی ہے، اس کے نتیجے میں میرا ذہن کس حد تک صحت مند ہوا ہے؟ کیا میں خیال خوانی کی پرواز کر سکوں گا؟ یہ تو اچھی طرح جانتا تھا کہ ان جنم ساتھیوں کا معمول اور تابعدار ہوں۔ ان کی مرضی کے خلاف کچھ کر نہیں پاؤں گا۔ تقریباً میری پوری زندگی خیال خوانی کرتے ہوئے گزری ہے۔ یہ صلاحیت جیسے میری رگوں میں لہو کی طرح دوڑتی رہتی ہے۔ ایک ذرا توانائی ملتے ہی جی چاہتا ہے، خیال خوانی کی قلانچیں بھرنے لگوں۔ اس وقت بھی میری کچھ ایسی ہی حالت تھی۔

میں نے اپنی بیماری کی ابتدا میں کئی بار خیال خوانی کی کوششیں کیں۔ کامیاب بھی ہوتا رہا اور ناکام ہو کر ہانپتا بھی رہا مگر ان لمحات میں یقین ہو رہا تھا کہ جسم کے ساتھ ساتھ دماغ بھی توانا ہو گیا ہے، لہٰذا خیال خوانی کی اڑان بھرنے میں رکاوٹ پیش نہیں آئے گی۔ بس وہ تینوں جنم ساتھی ہی رکاوٹ بننے والے تھے پھر بھی دل کہہ رہا تھا کہ کوشش کرو..... آزما کر تو دیکھو.....!

ان ماں بیٹی نے میری مرضی کے مطابق مجھے تنہا چھوڑ دیا تھا۔ میں تھوڑی دیر تک ٹہلتا رہا پھر ایک کرسی پر آرام سے بیٹھ گیا۔ سب سے پہلے سونیا سے رابطہ کرنا چاہتا تھا۔ میں اچانک اور غیر متوقع طور پر شاہدرہ والے مکان سے غائب ہو گیا تھا۔ وہ یقیناً پریشان ہو رہی ہو گی۔ میں اسے اپنے حالات سے باخبر کرنا چاہتا تھا۔

میں نے ایک گہری سانس لی پھر اس کی آواز اور لب و لہجہ کو گرفت میں لے کر خیال خوانی کی چھلانگ لگانی چاہی مگر حیران رہ گیا۔ ایک ایسی انہونی ہو گئی، جس کے بارے میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ یا حیرت.....! وہ سونیا، جو میری جانِ حیات تھی، میری دھڑکن تھی، مجھے اس کا لب و لہجہ یاد نہیں آ رہا تھا۔

"یا خدا! یہ کیا ہو رہا ہے؟ مجھے اپنے ماضی کی ایک ایک بات یاد ہے۔ بابا صاحب کا ادارہ، وہاں کے لوگ، میرے بچے، بچوں کے بچے، دوست، دشمن سب ہی تو یاد ہیں پھر سونیا کی آواز اور لب و لہجہ کیوں یاد نہیں آ رہا ہے؟"

میں نے کبریا کے اندر پہنچنا چاہا تو معلوم ہوا، اس کا لب و لہجہ بھی بھول چکا ہوں۔ میں نے باری باری اپنی فیملی کے ایک ایک فرد کے اندر پہنچنا چاہا مگر خیال خوانی کی اڑان بھرنے سے پہلے ہی ناکامی ہوتی رہی۔ میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ ذہنی اور جسمانی توانائی حاصل کرنے کے باوجود خود کو بے دست و پا محسوس کر رہا تھا۔

ایسے ہی وقت میرے دماغ میں بھنڈاری کا قہقہہ گونجا۔ میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ساری بات سمجھ میں آ گئی تھی۔ وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "کیا ہوا پھرہاد جی! ایک جرا توانائی ملتے ہی اپنی اوقات بھول گئے؟ کھد کو پاور پھل سمجھنے لگے۔ کیا سمجھ رہے تھے؟ ہم تمہاری طرف سے بے پرواہ ہو گئے ہیں۔ ٹیلی پیتھی کی اڑان بھرنا چاہتے تھے۔ پھڑ پھڑا کر رہ گئے ناں.....؟"

میں نے جواباً کچھ نہ کہا۔ وہ بولا۔ "ہاں بھئی! ٹیلی پیتھی کے شہنشاہ کہلاتے تھے۔ راج پاٹ کا نشہ اور گھمنڈ اترتے اترتے اترے گا۔ جب بندروں کی طرح چھلانگیں لگاتے رہو گے اور کسی دماگ کی ڈال پر لٹک نہیں پاؤ گے، تب وشواس ہو گا کہ ہیرو سے جیرو ہو چکے ہو۔"

وہ مجھ سے بول رہا تھا۔ ایسے ہی وقت دروازے پر دستک سنائی دی۔ وہ ہنس کر بولا۔ "لو آ گئی جیوتی... تمہاری جوت جگانے..."

میں نے کہا۔ "بہت ہی بے غیرت آدمی ہو۔ تمہاری بیوی اور بیٹی میرے لیے مچل رہی ہیں، مجھے حاصل کرنے کے لیے لڑ رہی ہیں اور تم تماشا دیکھ رہے ہو؟"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ جیوتی نے دروازہ کھول کر جھانکتے ہوئے کہا۔ "ارے... تم سوئے نہیں؟"

وہ دروازے کو پوری طرح کھولتی ہوئی اندر آ گئی۔ "تم نے تو کہا تھا، آرام کرنا چاہتے ہو پھر یہاں کیوں بیٹھے ہو؟"

میں نے کہا۔ "ضروری تو نہیں کہ بستر پر لیٹ کر ہی آرام کیا جائے۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "ویسے بھی تم نے جو گولی کھائی ہے، وہ تمہیں آرام سے لیٹنے نہیں دے گی۔"

نیہا نے کمرے میں آتے ہوئے کہا۔ ''تم نے کہا تھا' فرہاد کو آرام کرنا ہے۔ اسے ڈسٹرب نہ کروں۔ مجھے منع کر کے خود کیوں یہاں پہنچی ہوئی ہو؟''

وہ اسے ڈپٹ کر بولی۔ ''میری اماں نہ بنو۔''

''تم اماں والے کام کرو تو مجھے کیوں اماں بننا پڑے؟''

''اماں والے کام ہی تو کر رہی ہوں۔ تمہارے لیے ایک نیا باپ گھر لے کر آئی ہوں۔ جوان جہان بیٹی کا ساتھ ہے۔ اس گھر کے لیے ایک مرد کی جرورت تھی۔''

''ایک مرد کی ضرورت جمائی کی صورت میں بھی پوری ہو سکتی ہے۔''

جیوتی نے پاؤں پٹخ کر کہا۔ ''میں پچھلے پندرہ برسوں سے اس کے نام کی مالا جپتی رہی ہوں۔ یہ میرے من مندر میں دیوتا سمان سجا رہتا ہے۔ میں نے دن رات اس کی پوجا کی ہے۔ اتنی تپسیا کے اور انتجار کے بعد یہ مجھے مل رہا ہے۔ میں اسے کھونے نہیں دوں گی۔''

میں سر تھامے چپ چاپ بیٹھا ہوا تھا۔ نیہا نے کہا۔ ''میں بھی جب سے جوان ہوئی ہوں' صرف اسی کے سپنے دیکھتی رہی ہوں۔ میرے من کے درپن میں سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہے۔ اگر تم یہ دعویٰ کرتی ہو کہ تمہاری محبت پندرہ برس پرانی ہے تو اس کا بھی حساب دو کہ پندرہ برس پہلے تمہارے من مندر میں کون سا دیوتا سجا رہتا تھا' جس کی پوجا کرتی رہی ہو اور مالا جپتی رہی ہو؟''

اس نے بیٹی کو گھور کر دیکھا۔ وہ بولی۔ ''ارے تم نے ایک کو نہیں' تین تین مردوں کو اپنا دیوتا بنا رکھا تھا اور اب فرہاد پر ڈورے ڈال رہی ہو۔ جبکہ میں کوری کنواری ہوں۔ میرے جیون میں اب تک کوئی مرد نہیں آیا ہے۔ ایک یہ فرہاد ہی ہے۔ کیا بیٹی کی پہلی اور آخری محبت سمجھ کر اسے چھوڑ نہیں سکتیں؟''

وہ غصے سے بولی۔ ''منہ سنبھال کے بات کرو۔ جے بلرام بھنڈاری تمہارے پتا ہیں اور یہ بات تم جانتی ہو کہ وہ تین الگ الگ نہیں ہیں۔ بلکہ ایک ہی آتما کے تین روپ ہیں۔''

''وہ ایک ہوں یا تین... مگر عورت کے جیون میں بس ایک ہی مرد اس کے من مندر کا دیوتا بننے آتا ہے۔''

وہ تیز لہجے میں بولی۔ ''تم پھر ہاد کے سامنے میرے کو گرانا چاہتی ہو۔ میرے کو سیکنڈ ہینڈ جتا کر اپنی اہمیت جتانا چاہتی ہو۔''

''تم میری ماں ہو۔ میں تو کبھی سپنے میں بھی ایسا نہیں سوچ سکتی۔ میں تو صرف تمہیں سمجھا رہی ہوں۔''

''میرے کو سمجھانے کے بجائے' اپنے آپ کو سمجھاؤ۔ ماں سے ہٹ دھرمی نہ کرو۔''

نیہا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میرا پیار' میری ضد فرہاد ہے۔''

جیوتی جواباً کچھ کہنا چاہتی تھی۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اُن کی تکرار سے تنگ آ چکا تھا۔ میں نے تیز لہجے میں کہا۔ ''تمہیں تمہارے بھگوان کا واسطہ... چپ ہو جاؤ۔ یہ کیسی چاہت ہے؟ کیسی محبت ہے؟ تم ایک بیٹی کی ماں ہو۔ میری بھی جوان اولادیں ہیں۔ اولادوں کی بھی اولادیں ہو چکی ہیں۔ میں دادا اور نانا بن چکا ہوں۔ ہم عمر کے جس دور سے گزر رہے ہیں' جن رشتوں کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ کیا ان رشتوں کا تقدس' ان کا احترام ہمیں اجازت دیتا ہے کہ ہم جوانوں جیسی جذباتی محبت کریں؟''

وہ بولی۔ ''لیکن محبت تو کی نہیں جاتی۔ ہو جاتی ہے۔''

''بے شک۔ میں اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہوں لیکن اس بات کو ذرا اس طرح سمجھو کہ جب کسی کو شوگر کی بیماری ہوتی ہے تو وہ چینی سے پرہیز کرنے لگتا ہے۔ جبکہ اس کا دل چاہتا ہے کہ وہ میٹھی چیزیں کھاتا رہے۔''

وہ جلدی سے بولی۔ ''میرے کو سوگر نہیں ہے۔''

میں نے کہا۔ ''ہم دونوں کو شوگر نہیں ہے لیکن ہمیں ایک دائمی بیماری لگ چکی ہے۔ اور اس بیماری کا نام بڑھاپا ہے اور بڑھاپا مستقل پرہیز ہے۔ دل جوان ہو تو اس عمر میں بھی بہت کچھ کرنے کو جی کرتا ہے لیکن ہماری تہذیب اور عمر کا بھرم ہمیں روکتا ہے۔ تب ہم پرہیز کرتے ہیں۔ اپنی نفسانی خواہشات کو پرے دھکیل کر اپنی عمر کے حساب سے زندگی گزارتے ہیں۔ ورنہ تماشا بن جاتے ہیں۔''

نیہا نے ماں کو دیکھا پھر کہا۔ ''شاید میری باتیں تمہاری سمجھ میں نہ آتی ہوں لیکن اب فرہاد سمجھا رہے ہیں تو میرا خیال ہے' سمجھ رہی ہو گی۔''

میں نے نیہا سے کہا۔ ''میں صرف تمہاری ماں کو نہیں' تمہیں بھی سمجھا رہا ہوں۔ اپنے جذبات کو اور اپنی محبت کو کسی جوان محبوب کے لیے سنبھال کر رکھو۔''

وہ بولی۔ ''ماں سے پوچھ لو! میں نے اپنے آپ کو صرف تمہارے لیے سنبھال کے رکھا ہے۔ میں تمہیں اپنی زندگی میں لاؤں گی۔ ورنہ کسی کی زندگی میں نہیں جاؤں گی۔''

''تم بھی اپنی ماں کی طرح ضد کر رہی ہو۔''

''تم اسے کچھ بھی سمجھو لیکن میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ تم سے محبت کر رہی ہوں اور آخری سانس تک کرتی رہوں گی۔''

میں نے کہا۔ ''میری سانسیں تو کل پوری ہونے والی ہیں۔''

”یہ تم سمجھ رہے ہو۔“

”مجھے تو سمجھنا ہوگا۔ کیونکہ میرے حالات یہی سمجھا رہے ہیں۔“

”ہونی کو انہونی اور انہونی کو ہونی ہوتے دیر نہیں لگتی۔“

میں نے کہا۔ ”فی الحال مسئلہ میری موت کا نہیں ہے۔ تم دونوں کی زندگی کا ہے۔ جیوتی نے محبت کرنے کے لیے وقت کا انتخاب درست نہیں کیا اور تم نے محبوب کا...“

جیوتی بڑی دیر سے چپ تھی۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ”ہم ماں بیٹی معلوم نہیں کتنے سالوں سے تمہارے لیے لڑتی آرہی ہیں اور نہ جانے کب تک لڑتی رہیں گی؟“

میں نے کہا۔ ”اب اس لڑائی کو ختم کردو۔“

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ ”تم ہماری وہ جنگ ہو جس کا کوئی انت نہیں ہے۔“

”کرنا چاہو گی تو اختتام ہو جائے گا۔“

وہ الجھ کر بولی۔ ”کھالی میرے کو کیوں سمجھا رہے ہو؟ اس کو بھی سمجھاؤ ناں...“

”میں دونوں کو سمجھا رہا ہوں۔“

نیہا نے ایک ذرا ادا سے بل کھا کر منہ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”میں نہیں سمجھوں گی۔“

جیوتی نے پاؤں پٹخ کر اس کی طرف سے منہ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”تو میں بھی نہیں سمجھوں گی۔“

میں نے جھنجلا کر انہیں دیکھا پھر کہا۔ ”پتا نہیں، تم دونوں کون سی محبت کا دعویٰ کرتی ہو؟ میں اپنے سنگین معاملات میں الجھا ہوا ہوں۔ دشمن میرے اندر پہنچ کر مجھے موت کی دہلیز تک لے جا رہے ہیں اور تم دونوں محبت و عشق کے چکر میں پڑی ہوئی ہو۔ میرے حالات کو سمجھنے کے بجائے مجھے مزید الجھا رہی ہو۔“

نیہا نے کہا۔ ”تم پریشان مت ہو۔ میرے نانا مہاراج سارا معاملہ سنبھال لیں گے۔“

جیوتی نے جلدی سے کہا۔ ”وہ تمہارے نانا بعد میں اور میرے پتا پہلے ہیں۔“

پھر وہ میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ”تم چنتا نہ کرو۔ پتا جی ابھی دھیان گیان میں لگے ہوئے ہیں۔ آدھی رات کے بعد میں اُن سے بات کروں گی۔“

نیہا نے کہا۔ ”میں بھی کروں گی۔“

میں نے بیزار ہو کر انہیں دیکھا۔ جیوتی نے کہا۔ ”میں تمہارے حالات کو سمجھ رہی ہوں۔ پر دل کو کیسے سمجھاؤں؟ کل رات تم کو نیا جیون ملے گا۔ میں چاہتی ہوں، ہم...“

اس نے کن انکھیوں سے بیٹی کو دیکھا پھر کہا۔ ”میں چاہتی ہوں۔ میں بھی تم کو مل جاؤں۔“

نیہا نے تقریباً چلا کر کہا۔ ”نہیں۔ فرہاد ایسا نہیں کرے گا۔“

میں نے کہا۔ ”میں واقعی ایسا نہیں کروں گا۔ شاید میری باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئی ہیں۔ میری پہلے ہی دو بیویاں ہیں اور میں ان کے ساتھ بہت خوش ہوں۔“

جیوتی نے کہا۔ ”میں بھی تم کو بہت سارا سکھ دوں گی اور دو ہیں تو کیا ہوا؟ تم لوگوں کے دین نے تو مردوں کو چار چار بیاہ رچانے کی آجادی دے رکھی ہے۔“

نیہا نے کہا۔ ”اور اس کی تیسری دھرم پتنی میں بنوں گی۔“

اس نے بیٹی کو گھورا۔ میں نے نیہا کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ”خدا کے لیے... مجھے بخش دو۔ ایسی باتیں نہ کرو۔“

جیوتی نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ”تم اس کی باتوں پر دھیان نہ دو۔ یہ تو نادان ہے۔“

وہ جھٹ سے بولی۔ ”اور تم سمجھدار ہو کے نادانی کی باتیں کر رہی ہو۔ یہ تم سے شادی نہیں کرے گا۔“

”میں کسی سے بھی شادی نہیں کروں گا۔“

جیوتی نے سوچنے کے انداز میں سر ہلا کر کہا۔ ”کسی ایک سے تو کرنی پڑے گی۔ اگر میں تم کو بولوں کہ ہم میں سے کسی ایک کو چن لو تو....؟“

نیہا نے ٹھٹک کر ماں کو دیکھا پھر سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے کہا۔ ”مجھے کسی الجھن میں نہ ڈالو۔“

”میں تو تم کو الجھن سے نکال رہی ہوں۔ اگر تم نے کوئی فیصلہ نہ کیا تو ہم اسی طرح لڑتی جھگڑتی رہیں گی۔“

میں نے کہا۔ ”عقلمندی سے آپس میں صلح کرلو۔“

اس نے اپنے گریبان میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ ”صلح کا تو بس ایک ہی راستہ ہے۔“

اس نے گریبان سے ہاتھ نکال کر میرے سامنے کیا۔ کھلی ہوئی ہتھیلی پر سندور کی ڈبیا رکھی ہوئی تھی۔ نیہا نے حیران ہو کر ڈبیا کو دیکھا۔ جیوتی نے مجھ سے کہا۔ ”ابھی اسی سے ہم میں سے کسی کی بھی مانگ بھر کے اسے اپنی دھرم پتنی سویکار کرو۔“

میں نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ ”یہ کیا مذاق ہے؟“

”یہ کوئی دل لگی نہیں ہے۔ دل کی لگی ہے۔“

نیہا کسی الجھن میں مبتلا تھی۔ اپنی ہتھیلیاں رگڑ رہی تھی۔ مجھے ایسے دیکھ رہی تھی، جیسے کچھ کہنا چاہتی ہو، یا پھر نگاہوں ہی نگاہوں میں سمجھانا چاہتی ہو کہ میں چٹکی بھر سندور سے اس کی مانگ کو سجا دوں۔ جیوتی نے کہا۔ ”سوچتے کیا ہو؟ لو سندور اور کسی ایک کی مانگ کو سجا دو۔“

میں تذبذب میں تھا۔ ”تم دونوں بہت اچھی ہو۔ میری سلامتی چاہتی ہو۔“

”اچھی تو ہم ہیں۔ تمہاری سلامتی بھی چاہتی ہیں۔“

”دراصل۔ میں کسی کا دل دُکھانا نہیں چاہتا۔“

جیوتی نے بیٹی کی طرف دیکھا پھر ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ”کسی ایک کے دل کو تو درد سہنا ہی ہوگا۔“

میں نے پوچھا۔ ”یہ زبردستی کا بندھن کیا ضروری ہے؟“

”بہت جروری ہے۔ سمے برباد نہ کرو۔ میرے پتا مہاراج نے کہا ہے، تم مجھ سے شادی کرو گے تو ان کے داماد بنو گے۔ نیہا سے کرو گے تو نواسے داماد کہلاؤ گے۔ ہر طرح سے ان کے رشتے دار بن جاؤ گے پھر وہ کبھی تمہاری بلی نہیں چڑھانے دیں گے۔“

نیہا نے کہا۔ ”میرے پتا جے بلرام بھنڈاری اتنے شکتی والے ہیں کہ انہیں نانا مہاراج ہی روک سکتے ہیں۔ ورنہ تمہیں دنیا کی کوئی طاقت بچا نہیں سکے گی۔“

جیوتی نے کہا۔ ”تم یہ دیکھ رہے ہو، ہم ماں بیٹی تمہارے پیچھے پڑ گئی ہیں مگر تم بھی اپنی سلامتی کو سمجھو۔ ہم سے رشتہ جوڑ کے ہی ہمارے ساتھ لمبی جندگی بتا سکو گے۔“

میں نے پریشان ہو کر نیہا کو دیکھا۔ عجیب الجھن تھی۔ میں نہ تو نیہا کو اپنانا چاہتا تھا اور نہ ہی جیوتی کو... ان کے کہنے کے مطابق تانترک مہاراج کا رشتہ دار بن کر ہی مجھے سلامتی مل سکتی تھی لیکن میرا ایمان ہے کہ مجھے بچانے والا صرف میرا خدا ہے اور وہی مجھے سلامتی دے گا۔

ابھی میں یہ نہیں جانتا تھا کہ آئندہ میرے حالات مجھے کہاں سے کہاں پہنچانے والے تھے؟ کیسے خارزار راستوں پر بھٹکانے والے تھے؟ فی الحال میرا مستقبل اندھیرے میں تھا۔ یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ کل رات کے بعد زندگی کا سورج دیکھ بھی پاؤں گا یا نہیں؟ ایسے میں کوئی بھی نیا رشتہ قائم کرنا سراسر بیوقوفی ہوتی۔ بلکہ میرے لیے تو ناممکن تھا مگر وہ ماں بیٹی تو ناممکن کو ممکن بنانے پر تلی ہوئی تھیں۔

نیہا نے کہا۔ ”ماں جی ٹھیک کہہ رہی ہیں فرہاد! تم ہی ہمارے جھگڑے کا درست فیصلہ کر سکتے ہو۔“

”میرا تو یہی فیصلہ ہے کہ تم دونوں مجھے بھول جاؤ۔“

نیہا نے کہا۔ ”ایسی بات نہ کرو جو ناممکن ہو۔“

جیوتی نے بیٹی کو دیکھا پھر سندور کی ڈبیا میرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔ ”ارے۔ میرے کو تو دھیان ہی نہ رہا۔ میں اپنے لیے ایک لال چنریا لائی تھی۔ سوچا تھا، سہاگن بنتے سے اوڑھوں گی۔ تمہارے سامنے گھونگھٹ نکالوں گی۔ وہ الماری میں رکھی ہے۔ ابھی لائی۔ بس ابھی گئی اور ابھی آئی۔“

وہ پلٹ کر تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

نیہا نے فوراً ہی قریب آکر میرا ہاتھ تھام کر کہا۔ ”فرہاد! بھگوان کے لیے مجھے اپنا لو۔ میں تمہاری داسی بن کے رہوں گی۔ میری ماں آدھی سے زیادہ عمر گزار چکی ہے۔ اس نے محبت بھی کی اور ایک سہاگن کی خوشیاں بھی حاصل کرتی رہی اور میں نے....“

میں نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کچھ کہنا چاہا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ”میں نے اب تک محبت کی اور محبوب کی خوشیوں کو محسوس تو کیا ہے مگر کبھی ان مسرتوں کو حاصل نہ کرسکی۔ ہر لڑکی کے دل میں ارمان ہوتے ہیں کہ وہ چاہی جائے۔ دل سے چاہی جائے۔ میں نے تمہیں چاہا۔ تم ہی کو اپنا محبوب مانا مگر اتنے دل سے، اتنی لگن سے چاہنے کے باوجود آج تمہارے سامنے آنے کے بعد بھی تمہاری چاہت کے لیے ترس رہی ہوں۔ صرف اس لیے کہ مجھے پیدا کرنے والی ماں میری خوشیوں میں رکاوٹ بن رہی ہے۔“

میں نے کہا۔ ”بات یہ نہیں ہے۔ تم میرے حالات جانتی ہو پھر میری اور اپنی عمر کے فرق کو سمجھو۔ میں.....“

وہ میری بات کاٹ کر بولی۔ ”عمر کا فرق نہ سمجھاؤ۔ میں نے ان چند گھنٹوں کی ملاقات میں تمہاری آنکھوں کو پڑھا ہے۔ تمہارے ایک ایک انداز کو سمجھتی رہی ہوں۔ اگر کسی کو پانے کی تمنا کا حساب عمر سے ہوتا تو تم بھی مجھے ایسی نظروں سے نہ دیکھتے۔“

میں نے ہچکچا کر اسے دیکھا پھر پوچھا۔ ”کیسی نظروں سے؟“

وہ میرے ہاتھ کو تھام کر بولی۔ ”تم بظاہر بوڑھے ہو مگر یہ نگاہیں بتاتی ہیں کہ تمہارے اندر خواہشیں جوان ہیں۔ میں نے ان نگاہوں میں اپنی ماں کے لیے بیزاری بھی دیکھی ہے۔ اتنا تو سمجھتی ہوں کہ مرد بڑھاپے میں بھی باسی ہانڈی چکھنا نہیں چاہتا۔ بولو! کیا میرا اندازہ غلط ہے؟“

میں نے ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔ ”بے شک۔ تم سچ بول رہی ہو مگر اُن الفاظ کو بھی یاد کرو جو ابھی میں نے تمہاری ماں سے کہے کہ دل جوان ہو تو بڑھاپے میں بھی بہت کچھ کرنے کو جی کرتا ہے لیکن ہماری تہذیب اور عمر کا بھرم ہمیں روکتا ہے۔“

”میں تمہاری ہسٹری جانتی ہوں۔ تم وہ شخص ہو، جو اپنے معاملات میں کبھی کسی کے روکے سے نہیں رکتے۔ ہاں قدرت رکاوٹ پیدا کردے تو اور بات ہے۔ تم نے اپنی

زندگی میں سیکڑوں من مانیاں کی ہیں۔ کبھی کسی کی پروانہیں کی۔ آج بھی نہ کرو۔ مت سوچو کہ تم بوڑھے ہو۔ دادا اور نانا بن چکے ہو۔ صرف اتنا دیکھو اور سمجھو کہ یہ نیہا تمہیں چاہتی ہے۔ اگر بھگوان مجھے اس وقت تم سے ملواتا' جب تم بستر مرگ پر ہوتے' میں تب بھی تمہیں اپنا لیتی۔''

جیوتی اب تک واپس نہیں آئی تھی۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا پھر کہا۔ ''بھگوان ہمیں موقع دے رہا ہے۔ چٹکی بھر سندور سے میری مانگ سجا دو۔ مجھے اپنا بنا لو... پلیز۔ فرہاد!''

میں نے سوچتی ہوئی نظروں سے دروازے کو دیکھا۔

وہ میرے اور قریب ہو کر بولی۔ ''کاش! میری ماں خوشی خوشی تمہیں میری جھولی میں ڈال دیتی۔ مجھے اس کا آشرواد نصیب ہوتا لیکن میں اس معاملے میں بدقسمت ہوں۔ مجھے اپنا کر خوش قسمت بنادو۔''

جیوتی کہاں تھی؟ وہ جیوتی جو ایک پل کے لیے بھی مجھے اپنی بیٹی کے پاس تنہا چھوڑنا نہیں چاہتی تھی' سندور کی ڈبیا تھما کر کہاں چلی گئی تھی؟ اور گئی تھی تو اب تک لوٹی کیوں نہیں تھی؟

وہ لوٹتی کیسے....؟ کمرے سے نکلتے ہی اس کے قدم جم گئے تھے۔ خود غرضی کتنی ہی خودسر کیوں نہ ہو جائے' ممتا سے جیت نہیں سکتی۔ اس کمرے کے باہر اس کے اندر کی عورت ہار رہی تھی۔ ایک ماں بازی لے جارہی تھی۔

نیہا کی آواز اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھی مگر وہ آواز جوان نہیں تھی۔ ایسا لگ رہا تھا' ایک معصوم سی بچی جو بول بھی نہیں سکتی تھی' ماں کے سینے پر منہ مار کر سمجھا رہی تھی۔ ''میں جنم جنم کی پیاسی تم نے کیسا دودھ پلایا ہے کہ تمہاری ممتا ادھوری رہ گئی ہے۔ ممتا کا یہ آخری گھونٹ پلاؤ اور اپنا حق ادا کردو۔''

وہ سر جھکا کر سوچنے لگی۔ بچہ کوئی خواہش ظاہر کرے اور ماں سنی ان سنی کردے' ایسا تو کبھی ہو نہیں سکتا۔ وہ ممتا کی ماری تو اپنی جان کو مار کر بھی اولاد کی خوشیاں پوری کرتی ہے اور اسے تو صرف اپنے دل کو مارنا تھا۔ خود کو میرے حصول سے باز رکھنا تھا۔ بے شک یہ ایک مشکل مرحلہ تھا۔

نیہا کی یہ بات سنتے ہی اس کے دل پر گھونسا سا لگا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا۔ ''فرہاد میں تمہارے سامنے آنے کے بعد بھی تمہاری چاہت کے لیے ترس رہی ہوں۔ صرف اس لیے کہ مجھے پیدا کرنے والی ماں میری خوشیوں میں رکاوٹ بن رہی ہے۔''

جیوتی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ وہ آنسو اس لیے نہیں تھے کہ بیٹی اس کی برائی کر رہی ہے۔ بلکہ یہ سوچ کر کلیجا پھٹ رہا تھا کہ جس بیٹی کی پیدائش کے لیے اس نے منتیں مانی تھیں' ماں بننے کی خوشی حاصل کرنے کے لیے مندر میں جا کر دن رات پوجا پاٹ کی تھی' اب اسی اولاد کی خوشیوں میں رکاوٹ بن رہی تھی۔

اس کے اندر کا کرب ہچکیاں اور آہیں بن کر اُبلنے والا تھا۔ اس نے فوراً ہی ساڑھی کا آنچل منہ میں ٹھونس لیا۔ بیٹی کی آواز مستقل اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ وہ مجھ سے بول رہی تھی۔ ''کاش! میری ماں خوشی خوشی تمہیں میری جھولی میں ڈال دیتی۔ مجھے اس کا آشرواد نصیب ہوتا لیکن میں اس معاملے میں بدقسمت ہوں۔ مجھے اپنا کر خوش قسمت بنادو۔''

جیوتی نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے کمرے کے دروازے کو دیکھا۔ دل ہی دل میں کہا۔ ''میرا آشرواد تیرے ساتھ ہے میری بچی! تُو بدقسمت نہیں ہے بیٹی.... تیری ماں بدقسمتی کو تیرے پاس بھی پھٹکنے نہیں دے گی۔ کبھی نہیں.... پھرہاد! میری بیٹی کی مانگ سجادو۔ سجادو اس کی مانگ.... میں رکاوٹ نہیں بنوں گی۔''

وہ روتی ہوئی' ساڑھی کے آنچل سے چہرے کو پونچھتی ہوئی باہر آگئی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ انہی لمحات میں ماں ہو کر سوچ رہی تھی۔ اب سے پہلے بھی وقتاً فوقتاً ایک ماں کا ضمیر اسے جھنجوڑتا رہا تھا۔ وہ اپنے آپ کو سمجھاتی رہی تھی۔ ''نیہا بچی ہے' پھرہاد کو کھلونے کی طرح مانگ رہی ہے۔ میں جلد ہی اسے کسی دوسرے کھلونے سے بہلالوں گی۔''

مگر وہ ناکام ہو رہی تھی۔ بیٹی کی ضد سمجھا رہی تھی کہ وہ بچی نہیں رہی ہے۔ اس کا مطالبہ ایک جوان بیٹی کا مطالبہ ہے اور وہ جوان مچلتی ہوئی خواہشوں کو بوڑھے ہاتھوں سے تھپک تھپک کر سلا نہیں سکے گی۔

اور یہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے' بڑھاپے کو جوانی کے سامنے ہارنا ہی پڑتا ہے۔ وہ سوچتی ہوئی برآمدے کی سیڑھیاں اترتی ہوئی' لان کی طرف جارہی تھی۔ باہر تازہ ہوا کے جھونکے اچھے لگ رہے تھے۔ اسے تھپک تھپک کر جگا رہے تھے اور اس کی ہوس کو سلا رہے۔

مگر افسوس... وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس چار دیواری کے باہر موت اس کی منتظر ہے۔ اس کی بھیگی ہوئی آنکھوں میں بیٹی کی سندور بھری مانگ تھی۔ وہ دلہن بنی ہوئی تھی۔ چہرے سے سہاگ کی خوشیاں پھوٹ رہی تھیں۔ وہ خیال ہی خیال میں بیٹی کی بلائیں لے رہی تھی' اسے عمر بھر سہاگن رہنے کی دعائیں دے رہی تھی۔ یہ نہیں جانتی تھی کہ دعائیں دینے والی کی اپنی زندگی قدم بہ قدم موت کی طرف بڑھتی جارہی ہے۔

دوسری طرف انتظار ختم ہو گیا تھا۔ را ایجنسی کے مسلح ماتحت الرٹ ہو گئے تھے۔ ہتھیاروں کے سیفٹی کیچ ہٹا دیے گئے تھے۔ وہ مسلح ماتحت اس بنگلے کے آس پاس کی عمارتوں میں چھپے ہوئے تھے۔ دیپک راٹھور نے سب کو ہدایات جاری کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ نہ سوچنا کہ وہ ایک تنہا عورت ہے۔ دو چار فائر کرتے ہی نرک میں پہنچ جائے گی۔ اس پر گولیوں کی بوچھاڑ کردو۔ کسی بھی صورت اسے بچنا نہیں چاہیے۔''

اور پھر یہی ہوا۔ لان میں پہنچتے ہی تین اطراف سے اس پر اندھا دھند فائرنگ شروع ہو گئی۔ اسے کچھ سوچنے سمجھنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ دشمنوں نے اسے بھون ڈالا۔ وہ تو پہلی ہی گولی میں ڈھے گئی تھی مگر آرڈر تھے کہ گولیاں ضائع ہو جائیں لیکن موقع ضائع نہیں ہونا چاہیے۔

بنگلے کے اندر میں اور نیہا ایسی طوفانی فائرنگ پر چونک گئے تھے۔ نیہا کے حلق سے ایک چیخ نکلی۔ وہ ماں کو آواز دیتی ہوئی باہر جانا چاہتی تھی۔ میں نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچ لیا۔ ''رک جاؤ... باہر اندھا دھند فائرنگ ہو رہی ہے۔ پتا نہیں' وہ کون لوگ ہیں اور کس پر گولیاں چلا رہے ہیں؟''

میں نے بازو پکڑ کر اسے کھینچا تھا۔ وہ چیختی ہوئی آ کر مجھ سے لگ گئی تھی۔ اسے تو بس بہانہ چاہیے تھا مگر مجھے خطرے کا احساس ہوا تھا۔ میں نے فوراً ہی خیال خوانی کی چھلانگ لگائی۔ جیوتی کے دماغ میں پہنچنا چاہا لیکن میری سوچ کی لہریں بھٹک کر واپس آگئیں۔

میں نے نیہا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں خیال خوانی کے ذریعے تمہاری ماں تک پہنچ نہیں پا رہا ہوں۔ یہ صاف پتا چل رہا ہے کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہی ہے۔''

''نہیں...'' وہ چیخ مار کر مجھ سے الگ ہو گئی۔ ماں کی محبت نے اسے تڑپایا۔ ان لمحات میں وہ مجھے بھول گئی پھر باہر کی طرف جانا چاہتی تھی۔

میں نے اس کا راستہ روک کر کہا۔ ''ذرا صبر کرو۔ فائرنگ رک گئی ہے۔ یہ معلوم تو ہو کہ تمہاری ماں پر اتنی ساری گولیاں کن لوگوں نے چلائی ہیں؟ وہ میرے اور تمہارے انتظار میں بھی ہوں گے۔''

اس سے صبر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ منہ پھیر کر دروازے سے لگ کر رونے لگی۔ باہر لوگوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ سب فائرنگ کی آوازیں سن کر آئے تھے۔ اب کوئی خطرہ نہیں تھا۔ میں نیہا کے ساتھ محتاط انداز میں چلتا ہوا باہر آیا تو جیوتی کو گھاس پر لہولہان دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ وہ ماں کو پکارتی ہوئی' روتی دوڑتی ہوئی اس کی لاش کے قریب جا کر گر پڑی۔ اس سے لپٹ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

ایسے وقت مجھے اپنے دماغ میں بھنڈاری کی آواز سنائی دی۔ ''یہ کیا ہو گیا؟''

میں نے کہا۔ ''تم مجھے ہلاک کرنا چاہتے تھے مگر تم نے اپنی ہی دھرم پتنی کو مار ڈالا۔''

''بکواس نہ کرو۔ تمہاری موت کے لیے تو کل کی رات لکھی گئی ہے۔''

دوسری طرف جے بیٹی کے اندر پہنچا ہوا تھا۔ وہ چیخ کر کہہ رہی تھی۔ ''آخر تم نے میری ماں کو مار ڈالا۔''

وہ بولا۔ ''نہیں بیٹی! بھلا ہم ایسا کیوں کریں گے؟''

وہ روتے ہوئے بولی۔ ''کیونکہ یہ فرہاد کی سلامتی چاہتی تھی۔''

''اور ہم اس کی سلامتی چاہتے تھے۔ یہ تانترک مہاراج کی بیٹی ہے۔ دُرگا ماں کی پجارن ہے۔ اس کی جندگی ہمارے لیے اُتنی ہی جروری اور اہم تھی' جتنی کہ کھداس کے لیے....''

ایسے ہی وقت تانترک مہاراج کی آواز سنائی دی۔ وہ غم و غصے سے لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''تم لوگوں نے میری بیٹی سے دشمنی کرنے کی جرأت کی ہے۔ اب اس کا بہت ہی بھیانک انجام دیکھو گے۔ میں تم تینوں کو ایسے تڑپا تڑپا کے ماروں گا کہ موت بھی پناہ مانگے گی۔''

جے اور بھنڈاری نے جلدی سے کہا۔ ''مہاراج کی جے ہو۔ ہم تو کبھی سپنے میں بھی تم سے دشمنی کرنے کا سوچ نہیں سکتے۔ دُرگا ماں کی سوگند....! یہ کسی دشمن کی چال ہے۔ ہم تو اپنے اپنے کاموں میں مگن تھے اور بلرام تو دُرگا ماں کے چرنوں میں ہے۔ پوجا پاٹ کر رہا ہے۔ کل اماوس کی رات پھرہاد کو بھینٹ چڑھ جانا ہے۔''

تانترک مہاراج تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ اس لمحاتی خاموشی کے دوران اس نے بلرام کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ دونوں درست کہہ رہے تھے۔ یوں بھی تانترک مہاراج کا ڈر خوف ایسا تھا کہ انہوں آج تک جیوتی سے دشمنی کرنے کی جرأت نہیں کی تھی۔ اس نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''یہ را ایجنسی والے دہلی سے میری بیٹی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ وہاں وہ فرہاد کو مارنا چاہتے تھے مگر نہ مار سکے۔''

بھنڈاری نے کہا۔ ''یہاں بھی یہی ہوا ہے۔ وہ پھرہاد کو مارنا چاہتے ہوں گے۔ پر چُوک ہو گئی پھرہاد کے نام کی گولیاں جیوتی کے شریر میں گھس گئیں اور یہ را والوں کا کام نہیں ہے۔''

مہاراج نے پوچھا۔ "تو پھر کس نے دشمنی کی ہے؟"

وہ بولا۔ "را ایجنسی کی بلیک فورس فرہاد کے پیچھے پڑی ہے۔ مجھ کو یقین ہے یہ انہی کا کام ہے۔ دہلی ایئر پورٹ پر بھی وہی لوگ اس کو ہلاک کرنے آئے تھے۔"

ان جنم ساتھیوں نے جیوتی کی ہلاکت کے قصے کو بالکل ہی پلٹ دیا تھا اور تانترک مہاراج کو بلیک فورس کے پیچھے لگا دیا تھا۔ اصل میں یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ وہ مہاراج ان کے چور خیالات کو کھنگال نہیں سکتا تھا۔ اسی لیے یہ معلوم نہ کر سکا کہ اصل میں اس کی بیٹی کے خلاف کس نے سازش کی ہے؟

ماں کی دائمی جدائی کا صدمہ ایسا تھا کہ نہائی الحال سہاگن بننے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ میرے لیے قدرتی طور پر بچاؤ کا راستہ ہموار ہو گیا تھا مگر یہ کہاوت ہے کہ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی؟ میں ان دشمن بکروں کا باپ تھا۔ اب تک خیر مناتا آرہا تھا۔ آگے نہ جانے کیا ہونے والا تھا؟

☆☆☆

ساری دنیا جانتی ہے کہ میں بابا صاحب کے ادارے کے لیے کتنی اہمیت رکھتا ہوں۔ اپنے تمام بچوں کی نظروں میں اوّل و آخر میں ہوں اور سونیا کے سینے میں دل بن کر دھڑکتا رہتا ہوں۔ اس کے باوجود بے یار و مددگار رہ گیا تھا۔

یہ عجیب سی بات تھی کہ مجھے دل و جان سے پورے ایمان سے چاہنے والے میری خبر نہیں لے رہے تھے۔ سب ہی نے مجھے جے بلرام بھنڈاری کے ہاتھوں میں کھلونا بننے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ میں ایک معمولی تابعدار کی طرح ان جنم ساتھیوں کے احکامات کی تعمیل کرتا جا رہا تھا۔

حقیقت یہ تھی کہ میرے اپنے مجھے جان بوجھ کر نظر انداز کر رہے تھے اور وہ اعلیٰ حضرت کی ہدایت کے مطابق ایسا کر رہے تھے۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ خیر اور شر کے درمیان ازل سے جنگ جاری ہے اور جاری رہے گی۔ روحانی علوم جاننے والوں پر یہ پابندی ہے کہ رازہائے قدرت کو منکشف نہ کریں۔ جو ہو رہا ہے اسے قدرت کی منشاء کے مطابق جاری رہنے دیں۔

انہوں نے ہمارے تمام ٹیلی جاننے والوں سے کہا۔ "عارضی طور پر فرہاد سے دور رہو۔ عداوت کرنے والوں کو کامیابیاں حاصل کرنے دو۔ بے شک ظالموں کو عروج حاصل ہوتا ہے۔ یہ دنیا ظالم و مظلوم، نیک و بد، کفر اور ایمان مستحکم کے ٹکراؤ سے قائم ہے۔ اس ٹکراؤ کو اپنے طور پر جاری رہنے دو۔ ہماری نیک نیتی، ہمارا ایمان جلد ہی ان پر حاوی ہو جائے گا۔"

وہ سب ہی کو مجھ سے دور رہنے کی تاکید کر رہے تھے۔ صرف سونیا اور کبریا کو ہدایت کی تھی کہ وہ چپ چاپ رازداری سے میری نگرانی کرتے رہیں۔ میں یہ سمجھ رہا تھا کہ سونیا مجھ سے بے خبر ہے مگر اعلیٰ حضرت نے اسے بتا دیا تھا کہ جے بلرام بھنڈاری نے مجھے کس طرح ٹریپ کیا ہے۔

انہوں نے ہدایت کی تھی کہ سونیا انجان بن کر رہے۔ میں جس طیارے میں دہلی جاؤں اسی طیارے میں وہ بھی سفر کرے اور اس نے یہی کیا تھا۔ سونیا کے لیے بڑی رازداری سے سفر کے انتظامات کیے گئے تھے۔ اسی طیارے میں اس کے لیے ایک سیٹ او کے کرائی گئی تھی۔ وہ عارضی میک اپ کے ذریعے اپنے چہرے پر تھوڑی سی تبدیلی کرنے کے بعد میری ہمسفر رہی تھی۔ ایسے وقت کبریا خیال خوانی کے ذریعے اپنی ماں کے ساتھ تھا اور طیارے کے تمام مسافروں کے اندر پہنچ کر بہروپیے دشمنوں کو تلاش کرتا رہا تھا۔

را ایجنسی کا ایک جاسوس اپنی دانست میں میری نگرانی کر رہا تھا۔ بلیک فورس کا جو افسر دہلی ایئر پورٹ میں مجھے ہلاک کرنے کا منتظر تھا۔ وہ جاسوس اسے رپورٹ پہنچا رہا تھا۔ جے بلرام بھنڈاری اس کے ذریعے بلیک فورس کے اس افسر کے اندر پہنچ گئے تھے۔ اسی طرح کبریا بھی یہ معلوم کر چکا تھا کہ کس طرح مجھے ہلاک کرنے کی پلاننگ کی گئی ہے؟

یہ تمام باتیں سونیا کو معلوم ہو رہی تھیں۔ اس نے کبریا سے کہا۔ "پتا نہیں دہلی ایئر پورٹ میں بلیک فورس کے کتنے گن مین تمہارے پاپا کے منتظر ہوں گے؟ الپا اور عالی کو اپنے اندر بلاؤ اور انہیں ان دشمنوں کے دماغوں میں پہنچاؤ۔ تم تنہا ان سب کو عداوتوں سے باز نہیں رکھ سکو گے۔"

کبریا نے یہی کیا۔ الپا اور عالی اس کے پاس آگئیں۔ وہاں جو دشمن گن مین تھے، ان کے اندر پہنچ گئیں مگر انہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ وہ تینوں جنم ساتھی جے بلرام اور بھنڈاری ان سب کو ٹھکانے لگاتے جا رہے تھے۔

سونیا نے ان سے کہا۔ "خاموش تماشائی بنے رہو۔ جب تک میں نہ کہوں، تب تک کسی بھی سچویشن میں خود کو ظاہر نہ کرو۔"

را ایجنسی کے افسر حیرانی سے یہ سوچ رہے تھے کہ مجھے لاہور سے اغوا کیا گیا ہے پھر میرے ٹیلی پیتھی جاننے والے ایکشن میں کیوں نہیں آرہے ہیں؟ میں دہلی ایئر پورٹ میں جان سے جانے والا تھا۔ ایسی جان لیوا صورت حال میں روحانی ٹیلی پیتھی جاننے والے بھی میری مدد کو نہیں آرہے تھے۔ یہ ایسی باتیں تھیں، جو ان کے دماغوں میں چبھ رہی تھیں

...وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہے تھے۔

جیوتی جیسی رکاوٹ کو دور کرنے کے بعد وہ بڑی حد مطمئن ہو گئے تھے۔ یہ بھی اطمینان تھا کہ تانترک ...اج کو فی الحال بلیک فورس کے پیچھے لگا دیا گیا ہے۔ لہٰذا وہ ...سے دشمنی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا لیکن میرے سلسلے ...ا والوں کو سکون نصیب نہیں ہو رہا تھا۔ انہوں نے جے ...م اور بھنڈاری سے پوچھا۔ "کیا تم لوگوں کو بابا صاحب ...ارے کی جانب سے خطرہ محسوس نہیں ہو رہا ہے؟"

انہوں نے پوچھا۔ "کیسا خطرا.....؟"

را کے چیف نے کہا۔ "فرہاد کے پاس بے شمار ٹیلی ...ی جاننے والے ہیں۔ وہ سب خاموش کیوں ہیں؟ فرہاد ...د کے لیے کیوں نہیں آرہے ہیں؟ کیا تم نہیں سمجھتے ان کی ...ی کے پیچھے طوفان چھپا ہوتا ہے؟"

انہوں نے کہا۔ "فرہاد کے پیچھے جا ہے کتنے طوفان ...وں، وہ ہمارے کالے جادو کے آگے ٹھنڈے پڑ جائیں ... ان کا جور ٹوٹ جائے گا۔ وہ ہم لوگوں کی طرف کبھی نہیں ...یں گے۔ انہیں کبھی یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ ہم فرہاد ...مر لے جا رہے ہیں؟"

را والے ان کی باتوں سے قائل ہو رہے تھے۔ پہلے ...ن کے کالے جادو کے کمالات دیکھ چکے تھے۔ یہ دیکھ کر ...حد تک مطمئن تھے کہ انہوں نے ناقابل شکست فرہاد علی ...کو تابعدار بنا لیا ہے اور تمام امریکی حکام کو بھی اپنے آگے ...یا ہے مگر اطمینان حاصل ہونے کے باوجود میرا معاملہ ...تذبذب میں مبتلا کیے ہوئے تھا۔

مختصر یہ کہ وہ تینوں جنم ساتھی خوش فہمی میں مبتلا تھے۔ ...یال خوانی کے شکنجے میں جکڑ کر کولکتہ لے آئے تھے۔ ...یں جانتا تھا کہ ان کے شکنجے سے کس طرح نکل پاؤں ...ابوں کے ذریعے یہ بشارت ملی تھی کہ ابھی میری ...ی ہے۔ میں کچھ عرصہ مزید جیوں گا۔ یہ نئی بات سامنے ...ی کہ پہلے سونیا اس دنیا سے جائے گی۔ اس کے بعد ...اری آئے گی۔

یوں اطمینان تھا کہ سونیا بھی زندہ ہے اور میں بھی ...سالے رہا ہوں۔ آگے جا کر یقیناً مجھے دشمنوں سے نجات ...کیسے ملے گی؟ یہ میں نہیں جانتا تھا۔ فی الوقت نیہا ...انہ تھا۔ جیوتی کی ناگہانی ہلاکت نے اسے توڑ کر رکھ دیا ...عشق محبت کو بھول کر ماں کی موت کا سوگ منا رہی تھی۔

دوسری طرف سونیا کولکتہ پہنچ کر کالی مائی کے شکستہ کھنڈر ...ر کا پتا معلوم کر رہی تھی۔ وہ جس سے بات کرتی تھی

کبریا اس کے اندر پہنچ جاتا تھا۔ یوں اس نے ایک شخص کو اپنا معمول بنا کر سونیا کو اس مندر تک پہنچا دیا اور خود وہاں کے ایک پجاری کے اندر پہنچ گیا۔ اس پجاری کے خیالات پڑھ کر معلوم ہوا کہ مندر کے پیچھے چار کمرے ہیں۔ وہاں ان عورتوں اور مردوں کو قیدی بنا کر رکھا جاتا ہے، جنہیں کالی ماں کے آگے بلی دینے کے لیے منت مان لی جاتی ہے۔

پجاری کی سوچ نے بتایا کہ وہیں ایک کمرے میں مجالہ نامی دوشیزہ اپنے ایک بھائی کے ساتھ رہتی ہے۔ دوسری رات اماوس کی رات تھی۔ بھنڈاری اس دوشیزہ کو بھینٹ چڑھانے والا تھا۔ اسی رات بلرام کالی ماں کے آگے میری بھی گردن اڑانے والا تھا۔

ان تین جنم ساتھیوں میں سے بلرام صبح ہی پوجا پاٹ میں مصروف ہو گیا تھا۔ دوپہر کو دوسرا اس کی جگہ آکر پوجا جاری رکھنے والا تھا۔ شام کو تیسرا اس کی جگہ لے لیتا پھر رات کو اماوس کا اندھیرا پھیلتے ہی تینوں جسمانی طور پر الگ نہ رہتے۔ ایک ہی جسم میں سما جاتے۔

ہر ماہ کی آخری تاریخ میں اماوس کی رات یہی ہوتا تھا۔ ان کی روحیں ان کے جسم سے نکل کر بے اختیار ایک ہی قالب میں ڈھل جاتی تھیں پھر وہ الگ الگ جے بلرام اور بھنڈاری نہیں رہ پاتے تھے۔ اس مندر میں ایک ہی شخص جے بلرام بھنڈاری کی شخصیت ہوتی تھی۔

صبح ہونے تک وہ تین جسموں میں تقسیم نہیں ہو پاتے تھے۔ اگر دشمن وہاں پہنچ جاتے تو اس ایک بھنڈاری پر غالب آکر اسے آسانی سے موت کے گھاٹ اتار سکتے تھے۔ لہٰذا وہ رات کے پہلے پہر سے صبح کی پہلی کرن نمودار ہونے تک بہت محتاط رہتے تھے۔

ویسے یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ کسی دشمن کو ان کے اس راز کا اور اس کمزوری کا علم نہیں تھا۔ آگے چل کر مجھے بہت کچھ معلوم ہونے والا تھا۔ اس بات کا اطمینان تھا کہ میرے اندر پہلے جیسی توانائی پیدا ہو گئی ہے۔ جیوتی نے اس دنیا سے جاتے جاتے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا تھا۔ میں تنہا کسی بھی خطرے سے نمٹنے کے قابل ہو گیا تھا۔

ہمالیہ کی ترائی میں پائی جانے والی جڑی بوٹیوں سے وہ گولی تیار کی گئی تھی، جو میرے اندر پہنچ کر تمام کمزوریوں کو کھا رہی تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ بلرام کا کیا ہوا تنویمی عمل کسی حد تک کمزور پڑ گیا ہے۔ آئندہ اس کا عمل بالکل ہی ختم ہو جائے گا۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ میرے اور میرے

تمام بچوں پر ایسا روحانی عمل کیا گیا تھا کہ کوئی ہمارے چور خیالات کو پڑھ نہیں پاتا تھا۔ ہم جس بھیس میں ہوتے تھے خیال خوانی کرنے والے دشمن اسی بہروپ کے مطابق ہمیں سمجھ پاتے تھے۔

بہرحال میں کہہ رہا تھا کہ کبریا نے پجاری کے خیالات پڑھ کر یہ معلوم کیا تھا کہ مجالہ نامی ایک دوشیزہ کو وہاں بھینٹ چڑھانے کے لیے لایا گیا ہے اور وہ مندر کے پیچھے ایک کمرے میں ہے۔ کبریا پجاری کے ذریعے مجالہ کے اندر پہنچ گیا۔ ایشورارا نے تنویمی عمل کے ذریعے اس دوشیزہ کا برین واش کیا تھا۔ اس کے ماضی کی تمام باتیں مٹ چکی تھیں۔ یہ معلوم نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ حقیقتاً ایک بنگالی دوشیزہ ہے۔ بھنڈاری کے بعد اب کبریا کو بھی یہی معلوم ہو رہا تھا کہ وہ سیارے سے آئی ہے اور اپنے بھائی کے ساتھ اس مندر میں ہے۔

کبریا نے مجالہ کے اندر رہ کر اس کے بھائی کو دیکھا۔ وہ اس وقت بڑی خاموشی سے ایک دیوار کو تک رہا تھا۔ صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ سیارے سے آنے والا خیال خوانی میں معروف ہے۔ کبریا کے ذہن میں سوال پیدا ہوا کہ سیارے والے اس مندر میں کیسے آگئے؟ جواب یہی تھا کہ وہ تینوں جے بلرام اور بھنڈاری انہیں ٹریپ کرکے لائے ہیں۔

اس وقت وہ سیارے والا خیال خوانی میں معروف تھا۔ یقیناً ایشورارا سے بات کر رہا ہوگا۔ شاید اس سے کہہ رہا ہوگا کہ اسے اور اس کی بہن کو بھنڈاری کے شکنجے سے نکالا جائے۔

کبریا نے سونیا کو ان کے بارے میں بتایا۔ وہ بولی۔ ”ان کے متعلق معلوم کرنا چاہیے۔ آج رات تمہارے پاپا کو بلی چڑھانے کے لیے وہاں پہنچایا جائے گا۔ اسی رات سیارے کی ایک دوشیزہ کو بھی وہاں کیوں لایا گیا ہے؟“

وہ بولا۔ ”میں اس کے بھائی کے اندر نہیں جاسکوں گا۔ میری سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی وہ سانس روک لے گا۔“

”معلوم تو کرنا ہی ہوگا۔ انوشے کو بلاؤ۔“

اس نے انوشے کے پاس پہنچ کر کہا۔ ”مما نے تمہیں یاد کیا ہے۔ ابھی چلو۔“

اس نے سونیا کے پاس آکر سلام کیا۔ وہ سلام کا جواب دے کر بولی۔ ”یہاں مندر میں سیارے سے آنے والا اپنی ایک بہن کے ساتھ ہے۔ اس کی بہن کو آج رات بھینٹ چڑھایا جائے گا۔ میں معلوم کرنا چاہتی ہوں، ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کیوں ہو رہا ہے؟ کیا ایشورارا ان کی مدد کے لیے آئے گا؟“

وہ بولی۔ ”اوکے گرینڈ مما! میں ابھی معلوم کرتی ہوں۔“

کبریا نے اسے مجالہ کے اندر پہنچا دیا۔ وہ تھوڑی د[...] تک اس کے خیالات پڑھتی رہی پھر اس سیارے والے [...] اندر پہنچی۔ وہ روحانی ٹیلی پیتھی کی نورانی لہروں کو محسوس [...] کرسکا۔ اس کے چور خیالات کھلی کتاب کی طرح اس [...] ہسٹری بیان کرنے لگے۔

ایسے ہی وقت اس کے اندر ایشورارا کی آواز سنائی دی [...] وہ کہہ رہا تھا۔ ”تم تھوڑی دیر پہلے ایکورارا سے باتیں کرر[...] تھے۔ اب تم نے مجھے بلایا ہے۔ تمہیں پریشانی کیا ہے؟“

وہ بولا۔ ”گریٹ ایشورارا کی عمر دراز ہو۔ آپ [...] کہا تھا، میں آج رات تک اس لڑکی کے ساتھ رہوں گا۔ یہ [...] چڑھ جائے گی تو میں یہاں سے واپس آجاؤں گا مگر میر[...] لیے خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔“

”تمہارے لیے کیا خطرہ ہوسکتا ہے؟“

”بلرام مجھے نظروں سے ایسے ٹٹولتا ہے، جیسے قربا[...] کے جانور کو اچھی طرح دیکھ رہا ہو، سمجھ رہا ہو۔“

”تم خوامخواہ ڈر رہے ہو۔ بھنڈاری نے سیارے وا[...] ایک لڑکی کا مطالبہ کیا تھا۔ اس کا مطالبہ ہم پورا کرر[...] ہیں۔ وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔ میں نے اس سے ک[...] ہے کہ تم میرے خاص آدمی ہو۔“

وہ بولا۔ ”میں نے پجاری کے خیالات پڑ[...] ہیں۔ اس کے خیالات صاف طور پر کہہ رہے ہیں کہ مجھے بھینٹ [...] چڑھایا جائے گا تو دیوی ماں ان سے خوش ہوجائے گی۔“

”کیا واقعی اس کی سوچ کی لہریں ایسا کہہ رہی ہیں؟“

”ہاں۔ میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔ آپ کو پجار[...] کے اندر پہنچا رہا ہوں۔ آپ خود ہی اس کے خیالات پڑھ لیں [...]“

”نہیں۔ مجھے یقین ہے، تم سچ کہہ رہے ہو۔ میں بھنڈار[...] سے بات کروں گا۔“

”پلیز۔ مجھے یہاں سے جانے کی اجازت دیں۔ آ[...] صبح ہوتے ہی پجاری پوجا کی بڑی سی تھال لے کر آیا تھا۔ ا[...] نے ایک گیندے کے پھولوں کا ہار مجالہ کو پہنایا اور دوسرا [...] پہنایا۔ میری پیشانی پر اور مجالہ کی مانگ میں سندور لگایا [...] ہمیں پوجا کا پرساد کھلا کر چلا گیا۔ وہ بلی دینے سے پہلے آ[...] رات اسی طرح آتا رہے گا اور سندور لگا کر ہمیں پر[...] کھلاتا رہے گا۔“

”ٹھیک ہے۔ مجھے پجاری کے دماغ میں پہنچاؤ۔ م[...] اس کے خیالات پڑھنے کے بعد تمہاری زندگی کا سودا کروں گا[...]



[...] انوشے ایشورارا کے اندر پہنچ گئی۔ وہ بھی روحانی ٹیلی [...]ی کی لہروں کو محسوس نہیں کرسکتا تھا۔ پجاری کے اندر پہنچ کر [...]کے خیالات پڑھ رہا تھا۔ پھر وہ پجاری اس کی مرضی کے [...]بق بلرام کے پاس آگیا۔ وہ کالی مائی کی بارہ فٹ اونچی [...]ی کے آگے منتروں کا جاپ کر رہا تھا۔

ایشورارا نے پہلی بار وہاں کا ہولناک منظر دیکھا۔ ایک [...]الی مائی کا کالا چہرہ اور لہو ٹپکاتی ہوئی لانبی زبان بڑی [...]ک تھی۔ اوپر سے وہ انسانی کھوپڑیوں کی مالا پہنے ہوئے [...]ی اس مائی کے کئی ہاتھ تھے۔ کسی ہاتھ میں ترسول اور کسی [...] میں لانبی کٹار تھی اور وہ سب ہی خون آلود تھیں۔

ایشورارا نے ایسی بھیانک دیوی کو دیکھ کر مرعوب [...]تے ہوئے سوچا۔ ”خوفناک دیوی کی پوجا کرنے والے [...] بلرام اور بھنڈاری خود کتنے خوفناک ہوں گے؟ میں ان [...] بارے میں ابھی کچھ نہیں جانتا مگر ایک اندازہ ہے کہ وہ [...]ہی زبردست اور ناقابلِ شکست ہوں گے۔“

پھر اس نے سوچا۔ ”پتا نہیں یہ لوگ کیسی کیسی غیر معمولی [...]تیں رکھتے ہیں؟ بھنڈاری نے چیلنج کیا تھا کہ وہ چار دنوں [...] اندر میری خفیہ پناہ گاہ کا سراغ لگا لے گا، یہ بتا دے گا کہ [...] کس ملک کے کس شہر میں ہوں؟“

حقیقتاً ہمارے روحانی ٹیلی پیتھی جاننے والے بہت [...]سے اس کی خفیہ رہائش گاہ کے بارے میں اور اس کے [...]ودہ بہروپ کے متعلق بہت کچھ جانتے تھے مگر ان کی [...]لی مجبوریاں تھیں۔ وہ مصلحتاً خاموش تھے۔ ان حالات [...] ایشورارا ہم سے نہیں، ان جنم ساتھیوں سے متاثر اور [...]ب ہو رہا تھا۔

اس وقت پریشان ہو کر سوچ رہا تھا۔ ”ارضی دنیا کے [...] عجیب و غریب صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ ہماری [...]ٹیکنالوجی اور غیر معمولی مشینیں ان کے آگے ناکارہ ہوگئی [...] بھنڈاری کے چیلنج کے مطابق دو دن گزر چکے [...] اگلے دو دنوں کے بعد وہ میری خفیہ پناہ گاہ تک پہنچنے والا [...] ان تینوں کو ہر حال میں دوست بنانا ہی ہوگا۔“

کبریا انوشے کے دماغ میں رہ کر وہاں کا منظر دیکھ [...]تھا۔ کالی مائی سے کچھ فاصلے پر بلرام ایک چبوترے پر بیٹھا [...]ھ رہا تھا۔ سامنے الاؤ روشن تھا۔ اس کے ننھے شعلے اوپر [...]مت لپک رہے تھے۔ ایک جانب بڑی سی انگیٹھی سلگ [...]ی۔ اس میں عود کا دھواں ابھرتا ہوا ہر سمت پھیل [...]ا۔ وہاں کا پورا ماحول دھوئیں کے باعث دھندلا گیا تھا۔

اس دھند میں ایک چیلا گردن سے ڈھول لٹکائے اسے بجاتا ہوا ناچ رہا تھا۔ یہ بھی ان کی پوجا کا ایک انداز تھا۔ دوسرا چیلا پھونک مار کر شنکھ بجا رہا تھا۔ اس مندر کے ماحول میں ایسی درندگی اور دہشت نمایاں تھی کہ وہاں پہنچتے ہی کمزور دل کے لوگوں کو ہارٹ اٹیک ہوجاتا۔

بلرام نے منتر پڑھتے ہوئے پجاری کو دیکھا پھر پوچھا۔ ”کیوں آئے ہو؟ کچھ کہنا چاہتے ہو؟“

ایشورارا نے اس کی زبان سے کہا۔ ”میں ایشورارا ہوں۔ اس کے ذریعے تمہارے پاس آیا ہوں۔“

وہ خوش ہو کر بولا۔ ”اے سیارے کے دیوتا! سواگت ہو۔ پہلی بار آئے ہو۔ لو پوجا کا پرساد کھاؤ۔“

اس نے ذرا سا پرساد اٹھا کر پجاری کے منہ میں ڈالا۔ وہ چبا چبا کر کھانے لگا۔ بلرام نے پوچھا۔ ”کیسا ہے؟“

ایشورارا نے کہا۔ ”کچھ عجیب سا ذائقہ ہے لیکن مزیدار ہے۔“

اس نے پوچھا۔ ”پجاری کو آلۂ کار بنا کر کیوں آئے ہو؟“

وہ بولا۔ ”میں نے وعدے کے مطابق سیارے کی ایک لڑکی پیش کی ہے۔ تم اپنی دُرگا ماں کے سامنے اس کی گردن اڑانے والے ہو مگر مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میرے وفادار کو بھی بھینٹ چڑھانا چاہتے ہو؟“

”ہاں ایک اور بھینٹ چڑھاؤں گا تو ماں دُرگا ہم پر مہربان ہوگی۔ ہماری شکتی اور بڑھ جائے گی۔“

”پلیز ایسا نہ کرو۔ وہ میرا وفادار ہے۔“

”تمہارے لاکھوں وفادار ہیں۔ ان میں سے ایک مرجائے گا تو کوئی قیامت نہیں آجائے گی۔ یہ بتاؤ ہم سے دوستی کرنا چاہتے ہو یا نہیں؟“

وہ جلدی سے بولا۔ ”ہاں ہاں۔ میں تو تم تینوں کو گلے لگانے کے لیے ایک ٹانگ پر کھڑا ہوں۔“

”تو پھر اپنے ماتحت کو بھول جاؤ۔“

”کیا تمہیں معلوم ہے، مسلمان ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے میرے ہزاروں ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو مسلمان بنالیا ہے۔ ہزاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور میرے اسی ہزار وفاداروں سے ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں چھین لی ہیں؟“

”ہم نہیں جانتے تھے کہ تم اتنا بڑا نقصان اٹھا رہے ہو۔ ویسے تمہارے لیے ایک بڑی خبر ہے۔ کیا میں نے تم کو بتایا ہے کہ فرہاد میرے شکنجے میں ہے؟“

”ہاں۔ بھنڈاری نے کہا تھا مگر مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔“

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ”کسی کو وشواس نہیں ہو رہا ہے۔ ہم نے امریکی اکابرین سے کہا ہے کہ اُن کے ٹیلی پیتھی جاننے

والے آج رات یہاں اپنے آلۂ کار پیدا کریں۔ تم سے بھی کہتا ہوں' آج یہاں آکر فرہاد کو دیکھو۔ ہم دُرگا ماں کے چرنوں میں اس کی گردن اڑانے والے ہیں۔"

"اگر واقعی تم اس کا کام تمام کر دو گے تو ہم سب کو سب سے بڑے دشمن سے نجات مل جائے گی۔ ہم تمہاری برتری تسلیم کرلیں گے۔"

"برتری تو اس سے بھی تسلیم کرو گے' جب بھنڈاری دو دنوں کے بعد تمہارا اپنا ٹھکانا معلوم کرلے گا۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "یہ ماننا پڑتا ہے کہ تم تینوں جو چاہو کرسکتے ہو۔ بھنڈاری نے وعدہ کیا ہے کہ میرا خفیہ ٹھکانا معلوم ہونے کے بعد اس کا انکشاف نہیں کرے گا۔ کسی دشمن کو میری رہائش گاہ کا پتا نہیں بتائے گا۔"

"شانت رہو۔ ہم کسی دشمن کو تمہارے سائے تک بھی پہنچنے نہیں دیں گے۔ اب تم جاؤ۔ مجھ کو پوجا کرنے دو۔"

ایشورارا پجاری کے دماغ سے نکل کر اپنی جگہ دماغی طور پر حاضر ہوگیا۔ انوشے اس کے اندر تھی۔ وہ اپنے بیڈ روم میں ایک ایزی چیئر پر بیٹھا ہوا بہت پریشان ہو کر سوچ رہا تھا۔ "انہوں نے فرہاد جیسے پہاڑ کو مٹھی میں بند کرلیا ہے۔ میرا اپنا ٹھکانا معلوم ہوگا تو کیا وہ مجھے یونہی چھوڑ دیں گے؟ نہیں۔ وہ فرہاد کی طرح مجھے بھی اپنے شکنجے میں لے لیں گے اور درگا ماں کی بھینٹ چڑھا دیں گے۔"

وہ گھبرا کر کرسی سے اٹھ گیا۔ ایسا لگ رہا تھا' جیسے وہ تینوں جادوگر ابھی اسے دبوچنے آرہے ہوں۔ اس کا اندیشہ غلط نہیں تھا۔ وہ دو دنوں کے بعد اس کی خفیہ پناہ گاہ میں پہنچنے کی بات کہہ کر' دھوکا دے کر ابھی کسی بھی لمحے میں اس کی شہ رگ تک پہنچ سکتے تھے۔ میری طرح اسے بھی تابعدار بنا سکتے تھے۔

وہ ادھر سے ادھر ٹہلتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ "کیا مصیبت ہے؟ پہلے سونیا خطرے کی گھنٹی بن کر ہمیشہ میرے دماغ میں بجتی رہتی تھی۔ جان بچانے کے لیے اس سے صلح کی تو یہ تینوں جادوگر پہاڑ سے لڑھکتی ہوئی چٹانوں کی طرح مجھ پر آرہے ہیں۔"

وہ خوف اور بے چینی سے سوچ رہا تھا۔ "میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ جہاں جاؤں گا' وہ کالے منتر پڑھتے ہوئے کسی بھی خفیہ پناہ گاہ تک پہنچ جائیں گے۔"

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا۔ ایک ہی بات سمجھ میں آرہی تھی کہ اس ارضی دنیا میں ان جادوگروں سے کہیں چھپ کر نہیں رہ سکے گا۔ زمین کی تہ میں بھی چھپے گا تو وہ اسے کھود کر نکال لیں گے۔ عقل سمجھا رہی تھی کہ وہ اپنے سیارے میں جا کر ہی محفوظ رہ سکے گا۔

یعنی شکست تسلیم کرنی ہوگی۔ میدان چھوڑ کر [illegible] ہوگا۔ ارضی دنیا پر حکومت کرنے کا خواب آخر خواب [illegible] جائے گا۔ بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے [illegible] نکلے... آہ اس دنیا سے نکل کر اپنے سیارے پر جانا ہی ہو[illegible]

وہ کبھی بیٹھ رہا تھا' کبھی اٹھ رہا تھا۔ کبھی ٹہل رہا تھا [illegible] پہلو قرار نہیں آرہا تھا۔ اس نے خیال خوانی کے ذ[illegible] ایکورارا کو مخاطب کیا پھر کہا۔ "ہم نے سنا تھا' بھنڈار[illegible] فرہاد کو اپنا قیدی بنالیا ہے۔ یہ یقین کرنے والی بات نہیں [illegible] لیکن جے بلرام اور بھنڈاری نے مجھے اور امریکی اکا[illegible] آج رات کولکتہ آنے کی دعوت دی ہے۔ وہ ہمیں فر[illegible] موت کا تماشا دکھائے گا۔"

ایکورارا نے کہا۔ "ہم خیال خوانی کے ذریعے [illegible] وہاں جائیں گے۔ معلوم کریں گے کہ اس کا وہ قیدی [illegible] فرہاد ہے یا نہیں؟"

"اگر واقعی وہ فرہاد ہوا تو یہ ماننا پڑے گا کہ وہ تینو[illegible] ساتھی فرہاد سے اور بابا صاحب کے ادارے سے [illegible] طاقتور ہیں۔"

"ہاں۔ ماننا تو پڑے گا۔ یہاں حکمران بن کر [illegible] کے لیے انہی جنم ساتھیوں سے گٹھ جوڑ کرنا ہوگا۔"

وہ بولا۔ "یہاں حکمرانی کرنا تو بعد کی بات ہے [illegible] ایک اور خطرہ ہمارے سروں پر منڈلا رہا ہے۔ بھنڈاری [illegible] تھا وہ چار دنوں کے بعد میری خفیہ پناہ گاہ تک پہنچ جائے گا۔"

ایکورارا نے کہا۔ "میں نہیں مانتا۔ وہ کھوکھلی [illegible] دے رہا ہے۔"

"اگر یہ محض دھمکی نہ ہوئی اور وہ یہاں میری رہائش [illegible] تک پہنچ گیا تو کیا ہوگا؟"

"تب ہم اس سے دوستی اور اتحاد کریں گے۔"

"بھنڈاری اتحاد کیوں کرے گا؟ وہ تو اچانک سا[illegible] آکر مجھے نشانے پر رکھے گا۔ زخمی کرتے ہی میرے دماغ [illegible] جمالے گا۔ فرہاد کی طرح مجھے بھی مجبور اور بے بس بنا کر [illegible] مائی کی بھینٹ چڑھا دے گا۔"

وہ قائل ہو کر بولا۔ "ہاں۔ ہم نہیں جانتے' کالا [illegible] کیا ہوتا ہے؟ نہ ہی اس کا توڑ کرسکتے ہیں۔"

"ہم ان کی کالی قوتوں کا توڑ نہیں کرسکیں گے پھر [illegible] انجام کیا ہوگا؟ وہ مجھے ٹریپ کرنے کے بعد تمہارے [illegible] جائے گا۔ تم اس کے ہاتھوں مارے جاؤ گے۔"

"واقعی یہ ایسے خطرناک دشمن ہیں' جن سے ہم [illegible] کر نہیں رہ سکیں گے۔ بھنڈاری اگر دو دنوں کے بعد



[illegible] لائے گا تو ہمیں چھپنے کے لیے اس دنیا میں کہیں جگہ [illegible] ملے گی۔"

وہ دونوں پریشان ہو کر طرح طرح کی تدبیریں [illegible] نے لگے۔ ایشورارا نے کہا۔ "کوئی تدبیر کارگر نہیں [illegible] ہمیں عارضی طور پر سیارے میں واپس جانا ہی ہوگا۔"

ایکورارا نے کہا۔ "پہلے یقین ہونا چاہیے کہ وہ تمہیں [illegible] لائے گا۔ یہ یقین کرنے کے لیے آج رات ہم فرہاد کو [illegible] کے ہاتھوں مرتے دیکھیں گے۔ اگر واقعی وہ مرنے والا [illegible] ہوگا تو پھر سمجھ لیں گے کہ اس کے بعد ہماری باری [illegible] ہم اسی رات سیارے میں واپس چلے جائیں گے۔"

انوشے ان دونوں بھائیوں کے بارے میں بہت کچھ [illegible] کرنے کے بعد سونیا کے پاس آگئی۔ اسے جے' بلرام' [illegible] اری اور ایشورارا کے متعلق بتانے لگی پھر اس نے کہا۔ "[illegible] نے ایشورارا کے خیالات پڑھے ہیں۔ وہ لڑکی جو مندر [illegible] بھینٹ چڑھانے کے لیے لائی گئی ہے۔ اس کا تعلق [illegible] سے نہیں ہے۔ وہ کولکتہ میں رہنے والی ایک بنگالی [illegible] ہے۔ اس کا نام مونا بنرجی ہے۔"

سونیا نے کہا۔ "مجھے مونا کے رشتے داروں تک پہنچاؤ۔"

اس نے کہا۔ "میں ابھی آتی ہوں۔"

وہ مونا کے ساتھ رہنے والے کے اندر آئی۔ اس [illegible] ے والے نے مونا کو ٹریپ کیا تھا۔ اس کی سوچ نے [illegible] "میں اس کے رشتے داروں کو نہیں جانتا۔ وہ سوبھاش نگر [illegible] ایک اسٹریٹ سے گزر رہی تھی۔ تب میں اسے ٹیلی پیتھی [illegible] ذریعے غائب دماغ بنا کر یہاں لے آیا۔"

انوشے نے اس کے اندر یہ سوچ پیدا کی کہ اسے مونا [illegible] ساتھ وہاں سے فرار ہونا چاہیے ورنہ اسے بھی درگا مائی کی [illegible] ٹ چڑھا دیا جائے گا۔

وہ پجاری کے دماغ میں جا کر یہ معلوم کرچکا تھا کہ [illegible] رارا نے بلرام سے اس کی زندگی بچانے کے لیے کوئی [illegible] نہیں کی ہے۔ وہ اسے وہاں قربان ہونے کے لیے چھوڑ [illegible] ہے۔ اس سیارے والے کا نام ماجورا تھا۔ وہ پریشان ہو کر [illegible] رہا تھا۔ "میں ایشورارا کی مرضی کے خلاف یہاں سے [illegible] ہو کر کہیں محفوظ نہیں رہ سکوں گا۔ وہ اور اس کا بھائی ایکورارا [illegible] ادیں گے اور واپس بلرام کے پاس پہنچا دیں گے۔"

انوشے نے کہا۔ "تمہیں بابا صاحب کے ادارے میں [illegible] حاصل ہوگا۔"

ماجورا نے حیرانی سے خلا میں تکتے ہوئے سوچا۔ "یہ [illegible] ے اندر کون بول رہی ہے؟"

"تمہاری سلامتی بول رہی ہے۔ تم پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کر کے اسے دماغ سے بھگا دیتے ہو۔ مجھے بھگا نہیں سکو گے۔"

اس نے سانس روک کر اسے دماغ سے نکالنا چاہا پھر ناکام ہو کر پوچھا۔ "کیا یہ روحانی ٹیلی پیتھی ہے؟"

"ہاں۔ میں تمہارا دماغ تمہاری شخصیت بدل دوں گی۔ ایشورارا اور وہ تینوں جنم ساتھی کبھی تمہیں ڈھونڈ نہیں پائیں گے۔ تم یہاں سے مونا کو لے کر نکلو۔ میں تمہاری مدد کرتی رہوں گی۔"

وہ بولا۔ "میں نے معلوم کیا ہے۔ یہاں بلرام کے چھ چیلے یوگا جانتے ہیں۔ میں ان کے اندر نہیں جاسکوں گا۔"

"میں جاسکوں گی۔ فکر نہ کرو۔ جن راستوں سے یہاں آئے تھے۔ ان راستوں سے نکلو۔ مونا کو لے چلو۔"

مونا پر جیسا تنویمی عمل کیا گیا تھا۔ اس کے نتیجے میں وہ سحر زدہ سی رہتی تھی۔ ماجورا نے کہا۔ "او میری بہن! ہمیں یہاں سے جانا ہے۔"

وہ اس کا ہاتھ تھام کر کمرے سے باہر آیا۔ بلرام کا ایک چیلا لاٹھی لیے باہر کھڑا تھا۔ اس نے ڈانٹ کر کہا۔ "اے! اندر جاؤ۔ نہیں تو ڈنڈے پڑیں گے۔"

انوشے نے اس کے دماغ پر قبضہ جمایا۔ وہ کھڑا ہوا تھا۔ لاٹھی پھینک کر بیٹھ گیا پھر لیٹ گیا۔ اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ اس کھنڈر نما مندر کا پچھلا حصہ ویران تھا۔ ادھر کوئی نہیں آتا تھا۔ قیدیوں کی وجہ سے وہاں کے مختلف حصوں میں چھ پہریداروں کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی۔

وہ پہریدار ایک دوسرے سے دور تھے۔ انہیں یہ معلوم نہ ہوسکا کہ دو قیدی فرار ہو رہے ہیں اور انوشے ان پہریداروں کو ایک ایک کر کے بے دست و پا بناتی جارہی ہے۔

کبریا نے سونیا کو بتایا کہ وہ دونوں فرار ہو رہے ہیں اور مندر کے پچھلے حصے سے نکل کر ہوڑا برج کے راستے پر آنے والے ہیں' وہ ایک رینٹڈ کار ڈرائیو کرتی ہوئی وہاں پہنچ گئی۔ انوشے نے ان دونوں کو اسی جگہ پہنچا دیا۔ وہ پچھلی سیٹ پر آکر بیٹھ گئے۔

بلرام کو ان کے فرار ہونے کی اطلاع ملتی تو وہ مونا اور ماجورا کے دماغوں میں پہنچ کر انہیں واپسی پر مجبور کر دیتا مگر اس سے پہلے ہی انوشے نے اپنی دادی آمنہ کو بلا لیا پھر دادی اور پوتی نے مونا اور ماجورا پر روحانی عمل شروع کیا۔ ان کے دماغوں میں کلام پاک کی آیتیں پڑھنے لگیں۔

ادھر پجاری نے بلرام کے پاس آکر کہا۔ "وہ دونوں کمرے میں نہیں ہیں۔ باہر آپ کا چیلا بیہوش پڑا ہے پھر میں

نے آگے جا کر دیکھا تو دوسرا بھی بیہوش پڑا ہے۔"

بلرام نے فوراً ہی خیال خوانی کی چھلانگ لگائی۔ ایک کے بعد دوسرے، تیسرے پہریدار کے اندر پہنچ کر دیکھا' وہ سب کے سب آنکھیں بند کیے غافل پڑے تھے پھر اس نے ماجورا کے اندر پہنچنا چاہا تو سوچ کی لہریں کہیں سے ٹکرا کر واپس آ گئیں۔ وہ حیران ہو رہا تھا کہ مونا اور ماجورا اچانک کیسے فرار ہو گئے؟ ماجورا کا دماغ کیوں نہیں مل رہا ہے؟

اس نے مونا کے اندر پہنچنا چاہا' وہاں مقدس آیتیں گونج رہی تھیں۔ کالا جادو کرنے والے کی ناپاک سوچ کی لہریں وہاں تک پہنچ نہیں پا رہی تھیں۔ دماغ میں پہنچنے سے پہلے ہی واپس جا رہی تھیں۔

اس نے جے اور بھنڈاری کو ان کے فرار ہونے کی اطلاع دی۔ وہ بھی ٹیلی پیتھی کے ذریعے ان کا سراغ لگانے کی ناکام کوششیں کرنے لگے پھر حیران ہو کر ایک دوسرے سے بولنے لگے۔ "کیا ماجورا نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے پہریداروں کو بیہوش کیا ہے؟"

بلرام نے کہا۔ "سارے پہریدار یوگا کے ماہر ہیں۔ ماجورا ان کے اندر کیسے پہنچا ہو گا؟"

بھنڈاری نے کہا۔ "کوئی تو گڑبڑ ہوئی ہے۔ جرور کوئی ان کی مدد کے لیے چھپ کر آیا ہو گا۔"

بلرام نے کہا۔ "ایشورارا اپنے وپھادار کی جندگی کی بھیک مانگنے آیا تھا۔ میں نے بھیک نہیں دی۔ وہ اپنے ماتحت کے سنگ اس سیارے والی کو بھی لے اڑا ہے۔"

انہوں نے کمیونیکیٹنگ مشین کے ذریعے ایشورارا سے کہا۔ "ابھی کے ابھی پجاری کے اندر آ کر ہم سے باتیں کرو۔"

اس نے فوراً ہی پجاری کو اپنا آلہ کار بنا کر بلرام سے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

اس نے کہا۔ "تم مکاری دکھا رہے ہو۔ مجالہ اور ماجورا کو ہم سے چھین کر لے گئے ہو۔"

وہ حیرانی سے بولا۔ "یہ کیا کہہ رہے ہو؟ تم سے باتیں کرنے کے بعد میں نے ماجورا سے اب تک رابطہ نہیں کیا ہے۔"

"وہ اپنی بہنا کے ساتھ بھاگ گیا ہے۔ وہ ایک اکیلا ٹیلی پیتھی جاننے والا ہمارے چھ یوگا جاننے والوں کو بیہوش کر کے نہیں جا سکتا تھا۔ تم نے اور تمہارے دوسرے ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے جرور اس کی مدد کی ہے۔"

"مجھے غلط نہ سمجھو۔ میں تم تینوں سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔ ایک وفادار کی خاطر تم سے دشمنی مول لینے کی حماقت نہیں کروں گا۔"

"ہم تمہاری بات کا وشواس نہیں کریں گے۔ دا[illegible] بن کر رہنا چاہتے ہو تو ان دونوں کو ہمارے پاس واپس لا[illegible]"

"میں ابھی معلوم کرتا ہوں' ماجورا کہاں ہے؟ ا[illegible] ابھی پکڑ کر لے آؤں گا۔"

"ہم اسے پکڑنے گئے تھے۔ پر اس کا دماگ نہیں [illegible] رہا ہے۔"

"سوچ کی لہروں کو دماغ نہ ملنے کا مطلب تو یہ ہو[illegible] وہ مر چکا ہے۔"

"اس کی بہنا کا بھی دماغ نہیں مل رہا ہے۔ کیا [illegible] دونوں یہاں سے بھاگ کر باہر جاتے ہی مر گئے؟ ایسا ہو سکتا ہے؟"

"ہو سکتا ہے' وہ کسی حادثے کا شکار ہو گئے ہوں۔"

"پر وہ بھاگے کیسے؟ ہمارے چھ پہریداروں کو بے[illegible] کیسے کیا؟"

ایشورارا نے کہا۔ "میں کیا بتاؤں؟ تمہارے بھگوا[ن کا] واسطہ دیتا ہوں' مجھ پر شبہ نہ کرو۔ میں خوامخواہ بیٹھے بٹھا[ئے تم] سے دشمنی مول لینے کی غلطی نہیں کروں گا۔"

"ہم کچھ نہیں جانتے۔ ہم نے درگا ماں کو وچن [دیا ہے۔] آج ایک جوان لڑکی کو بھینٹ چڑھائیں گے۔ وہ لڑکی [نہیں تو اس] کی جگہ کسی دوسری لڑکی کو رات ہونے سے پہلے یہاں پہنچا دو۔"

اس نے کہا۔ "اگر وہ دونوں واقعی مر چکے ہیں تو [میں] کسی دوسری لڑکی کو ٹریپ کر کے یہاں پہنچا دوں گا لیکن میر[ی] ایک بات کا جواب دو۔ وہ دوسری بھی وہاں سے [لاپتا] ہو جائے گی تو کیا پھر مجھے الزام دو گے؟ کیا یہ نہیں مانو گے [کہ] تمہارے حفاظتی انتظامات کمزور ہیں؟"

"اب ہم ہوشیار رہیں گے۔ ایسا نہیں ہونے دیں گے۔"

ایشورارا نے وہاں سے آ کر ماجورا اور مجالہ کے اند[ر] پہنچنا چاہا مگر ناکام رہا۔ اتنی دیر میں آمنہ نے روحانی[ت] کے ذریعے ماجورا کی شخصیت بدل دی تھی اور انوشے' مونا [کی] یادداشت واپس لے آئی تھی۔ وہ خود کو ایک بنگالی لڑکی [کی] حیثیت سے پہچان رہی تھی۔ انوشے نے اس کے دماغ کو [اس] طرح لاک کیا تھا کہ پرائی سوچ کی لہریں اسے چھو بھی [نہیں] سکتی تھیں۔ واپس جا کر یہی تاثر قائم کرتیں کہ وہ مر چکی ہے۔

سونیا نے اسے سوبھاش نگر کی اسٹریٹ میں پہنچا[کر] کہا۔ "تمہیں یہیں سے اغوا کیا گیا تھا۔ میں تمہیں واپس [لے] آئی ہوں۔ اب اپنے گھر جاؤ۔"

وہ حیرانی سے بولی۔ "میں اب تک کہاں تھی؟"

بتاؤ' میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟''

''میرے پاس بتانے کا وقت نہیں ہے۔ یہ اطمینان رکھو کہ تمہاری عزت پر ذرا سی آنچ نہیں آئی ہے۔ تم خوش نصیب ہو۔ سلامتی سے واپس آگئی ہو۔''

وہ گاڑی سے اتر گئی۔ سونیا نے ماجورا سے کہا۔ ''میں آگے جا کر تمہیں کہیں ڈراپ کروں گی پھر تم جہاں جانا چاہو گے جا سکو گے۔''

اس نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔ وہ بولا۔ ''ہمارے بہت سے سیارے والوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ میرا دل میرا دماغ کہتا ہے' میں تمہارے دین کے سائے میں محفوظ رہوں گا۔ پلیز مجھے مسلمان بناؤ۔''

وہ ایک جگہ گاڑی روک کر بولی۔ ''ٹھیک ہے۔ ابھی جاؤ۔ تھوڑی دیر بعد دین اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں تمہیں رہنمائی ملے گی اور اطمینان رکھو۔ تمہیں تحفظ اور سلامتی بھی ملے گی۔''

وہ گاڑی سے اتر کر چلا گیا۔ سونیا نے انوشے سے پوچھا۔ ''کیا تم ماجورا کی رہنمائی کرو گی؟''

اس نے کہا۔ ''ایشورارا اب مونا کی جگہ کسی دوسری لڑکی کو بلرام کے پاس پہنچانے والا ہے۔ میں کسی معصوم اور بے گناہ پر ظلم نہیں ہونے دوں گی۔ مجھے اجازت دیں' میں اس سے نمٹنے جا رہی ہوں۔''

''ٹھیک ہے' تمہیں کسی بے گناہ کی سلامتی کے لیے جانا چاہیے۔''

پھر اس نے کبریا سے کہا۔ ''تم ماجورا کی رہنمائی کرو۔ وہ ہمارا دین قبول کرنے کا شرف حاصل کرے گا۔ اس کے لیے محفوظ پناہ گاہ کا انتظام کرو۔''

مونا اور ماجورا نے فرار ہو کر ایشورارا کو مصیبت میں ڈال دیا تھا۔ جے' بلرام اور بھنڈاری کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے اور ان سے دوستی بحال رکھنے کے لیے کسی دوسری لڑکی کو مندر میں پہنچانا لازمی ہو گیا تھا۔

اس کے کئی وفادار ٹیلی پیتھی جاننے والے کولکتہ میں تھے۔ وہ انہیں حکم دے چکا تھا کہ آدھے گھنٹے کے اندر کسی کنواری لڑکی کو ٹریپ کر کے مندر میں پہنچایا جائے۔ وہ صرف حکم دے کر مطمئن نہیں رہ سکتا تھا۔ ان کے دماغوں میں بار بار جا رہا تھا۔

ایک وفادار نے اطلاع دی کہ اس نے ایک نوخیز کنواری کو پھانس لیا ہے۔ وہ اپنے بنگلے کے لان میں جھولا جھول رہی ہے۔ ابھی اسے غائب دماغ بنا کر وہاں سے مندر میں لایا جا سکتا ہے۔

ایشورارا نے لڑکی کے دماغ میں آ کر اس کے خیالا[illegible] پڑھے۔ معلوم ہوا کہ وہ کنواری ہے۔ اس میں کوئی جس[illegible] عیب نہیں ہے۔ بلی چڑھائے جانے کے قابل ہے۔

اس نے وفادار سے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ اسے [illegible] دماغ بنا کر لے چلو۔''

لڑکی کا نام بینا تھا۔ انوشے اس کے دماغ میں [illegible] گئی۔ اس وفادار نے بینا کے اندر آ کر اس پر قبضہ جمانا چا[illegible] معلوم ہوا کہ اس کا دماغ گرفت میں نہیں آ رہا ہے۔ [illegible] سوچ کی لہریں اس سے متاثر نہیں ہو رہی تھیں۔ اسے [illegible] لگ رہا تھا' جیسے دماغ میں پہنچ کر بھی نہیں پہنچ رہا ہے۔

اس نے ایشورارا سے کہا۔ ''گریٹ ایشورارا! [illegible] کیا معاملہ ہے؟ بینا کا دماغ میری گرفت میں نہیں آ رہا [illegible]''

وہ فوراً ہی اس کے اندر پہنچ کر اسے اپنی گرفت [illegible] لینے کی کوششیں کرنے لگا۔ اسے بھی یوں لگ رہا تھا' [illegible] کو مٹھی میں لینا چاہتا ہے اور مٹھی خالی رہ جاتی ہے۔ [illegible] سوچ کی لہریں گرفت میں نہیں آ رہی تھیں۔ اس کے اندر [illegible] مل رہی تھی مگر وہ گرفتار نہیں ہو رہی تھی۔

ایشورارا نے جھنجلا کر کہا۔ ''ہمارے پاس یہ [illegible] وقت نہیں ہے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ فوراً کسی دوسری [illegible] کو ٹریپ کرو۔''

تھوڑی دیر بعد دوسرے وفادار نے اسے اور ایک [illegible] کو دوسری لڑکی کے اندر پہنچایا تو وہاں بھی یہی تماشا ہوا۔ [illegible] کے دماغ میں بھی جگہ مل رہی تھی مگر اس کی سوچ کی لہ[illegible] گرفت میں نہیں آ رہی تھیں۔

انہوں نے پریشان ہو کر تینوں جنم ساتھیوں [illegible] کہا۔ ''ہمیں خیال خوانی کے سلسلے میں نیا [illegible] ہو رہا ہے۔ لڑکیوں کے دماغوں میں جگہ مل رہی ہے مگر ا[illegible] سوچ کی لہریں گرفت میں نہیں آ رہی ہیں۔''

انہوں نے کہا۔ ''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جس کے دما[illegible] میں جگہ ملتی ہے' وہ ہماری پکڑ میں جرور آتا ہے۔ تم ہم کو ا[illegible] پہنچاؤ۔''

ایشورارا نے انہیں بینا اور اس دوسری لڑکی کے [illegible] پہنچا دیا۔ جے' بلرام اور بھنڈاری نے بھی انہیں گرفت[illegible] لینے کی کوششیں کیں اور ناکام ہوتے رہے پھر ان سب[illegible] ایک تیسری لڑکی کو ٹریپ کیا۔ انہیں اس کے اندر بھی جگہ [illegible] اس کے دماغ پر بھی قبضہ نہ جما سکے۔ یہ عجیب معاملہ تھا۔ [illegible] کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

ان تینوں جنم ساتھیوں نے منتر پڑھتے ہوئے کو[illegible]

[illegible]ں۔ ان کے تمام آموزدہ منتر بھی نتیجہ خیز نہ ہو سکے۔ تب [illegible]وں نے تھک ہار کر کہا۔ ''یہ مسلمانوں کی کارستانی ہے۔ وہ [illegible] روحانی ٹیلی پیتھی کا کمال دکھا رہے ہیں۔''

[illegible] جے نے کہا۔ ''آج اگر ہم نے درگا ماں کو پرسن کر دیا [illegible]م کو ایسی شکتی ملے ہو گی کہ ہم روحانی ٹیلی پیتھی جاننے [illegible]ں کی ایسی کی تیسی کر دیں گے۔''

بھنڈاری نے کہا۔ ''مسلمان چاہتے ہیں' ہم کو وہ شکتی [illegible] ملے۔ ہم ان سے کمتر رہیں۔ اسی لیے کسی کنواری کنیا کو [illegible] پکڑ میں نہیں آنے دے رہے ہیں۔''

بلرام نے کہا۔ ''ہم کو کچھ کرنا ہو گا۔ کسی بھی طرح کسی [illegible]اری کو درگا ماں کے چرنوں میں لانا ہی ہو گا۔''

ایشورارا نے پوچھا۔ ''کسی کو کیسے ٹریپ کر سکیں [illegible]؟ ہم سب پرائی سوچ کی لہروں کو سانس روک کر بھگا [illegible] ہیں مگر روحانی ٹیلی پیتھی کی لہروں کو محسوس نہیں [illegible]اتے۔ یقیناً ان لمحات میں بھی بابا صاحب کے ادارے [illegible] ہمارے اندر موجود ہوں گے۔ ہماری باتیں سن رہے [illegible]ں گے۔''

بھنڈاری نے کہا۔ ''جب ہم منتر پڑھتے ہوئے کسی [illegible]یپ کریں گے تو وہ روحانی ٹیلی پیتھی جاننے والے [illegible]ے اندر نہیں آ سکیں گے۔''

ایکورارا نے کہا۔ ''اگر تم تینوں انہیں اپنے اندر آنے [illegible] روک سکو گے تو یہ بہت بڑا کارنامہ ہو گا اور اگر ناکام رہے [illegible] لو فرہاد تمہارے شکنجے سے نکل جائے گا۔''

بلرام نے پوچھا۔ ''کیا بکواس کر رہے ہو؟''

ایکورارا نے کہا۔ ''کیا اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آ رہی [illegible] کہ روحانی ٹیلی پیتھی جاننے والے تم تینوں کے دماغوں [illegible] آتے جاتے رہتے ہیں اور تم انہیں محسوس نہیں کرتے [illegible] انہوں نے تمہیں جان بوجھ کر ڈھیل دی ہے کہ اسے قیدی [illegible]کھو بعد میں وہ تم سے نمٹ لیں گے۔''

ایشورارا نے کہا۔ ''ہاں۔ آج رات وہ فرہاد کے دماغ [illegible] رہیں گے۔ وہ تمہاری گرفت سے ایسے ہی نکل جائے گا' [illegible] وہ تمام لڑکیاں ہماری تمہاری خیال خوانی کی گرفت سے [illegible] چلی گئی ہیں۔''

وہ تینوں پریشان ہو کر سوچ میں پڑ گئے۔ را ایجنسی کے [illegible] ان نے پہلے ہی اندیشہ ظاہر کیا تھا اور کہا تھا کہ فرہاد کے [illegible] ٹیلی پیتھی جاننے والوں اور بابا صاحب کے ادارے [illegible] والوں نے فرہاد کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہے۔ ان کی ایسی [illegible]وشی کے پیچھے ضرور کوئی طوفان چھپا ہوا ہے۔

مگر جے' بلرام اور بھنڈاری بہت زیادہ خوش فہمی میں مبتلا تھے۔ انہوں نے کہا تھا۔ ''پھرہاد کے پیچھے چاہے کتنے ہی طوفان چھپے ہوں۔ وہ ہمارے کالے جادو کے آگے اپنا رخ بدل رہے ہیں۔ کبھی ہماری طرف نہیں آ سکیں گے۔ انہیں کبھی معلوم نہیں ہو گا کہ ہم پھرہاد کو کہاں لے جا رہے ہیں؟''

را والے ان کی باتوں سے قائل ہو گئے تھے مگر اب روحانی ٹیلی پیتھی کا کمال دیکھ کر وہ تینوں فکر میں مبتلا ہو رہے تھے۔ یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ روحانی ٹیلی پیتھی جاننے والے بہت گہرے' بہت پراسرار ہیں۔ ابھی خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ جب مجھے کالی ماتی کے سامنے لایا جائے گا' تب وہ ایکشن میں آئیں گے۔

انہوں نے یہ طے کیا کہ بلرام پوجا پاٹ میں مصروف رہے گا۔ اور جے' بھنڈاری مسلسل میرے اندر رہیں گے' منتر پڑھتے ہوئے یہ معلوم کریں گے کہ روحانی ٹیلی پیتھی جاننے والے میرے اندر چھپے ہوئے ہیں یا نہیں؟

ان کی تمام خوش فہمی ہوا ہو گئی تھی۔

☆☆☆

میرے نصیب بھی کیا خوب عجیب ہیں؟ جے' بلرام اور بھنڈاری میری گردن اڑانا چاہتے تھے اور ان کی بیٹی نیہا اسی گردن میں اپنی بانہوں کا ہار پہنا رہی تھی۔

میں اس حسینہ سے پیچھا چھڑانے کی کوششیں کر چکا تھا۔ میری اور اس کی عمر میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ میرے سمجھانے کے باوجود وہ اس فرق کو نظر انداز کر رہی تھی۔ اس کا باپ جے بلرام بھنڈاری بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ مجھ سے دور رہے۔ وہ اپنے تینوں باپ جے' باپ بلرام اور باپ بھنڈاری سے کہہ چکی تھی کہ وہ مجھ سے دور رہیں۔ مجھے بھینٹ چڑھانے کے لیے مندر کا خیال دماغ سے نکال دیں۔

وہ بیٹی کا دل نہیں دکھانا چاہتے تھے۔ انہوں نے یہ سوچ لیا کہ جب مجھے مندر لے جانے کا وقت آئے گا تو نیہا کو تنویمی عمل کے ذریعے گہری نیند سلا دیا جائے گا پھر وہ دوسری صبح بیدار ہو گی تو کہہ دیا جائے گا کہ میں زنجیریں توڑ کر ان کی قید سے نکل بھاگا ہوں۔ وہ میری جدائی میں روئے گی پھر رفتہ رفتہ صبر کر لے گی۔

ابھی تو وہ میرے ساتھ اس بنگلے میں تھی مگر ماں کی ہلاکت کے بعد سنجیدہ ہو گئی تھی۔ مجھے دیوانگی کی حد تک چاہنے کے باوجود میرے قریب نہیں آ رہی تھی۔ میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا۔ ماں کی دائمی جدائی کا صدمہ ایسا تھا کہ اس کے چہرے کی رونق ہوا ہو گئی تھی۔ فی الحال شادی خانہ آبادی کے

جھمیلے کو بھی بھولی ہوئی تھی۔

اب میری دماغی توانائی بحال ہو رہی تھی۔ میں پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرنے لگا تھا اور میں نے محسوس کیا کہ جے اور بھنڈاری چپ چاپ میرے اندر آ کر خیالات پڑھ رہے ہیں۔ میں انجان بنا رہا' ان کے بولنے کا انتظار کرتا رہا۔

وہ فکر میں مبتلا ہو کر آئے تھے۔ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ روحانی ٹیلی پیتھی جاننے والے میرے اندر موجود ہیں یا نہیں؟ بلرام نے تنویمی عمل کر کے مجھے اپنا معمول اور تابعدار بنایا تھا۔

وہ یہ بھی معلوم کرنا چاہتے تھے کہ میں اس عمل کے اثر میں ہوں یا روحانی ٹیلی پیتھی مجھے اپنے اثر میں لے چکی ہے؟

جے اور بھنڈاری میرے چور خیالات کو اچھی طرح کھنگال رہے تھے۔ انہیں یہی معلوم ہو رہا تھا کہ میں جسمانی اور دماغی طور پر کمزور ہوں اور بلرام کے شکنجے میں خود کو مجبور اور بے بس سمجھ رہا ہوں۔ اپنے بچوں کو اور دل و جان سے چاہنے والی سونیا کو یاد کرتا رہتا ہوں۔

وہ خاموشی سے میرے خیالات پڑھ رہے تھے اور انہیں خاطر خواہ معلومات حاصل نہیں ہو رہی تھیں۔

آخر جے نے مجھے مخاطب کیا۔ "کیوں فرہاد...! بیوی بچے بہت یاد آ رہے ہیں؟"

میں نے ایک سرد آہ بھر کہا۔ "ہاں۔ تم نے ان سے جدا کر دیا ہے۔ یہ معلوم ہوا ہے کہ تم مجھے بھینٹ چڑھانے والے ہو۔ کیا میں آخری بار اپنے بچوں سے دو باتیں بھی نہیں کر سکوں گا؟"

بھنڈاری نے کہا۔ "تم ان کے لیے سوچتے رہتے ہو تو وہ تمہارے لیے کیوں نہیں سوچ رہے ہیں؟ تمہاری مدد کے لیے کیوں نہیں آ رہے ہیں؟"

میں نے کہا۔ "شاید وہ مجھے تلاش کر رہے ہوں گے۔ میں سمجھتا ہوں' تمہارے کالے جادو نے انہیں بھٹکا دیا ہے۔ وہ میرا سراغ لگانے میں ناکام ہو رہے ہیں۔"

اب تک ان کا بھی یہی خیال تھا۔ وہ میری خیال آرائی سے خوش ہو گئے مگر تھوڑی دیر پہلے ان کی خوش فہمی کو دھچکا لگا تھا۔ جے نے کہا۔ "تمہارے روحانی ٹیلی پیتھی جاننے والے ہمارے کالے جادو کے باوجود ہمارے اندر پہنچ جاتے ہوں گے۔ تمہارا کیا کھیال ہے' کیا وہ ہمارے اندر آتے ہوں گے؟"

میں نے کہا۔ "اگر آتے تو میں اب تک قیدی بن کر نہ رہتا۔ وہ مجھے تمہارے شکنجے سے نکال کر لے جاتے۔"

میری اس بات نے انہیں کسی حد تک قائل کیا۔

بھنڈاری نے کہا۔ "آج ہم کنواری لڑکیوں کو ٹریپ کرنا چاہتے تھے۔ پر ہماری سوچ کی لہریں ان کے دماغوں کے بے اثر ہو گئیں۔ صاف معلوم پڑ رہا تھا' روحانی ٹیلی پیتھی جاننے والے ان لڑکیوں کو سلامتی دے رہے ہیں۔"

"اگر وہ غیر اور انجانی لڑکیوں کو تحفظ دے رہے [illegible] میں ان کا اپنا ہوں۔ ان کے لیے بہت اہمیت رکھتا ہوں [illegible] میری حفاظت اور سلامتی کے لیے کیوں نہیں آ رہے ہیں [illegible]

"یہی تو ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"معلوم تو یہی ہوتا ہے کہ جو لڑکیوں کی حفا[illegible] کر رہے تھے' وہ روحانی ٹیلی پیتھی جاننے والے نہیں تھے [illegible] ہوتے تو میری سلامتی کے لیے بھی ضرور آتے۔"

میری باتیں سن کر انہیں اطمینان حاصل ہو رہا تھا [illegible] ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے۔ "فرہاد ٹھیک [illegible] رہا ہے۔ ہم ان لڑکیوں کو ٹریپ کرنے میں ناکام ہوئے' ابھی اس بات کی وجہ معلوم کرنے کا ٹائم نہیں ہے۔ [illegible] میں ان کے اندر جا کے سچائی معلوم کریں گے۔"

اس وقت شام کے چھ بجنے والے تھے۔ ایک [illegible] گھنٹے میں رات کی تاریکی پھیلنے والی تھی۔ جے اور بھنڈا[illegible] اپنی بیٹی نیہا کے اندر پہنچ گئے۔ وہ اپنے کمرے میں تھی۔ [illegible] کی ہلاکت کا سوگ منا رہی تھی۔ انہوں نے اس کے دما[illegible] قبضہ جما لیا۔ اسے غائب دماغ بنا کر بیڈ پر لٹا دیا۔ وہ [illegible] یہ طے کر چکے تھے کہ اسے گہری نیند سلا دیں گے تا کہ [illegible] میرے معاملے میں رکاوٹ نہ بنے۔ لہٰذا انہوں نے [illegible] منٹ میں اسے اپنے آپ سے غافل کر دیا۔ دماغ میں [illegible] کر دیا کہ وہ دوسری صبح سے پہلے بیدار نہیں ہو گی۔

پھر وہ میرے پاس آئے۔ جے نے کہا۔ "چلو [illegible] باہر ایک کار ہے۔ اسے ڈرائیو کرتے ہوئے مندر میں آ[illegible] تم کو وہاں کا رستہ بتاتے رہیں گے۔"

میں نے ایک معمول اور تابعدار کی حیثیت سے [illegible] کے حکم کی تعمیل کی۔ باہر آ کر کار کی اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ گیا [illegible] اسے ڈرائیو کرتا ہوا وہاں سے جانے لگا۔

[illegible] جے' بلرام اور بھنڈاری کے معاملات میں اور خا[illegible] طور پر میرے معاملے میں اب تک کوئی رکاوٹ پیش نہیں [illegible] تھی۔ روحانی ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے کسی طرح کا [illegible] نہیں کیا تھا۔ میں مندر پہنچ گیا' تب بھی کوئی مجھے بچانے [illegible] آیا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر ان تینوں کو اطمینان حاصل ہو رہا تھا [illegible] میں اس کھنڈر میں پہنچ گیا۔ جہاں وہ شکستہ [illegible] تھا۔ اس مندر کے وسیع و عریض حصے میں وہی بارہ فٹ او[illegible]



کالی مائی کی مورتی رکھی ہوئی تھی۔ وہ لہو ٹپکاتی ہوئی لانبی زبان نکال کر جیسے مجھے چڑا رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ "بچ کر کہاں جائے گا؟ میرے چرنوں میں تڑپ تڑپ کر جان دے گا۔"

را ایجنسی کا چیف دیپک راٹھور بھی اپنے چار سراغ رسانوں کے ساتھ وہاں آیا ہوا تھا۔ میری موت کا تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔ دوسری طرف امریکی خیال خوانی کرنے والے وائس مین' جیمز ہارڈی اور ٹف گائی مائیکل اور گائی ڈی البرٹ بھنڈاری کے چیلوں کے اندر موجود تھے۔

ایشورارا' ایکورارا اور ان کے چند وفادار بھی دوسرے چیلوں کے اندر آ گئے تھے۔ وہ سب ہی جے' بلرام اور بھنڈاری کا انتظار کر رہے تھے۔ پجاری ان کی عدم موجودگی میں پوجا کر رہا تھا۔

وہ تینوں اس لیے وہاں موجود نہیں تھے کہ اماوس کی رات شروع ہو چکی تھی۔ اندھیرا پھیل گیا تھا اور اب وہ تین نہیں رہے تھے۔ ایک ہی جسم میں سمٹ آئے تھے۔ یہ ایسا راز تھا کہ وہ کسی کو بتانا نہیں چاہتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد بھنڈاری کالی مائی کی مورتی کے پیچھے سے نکل کر آیا۔ اس نے را ایجنسی کے چیف کو اور اپنے ان تمام چیلوں کو دیکھا جو تمام خیال خوانی کرنے والوں کے آلہ کار بنے ہوئے تھے پھر اس نے کہا۔ "میں تم لوگوں کا سواگت کرتا ہوں۔ میرے دو جنم ساتھی جے اور بلرام یہاں نہیں آئیں گے۔ چھپ کر رہیں گے۔ اس لیے چھپ کر رہیں گے کہ دوست بن کر آنے والے اچانک ہی دشمن بن سکتے ہیں۔ ایسے میں میری جان کو نقصان پہنچے گا تو میرے وہ دونوں جنم ساتھی میری آتما کو قابو میں کر کے مجھے نیا جیون دیں گے۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا چبوترے کے پاس آ کر بولا۔ "میری باتوں کا برا نہ ماننا۔ یہاں تم میں سے کوئی بھی میرے کو کمزور سمجھ کے مجھ پر حملہ کرنے کی بھول کر سکتا ہے اور حرام موت مر سکتا ہے۔ اس لیے میں پہلے سے خبردار کر رہا ہوں۔"

اس نے دیپک راٹھور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "را ایجنسی والے ہمارے دوست ہیں۔ پر انہوں نے دہلی ائیر پورٹ پر ہم کو دھوکا دیا تھا۔ وہاں فرہاد کو مار ڈالنا چاہتے تھے۔ پر ہم اسے بچا کر یہاں بلی چڑھانے لے آئے ہیں۔"

وہ ذرا چپ رہ کر بولا۔ "یہاں بھی دھوکا ہو سکتا ہے۔ کوئی مجھ کو ہلاک کر سکتا ہے۔ کوئی بات نہیں' میں مر کے بھی نہیں مروں گا۔ میری آتما یہاں سے جے اور بلرام کے پاس جائے گی اور وہ اسے ایک نئے شریر میں پہنچا دیں گے۔ اس طرح مجھ کو نیا جیون مل جائے گا۔"

پھر وہ آلۂ کار بننے والے چیلوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں ایشورارا سے اور امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے کہتا ہوں کہ ابھی فرہاد کا دماگ ایک کھلی کتاب بن گیا ہے۔ تم لوگ اس کے اندر جا کے معلوم کر سکتے ہو کہ یہ سچ مچ فرہاد علی تیمور ہے کہ نہیں؟"

یہ سنتے ہی ایشورارا' ایکورارا اور دوسرے تمام ٹیلی پیتھی جاننے والے میرے اندر آ گئے۔ میرے چور خیالات پڑھنے لگے۔ تین امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والے وائس مین جیمز ہارڈی اور ٹف گائی مجھ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ میرے وفادار تھے۔

انہوں نے پوچھا۔ "سر! ہم کیسے یقین کریں کہ آپ واقعی ہمارے محسن فرہاد علی تیمور ہیں؟"

میں نے کہا۔ "صبر کرو۔ تھوڑی دیر بعد یقین آ جائے گا۔"

جیمز ہارڈی نے کہا۔ "سر! ہمیں جلد سے جلد معلوم ہونا چاہیے۔ ہم آپ کے لیے جان کی بازی لگانے آئے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "میرے لیے جان کی بازی لگانے کا خیال دماغ سے نکال دو۔ جے بلرام بھنڈاری سے ٹکرانے کی غلطی نہ کرو۔ جو ہو رہا ہے' اسے خاموش تماشائی بن کر دیکھتے رہو۔"

بھنڈاری نے پجاری کو حکم دیا کہ وہ بلی دینے کے سلسلے میں خاص منتر پڑھتے ہوئے پوجا شروع کرے۔ ایک چیلا شنکھ اٹھا کر اسے منہ سے لگا کر پھونکنے لگا۔ شنکھ کی آواز پورے مندر میں گونجنے لگی۔ ایک اور چیلا ڈھول اٹھا کر ناچنے لگا۔ ایک بڑی انگیٹھی سے عود کا دھواں ہر سمت پھیل رہا تھا۔ چبوترے پر الاؤ دہک رہا تھا۔

الاؤ کے قریب ہی ایک بھاری بھرکم بغدا رکھا ہوا تھا۔ جس سے میری گردن اڑائی جانے والی تھی۔ پجاری منتر پڑھتا ہوا اس بغدے پر سندور لگا رہا تھا اور پھولوں کی پتیاں چھڑک رہا تھا پھر بھنڈاری پوجا کی تھال لے کر میرے پاس آ کر بولا۔ "درگا ماں کے آگے ہاتھ جوڑ کے سر جھکاؤ۔ تمہارا اکلیان ہو گا۔ سیدھے سورگ میں جاؤ گے۔"

میں نے کہا۔ "مجھ پر تنویمی عمل کرتے وقت بلرام نے پوچھا تھا' کیا میں کسی بھی وقت اس کے عمل سے نجات حاصل کر سکوں گا؟ تب میں نے کہا تھا کہ جب بھی میرے دین کے خلاف مجھ سے کام لو گے تو میں تمہارے جادوئی شکنجوں سے نکل جاؤں گا۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "ہماری پکڑ اتنی مجبوت ہے

کہ تمہارا بھگوان بھی تم کو....“

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی میں نے ایک الٹا ہاتھ اسے رسید کیا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔ تھال اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گرتے ہوئے ٹھن ٹھنا ٹھن ٹھنا ٹھن... بجنے لگی۔ سندور دور تک بکھر گیا۔ وہ ایک قد آور پہلوان تھا۔ اس نے مجھے دبوچنے کے لیے چھلانگ لگائی۔ میں اچھل کر ایک طرف ہو گیا۔ نتیجہ ظاہر تھا۔ وہ میری خالی جگہ آ کر فرش پر اوندھے منہ گر پڑا۔

اس نے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی مگر مجھ پر حملہ نہ کر سکا۔ اچانک ہی اس کی بیٹی نیہا سامنے آ گئی۔ وہ تنویمی عمل کے ذریعے اسے گہری نیند سلا کر مجھے یہاں لایا تھا۔ اس نے حیرانی سے پوچھا۔ ”تم....؟ تم کو تو صبح سے پہلے جاگنا نہیں تھا۔ میں نے عمل بھی کیا تھا۔ منتر بھی پڑھے تھے۔ تم کیسے ادھر آ گئیں؟“

وہ بولی۔ ”تم نے جس بیٹی کو دھوکا دیا تھا‘ وہ اب تم سے بھی زیادہ شکتی والی ہو گئی ہے۔“

وہ نیہا تھی مگر نہیں تھی۔ انوشے نے اسے آلہ کار بنا لیا تھا۔ اس کی زبان سے بول رہی تھی۔ اس نے مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ”ہائے گرینڈ پا!“

میں نے جواباً مسکرا کر کہا۔ ”خوش رہو۔ سلامت رہو دادا کی جان...!“

بھنڈاری نے حیرانی سے پوچھا۔ ”تم فرہاد کو گرینڈ پا کیوں بول رہی ہو؟ اور یہ تمہاری آواج کیوں بدلی ہوئی ہے؟“

”اس لیے بدلی ہوئی ہے کہ حالات بدل گئے ہیں۔ تمہاری شامت آ گئی ہے۔“

ایک سمت سے سونیا کی آواز سنائی دی۔ ”اور اس شامت کا نام ہے سونیا.....“

وہ مندر کے بڑے دروازے سے اندر آ رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ ”تم نے لاہور میں مجھے دھوکا دیا۔ فرہاد کو ٹریپ کر کے یہاں لے آئے۔ تمہارے کالے جادو نے یہ نہیں بتایا کہ میں لاہور سے تم لوگوں کا تماشا دیکھتی آ رہی ہوں۔“

سونیا کو دیکھتے ہی امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والے وائس مین‘ جیمز ہارڈی اور لف گاگی نے اپنے آلہ کاروں کے ذریعے خوشی سے چیخ کر کہا۔ ”لانگ لیو سونیا فرہاد...! تم جیو ہزاروں سال... کوئی تمہیں مات نہیں دے سکتا۔“

ایشورارا نے کہا۔ ”ہم سیارے والے بھی یہاں موجود ہیں۔ یہ یقین کرنے آئے ہیں کہ بھنڈاری نے واقعی فرہاد کو قیدی بنایا ہے یا نہیں؟“

ایکورارا نے کہا۔ ”ہمیں یقین نہیں تھا کہ بھنڈاری اپنی دیوی کے آگے تمہاری بلی چڑھا سکے گا۔ اب ایسا ہی لگ رہا ہے۔ کیوں بھنڈاری! کیا فرہاد کو اب اپنے شکنجے میں رکھ سکو گے؟“

بھنڈاری نے پلٹ کر مجھ پر حملہ کرنا چاہا۔ سونیا نے چھلانگ لگا کر اس کے منہ پر ایک کک ماری۔ وہ ذرا پیچھے چلا گیا۔ انوشے نے نیہا کی زبان سے کہا۔ ”ہائے جی! کیوں لڑ رہے ہو؟ اب تم تین نہیں رہے ہو۔ تین کی طاقت نہیں ہے۔ صبح تک اکیلے رہو گے۔ ٹیلی پیتھی کام نہیں آئے گی۔ تمہارا کالا جادو روحانی ٹیلی پیتھی کے آگے پانی ہو جائے گا۔“

اس نے نیہا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کیا بکواس کر رہی ہو؟ میں اکیلا نہیں ہوں۔ جے اور بلرام چھپے ہوئے ہیں۔ یہ دشمن مجھ کو جان سے مار ڈالیں گے تو وہ دونوں میری آتما کو دوسرے شریر میں پہنچا کر مجھے نیا جیون دیں گے۔“

سونیا نے اپنے اسٹائل کے مطابق گھوم کر ایک اور کک ماری۔ پھر کہا۔ ”ابھی مرو گے تو نئی زندگی حاصل کرنے کی حسرت لے کر جہنم میں جاؤ گے۔“

وہ مار کھا کر پیچھے گیا۔ اس وقت ذہنی طور پر الجھ گیا تھا۔ یہ جانتا تھا کہ میرے اور سونیا کے ہاتھوں مارا جائے گا تو اسے نئی زندگی دینے والے جے اور بلرام اس کے اندر ہی مر جائیں گے۔

اسے صبح تک تنہا لڑنا تھا۔ اس مندر سے بھاگنے میں ہی اس کی سلامتی تھی۔ اس نے سیارے والوں اور امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو اپنی طاقت اور برتری جتلانے کے لیے وہاں بلایا تھا۔ وہ تمام آنے والے بھی اسے کمزور پا کر اس پر حملے کر سکتے تھے۔

وہ ہر طرف سے خطرات میں گھر گیا تھا۔ اچانک ہی پلٹ کر وہاں سے بھاگنے لگا۔ سونیا نے اس کے پیچھے دوڑ لگائی۔ پجاری چبوترے کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے سونیا کی ٹانگ پر ٹانگ ماری۔ وہ لڑکھڑا کر گر پڑی۔ میں کچھ فاصلے پر تھا۔ بھنڈاری کو پکڑنے کے لیے دوڑ لگا رہا تھا۔ اس کی تو جان پر بن آئی تھی۔ وہ اپنی درگا ماں کے پیچھے جا کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اس کے دو چیلے میرا راستہ روکنے آئے۔ ایک کے ہاتھ میں کٹار تھی۔ دوسرا لاٹھی گھماتا ہوا آ رہا تھا لیکن مجھ پر حملہ کرنے سے پہلے ہی چیخ مار کر فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔ جیمز ہارڈی نے اس کے اندر زلزلہ پیدا کیا تھا۔ کٹار والے کو لف گاگی نے اٹھا کر پٹخ دیا۔ اس کا بھی دماغ بری طرح دکھنے لگا



...میں ان دونوں کو پھلانگ کر دوڑتا ہوا کالی مائی کی مورتی ...پیچھے آیا تو وہ دکھائی نہیں دیا۔

...آگے ایک تنگ راہداری تھی۔ میں وہاں سے گزرتا ہوا ...کمرے میں پہنچا۔ سونیا بھی دوڑتی ہوئی آ گئی۔ اس نے ...کہا۔ ”کہاں ہے وہ....؟“

اس کمرے کے فرش میں چوکور خلا تھا۔ ہم نے آگے ...کر دیکھا۔ ایک تنگ سا زینہ نیچے تہ خانے میں ...تھا۔ نیچے ایک مشعل روشن تھی۔ سونیا نے نیچے اتر کر مشعل ...ہاتھ میں لیا پھر ہم آگے بڑھنے لگے۔

آگے ایک تنگ راہداری تھی۔ وہاں سے گزرتے ...معلوم ہوا کہ وہ ایک سرنگ ہے۔ میں نے خیال خوانی ...ذریعے انوشے سے کہا۔ ”ہم اس کے پیچھے بھاگنا نہیں ...تم اسے روکو۔“

اس نے کہا۔ ”سوری گرینڈ پا! اس کے پیچھے بھاگنا ہی ...یہ مقدر کا کھیل ہے۔ وہ صبح تک اپنی جان بچاتا پھرے ...آپ اسے دوڑاتے رہیں گے۔ روحانی ٹیلی پیتھی کا کام ...ختم ہو چکا ہے۔ مجھے آگے کچھ کرنے کی اجازت نہیں ...میں جا رہی ہوں۔ خدا حافظ....“

وہ چلی گئی۔ میں نے اور سونیا نے ایک دوسرے کو ...تھا۔ لوحِ مقدر پر جو لکھا جاتا ہے‘ وہی ہوتا رہتا ہے۔ ہم ...تدبیر سے اور کبھی دعاؤں سے اس تحریر کو بدلنا چاہتے ہیں۔ ...کوئی تدبیر کارگر ہوتی ہے‘ کوئی دعا قبول ہو جاتی ...شاید اس لیے کہ لوحِ مقدر میں قبولیت لکھی ہوتی ...ہم قدرت کے پیچیدہ رازوں کو کسی حد تک سمجھتے ہیں اور ...سمجھتے الجھتے رہتے ہیں۔

وہ سرنگ بہت لمبی تھی۔ ہم تقریباً آدھے گھنٹے تک چلتے ...سونیا نے کہا۔ ”پتا نہیں وہ اسی سرنگ سے فرار ہوا ہے ...دوسرے راستے سے نکل گیا ہے؟“

میں نے کہا۔ ”ایسی سرنگیں جان بچا کر فرار ہونے کے ...بنائی جاتی ہیں۔ وہ اسی راستے سے آگے کہیں گیا ہو گا۔“

...اس سرنگ کے اختتام پر کچی سیڑھیاں بنی ہوئی ...ہم ان پر چڑھتے ہوئے ایک چھوٹے سے مندر میں ...وہاں شیو شنکر ہر ہر مہادیو کی پوجا کی جاتی تھی۔ ہم ...کمرے میں پہنچے وہاں مختلف سامان بکھرا ...بھنڈاری نے گیروے رنگ کی دھوتی پہنی تھی۔ وہ ایک ...کے سامنے پڑی ہوئی تھی۔ ریڈی میڈ میک اپ کا ...بھی تھا۔ وہ لباس اور چہرہ بدل کر وہاں سے بھاگ گیا

ہم اس مندر سے باہر آئے رات کی تاریکی میں ایک گاڑی کی ہیڈ لائٹس دور جاتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ بھنڈاری ہی ہو سکتا تھا۔ میں خیال خوانی کی پرواز کرتا ہوا اس کے اندر پہنچا۔ اگرچہ سانس روک کر اس نے مجھے اپنے اندر ٹھہرنے نہیں دیا۔ تاہم چند ساعتوں میں یہ معلوم ہو گیا کہ وہ کار ڈرائیو کر رہا ہے۔

سونیا نے کہا۔ ”آدھی رات تو گزر چکی ہے۔ وہ مزید پانچ یا چھ گھنٹوں تک ہم سے دور بھاگتا رہے گا۔“

ہم تیزی سے آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ کسی گاڑی کی تلاش میں تھے۔ وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہونے کے لیے بڑی تیزی دکھا رہا تھا۔ اسے ایک سے تین ہونے کی فکر ستا رہی تھی اور صبح سے پہلے ایسا ہو نہیں سکتا تھا۔

وہ قدرے ویران علاقہ تھا۔ ایک مکان کے سامنے ایک خوبصورت مہنگی کار کھڑی ہوئی تھی۔ وہاں غریب طبقہ رہائش پذیر تھا۔ سونیا نے دروازے پر دستک دی۔ اندر خاموشی رہی۔ تب میں نے دروازہ پیٹنا شروع کیا۔ ایک شخص غصے سے بڑبڑاتا ہوا آیا۔ بند دروازے کے پیچھے سے بولا۔ ”کون ہے؟ جاؤ یہاں سے... آدھی رات کو دروازہ نہیں کھلے گا۔“

میں اس کے اندر پہنچ گیا۔ اس کا غصہ اور دماغ کی گرمی سرد پڑ گئی۔ وہ دروازہ کھول کر باہر آیا۔ میں نے کہا۔ ”کار کی چابی دو۔ میں جانتا ہوں‘ تم ایک پیپر کے اونر ہو۔ یہاں اپنی داشتہ کے ساتھ منہ کالا کر رہے ہو۔ کیا میں تمہاری بیوی بچوں کو یہاں لے آؤں؟“

اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے نہیں نہیں کہتے ہوئے چابی میرے ہاتھ پر رکھ دی۔ ہم فوراً ہی کار میں آ کر بیٹھ گئے۔ اس رئیس اعظم کا دماغ میری مٹھی میں تھا۔ وہ چپ چاپ کھڑا دیکھ رہا تھا۔ سونیا نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔ بھنڈاری کی کار نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ پتا نہیں‘ وہ کتنی دور نکل گیا تھا۔

ہم اندازے سے اس سڑک پر چلتے ہوئے دو راہے‘ پھر چوراہے پر آ گئے۔ یہ سمجھنا ممکن نہیں تھا کہ وہ کس راستے پر گیا ہے؟ سونیا نے ایک چوراہے پر کار روک دی۔ اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ”آہ.... اس فرار ہونے والے کے لیے اتنے سارے راستے کھلے ہیں۔ وہ کدھر گیا ہو گا؟ ہم کدھر جائیں؟“

وہ سر اٹھا کر اس کی بُو سونگھنے کی کوشش کرنے لگی۔ بھنڈاری کے پاس ایک ننھی سی پرفیوم کی شیشی تھی۔ اس

نے اپنے لباس میں کچھ پرفیوم لگا رکھا تھا۔ اس لیے اس کی بُو نہیں مل رہی تھی۔

میں نے پھر بھنڈاری کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ وہ سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک کر بھگا دیتا تھا مگر اس وقت ایسا نہ کرسکا۔ اچانک ہی کہیں ٹھوکر کھا کر گر پڑا تھا۔ تکلیف کی شدت سے ہانپتا ہوا دوبارہ اٹھ کر دوڑنے لگا۔

اتنی دیر میں پتا چلا کہ اس کی کار رکھشا راتھی۔ اس میں خرابی پیدا ہوگئی تھی اور خرابی دور کرنے کا وقت نہیں تھا۔ جس طرح میں نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے ایک کار حاصل کی تھی۔ اسی طرح وہ بھی ایک سمت دوڑتا ہوا کسی گاڑی والے کو ٹریپ کرنے کا منتظر تھا۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ اس علاقے کی سڑکیں ویران تھیں۔

وہ ایک جگہ رک گیا۔ دور سے ایک گاڑی آتی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی سانسیں بحال ہو رہی تھیں۔ اس نے سانس روک کر مجھے بھگا دیا۔ میں اس کے اندر زلزلہ پیدا کرنا چاہتا تھا۔ کم بخت ان ہی لمحات میں بچ کر نکل گیا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ اس وقت وہ ہاتھی بگان میں ہے۔

میں نے قریب سے گزرنے والے ایک شخص کو روک کر پوچھا۔ "ہاتھی بگان کس طرف ہے؟"

اس نے ایک سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس راستے پر جائیں۔ پندرہ منٹ میں وہاں پہنچ جائیں گے۔"

سونیا نے فوراً ہی کار اسٹارٹ کرکے اسے آگے بڑھایا پھر اس کی رفتار بڑھاتی چلی گئی۔ جلد ہی ہمیں سڑک کے کنارے وہ کھٹارا کار دکھائی دی۔ بھنڈاری وہیں سے دوڑتا ہوا آگے گیا تھا مگر ہمیں دیر ہوچکی تھی۔ وہ ایک گاڑی والے سے لفٹ لے کر کسی دوسری سمت چلا گیا تھا۔

ہم پھر ایک چوراہے پر آکر الجھ گئے۔ پتا نہیں وہ کس راستے پر گیا ہوگا؟ صبح ہونے سے پہلے اسے جہنم میں پہنچانا ضروری تھا۔ اماوس کی تاریکی ختم ہونے کے بعد وہ ایک سے تین ہوجاتے تو پھر اگلے مہینے کی آخری تاریخ تک سہ طرفہ شہ زور بن جاتے۔

یعنی پہلے کی طرح ان کی تین الگ الگ طاقتیں اور صلاحیتیں ہوتیں اور ہم ان میں سے ایک یا دو کو ہلاک کرتے تو تیسرا ان کی آتماؤں کو دوسرے جسموں میں پہنچا کر عدم سے وجود میں لے آتا۔ جب وہ ایک سے تین ہوجاتے تو کبھی ایک جگہ ایک ہی وقت میں ایک دوسرے کے سامنے نہیں آتے تھے۔ دور دور رہ کر ایک دوسرے کے لیے ڈھال بنتے رہتے تھے۔ ہماری انگلیاں اپنی اپنی جگہ کمزور ہوتی ہیں۔ لیکن مٹھی بننے کے بعد فولادی مکا بن جاتی ہیں۔ ... بھنڈاری کا معاملہ اس کے برعکس تھا۔

وہ ایک جسم میں سما کر متحد ہوتے تو ان میں وا... ایک بدن کے ڈھانچے میں سما کر قیدی بن جاتے ... دوسرے کی مدد کے لیے وہاں سے نکل نہیں پاتے ...

اس رات بھنڈاری اپنے دو ساتھیوں کے ... مددگار تھا۔ وہ صبح تک زندہ سلامت رہنے کے لیے ... سے امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے اور را ایجنسی ... سے مدد مانگ رہا تھا۔

اس نے دیپک راٹھور سے کہا۔ "میری مدد کر... اور پھرہاد کو میرے پیچھے آنے سے روکو۔"

راٹھور نے پوچھا۔ "ہم کیسے روکیں؟ پتا نہیں ... وقت تم کہاں ہو؟ اور وہ دونوں کہاں ہیں؟"

"اس شہر میں تمہاری ایجنسی کے درجنوں ... ہیں۔ ان سے بولو وہ ساؤتھ کولکتہ میں ان کو ... کریں۔ جیسے ہی دکھائی دیں انہیں گولی ماردیں۔"

وہ فون کے ذریعے اس شہر کے جاسوسوں سے ... کرنے لگا۔ بھنڈاری نے امریکی ٹیلی پیتھی جاننے وا... مائیکل اور گائی ڈی البرٹ کے دماغوں میں ... کہا۔ "میرے کو معلوم ہے وہ تین امریکی ٹیلی پیتھی ... والے جیمز ہارڈی واکس مین اور لف گائی پھرہاد کے ... گاتے ہیں۔ میں ان پر وشواس نہیں کروں گا۔ ابھی تم ... میرے کام آسکتے ہو۔ اگر کام آؤ گے پھرہاد اور سونیا کو ... کر مار ڈالو گے تو میں تمہارے یوگا جاننے والے پھو... اور امریکا کا پکا دوست بن جاؤں گا۔"

مائیکل اور البرٹ نے کہا۔ "ہمیں گائیڈ کرو۔ ہم ... کہاں تلاش کریں؟"

اس نے کہا۔ "اس شہر کے کسی آدمی کو اپنا آلۂ کار بنا... یہاں کے سارے علاقوں میں تمہاری رہنمائی کرے گا۔ ... پھوراً انہیں ساؤتھ کول کتہ میں ڈھونڈو۔"

مائیکل اور البرٹ مندر میں اس کے دو چیلوں کو آل... بنا کر موت کا تماشا دیکھنے آئے تھے۔ انہوں نے ان چیلوں ... حکم دیا کہ فوراً گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے کولکتہ کے جنوبی ... میں جائیں۔ وہ بھنڈاری کے دشمنوں کو تلاش کرنا چاہتے ...

وہ ان کے احکامات کی تعمیل کے لیے وہاں سے ... پڑے۔ ہم بھنڈاری کے پیچھے تھے اور وہ اپنے حمایتیوں ... ہمارے پیچھے لگا رہا تھا۔

اس نے ایشورارا سے کہا۔ "اگر تم چاہتے ہو کہ ... دونوں کے بعد تمہاری گردن تک نہ پہنچوں، دشمنوں کو ... اپنا ٹھکانا نہ بتاؤں تو ابھی سونیا اور پھرہاد کو میرے پیچھے ... سے روکو۔ وہ ابھی ساؤتھ کولکتہ میں ہیں۔ انہیں ڈھونڈ ... موت کے گھاٹ اتاردو۔"

ایشورارا نے کہا۔ "میں تم سے ہر حال میں دوستی ... گا۔ ابھی انہیں تلاش کرنے جارہا ہوں۔"

اس نے بھنڈاری سے رابطہ ختم کرنے کے بعد ... مارا سے کہا۔ "ہمیں یقین ہوگیا ہے سونیا فرہاد اور ان ... روحانی ٹیلی پیتھی جاننے والے باکمال ہیں۔ ناقابل ... ت ہیں۔ بھنڈاری جان بچانے کے لیے کتے کی طرح ... گتا پھر رہا ہے۔ ہم نے سونیا سے دوستی کا جو زبانی معاہدہ کیا ... اس پر قائم رہیں گے۔"

ایشورارا نے کہا۔ "ہم اسی وقت قائم رہ سکیں گے جب ... بھنڈاری مارا جائے گا۔ زندہ رہے گا تو ہماری خفیہ پناہ گاہ ... ضرور پہنچے گا۔"

"ہاں اگر آج نہیں مرے گا، بچ کر نکل جائے گا تو ... ے لیے مصیبت بن جائے گا۔ ہم دہری پالیسی اختیار ... ریں گے۔ دونوں کے حمایتی بن کر رہیں گے پھر جس کا پلڑا ... بھاری ہوگا ادھر جھک جائیں گے۔"

وہ خیال خوانی کی پرواز کرتا ہوا سونیا کے پاس آیا پھر ... ۔ "میں دوستی نبھانے اور ضروری اطلاع دینے ... ہوں۔"

وہ بولی۔ "میں کسی کو اپنے اندر زیادہ دیر نہیں رہنے ... ی۔ پچھلی سیٹ پر ایک مقامی باشندہ ہماری رہنمائی کے لیے ... بیٹھا ہے۔ یہ ہمیں اس شہر کے مطلوبہ علاقوں میں لے ... جارہا ہے۔ میں اس کی آواز سنا رہی ہوں۔ تم اس کے ذریعے ... باتیں کرو۔"

پھر سونیا نے پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص سے پوچھا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "میرا نام من موہن چرجی ہے۔"

ایشورارا نے اس کے اندر پہنچ کر اس کے ذریعے ... کہا۔ "میڈم! بھنڈاری چاہتا ہے، ہم آپ کو اس کا تعاقب ... کرنے سے روکیں۔ بلکہ آپ دونوں کو ہلاک کردیں۔ اسی ... طرح اس نے اپنے دوسرے حمایتیوں کو بھی آپ کے پیچھے ... لگایا ہوگا۔"

"تم کیا کہنے آئے ہو؟"

"یہی کہ میں آپ سے غداری نہیں کروں گا۔ ہمارے ... درمیان دوستی اور باہمی تعاون کا جو زبانی معاہدہ ہوچکا ہے اس پر قائم رہوں گا اور ابھی آپ کو بھنڈاری تک پہنچانے کی پوری کوشش کروں گا۔"

میں نے پوچھا۔ "تم کیسے معلوم کرو گے کہ وہ کہاں گم ہوگیا ہے؟"

"اس نے مجھے کہا ہے کہ میں آپ کو کولکتہ کے جنوبی حصے میں تلاش کروں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود جنوبی حصے میں ہے۔ اسے یہ اندیشہ ہے کہ آپ ادھر جائیں گے۔ لہٰذا آپ دونوں کو روکنے کے لیے اپنے حمایتیوں کو بھی ادھر کا راستہ دکھا رہا ہے۔"

"ہاں۔ یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ ساؤتھ کولکتہ کے کسی علاقے میں ہے۔"

سونیا نے کہا۔ "مجھے اس کی بو نہیں مل رہی ہے۔ وہ خود کو پرفیوم میں چھپا رہا ہے۔ کسی طرح اسے پرفیوم سے محروم کرنے کی کوشش کرو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں پوری کوشش کروں گا۔ بھنڈاری نے مجھے یہ کہہ کر دہشت زدہ کر رکھا ہے کہ وہ دو دنوں کے بعد میری خفیہ پناہ گاہ تک پہنچ جائے گا۔ وہ بہت ہی خطرناک جادوگر ہے۔ مجھے میری پناہ گاہ سے نکال کر میرے دشمنوں کے سامنے لا سکتا ہے۔ کیا آپ اس سلسلے میں میری مدد کرسکیں گے؟"

"بھنڈاری سے پہلے ہمارے روحانی ٹیلی پیتھی جاننے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ تم کس بھیس میں کہاں روپوش رہتے ہو؟ مگر انہوں نے ہمیں بھی اس سلسلے میں کچھ نہیں بتایا ہے۔ انہوں نے ہم سب کو قدرتی حالات کے مطابق ایک دوسرے سے نمٹنے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔"

سونیا نے کہا۔ "فکر نہ کرو۔ وہ تمہارے خفیہ اڈے تک پہنچے گا تو ہم اس سے نمٹ لیں گے۔ ہم سے تعاون کرتے رہو گے تو بھنڈاری تمہاری پناہ گاہ تک پہنچنے کے لیے زندہ نہیں رہے گا۔ آج ہی صبح ہونے سے پہلے جہنم میں پہنچ جائے گا۔"

"میں جارہا ہوں۔ اسے پرفیوم سے محروم کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔"

وہ چلا گیا۔ میں نے سونیا سے کہا۔ "وہ دشمن اسی علاقے میں کہیں ہے۔ یہ اس کی خوش نصیبی ہے کہ تمہیں اس کی بُو نہیں مل رہی ہے۔ پتا نہیں مندر سے فرار ہوتے وقت اس نے پرفیوم کہاں سے حاصل کیا ہے؟"

"اگر وہ چار دیواری سے باہر کہیں بھٹک رہا ہوگا تو پرفیوم کھلی فضا میں جلد ہی اڑ جائے گا۔ خدا کرے ایسا ایک چانس ہمیں مل جائے۔"

سونیا اس کی بُو پانے کے لیے بے چین تھی۔ ادھر وہ

پریشان تھا۔ کیونکہ پرفیوم کی ایک ننھی سی شیشی اس کے پاس تھی۔ وہ آدھی سے زیادہ خالی ہو گئی تھی۔ اس وقت رات کے تین بج رہے تھے۔ تقریباً تین گھنٹوں میں صبح ہونے والی تھی۔ یہ صاف دھمکی تھی کہ صبح سے پہلے پہلے وہ شیشی بالکل خالی ہو جائے گی۔

اس کے سامنے بچاؤ کی ایک ہی صورت تھی۔ وہ وہاں سے سیکڑوں کلومیٹر دور چلا جانا چاہتا تھا تاکہ سونیا کو اس کی بُو نہ ملے اور پرفیوم کی بھی ضرورت پیش نہ آئے مگر رات کے پچھلے پہر اسے گاڑی نہیں مل رہی تھی۔ اس نے دوسری گاڑی والے سے لفٹ حاصل کی تھی۔ وہ گاڑی بھی پنکچر ہو گئی تھی۔ اب وہ کسی سے موٹر سائیکل چھین کر اس شہر سے نکل جانا چاہتا تھا مگر وہ دو پہیوں والی بھی نخرے دکھا رہی تھی۔ رک رک کر چل رہی تھی۔ مستقل دھڑکا لگا ہوا تھا کہ ہم اس کی شہ رگ تک پہنچنے ہی والے ہیں۔ وہ بری طرح بوکھلا رہا تھا۔ حالات اس کے لیے سازگار نہیں ہو رہے تھے۔

موٹر سائیکل پہلے ایک بچے کی طرح دوڑ رہی تھی پھر چلنے لگی۔ اس میں کچھ دم نہیں تھا۔ چلتے چلتے رک گئی۔ بھنڈاری نے اتر کر اسے غصے سے دیکھا پھر ایک زور کی لات ماری اس کا کچھ نہیں بگڑا وہ ایک طرف گر پڑی۔ دوسری طرف وہ اپنا پاؤں پکڑ کر تکلیف سے کراہنے لگا۔

یہ بھول گیا تھا کہ جان بچانے کے لیے مندر سے ننگے پاؤں بھاگتا ہوا آیا ہے۔ لوہے پر پاؤں مار کر اس نے مصیبت مول لے لی تھی۔ ٹخنے کی ہڈی جیسے تڑخ گئی تھی۔ اب وہ دوڑنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ لنگڑا کر چلنے لگا۔

دہشت اور بڑھ گئی تھی۔ وہ دائیں بائیں اور پیچھے کی طرف دیکھتا جا رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا' جیسے ہم اچانک ہی کہیں سے چھلانگ لگا کر اسے دبوچنے والے ہیں۔

یہ سوچ سوچ کر اس کا حوصلہ پست ہو رہا تھا کہ روحانی ٹیلی پیتھی کے ذریعے اسے ملنے والی گاڑیوں کو ناکارہ بنایا جا رہا ہے اور اسے لنگڑا بنا کر مجبور کیا جا رہا ہے تاکہ وہ گھسٹ گھسٹ کر اپنی موت کا انتظار کرتا رہے۔

اس نے خیال خوانی کے ذریعے دیپک راٹھور سے پوچھا۔ ''تم کیا کر رہے ہو؟ کیا میرے دشمنوں کو ہلاک نہیں کر سکتے؟ ان کو پکڑ بھی نہیں سکتے؟ میرے پاس آنے سے روک بھی نہیں سکتے؟''

اس نے کہا۔ ''ہمارے جاسوس انہیں ڈھونڈ رہے ہیں۔ وہ دکھائی دیں گے تو ہم انہیں پکڑ بھی سکیں گے۔ تمہاری طرف آنے سے روک بھی سکیں گے اور ہلاک بھی کر سکیں گے مگر.....''

اس نے پوچھا۔ ''مگر کیا.....؟''

''مگر یہ کہ جب تمہارے جیسے ٹیلی پیتھی [illegible] والے' اور کالا جادو جاننے والے اسے درگا ماں کی بھینٹ چڑھا سکے تو ہم ان کا کیا بگاڑ لیں گے؟ ایک بات کہتا ہوں برا تو نہیں مانو گے؟''

''بولو کیا بولنا ہے؟''

''ہم نے پہلے ہی سمجھایا تھا کہ فرہاد زیادہ دیر کسی شکنجے میں نہیں رہتا۔ اسے کولکتہ نہ لے جاؤ۔ ایک لمحہ بھی [illegible] کیے بغیر گولی مار دو مگر تم نے ہماری بات نہیں مانی تھی۔ [illegible] تمہارے سامنے ہے۔ اسے مارنا چاہتے تھے' اب مرنے کے خوف سے اس کے آگے بھاگ رہے ہو۔''

''بکواس مت کرو۔ ہم اس سے مجبور نہیں ہیں۔ [illegible] لوگ دیکھو گے' وہ پھر ہمارے شکنجے میں ہو گا۔''

''جس سے ڈر کر بھاگ رہے ہو' اسے شکنجے میں [illegible] لو گے؟ تمہارے وہ جنم ساتھی جے اور بلرام کہاں ہیں؟ تمہاری مدد کرنے کیوں نہیں آ رہے ہیں؟''

وہ حقیقت بتانا نہیں چاہتا تھا۔ جھنجلا کر بولا۔ ''بکواس باتیں نہ پوچھو۔ میری مدد کرو۔ سونیا اور پھر ہاد کو روکو۔''

''میں نے کہا ناں' ہمارے جاسوس انہیں [illegible] رہے ہیں۔ تم تینوں جنم ساتھی اپنے منتروں سے چھپی ہوئی باتیں معلوم کر لیتے ہو پھر چھپ کر آنے والے فرہاد کو کیوں نہیں ڈھونڈ رہے ہو؟ کچھ بتاؤ تو سہی جے اور بلرام کہاں ہیں؟''

''میں آخری بار بولتا ہوں' کوئی سوال مت کرو۔ [illegible] کام کرو۔ نہیں کرو گے تو پھر ہم تینوں جنم ساتھی کبھی تمہارا [illegible] نہیں کریں گے۔''

وہ دیپک راٹھور کے دماغ سے نکل آیا۔ اس [illegible] لنگڑاتا ہوا ایک ہاسپٹل کے سامنے پہنچ گیا تھا۔ وہاں [illegible] پاؤں کا علاج ہو سکتا تھا۔ ہاسپٹل کے اندر خاموشی اور [illegible] تاریکی تھی۔ وہ اپنے لباس پر پرفیوم چھڑکتا ہوا اندر آیا تو [illegible] کی روشنی میں شیشی دکھائی دی۔ وہ خالی ہو چکی تھی۔

اس نے گھبرا کر وال کلاک کی طرف دیکھا۔ پانچ [illegible] والے تھے۔ اماوس کی تاریکی شاید ایک گھنٹے کے بعد [illegible] والی تھی اور ایک گھنٹا بہت ہوتا ہے۔ موت تو ایک پل [illegible] آجاتی ہے۔

اور اب تو سونیا کسی بھی لمحے میں اس کے پاس پہنچ [illegible] تھی۔ عقل نے سمجھایا کہ اسے ہاسپٹل میں یا کسی بھی جگہ [illegible] نہیں چاہیے۔ اگلے ایک گھنٹے تک بھاگتے رہنا چاہیے پھر [illegible]

[illegible] ہوتے ہی اسے موت کے بعد بھی زندہ رکھنے والے اس کے [illegible] ساتھی اس کے اندر سے نکل آئیں گے۔

اس نے ہاسپٹل کے انچارج کو ٹیلی پیتھی کے ذریعے [illegible] ٹریپ کیا۔ باہر ایک ایمبولینس کھڑی ہوئی تھی۔ انچارج نے اس کی چابی اسے دی۔ اس نے پیٹرول چیک کیا۔ وہ گاڑی بالکل نئی تھی۔ راستے میں ساتھ نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

اِدھر سونیا نے چونک کر کہا۔ ''مجھے اس کی بُو مل رہی ہے۔ خدا کرے' وہ اور تھوڑی دیر تک پرفیوم نہ لگائے۔''

اس نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی پھر اس کی رفتار بڑھاتے ہوئے بُو کی سمت جانے لگی۔

ہم آدھی رات سے اسے ڈھونڈ رہے تھے۔ اب اس کا سراغ مل رہا تھا۔ میں بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ پرفیوم استعمال نہ کرے۔ میں نے اسے الجھانے کے لیے خیال خوانی کی پرواز کی۔ جیسے ہی اس کے اندر پہنچا تو اس نے فوراً ہی سانس روک لی۔ میری سوچ کی لہریں باہر نکل گئیں۔ چند ساعتوں میں یہ معلوم ہوا کہ وہ گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا کہیں جا رہا ہے۔

میں پھر اس کے اندر پہنچ گیا۔ اس نے پھر سانس روک لی۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ اسے سکون سے ڈرائیو نہیں کرنے دوں گا۔ اس مقصد کے لیے ایک ایک منٹ کے بعد اس کے اندر جانے لگا۔ ایک بار اس کے اندر جاتے ہی بولا۔ ''کب تک سانس روکتا رہے گا؟''

اس نے جواب نہیں دیا۔ وہ یوگا کا ماہر تھا۔ یقیناً دس بیس منٹ تک سانس روک لیتا ہو گا۔ سونیا راستے بدل بدل کر تیز رفتاری سے جا رہی تھی۔ دشمن کے ساتھ اچھی خاصی بھاگ دوڑ ہو رہی تھی۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔

اس نے کہا۔ ''فاصلہ کم ہوتا جا رہا ہے۔ ہم اس کے قریب پہنچ رہے ہیں۔''

بڑی لمبی تھکا دینے والی ڈرائیونگ تھی۔ ہم ایک ویران سڑک پر تھے۔ بیس منٹ کے بعد بہت دور ایک ایمبولنس دکھائی دی۔ وہ ایک تناور درخت سے ٹکرانے کے بعد رک گئی تھی۔

سونیا نے قریب پہنچ کر کار روک دی۔ وہ شکستہ ایمبولنس کا دروازہ کھول کر باہر نکل رہا تھا۔ اس کے سر سے خون بہ رہا تھا۔ چہرہ اور لباس بھی لہو سے بھیگ رہا تھا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا ہمارے سامنے آ کر رک گیا۔

وہ ہم سے خوفزدہ ہو کر بھاگتا رہا تھا مگر اب بڑی بے باکی سے سامنے آ کر تن گیا تھا پھر اس نے ہنستے ہوئے ہمیں ٹھینگا دکھاتے ہوئے کہا۔ ''مجھ کو مار نہیں سکو گے۔ آسمان کو دیکھو۔ صبح ہونے والی ہے۔ اماوس کی رات بیت گئی ہے۔''

وہ بول رہا تھا مگر سیدھی طرح کھڑا نہیں ہو پا رہا تھا۔ رہ رہ کر ڈگمگا رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ ''جے اور بلرام کی آتمائیں میرے اندر سے نکل کر مندر میں پہنچ گئی ہیں۔ وہاں ایک کمرے میں دونوں کے خالی اور بے جان شریر پڑے ہوئے تھے۔ اب ان میں جان آ گئی ہو گی۔ میں یہاں مروں گا تو وہ میری آتما کو دوسرے شریر میں پہنچا دیں گے۔ میں ایک نئے چہرے کے ساتھ ایک نیا بھنڈاری بن کے پھر تم سے ٹکرانے آؤں گا۔''

وہ ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بلاتے ہوئے بولا۔ ''آؤ..... مجھ کو مارو..... میں مر کے ایک نیا جیون پانا چاہتا ہوں۔''

وہ آگے بڑھتے ہوئے ڈگمگا رہا تھا پھر میری طرف بڑھتے ہوئے اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ ہمارے آگے اوندھے منہ گر پڑا۔ وہ جسمانی اور دماغی طور پر کھوکھلا ہو چکا تھا۔ میں اس کے اندر پہنچ گیا۔ وہ مجھے بھگا نہ سکا۔ کیونکہ سانس روکنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس کی سانسیں اب تب میں ہمیشہ کے لیے رُکنے والی تھیں۔

اس کی دم توڑتی ہوئی سوچ کہہ رہی تھی۔ ''پھر ہاد! تجھ کو نہیں چھوڑوں گا۔ اگلی بار تیرے کو تابعدار بناتے ہی پھر وہی بھول نہیں کروں گا۔ ایک منٹ میں تجھ کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔ میں تجھ کو.....''

وہ آگے نہ بول سکا۔ آواز بند ہو گئی۔ دیدے پھیل گئے۔ میں نے اس کے منہ پر ٹھوکر ماری۔ کیونکہ وہ ہمیشہ کے لیے ساکت ہو چکا تھا۔

☆☆☆

را ایجنسی کے چیف دیپک راٹھور نے' امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے اور ایشورارا سے کہا گیا تھا کہ وہ صبح تک مندر میں رہیں۔ یہ نہ سمجھیں کہ جے' بلرام اور بھنڈاری مجھ سے مات کھا کر فرار ہو گئے ہیں۔ وہ واپس آئیں گے۔ صبح تک فاتح بن کر ضرور واپس آئیں گے۔

اکابرین ہوں' را والے ہوں یا ایشورارا ہو۔ سب ہی ان تینوں کی غیر معمولی صلاحیتوں سے اور ان کے پُراسرار علوم سے خوفزدہ تھے۔ ان کی ہر بات مان کر انہیں خوش رکھتے تھے۔ اسی لیے بھنڈاری کے شکست کھا کر فرار ہونے کے باوجود وہ لوگ مندر سے نہیں گئے تھے۔ وہاں رہ کر صبح تک ان کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔

ایکوارار نے اپنے بھائی سے کہا۔ ''وہ تینوں جنم ساتھی شاید مات کھا چکے ہیں۔ بھنڈاری کو فرہاد دوڑا رہا ہے۔ باقی

جے اور بلرام غائب ہو گئے ہیں۔ غائب ہونے کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ وہ فرہاد سے منہ چھپا رہے ہیں۔"

ایشورارا نے کہا۔ "دیکھا جائے تو ابھی فرہاد کا پلڑا بھاری لگ رہا ہے۔ اگر ہم بھنڈاری کے آگے نہیں جھکیں گے تو دو دنوں کے بعد ہماری خفیہ پناہ گاہ میں پہنچ جائے گا۔ ہمیں اپنا معمول اور تابعدار بنا لے گا۔"

"وہ فرہاد کو تابعدار بنا کر اس کی گردن اڑانے والا تھا۔ اپنی درگا ماں کو خوش کرنے کے لیے۔ ہمارے ساتھ بھی یہی کرے گا۔"

"بابا صاحب کے ادارے والے صرف اس کی مدد کرتے ہیں، اس کی حفاظت کرتے ہیں جو ان کا دین قبول کرتا ہے اور ہم کسی دین دھرم کو نہیں مانتے۔"

"اگر ہم بھنڈاری سے بچنے کے لیے اوپری دل سے مسلمان بنا چاہیں گے تو روحانی ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے ہمارا جھوٹ اور فریب نہیں چھپے گا۔"

"ہمارا سب سے اہم مسئلہ یہی ہے۔ ہمیں تمام دشمنوں سے چھپ کر رہنا ہے۔ بھنڈاری ہمیں روپوش اور پُراسرار بن کر رہنے نہیں دے گا اور ہم کبھی اس کے تابعدار بننا نہیں چاہیں گے۔"

وہ دونوں فکرمند تھے۔ موجودہ حالات میں ان کا ایک ہی فیصلہ تھا کہ وہ عارضی طور پر اس دنیا کو چھوڑ کر سیارے میں چلے جائیں۔ وہاں سے اپنے تمام مخالفین کو ایک دوسرے سے لڑتے ہوئے دیکھتے رہیں پھر ان میں سے جو سب پر حاوی ہوگا، اس کے حامی اور اتحادی بننے کے لیے واپس آجائیں۔

ان دونوں بھائیوں نے پچھلی رات مندر میں آنے سے پہلے یہ فیصلہ کیا تھا پھر لندن کی رہائش گاہ چھوڑ کر ایک فلائٹ سے جنوبی افریقا پہنچ گئے تھے۔ وہاں سے اپنے غیر معمولی جوتے پہن کر اس ویران ریگستانی علاقے میں آئے تھے، جہاں خلائی جہاز کو چھپا کر رکھا گیا تھا۔

وہاں انہیں اطمینان حاصل ہوا تھا کہ بھنڈاری اپنے پُراسرار علوم کے ذریعے ان کا موجودہ ٹھکانا معلوم نہیں کر سکے گا۔ اس سے پہلے ہی وہ اپنے سیارے کی سمت پرواز کر جائیں گے۔ وہ پچھلی رات سے اسی ویرانے میں تھے۔

واشنگٹن میں، جیمز ہارڈی اور ٹف گائی اپنے اکابرین سے کہہ چکے تھے کہ میں جے، بلرام اور بھنڈاری پر بھاری پڑ رہا ہوں۔ وہ تینوں کہیں بھاگے ہوئے ہیں۔ مندر میں آنے والے مہمانوں سے کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے شکست نہیں کھائی ہے۔ صبح تک واپس آنے والے ہیں۔

جیمز ہارڈی نے اکابرین سے کہہ دیا۔ "وہ تینوں واپس آئیں یا نہ آئیں، ہم ان کی برتری تسلیم نہیں کریں گے۔ فرہاد صاحب ہمارے آئیڈیل ہیں۔ ہم ان کے خلاف کسی حکم کی تعمیل نہیں کریں گے۔"

ٹیلی پیتھی جاننے والے مائیکل اور گائی ڈی البرٹ نے یوگا جاننے والے آرمی افسران سے کہا۔ "فرہاد پھر فرہاد ہے۔ وہ جے، بلرام اور بھنڈاری کے مضبوط شکنجوں کو توڑ کر نکل گیا ہے۔ تینوں کے لیے عذابِ جان بن گیا ہے۔"

گائی ڈی البرٹ نے کہا۔ "پتا نہیں، صبح تک کیا ہونے والا ہے؟ ہم ان کا انتظار کر رہے ہیں۔ ویسے ہمیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ فرہاد دشمنوں کے ہاتھوں مرنے کے لیے پیدا نہیں ہوا ہے۔ آئندہ وہ ان تینوں کو دوڑا دوڑا کر مارے گا۔"

مائیکل نے اپنے حکمران سے کہا۔ "آپ حضرات فیصلہ کریں، کیا ان پُراسرار علوم جاننے والوں سے اتحاد کریں گے؟"

ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔ "ان تینوں نے ہماری یوگا کی صلاحیتوں کو ناکارہ کر دیا ہے۔ ہم سب کے دماغوں میں گھس آئے ہیں۔ ہم ان کے خلاف کوئی فیصلہ کریں گے تو وہ ہمارے چور خیالات پڑھ لیں گے۔"

دوسرے اعلیٰ افسر نے کہا۔ "اگر بابا صاحب کے ادارے والے ہمیں تحفظ دیں گے تو ہم ان پُراسرار علوم جاننے والوں سے پیچھا چھڑا لیں گے۔"

مائیکل نے کہا۔ "تو پھر بابا صاحب کے ادارے والوں سے رابطہ کر کے ان سے سمجھوتا کریں۔ دوستی اور اتحاد قائم کریں اور اپنے دماغوں میں زبردستی گھس آنے والوں سے نجات حاصل کریں۔"

میرے مخالفین یہ اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ جے، بلرام اور بھنڈاری سے دوستی اور اتحاد قائم کر کے ان کے غلام بن جائیں گے۔ انہیں اپنے اندر آنے سے روک نہیں پائیں گے۔ صرف را ایجنسی والے ان تینوں سے راضی تھے۔ وہ میرے جانی دشمن تھے۔ پاکستان کو سیاسی ہتھکنڈوں سے کمزور بنا کر ختم کرنے کے لیے ان تینوں کے پُراسرار علوم سے کماحقہ، فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔

دیپک راٹھور فون کے ذریعے را کے دیگر افسران کو رپورٹ پہنچا رہا تھا۔ انہیں یہ دل توڑنے والی خبر سنا چکا تھا کہ جے، بلرام اور بھنڈاری میری بلی چڑھانے کے سلسلے میں ناکام رہے ہیں اور اب مجھ سے چھپتے پھر رہے ہیں۔ تاہم دعویٰ کر رہے ہیں کہ صبح تک ہاری ہوئی بازی جیت لیں گے۔

ان سب کو صبح ہونے کا بے چینی سے انتظار تھا۔ آرمی

کے یوگا جاننے والے افسران نے بابا صاحب کے ادارے سے رابطہ کیا تھا۔ فون کے ذریعے اپنا دکھڑا سنایا تھا۔ انہیں جواب ملا تھا کہ تم سب ناقابلِ اعتماد ہو۔ ماضی میں کئی بار ہم سے اتحاد کیا' قسمیں کھائیں کہ کبھی دھوکا نہیں دو گے مگر عین وقت پر سپر طاقت ہونے کے گھمنڈ میں فریب دیتے رہے۔

ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔ "آخری بار ہم پر بھروسا کرو۔ پلیز کسی بھی طرح ان تینوں کو ہمارے دماغوں میں آنے سے روک دو۔ وہ پاکستان کے خلاف سازشیں کررہے ہیں۔ یہ چاہیں کہ ہم پاکستان کو اسلحہ' لڑاکا طیارے' جدید ٹیکنالوجی اور اربوں ڈالرز قرض کے طور پر نہ دیا کریں۔ ان کو بھوکا ننگا اور کمزور ہونے دیں۔ کیا آپ ایک اسلامی ملک کو کمزور ہوتے اور ختم ہوتے دیکھنا چاہیں گے؟"

جواب میں کہا گیا۔ "دشمنوں سے زیادہ پاکستان کے نااہل سیاستدان اپنے ملک کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ بہرحال ہم آزمائشی طور پر تمہیں تحفظ دیں گے۔ تم پاکستان کے خلاف بھارتی سیاستدانوں کا کوئی مطالبہ تسلیم نہ کرو۔ ہم ان تینوں کو تمہارے اندر آنے سے روک دیں گے۔ تم ان کے تابعدار بن کر نہیں رہو گے۔"

انہوں نے کہا۔ "بس ہم پہلے کی طرح یوگا کی مضبوط صلاحیتیں چاہتے ہیں۔ یہ صلاحیتیں بحال ہوجائیں گی تو ہم تمہارا احسان کبھی نہیں بھولیں گے۔"

انہیں کہا گیا۔ "سوری.... ہم تمہاری یوگا کی صلاحیتیں بحال نہیں کرسکیں گے۔ تمہارے دماغوں کے دروازے دشمنوں کے لیے کھلے رہیں گے۔ ہم صرف اتنا کریں گے کہ جب تک تم مسلمانوں سے وفا کرو گے' تب تک کسی بھی ٹیلی پیتھی جاننے والے کو تمہارے اندر نہیں آنے دیں گے۔"

فی الحال ان کے لیے یہ بڑے اطمینان کی بات تھی۔ انہیں دماغوں میں آنے والے دشمنوں سے نجات مل رہی تھی۔ وہ مسلمانوں کے احسان مند ہو کر شکریہ ادا کرنے لگے۔

ایک اعلیٰ افسر نے مائیکل اور گائی ڈی البرٹ سے کہا۔ "ہم روحانی ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو آزمانا چاہتے ہیں۔ تم جے' بلرام اور بھنڈاری سے کہو' وہ ہمارے اندر آکر کچھ ضروری باتیں کریں۔ اگر وہ اس سلسلے میں ناکام رہیں گے تو ہم دل و جان سے فرہاد کے اور مسلمانوں کے اتحادی بن جائیں گے۔"

یوں تحفظ حاصل کرنے کے سلسلے میں بابا صاحب کے ادارے کی صداقت کو آزمانے کے لیے ان تینوں کا انتظار تھا۔ وہ صبح ہونے کے بعد مندر میں آنے والے تھے۔ پچھلی رات سے وہ سب ہی تھکا دینے والے انتظار کی گھڑیاں گزار رہے تھے۔ بھنڈاری نے ہمارے سامنے دم توڑا تھا اور مرنے سے پہلے یہ کہہ گیا تھا کہ اسے ایک نئی زندگی ملنے والی ہے۔

میں سونیا کے ساتھ ہوٹل کے ایک کمرے میں آگیا۔ وہاں آرام سے بیٹھ کر خیال خوانی کے ذریعے مندر میں پہنچ گیا۔ یہ اچھی طرح جانتا کہ میرے مخالفین حالات سے مجبور ہو کر مجھ سے سمجھوتا کریں گے۔ لیکن را والے کبھی شکست تسلیم نہیں کریں گے۔ وہ نت نئی سازشیں کرتے ہی رہیں گے۔

میں سب سے پہلے دیپک راٹھور کے اندر پہنچ کر اس کے خیالات پڑھنے لگا۔ وہ میری موت کا تماشا دیکھنے آیا تھا۔ میرے بچ نکلنے پر پریشان ہو رہا تھا۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی۔ "اگر جے بلرام اور بھنڈاری واپس نہیں آئیں گے' فرہاد کو پھر سے شکنجے میں نہیں لیں گے تو پاکستان کے خلاف سارے منصوبے خاک میں مل جائیں گے۔ فرہاد قدم قدم پر رکاوٹیں پیدا کرے گا۔"

میں نے اسے مخاطب کیا۔ "ہیلو بھنڈاری کے کتے! مجھے آواز سے پہچان رہے ہو؟"

اس نے چونک کر دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر پوچھا۔ "فرہاد! تم فرہاد بول رہے ہو؟"

"ہاں۔ کیا یہ سمجھ رہے ہو کہ میں خیریت سے ہوں؟ اور میں خیریت سے ہوں تو وہ تمہارے تینوں جادوگر کہاں ہوں گے؟ کن حالات سے گزر رہے ہوں گے؟"

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "کیا تم نے انہیں مار ڈالا ہے؟"

"نہیں۔ مارنے کی نوبت نہیں آئی ہے۔ بھنڈاری اس دعوے کے ساتھ خود ہی شرم سے مرگیا کہ ابھی پھر زندہ ہو کر آنے والا ہے۔ جے اور بلرام بھی آنے والے ہیں۔"

وہ بولا۔ "تھینکس گاڈ! میں نے انہیں سمجھایا تھا کہ تمہیں کولکتہ نہ لے جائیں۔ پہلی فرصت میں مار ڈالیں۔ اگر ذرا بھی ڈھیل دیں گے تو تم ہاتھ سے نکل جاؤ گے۔"

میں نے کہا۔ "شاباش... بڑا نیک مشورہ دیا تھا' جو وہ نہیں مانے اور میں ہاتھ سے نکل گیا۔ اس پرانی کہاوت کو مان لو کہ مارنے والے سے بچانے والا زیادہ طاقتور اور برتر ہوتا ہے۔"

"میں ابھی کچھ نہیں کہوں گا۔ کیونکہ تم میرے اندر ہو۔ میرے دماغ کو پھوڑا بنا سکتے ہو۔ میں ہاتھ جوڑ کر التجا کرتا ہوں' میرے دماغ سے نکل جاؤ۔"

"کیا ایسے ہی نکل جاؤں؟ میرے خلاف جو کرتے رہے ہو اس کی سزا نہ دوں؟"



اس نے سہم کر پوچھا۔ "تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

میں جواب دینا چاہتا تھا۔ اسی وقت جے اور بلرام ایک صحت مند جوان کے ساتھ کالی مائی کے پیچھے سے نکل کر سامنے اسٹیج پر آگئے۔ بلرام نے کہا۔ "ہم پوری رات تم سب سے دور رہے' پھرہاد نے ہمارے شکنجے سے نکل مصیبت کھڑی کر دی تھی۔ پر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ہم سے جیادہ بلوان ہے اور ہم اس سے ہار مان گئے ہیں۔ نہیں... اگر ہم ہار جاتے تو مر جاتے' واپس کبھی نہ آتے۔"

جے نے کہا۔ "اور ہم واپس آگئے ہیں' پھرہاد ڈر کے مارے ہم سے کہیں بھاگتا پھر رہا ہے۔"

دیپک راٹھور نے کہا۔ "وہ کہیں نہیں بھاگا۔ یہاں آگیا ہے۔ میرے دماغ میں موجود ہے۔ بھگوان کے لیے... اسے میرے اندر سے نکالو۔"

وہ دونوں اس کے اندر آئے۔ انہوں نے پوچھا۔ "اے پھرہاد! کیا تم یہاں آئے ہو؟"

انہیں جواب نہیں ملا۔ جے نے دیپک راٹھور نے کہا۔ "تم بس ایسے ہی ڈر رہے ہو۔ وہ اب ادھر آنے کی ہمت نہیں کرے گا۔"

میں نے مائیکل کے دماغ میں آکر کہا۔ "ان سے کہو' تمہارے اندر بول رہا ہوں۔"

اس نے کہا۔ "جے بلرام! تم جسے ڈھونڈ رہے ہو وہ وہاں نہیں' ادھر میرے اندر بول رہا ہے۔"

وہ فوراً ہی مائیکل کے دماغ میں آگئے۔ بلرام نے پوچھا۔ "پھرہاد کیا تم ادھر ہو؟"

جیمز ہارڈی نے ایک چیلے کی زبان سے کہا۔ "نہیں۔ فرہاد صاحب یہاں موجود ہیں۔"

انہوں نے چیلے کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ غصے سے کہا۔ "ارے کیوں ادھر سے ادھر بھاگتے پھر رہے ہو؟"

انہیں میری طرف سے جواب نہیں مل رہا تھا۔ میری آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ انہوں نے کہا۔ "تم سب ڈر کے مارے اسے محسوس کر رہے ہو۔ جبکہ وہ یہاں نہیں ہے۔"

ایک چیلے نے کہا۔ "میں ایشورارا بول رہا ہوں۔ فرہاد تمہارے اس چیلے کے اندر ہے۔ کہہ رہا ہے' تم تینوں کو دوڑا دوڑا کر مارے گا۔"

جے نے غصے سے کہا۔ "اب تو اس کا باپ بھی ہمارے سامنے آنے کی جرأت نہیں کرے گا۔"

وہ اس چیلے کے اندر آگئے۔ جہاں ایشورارا موجود تھا۔ بلرام نے کہا۔ "مرد کے بچے ہو تو ہم سے بات کرو۔"

ایشورارا نے کہا۔ "فرہاد نے جس طرح تمہاری دُرگا بھگتی کو خاک میں ملا کر تم تینوں کو یہاں سے بھگایا تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ وہ مرد ہے اور تم تینوں بھگوڑے نامرد ہو۔"

جے نے گرجتے ہوئے کہا۔ "ایشورارا! تمہاری شامت آگئی ہے۔ ہم کو نامرد بول کے تم نے اپنی موت کو بلوا دیا ہے۔ ہم یہاں کے معاملے سے نمٹنے کے بعد تم کو نرک میں پہنچا دیں گے۔"

"تمہارا باپ بھی مجھ تک نہیں پہنچ پائے گا۔ میں اس وقت خلائی جہاز میں ہوں۔ یہاں سے سیارے میں جانے والا ہوں۔ اس سے پہلے تم تینوں پر تھوک رہا ہوں۔"

اس نے خیال خوانی کے ذریعے "آخ تھو" کہہ کر تھوک دیا۔ اس چیلے کی زبان سے چیخ چیخ کر کہا۔ "سب کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے ابھی جے بلرام اور بھنڈاری پر تھوک دیا ہے اور یہاں سے جاتے ہوئے کہہ رہا ہوں کہ تم بھی ان پر تھوکنا شروع کر دو۔"

ابھی کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ ان تینوں کے خلاف کچھ بولتے۔ ان کی شکست خوردگی کے باوجود ابھی کالے جادو کی دہشت طاری تھی۔ وہ اپنی کالی مائی کی مورتی کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان ایک صحت مند باڈی بلڈر جوان تھا۔

بلرام نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "یہ ہمارا جیون ساتھی بھنڈاری ہے۔ اب یہ نئے روپ میں نیا جیون شروع کر رہا ہے۔"

جے نے کہا۔ "پھرہاد نے اس کو مار ڈالنا چاہا۔ پر یہ ایکسیڈنٹ میں مرگیا۔ ہم نے اس کو اس نئے روپ میں پھر سے جندہ کر دیا ہے۔"

اس باڈی بلڈر جوان نے کہا۔ "ہاں۔ میں بھنڈاری ہوں۔ ایشورارا ابھی ہم پر تھوکنے کے لیے بول کر گیا تھا۔ اگر وہ سیارے کی طرف نہیں بھاگے گا' شام تک ہماری دنیا میں رہے گا تو ہم اسے نرک میں پہنچا دیں گے۔ اس کی لاش کو چوراہے پہ لٹکا دیں گے۔ وہاں سے سب آنے جانے والے اس پہ تھوکتے رہیں گے۔"

بلرام نے کہا۔ "ہم پھرہاد کو جیادہ دیر جندہ نہیں رہنے دیں گے۔ اس کو یہاں لاکے درگا ماں کے آگے بلی جرور چڑھائیں گے۔"

وہ میرے خلاف بڑی بڑی باتیں کر رہے تھے۔ ابھی میں چپ چاپ سن رہا تھا۔ ایک چیلے نے کہا۔ "بھنڈاری!

میں مائیکل بول رہا ہوں۔ میرے دماغ میں آؤ۔ ایک راز کی بات کہنا چاہتا ہوں۔"

وہ تینوں ہی اس کے دماغ میں پہنچ گئے مگر جیسے خلا میں بھٹکنے لگے۔ مائیکل کی سوچ کی لہریں ان کی گرفت میں نہیں آرہی تھیں۔ اب سے پہلے جس طرح ان جوان لڑکیوں کو ٹریپ کرنے کے دوران ناکامی ہوئی تھی' ان کی سوچ کی لہریں خیال خوانی کی مٹھی میں نہیں آرہی تھیں۔ اسی طرح مائیکل کے اندر ہو رہا تھا۔ اس کے دماغ میں جگہ ملنے کے باوجود سوچ کی لہریں گرفت میں نہیں آرہی تھیں۔

گائی ڈی البرٹ نے کہا۔ "میرے اندر آؤ۔ ہمارے یوگا جاننے والے افسران کے دماغوں میں جاؤ۔ تمہیں بہت کچھ معلوم ہونے والا ہے۔"

وہ تینوں ان سب کے اندر جانے لگے۔ وہاں بھی یہی ہو رہا تھا۔ ان تینوں کو ایسا لگ رہا تھا' جیسے وہ اپنی مٹھیوں میں ہوا کو پکڑنا چاہتے ہوں۔ وہ تمام یوگا جاننے والے افسران اور ان کے ٹیلی پیتھی جاننے والے مائیکل اور گائی ڈی البرٹ خیال خوانی کی گرفت میں نہیں آرہے تھے۔

ان سب نے فاتحانہ انداز میں خوشی سے جھوم کر نعرے لگائے۔ "بابا صاحب کا ادارہ زندہ باد.... روحانی ٹیلی پیتھی جاننے والے زندہ باد...."

اگرچہ ان کے دماغ گرفت میں نہیں آرہے تھے مگر ان کے نعرے سنائی دے رہے تھے۔ وہاں مندر میں مائیکل نے کہا۔ "جے بلرام اور بھنڈاری! ابھی ایشورارا درست کہہ کر گیا ہے کہ تم پر تھوک دینا چاہیے۔ آخ تھو...."

اس نے ان کی طرف تھوک دیا۔ جے نے غصے سے دوڑتے ہوئے آکر اس چیلے کا گلا دبوچ لیا۔ گائی ڈی البرٹ نے بھی اپنے آلہ کار کے ذریعے اس پر تھوکا۔ بلرام بھنڈاری نے آکر اس دوسرے چیلے کو بھی دبوچ لیا۔ وہ تینوں اپنے ہی ماتحتوں اور چیلوں کو دبوچ رہے تھے۔ میرے چاہنے والے جیمز ہارڈی' واکس مین اور رف گائی بھی اپنے اپنے آلہ کاروں کے ذریعے تھوکنے لگے۔

وہ تینوں پیچھے ہٹ کر ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ ہر سمت سے تھو تھو ہو رہی تھی۔ وہ کالی مائی کی مورتی کے پاس آگئے۔ ایک نے کہا۔ "ہم طیش میں آکے اپنے ہی چیلوں کو مار ڈالیں گے۔ اس لیے یہ سب تھوک رہے ہیں۔"

بلرام نے کہا۔ "اتنا تو سمجھ رہے ہیں کہ فرہاد ادھر نہیں ہے۔ تم لوگ اس کو ہیرو مان کر ہم سے دشمنی مول لے رہے ہو۔"

میں نے ایک آلہ کار کی زبان سے کہا۔ "میں یہاں سب ہی کے اندر پہنچ رہا ہوں۔ کچھ بولے بغیر تم تینوں کی عزتی کر رہا ہوں۔ تمہیں شرم سے مرجانا چاہیے تھا مگر بے غیرت ہو۔ اتنے سارے تھوک سے غسل کرنے کے بعد بھی زندہ رہو گے۔"

پھر میں دیپک راٹھور کے پاس آگیا۔ وہ میری مرضی کے مطابق بولا۔ "میں تم تینوں کو سکون سے جینے نہیں دوں گا۔ تم ایک دوسرے کی آتما کو سنبھالتے سنبھالتے نیا جنم دیتے دیتے تھک ہار کر میرے قدموں میں گر پڑو گے۔"

یہ کہتے ہی دیپک راٹھور نے اپنا ریوالور نکال کر گولی چلا دی۔ وہ باڈی بلڈر بھنڈاری چیخ مار کر درگا ماں کے قدموں میں گر کر تڑپنے لگا۔ وہ دونوں اس ناگہانی افتاد سے بچنے کے لیے بھاگنے لگے۔ دوسری گولی جے کو لگی۔ وہ اچھل کر گر پڑا۔ بلرام کالی مائی کے پیچھے جاکر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

تمام امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والے' ایشورارا اور ایکورارا اپنے آلہ کاروں کے ذریعے دوڑتے ہوئے کالی مائی کے پیچھے آئے۔ وہ نظر نہیں آیا۔ یقیناً اسی سرنگ سے فرار ہو رہا ہوگا۔ جہاں سے بھنڈاری فرار ہوا تھا۔

ویسے اس کے پیچھے جانے سے کچھ حاصل نہ ہوتا۔ وہ بھاگتے رہنے کے دوران منتر پڑھ رہا تھا اور مرجانے والے ساتھیوں کی آتماؤں کو نئے جسموں میں پہنچا رہا تھا۔ یہ بات سمجھ میں آگئی تھی کہ اگلی اماوس کی رات تک یہی ہونے والا ہے۔

ان تینوں میں سے ایک بھی زندہ رہ جاتا تو باقی دو مرنے والوں کو نئی زندگی ملتی رہتی۔ مہینے کی آخری رات تک ہمارے درمیان مسلسل جنگ جاری رہنے والی تھی۔

دیپک راٹھور' جے اور بھنڈاری کو ہلاک کر کے پریشان ہو رہا تھا۔ میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔ "یہ تم نے کیا کیا؟ اپنے ہی اتحادیوں کو مار ڈالا؟"

وہ بولا۔ "میں نے نہیں' تم نے انہیں مار ڈالا ہے۔"

"ہاں۔ اب سوچو! تم بھی کس طرح مرنے والے ہو؟ میں تمہارے ریوالور کو ہاتھ لگانے نہیں آؤں گا اور تم مرجاؤ گے۔"

وہ سہم کر بولا۔ "نہیں۔ تم ایسا نہیں کرو گے۔"

"تو پھر کالا منتر پڑھنے والوں سے کہو' وہ تمہیں بچا لیں مگر کیسے بچائیں گے؟ ان میں سے دو کو تم نے مار ڈالا ہے۔ تیسرا اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ رہا ہے۔"

"پلیز فرہاد! مجھے یہاں سے جانے دو۔"

"تم یہاں سے ضرور جاؤ گے مگر اوپر...."

اس کے فون سے کال بیل ابھرنے لگی۔ میں نے کہا۔ "را والے تم سے رپورٹ طلب کر رہے ہیں۔ انہیں بتاؤ یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

اس نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا۔ را ایجنسی کے ڈائریکٹر کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو.... راٹھور! تم نے کہا تھا' وہ تینوں صبح ہوتے ہی مندر میں واپس آنے والے ہیں۔ کیا وہ آچکے ہیں؟"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آئے بھی وہ.... گئے بھی وہ.... ختم فسانہ ہو گیا...."

راٹھور نے کہا۔ "وہ فرہاد سے مار کھا رہے ہیں۔ تمام رات اس سے چھپتے رہنے کے بعد واپس آئے تھے مگر اس کے ہاتھوں دو مارے گئے۔ تیسرا بھاگ گیا ہے۔"

"تم وہاں کیا کر رہے ہو؟"

"میں بھی بھاگنا چاہتا ہوں مگر زنجیریں پڑ گئی ہیں۔ فرہاد میرے اندر ہے۔ میں مرنے والا ہوں۔ کیا مجھے کسی طرح بچا سکتے ہو؟"

"وہ تمہارے اندر ہے۔ ہم تمہیں کسی بھی طرح بچا نہیں سکیں گے۔"

میں نے راٹھور کی زبان سے کہا۔ "تم لوگوں نے جے بلرام اور بھنڈاری کو مشورہ دیا تھا کہ ایک بھی لمحہ ضائع کیے بغیر مجھے مار ڈالیں۔ تمہارا یہ مشورہ مجھے پسند آرہا ہے۔ لو موت کی آواز سنو۔"

دیپک نے اپنی کنپٹی پر ریوالور رکھ کر گولی چلائی۔ دوسری طرف ڈائریکٹر نے فائر کی آواز سنی۔ میں نے اس کے اندر آکر کہا۔ "وہ تو گیا.. اب موت تمہارے اندر آئی ہے۔"

وہ ایکدم سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ آس پاس بیٹھے ہوئے افسران اور جاسوسوں نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

"فرہاد نے راٹھور کو مار ڈالا ہے۔ وہ میرے اندر آگیا۔ مجھے بچاؤ۔ یہ مجھے بھی مار ڈالے گا۔ ہم میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

وہ سمجھ گئے کہ راٹھور کے بعد اب ان کا ڈائریکٹر جانے والا ہے۔ اس کے بعد ان میں سے کسی اور کی باری آئے گی۔ وہ سب ہی اپنی اپنی جان بچانے کے لیے وہاں سے بھاگنے لگے۔

وہ مجھے مارنے اور پاکستان کو کمزور بنانے والے وہاں سے بھاگتے ہوئے اس عمارت سے باہر آئے۔ انہوں نے ذرا دور جا کر سر اٹھا کر دیکھا۔ ان کا ڈائریکٹر اس سات منزلہ عمارت کی چھت پر کھڑا چیخ رہا تھا۔ "میں چھت پر کیوں آگیا ہوں؟ میں مرنا نہیں چاہتا۔ تمہارے پاس آرہا ہوں۔ مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔"

یہ کہتے ہی اس نے بلندی سے چھلانگ لگا دی۔ پستی میں آکر ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔ تمام عداوتیں' تمام سازشیں بس سانسیں چلنے تک رہتی ہیں۔ سانس جاتی ہے تو پھر کچھ نہیں رہ جاتا۔

☆☆☆

حالات ایسے بدل گئے تھے کہ دشمن دوست ہو رہے تھے۔ جیسا کہ امریکی آرمی کے یوگا جاننے والے افسران مجبور ہو کر ہی سہی اب عداوت سے باز آرہے تھے۔

بابا صاحب کے ادارے والوں نے مطالبہ کیا تھا کہ وہ بھارت کے حامی بن کر پاکستان کی مخالفت نہیں کریں گے۔ ایک اسلامی ملک کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔

انہوں نے کہا۔ "ہم پاکستان کی بھرپور حمایت کرتے رہیں گے۔ اس ملک کے کام آتے رہیں گے مگر بھارت سے دوستی اور اتحاد رکھنا بھی لازمی ہے۔"

حقیقت یہ تھی کہ جغرافیائی لحاظ سے پاکستان اور بھارت دونوں ہی امریکا کے لیے لازمی تھے۔ ان دو ملکوں کے شمال میں چین کی بڑھتی ہوئی طاقت ہے اور امریکا اس طاقت کو جنوبی ایشیا کی سمت بڑھنے سے روکنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے لیے بھارت کو بھی دوست بنا کر راضی رکھنا لازمی تھا۔

بابا صاحب کے ادارے سے کہا گیا۔ "بھارت کو راضی رکھنا تمہاری سیاسی مجبوری ہے۔ ہم تمہارے سیاسی معاملات میں مداخلت نہیں کریں گے۔ ہاں۔ اگر پاکستان کو نقصان پہنچانے والے اقدامات کیے جائیں گے تو پھر روحانی ٹیلی پیتھی جاننے والے تمہارے کام نہیں آئیں گے۔ فوراً ہی تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے اور اسی لمحے میں جے بلرام اور بھنڈاری تمہارے دماغوں میں گھس آئیں گے پھر تم ساری عمر ان کے غلام بن کر رہو گے۔ انہیں اپنے اندر آنے سے بھی روک نہیں سکو گے۔"

مائیکل' گائی ڈی البرٹ اور یوگا جاننے والے تمام اکابرین اب مسلمانوں سے عداوت رکھنے اور کسی طرح کی سازش کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ ہم ان کی طرف سے فی الحال مطمئن ہو گئے تھے۔ را والوں نے دہلی ایئرپورٹ میں مجھے مار ڈالنے کی بھرپور کوششیں کی تھیں۔

میں نے دیپک راٹھور کو اور ان کے ڈائریکٹر کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ ان پر یہ خوف طاری ہو گیا تھا کہ میں ان کی بلیک فورس کے افسران اور جاسوسوں کو چن چن کر قتل

کرتا رہوں گا۔ وہ جے بلرام اور بھنڈاری سے مدد مانگ رہے تھے۔ ان سے دن رات التجائیں کررہے تھے کہ وہ مجھے ان کی طرف آنے سے روکیں۔ کسی بھی طرح مجھے ہلاک کردیں۔ اُدھر ان تینوں کا یہ حال تھا کہ وہ آئندہ میری نظروں میں نہ آنے کے لیے مندر کا راستہ بھول گئے تھے۔

یہ دیکھ چکے تھے کہ میں نے اچانک ہی دیپک راٹھور کے ذریعے گولیاں چلا کر جے اور بھنڈاری کو مار ڈالا تھا۔ ان کے نصیب میں ابھی جینا لکھا تھا۔ اسی لیے بلرام بچ کر نکل گیا تھا۔ یوں ان مرنے والوں کو پھر زندگی مل گئی تھی۔

انہوں نے ایسے جان لیوا تجربات کے بعد یہ طے کیا تھا کہ آئندہ کھل کر کسی کے سامنے نہیں آئیں گے۔ کیونکہ میں کسی کو بھی آلہ کار بنا کر انہیں ہلاک کرتا رہوں گا۔ لہٰذا روپوش رہنے کے لیے لازمی تھا کہ وہ مندر میں کبھی نہ جائیں۔

اس طرح وہ درگا ماں سے دور ہوگئے تھے۔ پچھلے چالیس برسوں سے اس کی پوجا کرتے اور پراسرار علوم میں مہارت حاصل کرتے آئے تھے۔ اب میں انہیں پوجا پاٹ سے محروم کر رہا تھا۔ وہ وہاں آکر دیوی ماں کے چرنوں کو چھو بھی نہیں سکتے تھے۔

میں نے پجاری کے اندر پہنچ کر انہیں مخاطب کیا۔ ”تم تینوں کی سلامتی اسی میں ہے کہ مندر میں قدم نہ رکھو۔ اگر مرنا چاہتے ہو تو ابھی یہاں چلے آؤ۔“

بھنڈاری نے کہا۔ ”میں تمہارے کارن دو بار مرچکا ہوں۔ تیسری بار میں نہیں.... تم مرو گے۔“

جے نے کہا۔ ”اگر تم کولکتہ میں ہو تو ہم تمہاری کھوج لگا لیں گے۔ جہاں دیکھیں گے، وہیں گولی مار دیں گے۔“

”میں کولکتہ میں ہوں۔ تم تینوں کو جہنم میں پہنچائے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ میرا حکم ہے، اس مندر میں انسانوں کی تو کیا، جانوروں کی بھی بلی نہ چڑھائی جائے۔“

”تم ہم کو بلی دان دینے سے روکو گے تو ماں درگا تم کو جندہ نہیں چھوڑے گی۔ کھون کی الٹیاں کرتے کرتے مرجاؤ گے۔“

”ہم مسلمان نہ بتوں کو پوجتے ہیں، نہ انہیں مانتے ہیں کہ انسانوں پر بے جان بتوں کا قہر اور غضب نازل ہوتا ہے۔ تم مجھے اس کالی مائی سے نہ ڈراؤ۔ اگر وہاں کسی کا خون بہایا جائے گا تو میں تمہارے پجاری کو اور تمام چیلوں کو ذہنی عذاب میں مبتلا کرکے ہلاک کرتا رہوں گا۔“

وہ ایسی پابندیوں پر جھنجلانے کے باوجود مجبور ہوگئے تھے۔ اگر میرے حکم سے انکار کرتے تو میں اس مندر کو ہی

نیست و نابود کردیتا۔ وہ کسی وقت بھی میرے مقابل مکمل سامنے نہیں آسکتے تھے۔ آئندہ روپوش رہ کر مجھے تلاش کر والے تھے۔ میں بھی چھپ کر انہیں ڈھونڈ رہا تھا۔ اگلی اما کی رات کو وہ تینوں پھر ایک ہی جسم میں سمانے والے تھے پھر ان کے لیے خطرہ پیدا ہونے والا تھا۔ وہ ایک جسم میں کر میرے ہاتھوں مارے جاتے تو انہیں نئی زندگی نہ ملتی ہمیشہ کے لیے فنا ہوجاتے۔

امریکی یوگا جاننے والے افسران اور خیال خوانی کرنے والے ان کے ہاتھوں سے نکل گئے تھے۔ ان کا رعب اور دبدبہ ختم ہوگیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا، وہ جلد ہی منہ چھپا کہیں بیٹھ جائیں گے۔ کسی بھی بڑی طاقت سے ٹکرانے کا حوصلہ نہیں کریں گے۔

ایشورارا نے کہا تھا، وہ سیارے میں واپس جارہا مگر اس نے جانے سے پہلے سونیا سے رابطہ کیا تھا۔ وہ کسی کو اپنے دماغ میں آنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ ہم ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں تھے۔ اس نے وہاں کے ٹیلی فون نمبر ایشورارا کو بتائے۔ تب اس نے فون پر کہا۔ ”ہیلو میڈم! میں سیارے میں واپس جانا نہیں چاہتا۔ آپ سے کچھ باتیں کر چاہتا ہوں۔“

”کیا باتیں کرنا چاہتے ہو؟“

”آپ کے پاس روحانی ٹیلی پیتھی کی قوت ہے۔“

اس نے کہا۔ ”میرے پاس ایسی کوئی قوت نہیں ہے۔“

”میرا مطلب ہے، وقت ضرورت آپ کو بابا صاحب کے ادارے سے ایسی غیر معمولی قوت حاصل ہوجاتی ہے۔“

”تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“

”میں جے بلرام اور بھنڈاری کی عداوت سے چاہتا ہوں۔“

”اس کا سیدھا سا راستہ یہ ہے کہ سیارے میں چلے جاؤ۔ وہ تینوں عداوت کرنے وہاں نہیں جائیں گے۔“

”میں اس دنیا کے کسی حصے میں حکومت کرنے آ ہوں۔ ناکام اور نامراد ہوکر واپس جانا نہیں چاہتا۔“

”جانا تو ہوگا۔ ہم کسی بھی سیارے کی مخلوق کو اپنی دنیا میں حکومت کرنے نہیں دیں گے۔“

”میڈم! ہمارے درمیان دوستی کرنے کے لیے زبانی معاہدہ ہوچکا ہے۔“

”زبانی معاہدہ عارضی ہوتا ہے۔ یہ معاہدہ اس وقت ہوا تھا، جب میں تمہاری قید سے نکلنے کے بعد کسی رکاوٹ کے بغیر اپنے بیمار فرہاد کے پاس فوراً پہنچنا چاہتی تھی اور تم بھی



انتقامی کارروائیوں سے محفوظ رہنا چاہتے تھے۔ اس لیے ہم نے اس بات پر اتفاق کیا تھا کہ ایک دوسرے کے خلاف جاسوسی نہیں کریں گے۔“

”میں اپنے وعدے پر قائم رہا۔ میں نے کبھی آپ کے خلاف جاسوسی نہیں کی۔“

”بکواس مت کرو۔ میں تمہاری قید سے فرار ہوکر القرہ ائیرپورٹ کی طرف جارہی تھی۔ تم نے اپنے جاسوسوں کو میرے پیچھے لگا دیا تھا۔“

”آپ خوامخواہ مجھ پر شبہ کررہی ہیں۔ مجھے الزام دے رہی ہیں۔“

”مجھ سے بحث نہ کرو۔ میں اسی دن تمہاری بدنیتی کو اور فریب کو اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔ بہرحال اب تمہارے چل چلاؤ کا وقت ہے۔ تم چلے ہی جاؤ۔ آئندہ یہاں کسی خفیہ پناہ گاہ میں نہیں رہ سکو گے۔“

”میڈم! آپ اور فرہاد اپنے دل میں جگہ دیں گے تو میں یہاں رہ سکوں گا۔“

”سوری۔ ہمارے دل میں تمہارے جیسے جھوٹے اور فریبی کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔“

”کیا یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے؟“

سونیا نے جواب میں فون بند کردیا۔ ایشورارا نے اپنے فون کو دیکھا پھر ایکورارا سے کہا۔ ”اس نے فون بند کردیا ہے۔ ہم سے تعاون نہیں کرے گی۔ ہمیں واپس جانے کو کہہ رہی ہے۔“

”ہم سونیا کا تعاون حاصل کرکے روحانی ٹیلی پیتھی کا سہارا لے کر ان جادوگروں سے محفوظ رہ سکتے تھے۔ سہارا نہیں ملے گا تو ہمیں واپس جانا ہی ہوگا۔“

”ہم یہاں اپنی حکومت قائم کرنے کے لیے ایک طویل عرصے سے جنگ لڑ رہے ہیں۔ یہاں ہمارے کتنے ہی مخالفین پیدا ہوتے رہے اور ہم ان پر حاوی ہوتے رہے۔“

پھر وہ کچھ سوچ کر بولا۔ ”اگرچہ ہم سونیا اور فرہاد پر حاوی نہ ہوسکے مگر ہم نے کبھی ان سے ہار نہیں مانی۔ آج بھی ہار نہیں مانیں گے۔ یہاں سے شکست کھا کر واپس نہیں جائیں گے۔“

ایکورارا نے پوچھا۔ ”کیا واپس جانے کا فیصلہ بدل رہے ہو؟ اچھی طرح سوچ لو۔ ان تینوں پر تھوک کر آئے ہو۔ وہ اپنے پراسرار علوم کے ذریعے یہاں خلائی جہاز تک پہنچ جائیں گے۔“

”ہم ابھی جائیں گے۔ ہفتے دو ہفتے تک ہمارے مخالفین کو یقین ہوجائے گا کہ ہم سیارے میں جاچکے ہیں۔ اس کے بعد ہم چپ چاپ واپس آجائیں گے۔“

”واپس آکر روحانی ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے چھپ کر نہیں رہ سکیں گے۔“

”ہم یہاں آکر اسی خلائی جہاز میں رہیں گے۔ تمام مخالفین کے تازہ ترین حالات معلوم کریں گے پھر اپنے منصوبوں پر عمل کریں گے۔ اگر انہیں ہمارا سراغ ملے گا۔ وہ ادھر آئیں گے تو خلائی جہاز میں داخل نہیں ہوسکیں گے۔ اس سے پہلے ہی ہم یہاں سے پرواز کرتے ہوئے سیارے کی طرف چلے جائیں گے۔“

انہوں نے یہ طے کیا کہ آئندہ ارضی دنیا کے مخالفین کو سکون سے نہیں رہنے دیں گے۔ یہاں آیا کریں گے۔ ان پر حملے کیا کریں گے اور سیارے میں واپس چلے جایا کریں گے۔

ایکورارا نے پوچھا۔ ”کیا ابھی ہم مخالفین پر حملے کرکے یہاں سے جائیں گے؟“

وہ اثبات میں سر ہلا کر فون پر نمبر پنچ کرنے لگا۔ رابطہ ہونے پر اس نے روم نمبر دو سو سات کے اضافی نمبر پنچ کیے۔ میں کمرے میں نہیں تھا۔ باہر کام سے گیا تھا۔ سونیا نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ پوچھا۔ ”ہیلو۔ کون؟“

”میں ایشورارا ہوں۔ آخری بار آپ سے ایک مدد مانگ رہا ہوں۔“

”کیسی مدد....؟“

”سیارے میں جانے سے پہلے جے بلرام اور بھنڈاری کو جہنم میں پہنچانا چاہتا ہوں۔ ان کی بو سونگھ کر مجھے بتائیں، وہ اس وقت کہاں ہیں؟“

اگر ان کی بو ملتی تو میں ہوٹل میں آرام سے بیٹھی نہ رہتی۔“

”ان کی بو کیوں نہیں مل رہی ہے؟“

”فرہاد نے مندر میں جے اور بھنڈاری کو ہلاک کیا تھا۔ بلرام بچ کر نکل گیا تھا۔ وہ اب نئے جسموں میں گئے ہیں۔ میں ان کی بو نہیں پاسکوں گی۔ صرف بلرام کی بو پاسکتی ہوں مگر نہیں پارہی ہوں۔ وہ یقیناً خود کو پرفیوم میں چھپا رہا ہے۔“

”دن رات میں کوئی تو وقت ایسا ہوتا ہوگا، جب وہ پرفیوم نہیں لگاتا ہوگا؟“

”میں اسی وقت کا انتظار کررہی ہوں۔ جب وہ غسل کرے گا تو پرفیوم دھل جائے گا۔ تب مجھے معلوم ہوسکے گا کہ وہ کہاں ہے؟“

ایشورارا نے کہا۔ ”وہ رات کو بھی نیند میں اٹھ کر پرفیوم نہیں لگاتا ہوگا۔“

"وہ تینوں بہت محتاط رہتے ہوں گے۔ بلرام کی نیند کے وقت اس کا کوئی ایک ساتھی اس پر پرفیوم چھڑکتا ہوگا۔"

اس نے کہا۔ "جب بھی اس کی بو ملے گی تو کیا مجھے بتاؤ گی؟"

"وہ ہمارے دشمن ہیں۔ ہم ان کی شہ رگ تک پہنچیں گے۔ بہتر ہے، تم ہماری دنیا سے چلے جاؤ۔ اپنے سیارے میں طبعی عمر تک زندہ سلامت رہو۔"

ایشورارا نے جھنجلا کر فون بند کرتے ہوئے کہا۔ "یہ خود کو سمجھتی کیا ہے؟ جب سے اس دنیا میں حکمرانی کے لیے آیا ہوں۔ تب سے اسی عورت نے مجھے سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔"

ایکورارا نے کہا۔ "اس نے دو بار تمہیں یہاں سے بھاگنے پر مجبور کیا۔ اس بار بھی ہم اس لیے واپس جا رہے ہیں کیونکہ یہ ہمارا ساتھ نہیں دے رہی ہے۔"

"صرف ذرا سی مدد مل جاتی۔ روحانی ٹیلی پیتھی جاننے والے انہیں ہماری خفیہ پناہ گاہ تک پہنچنے سے روک دیتے تو ہم بے خوف و خطر فاتح کی شان سے مخالفین کو اپنے زیرِ اثر لے آتے۔"

"نہ وہ ہم سے تعاون کرے گی، نہ ہم فاتح بن پائیں گے۔"

ایشورارا نے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔ "کیوں نہ میں اس عورت کا ہی کام تمام کردوں؟ جب کچھ عرصے بعد سیارے سے واپس آؤں گا تو جے بلرام، بھنڈاری سے اور امریکی اکابرین سے بھی نمٹ لوں گا۔"

اس نے فون کے ذریعے ہوٹل کے ایک ملازم کو اپنا آلہ کار بنایا۔ اس کے خیالات پڑھ کر معلوم کیا کہ اس شہر میں دھماکا خیز مواد کہاں رازداری سے تیار ہوتا ہے؟ اس ملازم نے وہاں جا کر ایک بڑی طاقت کا بم حاصل کیا پھر ایشورارا کی مرضی کے مطابق ہوٹل میں آگیا۔

سونیا کے کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا اور یہ کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ ماسٹر کی کے ذریعے دروازہ کھول کر کمرے میں آگیا۔ سونیا وہاں نہیں تھی۔ واش روم سے گنگنانے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس نے ٹائم بم کو دروازے کے پاس رکھ دیا۔ وہ پندرہ بیس منٹ کا بلاسٹنگ ٹائم مقرر کر کے اس ہوٹل سے دور جا سکتا تھا۔

مگر ایشورارا کے لیے اس ملازم کی سلامتی ضروری نہیں تھی۔ اس نے اسے غائب دماغ بنا کر صرف پانچ سیکنڈ کا وقت مقرر کیا۔ موت کی ٹک ٹک کے ساتھ اندر سے سونیا کی آخری گنگناہٹ سنائی دے رہی تھی۔ بڑے بڑے شہزوروں کو مات دینے والی یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایک عام عورت کی طرح بے خبری میں ماری جائے گی اور پانچویں سیکنڈ ایک زوردار کان پھاڑ دینے والا دھماکا ہوا۔ وہ گنگناہٹ، وہ زندگی کا ترنم یک لخت فنا ہوگیا۔

کیا وہ فنا ہوگئی؟

کوئی یقین نہیں کرے گا کہ سونیا جیسی ہستی جان سے گزر گئی ہے اور یوں اچانک ہی دنیا چھوڑ گئی ہے۔ ویسے جو ہونی تھی، وہ ہوگئی۔ رفتہ رفتہ اس کی موت کا یقین ہونے والا تھا۔

میں رینٹیڈ کار ڈرائیو کرتا ہوا ہوٹل کے قریب آ رہا تھا۔ ایسے ہی وقت وہاں ہونے والے دھماکے سے لرز کر رہ گیا۔ میرے ہاتھوں سے اسٹیئرنگ بہک گیا۔ کار احاطے کے آہنی گیٹ سے ٹکرا کر رک گئی۔ میری پیشانی اسٹیئرنگ سے ٹکرائی تھی۔ میں ذرا زخمی ہوا تھا مگر تکلیف کا احساس نہیں ہوا۔ کار کا دروازہ کھولتا ہوا "سونیا سونیا" کہہ کر چیختا ہوا ہوٹل کی طرف دوڑنے لگا۔

وہاں چیخ و پکار مچی ہوئی تھی۔ بے شمار مرد، عورتیں، بچے اور بوڑھے ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوئے گرتے پڑتے باہر آ رہے تھے۔ باہر آنے والوں میں سونیا دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

بدحواسی میں اپنی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں بھول گیا تھا۔ جلد ہی خیال آیا کہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے اس کی خیریت معلوم کر سکتا ہوں۔

میں نے فوراً ہی خیال خوانی کی پرواز کی۔ اس کے دماغ میں پہنچنا چاہا۔ "یا خدا خیر ہو۔" مگر میری سوچ کی لہریں بھٹک کر واپس آگئیں۔ میں دماغی طور پر حاضر ہوگیا۔ ایکدم سے تڑپ کر بولا۔ "نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ میری سونیا کو کچھ نہیں ہوا ہے۔"

وہاں سب ہی کہہ رہے تھے کہ دھماکا اسی فلور پر ہوا ہے، جہاں ہمارا کمرا تھا۔ کسی نے ہمارے کمرے کا نمبر بتاتے ہوئے کہا۔ "اسی کمرے میں بم بلاسٹ ہوا ہے۔"

میں نے اس کے دماغ میں چھلانگ لگائی مگر جیسے خلا میں چھلانگ لگائی تھی۔ یوں لگا، حالات نے اٹھا کر پلٹ دیا ہو۔

میں فوراً ہی آمنہ کے پاس پہنچا۔ وہ سر جھکائے جائے نماز پر بیٹھی ہوئی تھی۔ بہت ہی غم زدہ تھی۔ میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی بولی۔ "صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت واپس لے لی ہے۔ تمہیں صبر کرنا ہی ہوگا۔"

عالی اور کبریا میرے اندر آ کر رونے لگے۔ پارس اور پورس، الپا اور انوشے کے ذریعے کہہ رہے تھے۔ "پاپا! آپ تنہا ہوگئے ہیں۔ یہاں آجائیں۔ ابھی آپ کو زیادہ سے زیادہ ہماری محبت کی ضرورت ہے۔"

پارس نے کہا۔ "آپ کو ایسے وقت میں ہم سے دور نہیں رہنا چاہیے۔"

مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے سونیا میری بیساکھی تھی۔ اب اس کے بغیر دو قدم بھی چل نہیں پاؤں گا۔

میں نے آمنہ سے کہا۔ "میں کیا کروں؟ میرا دل نہیں مان رہا ہے۔ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔ میں اعلیٰ حضرت سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ان سے بات نہیں ہو سکے گی۔ وہ اگلے دس دنوں تک اعتکاف میں رہیں گے۔"

"کیا اعتکاف میں بیٹھنے سے پہلے انہوں نے سونیا کے بارے میں کچھ کہا تھا؟"

آمنہ نے کہا۔ "نہیں۔ البتہ سونیا نے اپنا ایک خواب مجھے سنایا تھا۔ یہ کہا تھا کہ بابا فرید واسطی مرحوم کی پیشگوئی بدل گئی ہے۔ تمہاری آخری سانسوں میں وہ تمہارے پاس نہیں رہے گی۔ تم سے پہلے اس دنیا سے گزر جائے گی۔"

میں نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ سونیا نے مجھ سے بھی یہی کہا تھا اور جو کہا تھا، اس کے مطابق ہی مجھ سے پہلے یہ دنیا چھوڑ گئی تھی۔ ٹیلی پیتھی کی دنیا میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہلچل پیدا ہوگئی تھی۔ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ سب ہی اس بحث میں الجھ رہے تھے کہ وہ زندہ ہے.... کسی مصلحت سے روپوش ہوگئی ہے..... جس طرح میں کئی بار ڈرامائی انداز میں مرنے کے بعد زندہ ہو کر آتا رہا ہوں۔ اسی طرح وہ بھی اچانک ہی دشمنوں کے لیے عذاب بننے چلی آئے گی۔

دشمن خوش ہو رہے تھے۔ ایشورارا نے خیال خوانی کے ذریعے مجھ سے کہا۔ "سونیا نے آخری وقت میں مجھ سے تعاون نہیں کیا تھا۔ صاف کہہ دیا تھا کہ اس ارضی دنیا میں ہماری حکومت قائم نہیں ہو سکے گی۔ مجھے سیارے میں واپس جانا چاہیے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "مجھے اس دنیا سے جانے کا کہہ رہی تھی اور خود یہاں سے چلی گئی۔ تمہیں بھی سمجھ لینا چاہیے فرہاد! یہ دنیا کسی کے باپ کی نہیں ہے۔ میں ابھی جا رہا ہوں۔ جلد ہی واپس آؤں گا اور سونیا کی طرح تمہیں بھی اس دنیا سے رخصت کردوں گا۔"

تب میں نے چونک کر پوچھا۔ "کیا کہہ رہے ہو؟"

"درست کہہ رہا ہوں۔ سونیا کے کمرے میں میں نے بم دھماکا کرایا ہے۔ اب بولو! کیا بگاڑ لو گے میرا؟"

میں غصے سے تلملا رہا تھا۔ میری سونیا کا قاتل نظروں میں آگیا تھا۔ میں نے خیال خوانی کی چھلانگ لگا کر اس کے اندر پہنچنا چاہا تو اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ہمارا خلائی جہاز پرواز کر رہا ہے۔ تم اپنا سر پیٹتے رہو۔"

اس نے سانس روک لی۔ میری سوچ کی لہریں واپس آگئیں۔ حالات ایسے تھے کہ میں جواباً انتقامی کارروائی نہیں کر سکتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی خلائی جہاز ہماری دنیا سے پرواز کرتا ہوا جا چکا تھا۔ پتا نہیں، کب واپس آنے والا تھا؟

دوسرے دشمن جے بلرام اور بھنڈاری تھے۔ انہوں نے ایک آلہ کار کے ذریعے مجھ سے کہا۔ "ہم بہت بڑی کھسر پھسر سن رہے ہیں۔ وشواس نہیں ہو رہا ہے کہ سونیا مر گئی ہے۔"

جے نے کہا۔ "ہم دوستوں اور دشمنوں کے اندر جا کے معلوم کر رہے ہیں کہ وہ نرک میں پہنچ گئی ہے۔"

میں نے کہا۔ "جہنم میں سونیا نہیں، تم سب جاؤ گے۔ اگلی اماوس کی رات تین سے ایک ہو جاؤ گے۔ ایک دوسرے کو نئی زندگی دینے کے قابل نہیں رہو گے۔ تب میں تمہیں جہنم میں پہنچا دوں گا۔"

بلرام نے کہا۔ "ہمارے لیے سونیا تم سے جیادہ کھترناک تھی۔ ہماری بو سونگھ کر پاتال میں بھی پہنچ جاتی۔ اب وہ نہیں ہے۔ ہم کو پرفیوم سے نجات مل گئی ہے۔"

بھنڈاری نے کہا۔ "میں نے اپنے دو ساتھیوں سے دور ہو کر پرفیوم لگانا چھوڑ دیا ہے۔ آج تیسرا دن ہے۔ کسی کھشبو کے بنا رہ کر سونیا کا انتجار کر رہا ہوں۔ پورا وشواس ہو رہا ہے کہ وہ سچ مچ مر گئی ہے۔ جندہ ہوتی تو بو سونگھ کے تم کو میرے پاس پہنچا دیتی۔"

وہ تینوں خوش ہو رہے تھے۔ ایک نے کہا۔ "یہ مان لو کہ سونیا تمہاری آدھی تاکت تھی۔ اس کے بعد تم آدھے رہ گئے ہو۔ آدھے مردہ ہو چکے ہو۔ تمہاری جندگی اب جیادہ نہیں ہے۔ ہم اماوس کی رات سے پہلے ہی تم کو سونیا کے پاس پہنچا دیں گے۔"

میں ہمیشہ مردِ میدان رہا ہوں۔ دشمنوں کے آگے کبھی کمزور، بے بس اور مجبور نہیں ہوتا۔ لیکن سونیا کی جدائی نے مجھے توڑ دیا تھا۔ میں سچ مچ اس کے بغیر خود کو تھکا ہوا نڈھال سا محسوس کر رہا تھا۔

امریکی اکابرین ہمیشہ میرے دشمن رہے۔ فی الوقت روحانی ٹیلی پیتھی کی کرامات کے باعث جے بلرام اور بھنڈاری ان کے دماغوں میں پہنچ نہیں پا رہے تھے۔ ان سے اپنے مطالبات نہیں منوا رہے تھے۔ اس لیے وہ دوستانہ انداز میں میرے دکھ کو اپنا دکھ کہہ رہے تھے۔ سونیا کی موت پر کھل کر

خوشی کا اظہار نہیں کر رہے تھے۔

وہ دل ہی دل میں مطمئن تھے۔ یہ سمجھ رہے تھے کہ میں سونیا کے بغیر آدھا رہ گیا ہوں۔

یعنی وہ پہلے کی طرح مجھ سے مرعوب نہیں تھے۔ بس روحانی ٹیلی پیتھی کی اہمیت تھی۔ اسی کی بدولت وہ ان تین جادوگروں سے اور دیگر مخالفین سے محفوظ تھے۔

ظاہر تھا کہ جب تک ان یوگا جاننے والے اکابرین پر جے بلرام اور بھنڈاری کا خوف طاری رہتا' تب تک وہ مسلمانوں کے دوست اور اتحادی بن کر رہنے والے تھے۔

میرا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ دنیاوی معاملات سے دلچسپی ختم ہو رہی تھی۔ جی چاہتا تھا' گوشہ نشین ہو کر کسی سے کوئی تعلق نہ رکھوں۔ یادِ الٰہی میں وقت گزارتا ہوا اس دنیا سے چلا جاؤں۔

میں اماوس کی رات کا انتظار کرنے کے لیے کولکتہ میں تھا۔ دل کہہ رہا تھا' ان تینوں کو ان کے حال پر چھوڑ دوں۔ دنیاوی معاملات سے باز آجاؤں لیکن امریکی اکابرین کی دوستی کو ایک بار آزمانا ضروری تھا۔

جے بلرام اور بھنڈاری کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد یوگا جاننے والوں کو ان سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جاتی پھر یہ دیکھنا تھا کہ وہ بابا صاحب کے ادارے سے اور مسلمانوں سے دوستی رکھیں گے یا طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیں گے؟

اس کے علاوہ مجھے سونیا کے قاتل کا انتظار تھا۔ یہ یقین تھا کہ وہ ارضی دنیا پر حکومت کرنے کے لیے پھر کسی دن واپس آئے گا۔ بس وہ ایک بار آجائے پھر میں اسے یہاں تڑپا تڑپا کر موت کا مزہ چکھاؤں گا۔ وہ زندہ واپس نہیں جا سکے گا۔

میں نے دس دنوں کے بعد اعلیٰ حضرت سے رابطہ کیا۔ انہوں نے کہا۔ ''سونیا کے متعلق کوئی سوال نہ کرو۔ اس کی جدائی برداشت کرو۔ اللہ تعالیٰ صبر کا پھل دیتا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''سونیا کے بارے میں کچھ پوچھے بغیر آپ نے بہت کچھ کہہ دیا ہے۔ آپ ابھی عبادت میں مصروف ہیں۔ میں پھر کسی وقت آؤں گا۔''

میں ان سے اجازت لے کر دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ ان کی باتوں سے میرے اندر ایک نئی امید اور توانائی پیدا ہو رہی تھی۔ انہوں نے کہا تھا' سونیا کے متعلق کوئی سوال نہ کرو۔

یعنی سونیا کے بارے میں کوئی ایسا سچ ہے' جسے وہ بول نہیں پائیں گے۔ ان پر قدرتی پابندیاں ہوں گی۔ میرے اندر سوال پیدا ہوا کہ وہ سچ کیا ہے؟ جس سے انہوں نے گر... کیا ہے؟ میری سونیا زندہ ہے؟

میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ سونیا کے لیے ... دیوار سے ٹکریں مارنے لگا۔ اگرچہ یہ میری خوش خیالی ہو سکتی تھی کہ وہ اس دنیا میں ہے مگر ایسا ہمارے ساتھ پہلے ... ہوتا رہا تھا۔ اعلیٰ حضرت قدرت کی منشا کے مطابق دشمنوں ... ڈھیل دینے کے لیے کچھ باتیں چھپایا کرتے تھے۔

ایک بار انہوں نے مجھے شدید بیماری کی حالت ... تمام خون کے رشتوں سے دور کر دیا تھا۔ سونیا جب الشو... کی قید میں تھی تو اس کے دماغ کو لاک کر دیا تھا تاکہ ہمارا کو... خیال خوانی کرنے والا اس کی مدد نہ کر سکے۔ مشکل حالا... میں اعلیٰ حضرت کا رویہ ہمارے ساتھ عجیب سا ہوتا تھا ... بعد میں اس کے بہتر نتائج سامنے آتے تھے۔

میں تھوڑے دنوں تک بڑی آس اور امید ... سہارے اس کا انتظار کرتا رہا۔ دل کہہ رہا تھا' وہ اچانک ... کسی وقت میرے سامنے آجائے گی لیکن وقت گزر رہا تھا۔ ا... میرے بچگانہ انتظار کے مطابق نہیں آئی۔

میں نے پہلے کبھی سوچا نہیں کہ وہ جدا ہو جائے گی تو کیا ہوگا؟ ویسے ہوتا کیا ہے؟ جاں سے زیادہ عزیز رشتے ... جاتے ہیں۔ بڑی مشکل سے صدمہ برداشت ہوتا ہے پھر ... رفتہ صبر آجاتا ہے۔

میری عجیب حالت تھی۔ اس کی جدائی برداشت ... ہو رہی تھی۔ رنگا رنگ پھول پھیکے پڑ گئے تھے۔ خوشبو محسوس نہیں ہوتی تھی۔ ایسے وقت دل یہی کہتا تھا۔ ''اے خدا! میرا ... دنیا سے دل بھر گیا ہے۔ مجھے اب اٹھا لے۔''

ایک رات میں نے اسے خواب میں دیکھا۔ وہ ... سے میری طرف آرہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ ''سب ... ہیں۔ میں تم سے ہمیشہ کے لیے دور ہو گئی ہوں۔ کیا تم بھی ... سمجھتے ہو؟''

''ہاں مگر نہیں۔ میں تذبذب میں ہوں۔ دل ... گہرائیوں سے آوازیں آتی ہیں کہ تم مجھے چھوڑ کر نہیں گئی ہو...''

''پیار میں دل جو کہتا ہے' وہی درست ہوتا ہے۔ میں ... تمہیں چھوڑ کر نہیں گئی ہوں۔ دیکھو آگئی ہوں۔''

''میں تمہیں دیکھ رہا ہوں مگر یقین نہیں ہو رہا ہے۔''

وہ میری گردن میں بانہیں ڈال کر بولی۔ ''اب یقین ... ہو رہا ہے؟''

میں نے اسے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ ''ہاں مگر...''

''مگر کیا.....؟''

''سوچتا ہوں' یہ خواب نہ ہو۔''

''یہ خواب نہیں ہے۔ میں تم سے کہنے آئی ہوں کہ مجھے بلرام کی بو مل رہی ہے۔ وہ تینوں تمہارے خوف سے اس مندر میں نہیں جاتے۔ لیکن یہ اماوس کی رات ہے۔ وہ درگا ماں کے سامنے جوان لڑکی کو بلی چڑھانا چاہتے ہیں۔ ہگلی دریا کے کنارے دوسرے مندر میں گئے ہیں۔ ابھی وہاں جاؤ۔ وہ تینوں ایک جسم میں سمائے ہوئے ہیں۔''

اس کی بات ختم ہوتے ہی میری آنکھ کھل گئی۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ میرے پاس نہیں تھی۔ میں خواب دیکھ رہا تھا۔ میرے دماغ میں اب بھی اس کی آواز گونج رہی تھی۔ ''یہ اماوس کی رات ہے۔ وہ درگا ماں کے سامنے ایک جوان لڑکی کو بلی چڑھانا چاہتے ہیں۔ ہگلی دریا کے کنارے دوسرے مندر میں گئے ہیں۔ ابھی وہاں جاؤ...''

مجھے یہ تو معلوم تھا کہ یہ اماوس کی رات تھی مگر میں ان تینوں کو تلاش کرتے کرتے بیزار ہو گیا تھا۔ کسی بھی طرح ان کا پتا ٹھکانا معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ اس لیے تھک ہار کر سو گیا تھا۔ ایسے وقت سونیا نے خواب میں آکر کہا تھا کہ مجھے ابھی ہگلی دریا کے کنارے والے مندر میں جانا چاہیے۔

میں نے کچھ سوچا پھر ایک بھرا ہوا ریوالور لے کر اپنی خفیہ رہائش گاہ سے باہر آکر کار میں بیٹھ گیا۔ صرف ایک خواب دیکھ کر اندھیری کالی رات میں کہیں کسی مندر کی طرف جانا نادانی تھی مگر کچھ سوچ کر جا رہا تھا۔

سوچ یہ تھی کہ اکثر خواب سچے ہوتے ہیں۔ میں آزمانا چاہتا تھا۔ اگر وہ خواب سچا ہوتا' وہ تینوں وہاں دکھائی دیتے تو میں پورے یقین سے کہہ سکتا تھا کہ میری سونیا بھی زندہ ہے۔ اس نے سچ مچ ان کی بو پائی ہے۔ تب ہی مجھے وہاں تک پہنچایا ہے۔

اس دریا کے کنارے دور دور تک دیویوں اور دیوتاؤں کے مندر تھے۔ میں اُدھر رک رک کر معلوم کرتا گیا۔ پتا چلا کالی مائی کا مندر وہاں سے چھ کلومیٹر دور ہے۔ جب وہاں پہنچا تو دیکھا' وہ ایک ویران ساحلی علاقہ تھا۔ مندر بھی باہر سے خالی اور ویران سا لگ رہا تھا۔

انسانوں کی بلی دینا قانون کے خلاف ہے۔ جو انسانیت کے خلاف ایسا کرتے ہیں وہ قانون کی گرفت میں آتے ہیں۔ انہیں سزائے موت دی جاتی ہے۔ جے بلرام اور بھنڈاری ٹیلی پیتھی اور کالے جادو کے باعث کبھی قانون کی گرفت میں نہیں آتے تھے۔

میں دبے قدموں چلتا ہوا مندر کے قریب آیا تو اندر مشعل کی روشنی دکھائی دی۔ وہ تینوں مجھ سے خوفزدہ تھے۔ انہیں یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ میں اچانک کبھی موت بن کر چلا آؤں گا۔ وہ قانون کے خلاف چوری چھپے ایک لڑکی کو بھینٹ چڑھانے وہاں لائے تھے۔ اس لیے صرف ایک مشعل روشن رکھی تھی۔

اس کم سن لڑکی کے ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ رو رہی تھی۔ گڑگڑاتے ہوئے رحم کی بھیک مانگ رہی تھی۔ جے بلرام اور بھنڈاری الگ الگ نہیں تھے۔ ایک ہی جسم میں سمائے ہوئے تھے۔ بھنڈاری پوجا کرنے کے بعد اس لڑکی کی پیشانی اور مانگ پر سندور لگا رہا تھا۔ اسے گیندے کے پھولوں کا ہار پہنا رہا تھا۔ دو چیلوں نے لڑکی کو دونوں طرف سے پکڑ رکھا تھا۔

پھر وہ روتی بلبلاتی ہوئی لڑکی کو اٹھا کر لکڑی کے اس تختے پر لے آئے جہاں اس کی گردن اڑاتے ہی لہو کے چھینٹے کالی مائی کے چرنوں تک جاتے۔

بھنڈاری نے ایک بڑا سا بغدا اٹھا کر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ ایسے وقت وہ منتر پڑھتا جا رہا تھا پھر اس نے بھاری بھرکم بغدے کو سر سے بلند کیا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس معصوم لڑکی کی گردن اڑنے والی تھی۔ میں نے اسی لمحے میں گولی چلائی۔

بھنڈاری کے حلق سے چیخ نکلی۔ گھٹنے کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ بغدا ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا تھا۔ میں نے اس لیے ٹانگ پر گولی ماری کہ وہ بھاگنے کے قابل نہ رہے۔ وہ فرش پر گر پڑا تھا۔ وہاں سے اٹھ کر سر اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ دور تاریکی میں کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ایک مشعل کی روشنی کافی نہیں تھی۔

اندھیرے سے مزید دو فائر ہوئے۔ لڑکی کو جکڑ کر رکھنے والے دونوں چیلے چیختے ہوئے لڑکھڑاتے ہوئے کالی مائی کے قدموں میں گر کر کسی منت اور پوجا کے بغیر قربان ہو گئے۔

بھنڈاری بوکھلا گیا تھا۔ فرش پر گھسٹتا ہوا دور تاریکی میں جا کر گم ہو جانا چاہتا تھا۔ میں نے اس کے اندر پہنچ کر کہا۔ ''میں کبھی ہتھیار نہیں رکھتا مگر تمہیں قابو میں کرنے کے لیے اسے استعمال کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تم بری طرح زخمی ہو۔ سانس روک کر مجھے بھگا نہیں سکو گے۔''

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ''تم کیسے آگئے؟ تم کو کیسے معلوم پڑا کہ ابھی ہم یہاں ہیں؟''

میں نے کہا۔ ''میری جان سونیا نے تمہاری بو سونگھ کر

مجھے یہاں پہنچایا ہے۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا سونیا جندہ ہے؟"

"تم نے اسے مردہ سمجھ کر پرفیوم لگانا چھوڑ دیا تھا۔ اب نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔"

ایسے وقت بھنڈاری کے دماغ سے تانترک مہاراج کی آواز سنائی دی۔ وہ بول رہا تھا۔ "فرہاد! میں جیوتی کا باپ اور نیہا کا نانا ہوں۔ یہ جے بلرام اور بھنڈاری میرے داماد ہیں۔ میری نواسی اپنے باپ کی موت نہیں چاہے گی۔ میں بھی نہیں چاہوں گا۔ تم انہیں جان سے مار دو گے تو میں ان کی آتماؤں کو دوسرے شریر میں پہنچا دوں گا۔ ان سے انتقام لینا فضول ہے۔ تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

میں نے کہا۔ "تم ایسے دامادوں کو نئی زندگی دینا چاہتے ہو جنہوں نے تمہاری بیٹی جیوتی کو را والوں کے ذریعے ہلاک کرایا ہے؟"

"میرے کسی داماد نے ایسا نہیں کیا ہے۔ یہ لوگ دہلی ایئرپورٹ میں را والوں سے دھوکا کھا چکے تھے۔ یہاں بھی را والوں نے انہیں دھوکا دے کر میری جیوتی کو مار ڈالا۔ میں انہیں مار ڈالنا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے ہی تم نے را کے چیف کو اور ڈائریکٹر کو نرک میں پہنچا دیا۔ میں چاہتا ہوں تم مجھ سے سمجھوتا کرو۔"

"کیسا سمجھوتا؟"

"میری نواسی تمہارے لیے پاگل ہو رہی ہے۔ تم اس سے شادی کرو۔ میری رشتے داری تمہیں فائدہ پہنچائے گی۔"

"سوری۔ میں کافروں سے اور کالا منتر پڑھنے والوں سے رشتے داری نہیں کروں گا۔"

"تمہارا انکار تمہیں بہت مہنگا پڑے گا۔ میں تانترک مہاراج ہوں۔ مہا شکتی مان ہوں۔ تمہیں چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دوں گا۔ ابھی صرف اپنی نواسی کی خاطر تمہیں ڈھیل دے رہا ہوں۔"

میں نے بھنڈاری کے دماغ میں زلزلہ پیدا کیا۔ گرو مہاراج نے منتر پڑھ کر اسے تکلیف سے نجات دے دی پھر کہا۔ "تم بھنڈاری کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ اس کو جان سے مارو گے تو میں صبح ہوتے ہی تینوں کی آتماؤں کو دوسرے جسموں میں پہنچا کر انہیں نیا جیون دے دوں گا۔"

میں نے ریوالور سے نشانہ لے کر بھنڈاری پر گولیاں چلائیں۔ تڑاتڑ فائر کرتے ہوئے اس کے جسم کو چھلنی کر دیا پھر کہا۔ "لو۔ میں نے اسے مار ڈالا ہے۔ جب تم اسے نئی زندگی دو گے تو میں پھر اسے گولیوں سے چھلنی کرنے آ جاؤں گا۔"

تانترک مہاراج بھنڈاری کے مردہ دماغ میں رہ کر بول نہیں سکتا تھا۔ کچھ بولنے کے لیے اس نے میرے اندر آنا چاہا تو میں نے سانس روک لی۔ وہ چلا گیا۔ وہ معصوم لڑکی فرش پر بندھی پڑی تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ کھول کر اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "خدا نے تمہیں بچا لیا ہے۔ یہاں تمہیں کوئی نہیں مارے گا۔ تم میری بیٹی ہو۔ میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں گھر پہنچا دوں گا۔"

وہ میرے سینے سے لگ کر رونے لگی۔ میں اسے بڑے پیار سے تسلیاں دیتا ہوا مندر سے باہر آ کر کار میں بیٹھ گیا۔ اسے اسٹارٹ کر کے شہر کے ایک علاقے میں آیا۔ جس علاقے میں وہ رہتی تھی۔ وہاں پہنچ کر بولا۔ "تم کار سے اترو اور یہاں سے تنہا جاؤ۔ میں تمہارے گھر والوں سے اور پولیس والوں سے مل کر تھانہ کچہری کے چکر میں نہیں پڑوں گا۔ تم بے خوف و خطر یہاں سے جاؤ۔ کوئی تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

اس نے بڑی محبت سے میری گردن میں بانہیں ڈالیں پھر میرے ایک گال کو چوم کر کہا۔ "پاپا! میں ہمیشہ تم کو یاد رکھوں گی۔ کیا اپنی بیٹی کو کبھی پیار کرنے آؤ گے؟"

میں نے وعدہ کیا۔ "اگر حالات نے اجازت دی تو ضرور آؤں گا۔"

وہ میرے دوسرے گال کو چوم کر چلی گئی۔ مجھے اپنی رہائش گاہ کی طرف جاتے ہوئے دشمنوں کا خیال آیا۔ پتا نہیں وہ میرے خلاف کیا سوچ رہے ہوں گے اور کیا کرنے والے ہوں گے؟

جے بلرام اور بھنڈاری کے سسر یعنی نیہا کے نانا کو پراسرار علوم میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ اس نے ہمالیہ کی تنہائی میں گوشہ نشین رہ کر برسوں تپسیا کی تھی۔ بہت بڑا شکتی مان اور مہا گنی ہونے کے باعث تانترک کہلاتا تھا۔ یقیناً پراسرار علوم کے ذریعے اپنے دامادوں کو نئی زندگی دے رہا ہوگا اور صبح تک انہیں پہلے کی طرح ایک سے تین بنا دے گا۔

ایک نئی مصیبت یہ تھی کہ وہ اپنی نواسی کو میری دھرم پتنی بنانا چاہتا تھا۔ اول تو میں سیاہ علوم جاننے والوں سے کبھی رشتے داری نہ کرتا۔ دوسری بات یہ تھی کہ نیہا عمر کے لحاظ سے میرے سامنے بچی تھی۔ میں نے بیماری اور کمزوری سے ابھی نجات حاصل کی تھی۔ بڑھاپے میں شادی کر کے تماشا بننا نہیں چاہتا تھا۔

فی الحال میں نے ان سب کو ذہن سے جھٹک دیا۔ اپنی سونیا کو یاد کیا۔ میں نے جو خواب دیکھا تھا' وہ سچا نکلا تھا۔ میرے اندر یہ سوال مچل رہا تھا۔ "کیا سونیا نے واقعی بلرام کی بو پائی تھی اور مجھے اس مندر میں پہنچایا تھا؟"

اس کا مطلب تو یہی تھا کہ وہ اس دنیا میں موجود ہے لیکن مجبوراً یا مصلحتاً روپوش ہے۔ اس نے دشمن کی بو پائی ہوگی پھر روحانی ٹیلی پیتھی والوں کا سہارا لے کر میرے خواب میں آ کر میری رہنمائی کی ہوگی۔

مجھے یقین نہیں تھا کہ وہ اپنی سانسیں پوری کر چکی ہے۔ مجھے دائمی جدائی کا صدمہ دے گئی ہے۔ ایسا ہی لگ رہا تھا کہ اعلیٰ حضرت نے عارضی طور پر اسے مجھ سے جدا کر دیا ہے۔

وہ میرے اندر زندہ تھی اور اب وہ خواب میرے یقین کو پختہ کر رہا تھا کہ وہ زندہ ہے۔ آج خواب میں آئی ہے' کل تعبیر بن کر آ جائے گی۔ وہ خواب میں آنے والی مجھ سے دوبارہ رابطہ کرنے کے لیے پھر کوئی بہانہ ڈھونڈ لے گی۔

میں سوچتا ہوا کار ڈرائیو کرتا ہوا خفیہ رہائش گاہ کے سامنے آ گیا۔ خیال آیا کہ تانترک مہاراج جیسے خطرناک دشمن نے چیلنج کیا ہے' میں اس کی نواسی سے شادی نہیں کروں گا تو میرا انکار مجھے بہت مہنگا پڑے گا۔

میں نے اس شہر میں ایک بنگلا کرائے پر لیا تھا۔ وہاں بھیس بدل کر رہتا تھا۔ میں نے دور سے اپنی اس موجودہ رہائش گاہ کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ "کیا گرو مہاراج نے اپنے پراسرار علوم سے معلوم کر لیا ہوگا کہ میں اس بنگلے میں بھیس بدل کر رہتا ہوں؟"

میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی۔ میں نے موبائل فون پر نیہا کے نمبر پنچ کیے پھر رابطہ ہونے پر پوچھا۔ "کیا تم میری تباہی اور بربادی چاہو گی؟"

وہ بولی۔ "کیسی باتیں کر رہے ہو؟ میں تو تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں۔ تمہیں بتانا چاہتی ہوں کہ ہوشیار رہو۔ جہاں اب تک رہتے آئے ہو' وہاں نہ جاؤ۔ نانا مہاراج تم کو کہیں آرام سے رہنے نہیں دیں گے۔"

"اپنے نانا کو سمجھاؤ' مجھ سے خوامخواہ دشمنی نہ کریں۔"

"میں انہیں سمجھا رہی ہوں۔ تمہیں بھی سمجھاتی ہوں۔ بات مانو۔ مجھ سے شادی کر لو۔"

"تم بچی ہو۔ تمہارا بڈھا کھوسٹ نانا بھی بچوں جیسی ضد کر رہا ہے۔ عمر کا حساب کرو۔ میرا تمہارا کوئی جوڑ نہیں ہے۔"

"جوڑ نہیں ہوگا تو توڑ ہی توڑ ہوگا۔ میرے نانا تمہیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیں گے۔"

"میں دشمنی کرنے والوں سے نمٹنا جانتا ہوں۔"

"تم میرے نانا مہاراج کو نہیں جانتے۔ انہوں نے میرے باپ جے بلرام بھنڈاری کو نیا جیون دیا ہے۔ ان کے حکم سے را والے تمہیں کولکتہ شہر میں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ وہ صبح تک امریکی اکابرین کو اپنے آگے جھکانے اور تمہارے خلاف بھڑکانے والے ہیں۔ تم دنیا کے جس ملک' جس علاقے میں جاؤ گے نانا مہاراج وہاں تمہاری موت کا سامان کریں گے۔ ابھی وہ صرف میری خاطر ڈھیل دے رہے ہیں۔ پلیز۔ مجھ سے شادی کر لو۔ ساری دشمنی ختم ہو جائے گی۔ تم آرام اور سکون سے میرے ساتھ جیون گزار سکو گے۔"

"نیہا! میں تمہاری عزت کرتا ہوں لیکن سوری۔ تم سے رنگین محبت نہیں کر سکتا۔ اپنی عمر کے کسی جوان سے محبت کرو۔ میں ساری عمر ایک بزرگ یا سرپرست کی حیثیت سے تمہیں محبتیں دیتا رہوں گا۔"

"تم میرے پاس آؤ۔ یہاں تمہارے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ تم میرے ساتھ رہ کر مجھے قائل کر دینا میں تمہیں اپنی طرف مائل کر لوں گی۔"

"بچوں جیسی باتیں کر رہی ہو۔ تمہارے پاس آ کر ہمیشہ تمہارے نانا کی نظروں میں رہوں گا۔ سوری پھر کسی وقت تم سے باتیں ہوں گی۔"

میں نے فون بند کر دیا۔ اسی لمحے فائر کی آواز کے ساتھ ونڈ اسکرین تڑخ گئی۔ میری رہائش گاہ کی سمت سے گولی چلائی گئی تھی۔ یعنی وہاں پہلے سے دشمن چھپے ہوئے تھے۔ میں کار اسٹارٹ کر کے رفتار بڑھاتا ہوا وہاں سے جانے لگا۔

تانترک مہاراج اور جے بلرام بھنڈاری اب میرے پیچھے پڑ گئے تھے۔ میں تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتا ہوا ایک سمت جانے لگا۔ یہ نہیں جانتا تھا کہ مجھے کہاں جا کر پناہ لینی ہے؟ اچھی طرح سوچ سمجھ کر پناہ لینے کی جگہ تلاش کی جاتی ہے اور میرے پاس سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں تھا۔

میں اندھا دھند ڈرائیو کرتا ہوا شہر کے مختلف حصوں سے گزر رہا تھا۔ تعاقب کرنے والوں کو بہت پیچھے چھوڑ رہا تھا۔ اس کے باوجود کبھی دائیں بائیں اور کبھی آگے پیچھے سے فائر کرنے والے کسی گاڑی میں چلے آتے تھے۔ یوں اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ تانترک گرو کالے علوم کے ذریعے معلوم کر رہا ہے کہ میں کہاں ہوں اور کس سمت جا رہا ہوں؟ ایسی معلومات کے مطابق وہ اپنے آلہ کاروں کو میرے پیچھے لگا رہا تھا۔

کالے جادو کا یہ سلسلہ ختم ہونے والا نہیں تھا۔ اس کے آلہ کار مجھے دوڑا دوڑا کر ہلاک یا زخمی کرنے والے تھے۔ وہ اپنی نواسی کی خاطر مجھے زخمی کر کے اپنے شکنجے میں رکھنا چاہتا تھا۔ ایسے وقت میں بالکل تنہا اور بے یار و مددگار تھا۔ ٹیلی پیتھی کا ہتھیار کام آنے والا نہیں تھا۔ کوئی مددگار خیال خوانی کے ذریعے ہی میرے پاس آسکتا تھا۔ وہ بھی میری طرح دشمنوں سے انجان رہتا اور ہم گرو مہاراج تک فی الحال پہنچ نہ پاتے۔

ڈیش بورڈ پر رکھے ہوئے فون سے کالنگ ٹون سنائی دی۔ میں نے فون اٹینڈ کیا۔ نیہا کی آواز سنائی دی۔ وہ پریشان ہو کر کہہ رہی تھی۔ ''ابھی نانا مہاراج نے بتایا ہے' وہ تمہیں چاروں طرف سے گھیر رہے ہیں۔ تمہیں اپاہج بنا کر میرے پاس قیدی بنا کر رکھیں گے۔ میں ایسا نہیں چاہتی۔ کسی اپاہج قیدی کو نہیں' تمہارے جیسے شیر دل جواں مرد کو چاہتی ہوں۔''

''یہ بات اپنے نانا کو سمجھاؤ۔''

''ابھی وہ میری بات نہیں سمجھیں گے۔ میں ان سے بچنے کا ایک راستہ بتا رہی ہوں۔ فوراً ایسی گہری تاریکی میں چلے جاؤ' جہاں ایک ذرا سی روشنی نہ ہو۔ وہاں نانا مہاراج کا جادو بے اثر ہو جائے گا۔''

میں نے فوراً کار اس راستے پر موڑ دی جو شہر سے باہر جا رہا تھا۔ فون پر اس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں نے کہا۔ ''تھینک یو نیہا! اگر میں تمہارے بتائے ہوئے طریقے پر چل کر محفوظ رہوں گا تو تم سے رابطہ کروں گا۔ ابھی فون بند کرو۔''

میں نے فون کو آف کر کے ڈیش بورڈ پر رکھا پھر کار کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ بہت دور کبھی کبھی پیچھے سے فائرنگ کی آواز سنائی دیتی تھی پھر خاموشی چھا جاتی تھی۔

تقریباً دو گھنٹے بعد میں شہر کی روشنیوں سے دور ہوتا چلا گیا۔ آگے آبادی نہیں تھی۔ گھپ اندھیرا تھا۔ صرف میری اور تعاقب کرنے والی گاڑی کی ہیڈ لائٹس روشن تھیں۔ میں نے اپنی کار کی ہیڈ لائٹس بند کر دیں۔ آگے جا کر رفتار سست کی۔ کار کو روکا پھر باہر نکل کر ایک سمت دوڑتا چلا گیا۔

اماوس کی رات کاجل سے زیادہ کالی تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں ٹھوکریں کھاتا اور سنبھلتا ہوا سڑک سے دور جا رہا تھا۔ تعاقب کرنے والے میری کار کے پاس آ کر رک گئے تھے۔ ان کی گاڑی کی روشنی مجھ تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ انہیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں سڑک کے دائیں طرف گیا ہوں یا بائیں طرف؟

وہ دو حصوں میں تقسیم ہو کر مجھے تلاش کرنے کے لیے گہری تاریکی میں آ گئے۔ ہم میں سے کسی کے پاس ٹارچ یا ماچس کی ایک تیلی بھی نہیں تھی۔ چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔

اندھیرا کیا ہوتا ہے؟

روشنی کی موت ہوتا ہے۔ روشنی کے بغیر زندگی نہیں ہوتی۔ اگر ہوتی ہے تو نظر نہیں آتی۔ وہ سب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے اور آگے بڑھتے ہوئے ٹھوکریں کھا رہے تھے۔

نیہا نے درست کہا تھا' گہری تاریکی میں اس کے نانا کا جادو بے اثر ہو گیا تھا۔ وہ اپنے آلہ کاروں کو مجھ تک پہنچا نہیں پا رہا تھا۔ کہاں ہے فرہاد.....؟

اس کے تینوں داماد بھی منتر پڑھتے ہوئے مجھے تاریکی میں دیکھ لینے کی ناکام کوششیں کر رہے تھے۔ وہ سب خود کو تسلیاں دے رہے تھے۔ آخر وہ کب تک چھپے گا؟ دن کی روشنی میں تو ضرور دکھائی دے گا۔ آخر اماوس کی تاریکی چھٹ گئی۔ صبح کا اجالا پھیل گیا۔ بے شمار آلہ کار دور دور تک دوڑ لگا رہے تھے... کہاں ہے فرہاد.....؟

پُراسرار علوم کے ذریعے میرا سراغ نہیں مل رہا تھا۔

سب حیران تھے۔ خیال خوانی کی لہروں کو میرا دماغ نہیں مل رہا تھا۔

سب کے ذہنوں میں ایک ہی سوال چیخ رہا تھا۔ وہ کہاں گم ہو گیا ہے؟

☆☆☆

دن رات گزرتے جا رہے تھے۔ پہلے سونیا گئی پھر فرہاد گیا۔

مگر کہاں گیا؟

کیا تاریکی انسان کو نگل لیتی ہے؟

ہاں۔ قبر کی تاریکی نگل جاتی ہے۔

لیکن وہ قبر میں نہیں اماوس کے اندھیرے میں گیا تھا۔

اس طویل داستان کا راوی فرہاد ہے اور مصنف محی الدین نواب...... یہ سلسلہ کچھ اس طرح جاری رہا کہ فرہاد علی تیمور بولتا رہا اور مصنف لکھتا رہا۔ اچانک یہ سلسلہ ٹوٹ گیا ہے۔ مصنف کے دماغ میں فرہاد کی سوچ کی لہریں نہیں ابھر رہی ہیں۔ ایسا پہلی بار ہو رہا ہے۔

ایسا کیوں ہو رہا ہے؟

فرہاد کی طرف سے کب تک موت کی سی خاموشی رہے گی؟

ٹیلی پیتھی کے شہنشاہ کی آواز کب ابھرے گی۔

ٹیلی پیتھی کے فسوں کار فرہاد علی تیمور کی اس مقبول عام سرگزشت کے مزید واقعات آئندہ شمارے میں پڑھیے

سسپنس کا مقبول عام سلسلہ جو تین سو پچاس ماہ سے جاری ہے

فرہاد علی تیمور

ہنگاموں رنگینیوں اور تحیر کے اس بے تاج بادشاہ کی سحر انگیز کہانی جس نے اپنی بھرپور زندگی میں کبھی شکست کا ذائقہ نہیں چکھا۔ وہ جب اور جس کے ذہن میں جاتا جھانک لیتا اور یہی اس کا مہلک ترین ہتھیار تھا۔ دو نسلوں پر محیط وہ طلسم ہوش ربا جسے قارئین کی دوسری نسل بھی بہت شوق سے پڑھ رہی ہے۔ اپنے اور ملک و قوم کے دشمنوں کو خیال خوانی کے نرم و نازک ہتھیار سے خاک و خون میں نہلا دینے والے فرہاد علی تیمور کی لازوال اور بے مثال داستان عبرت جس میں وہ لہو کے سارے رشتوں کے ساتھ حریفوں سے برسرپیکار ہے۔

اردو زبان کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا طویل ترین سلسلہ

ایسا کبھی نہیں ہوا تھا' جیسا ابھی ہو رہا تھا۔ اس طویل داستان کے دو اہم کردار سونیا اور فرہاد ہیں۔ یہ اتنے اہم ہیں کہ ان کے بغیر کہانی جاری نہیں رہ سکتی مگر یہ عجیب وقت آیا تھا کہ ان کے بغیر اس داستان کو جاری رکھنا تھا۔

بحیثیت ایک مصنف کے میرا ذہن بالکل خالی ہے۔ فرہاد کی طرف سے موصول ہونے والی خیال خوانی کی لہریں اپنا راستہ بھول گئی ہیں یا وہ اپنی زندگی کے راستے بھول گیا ہے؟ پتا نہیں' کیا معاملہ ہے؟ میرے دماغ میں اس کی کوئی آواز تو کیا' ہلکی سی آہٹ بھی سنائی نہیں دے رہی ہے۔

یا حیرت...! ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس لیے عجیب سا لگ رہا تھا۔ میں ہمہ وقت منتظر رہتا تھا۔ کیونکہ وہ کسی بھی وقت آکر میرے اندر بولنے لگتا تھا لیکن فی الحال اس کی طرف سے گہری خاموشی تھی اور یہ خاموشی مجھے اضطراب میں مبتلا کر رہی تھی۔ پچھلے تینتیس سالوں سے وہ بولتا رہا' میں لکھتا رہا اور اس کے چاہنے والے اس کی داستانِ حیات پڑھتے رہے۔

مگر اب خاموشی تھی۔ میرے دماغ میں شہرِ خموشاں کا سا سکوت چھایا ہوا تھا اور وہ سکوت چیخ چیخ کر پوچھتا تھا۔ ''کیا تیرا راوی ملک عدم کو روانہ ہو چکا ہے؟''

اس سوال کا جواب کیا ہو سکتا تھا؟ فی الحال تو اس کے سب ہی دوست اور دشمن الجھے ہوئے تھے۔ پورے یقین کے ساتھ نہ تو اسے مردہ تصور کر رہے تھے اور نہ ہی اس کی زندگی کے آثار مل رہے تھے۔ دوسری طرف سونیا کی ہلاکت کے بارے میں ایسے حقائق سامنے آئے تھے کہ تقریباً سب ہی کو یقین تھا کہ وہ بم بلاسٹ میں ماری گئی ہے۔

اس یقین کے بعد ایشورارا اپنے بھائی ایکورارا کے ساتھ سیارے میں واپس چلا گیا تھا اور جاتے جاتے فرہاد کو اس حقیقت سے باخبر کر گیا تھا کہ سونیا جیسی بلا کو ارضی دنیا کا کوئی دشمن ہلاک کر ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ کارنامہ اُس سیارے والے نے انجام دیا ہے۔ بے شک! اسے اس دنیا میں کہیں ایک دن کی بھی حکمرانی نصیب نہ ہوئی لیکن وہ ناکامی کے باوجود ایک فاتح کی شان سے سیارے میں لوٹ رہا ہے اور بہت جلد نئی تیاریوں کے ساتھ پھر سے اس دنیا پر دھاوا بولنے والا ہے۔

سونیا کی ہلاکت کے بعد یہ دوسرا دھچکا تھا' جو فرہاد کے دل و دماغ پر ہوا تھا مگر بے بسی ایسی تھی کہ وہ قاتل کو جاننے کے باوجود اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکا تھا' اس سے پہلے کہ وہ اس کے خلاف کچھ کرتا' وہ دشمن خلائی جہاز کے ذریعے اپنے سیارے میں چلا گیا تھا۔ اس کی پہنچ سے دور ہو گیا تھا۔

اور جو دشمن اس زمین پر تھے' فرہاد کی پہنچ میں تھے' وہ ہاتھ آکر نکل گئے تھے۔ عجیب آنکھ مچولی جاری تھی' پہلے وہ ہاتھ نہیں آئے تھے اور اب فرہاد اُن کے ہاتھ آتے آتے نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا؟ یہ بھی پہلی بار ہو رہا تھا کہ وہ دشمنوں سے ہی نہیں' دوستوں اور لہو کے رشتوں سے بھی اوجھل ہو گیا تھا۔

اس کی ایسی پُراسرار روپوشی سب ہی کے لیے سوالیہ نشان بنی ہوئی تھی۔ خاص طور پر میں شدید اضطراب میں مبتلا تھا۔ میرا راوی اپنی داستان سناتے سناتے اچانک ہی غائب ہوا تھا۔ وہ ہلاک ہو جاتا' ہلاکت کی تصدیق ہو جاتی تو میرا قلم شاید یہیں دم توڑ دیتا۔ روشنائی خشک ہو جاتی مگر وہ میرے دماغ میں آکر بولنے والا چپ ہوا تھا یا ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا تھا' ابھی میں سمجھ نہیں پا رہا تھا اور میں ہی کیا' کوئی بھی اس اسرار کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ دوستوں اور دشمنوں کے درمیان اس کی گمشدگی' اس کی موجودگی سے زیادہ ہلچل مچا رہی تھی۔

میرے اندر بھی ہلچل تھی۔ ہر ایک لمحے میں اس کی آواز کا انتظار رہتا تھا۔ یہ یقین تھا' وہ جہاں کہیں بھی ہے' جس حال میں بھی ہے' مجھ سے رابطہ ضرور کرے گا۔ نہ جانے وہ کب رابطہ کرنے والا تھا' مگر ابھی انتظار کے لمحات بڑے ہی کربناک تھے۔

اس رات بھی میں حسبِ معمول اپنے کمرے کی تاریکی میں فرہاد کا انتظار کرتے کرتے مایوس ہو رہا تھا۔ نیم وا آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگی تھیں۔ یہی وہ وقت ہوتا تھا' جب وہ آکر میرے دماغ میں بولتا تھا۔ دراصل مجھے اس کی عادت سی ہو گئی تھی۔ تینتیس برس کا عرصہ کچھ کم نہیں ہوتا۔ اس دوران ایک نسل جوان ہو کر اگلی نسل پیدا کر لیتی ہے۔ ہمارا ساتھ جتنا پرانا تھا' اُتنا ہی مضبوط اور گہرا تھا۔ یہ یقین تھا کہ وہ دنیا بھر سے چھپ کر رہ سکتا ہے' لیکن کسی نہ کسی دن اپنی خبر دینے کے لیے میرے اندر ضرور آئے گا۔

اور پھر وہ آ گیا...

میری نیم وا آنکھیں ایک جھٹکے سے پوری طرح یوں کھل گئیں' جیسے وہ دماغ میں نہیں' اُس اندھیرے کمرے میں چلا آیا ہے اور میں تاریکی میں آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھ لینا چاہتا ہوں۔ میں واقعی دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ کہاں تھا...؟

عقل نے سمجھایا کہ وہ جن یا بھوت نہیں ہے' جو مقفل کمرے میں گھسا چلا آئے۔ ہاں مگر میرے ذہن کے دروازے اس کے لیے ہمیشہ کھلے رہتے تھے۔ وہ بنا دستک دیے آسکتا تھا۔ تب میں نے خود کو ٹٹولا۔ سوچ کے ذریعے اُسے پکارا۔ ''فرہاد...! کیا تم آ گئے ہو؟''



دماغ کے گنبد میں مجھے اپنی ہی بازگشت سنائی دی۔ ''کیا تم آ گئے ہو... آ گئے ہو... آ گئے ہو...؟''

میں کسی آہٹ' کسی جواب کا انتظار کرتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ کمرے میں اور دماغ میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ میں نے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ شبنم سے بوجھل ہوا پردے کو ہولے ہولے لہرا رہی تھی۔ میں چند لمحوں تک اُدھر دیکھتا رہا۔ نہ جانے کیوں دل کو یقین تھا کہ فرہاد آیا ہے۔ میں نے پھر اسے پکارا۔ ''فرہاد...!''

مگر اس بار بھی کوئی جواب نہیں ملا۔ ان لمحات میں بھی اس کے آنے یا نہ آنے کے سلسلے کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے مزید الجھ رہا تھا۔

تب میں نے چونک کر باہر کھلنے والی کھڑکی کی طرف دیکھا۔ اس کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے۔ باہر سے آنے والی روشنی میں وہاں ایک بلی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی اوپر اٹھی ہوئی دُم بڑی آہستگی سے دائیں بائیں یوں لہرا رہی تھی' جیسے کوئی شخص گہری سوچ میں ڈوب کر اپنی پیشانی کو انگلی سے سہلا رہا ہو۔ ایسا لگ رہا تھا' وہ سوچ میں ڈوبی ہوئی ہے' فیصلہ کر رہی ہے کہ باہر چھلانگ لگائے یا کمرے کے اندر کود جائے؟

میں چپ چاپ اسے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ وہ باہر سے اس کھڑکی پر آئی ہے یا میرے کمرے میں تھی اور اب باہر جا رہی ہے؟ اس نے سر گھما کر میری طرف دیکھا۔ اندھیرے میں چمکتی ہوئی آنکھیں یوں لگیں' جیسے ننھے ننھے دو بلب روشن ہو گئے ہوں۔ میں چاہنے کے باوجود ان پر سے نگاہیں نہیں ہٹا پا رہا تھا۔ وہ آنکھیں جیسے مجھے دیکھتے رہنے پر مجبور کر رہی تھیں اور میں کسی معمول کی طرح اس کے حکم کی تعمیل کرتا جا رہا تھا' ان نگاہوں میں ڈوبتا چلا جا رہا تھا۔ تب اچانک ہی دماغ کی اسکرین پر سامی کا نام ابھرا۔ سامی... فرہاد کی محبوباؤں میں سے ایک محبوبہ... یوں تو اس کی زندگی میں درجنوں عورتیں آئیں اور گئیں لیکن سامی ایک ہی تھی۔ وہ آئی۔ اس کے بعد اس جیسی کوئی دوسری کبھی نہ آئی۔ یہ اس کی واحد محبوبہ تھی' جو انسان نہیں تھی... بلکہ ایک بلی تھی۔

فرہاد علی تیمور کی داستان پڑھنے والے ایک عرصے سے اس کے بہت سے غیر معمولی واقعات پڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ اس کی زندگی میں وہ کچھ ہوا جو کسی عام شخص کی زندگی میں ممکن ہی نہیں ہے۔ ایک بلی کا اس پر عاشق ہو جانا بھی ایسی ہی غیر معمولی بات تھی۔

وہ برسوں پہلے اس کی زندگی میں آئی تھی۔ مرنے والے کبھی لوٹ کر نہیں آتے لیکن ان لمحات میں مجھے ایسا ہی لگ رہا تھا' جیسے وہ لوٹ آئی ہے۔ میں اسے دیکھ رہا تھا اور دیکھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ تب ایسا لگا' جیسے اس کی نگاہیں صرف گھور نہیں رہیں بلکہ کچھ بول بھی رہی ہیں۔ میں پوری طرح متوجہ تھا۔ زیرِ لب بولا۔ ''یہ کیا بول رہی ہیں؟''

ایسے وقت میرے دماغ میں ایک اجنبی لہجہ سنائی دیا۔ ''بولتے بولتے ایک عمر گزر گئی... جو رہ گئی ہے' وہ بھی گزر جائے گی۔ نہ بول ختم ہوں گے... نہ بولنے والے...''

وہ آواز اور لب و لہجہ میں پہلی بار سن رہا تھا۔ اسے نسوانی سرگوشی کہا جا سکتا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''کون ہے میرے دماغ میں...؟''

میں کسی اجنبی سے سوال کر رہا تھا لیکن میری نگاہیں بدستور اسی بلی پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ تھوڑی دیر تک تو کھڑی رہی پھر بڑے اطمینان سے کھڑکی کی چوکھٹ پر بیٹھ گئی۔ مجھے ایسا ہی لگ رہا تھا' جیسے وہ مجھ سے مخاطب ہے۔ وہی میرے دماغ میں بول رہی ہے۔ یہ کچھ عجیب سا خیال تھا۔ دماغ میں وہی آواز ابھری۔ ''یہاں سب بولتے ہیں... سب اپنی اپنی بولی بولتے ہیں... مگر کوئی کسی کی نہیں سنتا...''

''آخر تم ہو کون...؟ میرے دماغ میں کیوں آئی ہو؟''

''کیونکہ پوری دنیا میں میرے محبوب کے بعد ایک تمہارا ہی دماغ ہے' جو میری باتیں سن سکتا ہے۔''

اب تو یقین ہونے لگا تھا کہ وہ بلی ہی مجھ سے مخاطب ہے۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا تم فرہاد کے بارے میں کچھ کہنے آئی ہو؟''

اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''ہائے فرہاد! وہ تو ایک خواب بن کر رہ گیا ہے۔ نہ جانے کب آنکھ کھلے گی اور کب وہ تعبیر بن کر سامنے آئے گا۔''

''پچھلے کئی برسوں سے وہ ایک ہمزاد کی طرح میرے ساتھ رہا۔ مجھ سے بولتا رہا۔ اب اس کی خاموشی کاٹنے کو دوڑتی ہے۔ ویسے تم کون ہو؟ کیوں اس کے لیے آہیں بھر رہی ہو؟ کیا اسی کو اپنا محبوب کہہ رہی ہو؟''

''ہاں۔ فرہاد کے ہزاروں لاکھوں چاہنے والوں میں سے ایک میں بھی ہوں۔''

''تم میرے دماغ میں بول رہی ہو۔ یقیناً ٹیلی پیتھی جانتی ہو؟''

''نہیں۔ یہ ٹیلی پیتھی نہیں ہے۔''

''تو پھر کیا ہے؟''

''یہ ایک کمیونیکیشن ہے۔ دماغ سے دماغ کی کنورسیشن ہے۔''

''کہلائے گی تو ٹیلی پیتھی ہی... کیا تم میرے چور خیالات پڑھ سکتی ہو؟''

''نہیں۔ میں صرف تم سے بول سکتی ہوں۔ تمہاری باتیں سن سکتی ہوں مگر تمہارے اندر کی وہ باتیں جنہیں چور خیالات کہا جاتا ہے' انہیں پڑھ نہیں سکتی۔''

میری دلچسپی بڑھ رہی تھی۔ میں نے کہا۔ ''تم اپنے بارے میں کچھ بتاؤ گی بھی یا اسی طرح پُراسرار بنی رہو گی؟''

''اسرار کے پردے میں رہنا ہوتا تو یہاں نہ آتی۔''

میں نے کچھ سوچ کر پوچھا۔ ''تم میری آنکھوں سے اس بلی کو دیکھ رہی ہو؟''

اس کی دھیمی سی ہنسی سنائی دی پھر وہ بولی۔ ''مجھے آئینہ دیکھنے کو کہہ رہے ہو؟''

''کیا مطلب...؟ میں کچھ سمجھا نہیں؟''

''کسی کو اُسی کا سراپا دکھاؤ تو کیا کہا جاتا ہے؟''

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''یعنی میں درست سوچ رہا تھا۔ یہ تم ہی ہو' میری نگاہوں کے سامنے بھی اور میرے دماغ میں بھی...''

میں نے ذرا توقف سے کہا۔ ''برسوں پہلے فرہاد کی زندگی میں سامی نامی ایک بلی اس کی معشوقہ بن کر آئی تھی۔''

''میں سامی نہیں ہوں مگر تم مجھے سامی کے نام سے پکار سکتے ہو۔''

''یہ بھی عجیب بات ہے' تم بول رہی ہو۔ جبکہ سامی تو بولتی تھی اور نہ ہی کسی کے دماغ میں جاسکتی تھی۔ ویسے... بتاؤ' تم اگر فرہاد کی محبوبہ ہو تو اس نے مجھ سے تمہارا ذکر کیوں نہیں کیا؟ تمہیں اپنی داستان میں شامل کیوں نہیں کیا؟''

''کیونکہ اسے نہیں معلوم کہ میں اسے چاہتی ہوں۔''

''یہ کیا کہہ رہی ہو؟''

''میری محبت خاموش ہے لیکن یہ یقین ہے کہ کسی نہ کسی دن وہ ضرور سنے گا۔''

''اب کیسے سنے گا؟ وہ تو نہ جانے کہاں گم ہوگیا ہے؟''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ''ہاں۔ وہ تاریکیوں میں کہیں کھو گیا ہے۔''

''تاریکی سے یاد آیا۔ میں نے سنا ہے' بلیوں کی بینائی بہت تیز ہوتی ہے۔ وہ اندھیرے میں بھی دیکھ سکتی ہیں۔ کیا تم کسی طرح اُس کی کھوج لگا سکتی ہو؟''

''وہ ایسی گہری تاریکی میں جا چھپا ہے کہ میری آنکھیں اور میرا دماغ بھی اسے تلاش نہیں کر پارہا ہے مگر وہ زندہ ہے۔''

''کیا تم یقین سے کہہ سکتی ہو؟'' میں چونکا۔

''تم نے کبھی تاریکی میں کچھ بجھائی نہ دینے کے باوجود کسی کے ہونے کے احساس کو محسوس کیا ہے؟''

''ہاں۔ ایسا ہوتا ہے۔ ہم کسی روشن کمرے میں ہوں اور وہاں اچانک ہی اندھیرا ہو جائے تو اتنا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کہاں کیا چیز رکھی ہوئی ہے؟ کیونکہ اندھیرے کے بعد ہم شعور کی آنکھ سے سمجھ رہے ہوتے ہیں۔''

وہ بولی۔ ''وہی شعور مجھے یقین دلاتا ہے۔''

میں نے پہلو بدل کر پوچھا۔ ''کیسا یقین؟ کیا تم فرہاد کو محسوس کرتی ہو؟''

''ہاں۔''

اس کی ہاں سن کر میرے اندر جیسے زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ میں نے بے چین ہو کر پوچھا۔ ''کیا تمہیں اس کا دماغ ملتا ہے؟''

''لمحاتی طور پر ملتا ہے پھر تاریکی میں کھو جاتا ہے مگر...''

''مگر کیا...؟''

''اُس کا ملنا بھی نہ ملنے کے برابر ہوتا ہے۔''

''تمہیں کچھ تو سمجھ میں آتا ہوگا کہ وہ کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟''

''میں نے کہا نا... میں اندھیروں میں صرف اسے محسوس کرتی ہوں مگر یہ سوچ کر دل کو تسلی ہوتی ہے کہ جہاں کہیں بھی ہے' زندہ سلامت ہے۔''



''یہ سن کر تو مجھے بھی خوشی اور اطمینان حاصل ہو رہا ہے۔''

''مگر مجھے تم بھی تو یہ کہہ کر مطمئن کرو کہ اس کی داستان کو جاری رکھو گے۔ میں چاہتی ہوں' یہ سلسلہ اس کی سانسوں کے ساتھ ہی ختم ہو۔'' میں خاموش رہا، میں اسے کیا جواب دیتا۔

سونیا نہیں رہی تھی۔ اتنے دن گزر جانے کے بعد بھی فرہاد کی کوئی خیر خبر نہیں مل رہی تھی۔ اس کے ایسے حالات رفتہ رفتہ مجھے مایوس کر رہے تھے۔ میرے دماغ کو کہانی اور میرے قلم کو الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ میرے لیے اسے مطمئن کرنا مشکل تھا۔

شاید اس بار اس قسط کے آخر میں ''جاری ہے'' کے بجائے میرے قارئین کو ''سوالیہ نشان'' دکھائی دیتا۔ کیونکہ میں سمجھ نہیں پارہا تھا کہ قارئین کو کیا بتاؤں کہ میرا راوی کہاں گیا؟ فرہاد علی تیمور کا الجھا ہوا اختتام اس کے سب ہی چاہنے والوں کو ہمیشہ الجھائے رکھنے والا تھا۔

ایسے وقت جبکہ میں مشکل میں تھا' لکھنے کا حوصلہ ہار رہا تھا۔ سامی نے آکر میرے لہو کی گردش کو تیز کر دیا تھا۔ میرا قلم لکھنے کو اور کاغذ سیاہ ہونے کو بے چین ہو گئے تھے۔ میں اپنے اندر ایک نئی توانائی محسوس کر رہا تھا۔

سامی نے کہا۔ ''مجھے فرہاد سے صرف محبت ہی نہیں' عقیدت بھی ہے اور یہی عقیدت مجھے تمہارے پاس کھینچ لائی ہے۔ کیونکہ ایک تم ہی ہو' جو اس کے سب سے زیادہ قریب ہو۔''

''مجھے بھی اپنے راوی سے عقیدت ہے اور یہ عقیدت کہتی ہے کہ اس کی داستان کو تشنہ نہیں رہنا چاہیے۔''

''تم لکھو... لکھتے رہو۔ وہ آئے گا' وہ لوٹ کر ضرور آئے گا۔''

میں نے سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ بولی۔ ''میں اپنے طور پر کسی سے رابطہ قائم نہیں کر سکتی مگر تمہارے پاس قلم کی طاقت ہے تمہارا اور فرہاد کا ساتھ لازم و ملزوم ہے...... اور میرا یقین بھی غیر متزلزل ہے کہ...... فرہاد واقعی زندہ ہے جب تک تاریکی میں رہے گا وہ تب بھی کسی نہ کسی مہم میں مصروف رہے گا۔''

سامی کی باتیں مجھے حوصلہ دے رہی تھیں...... میرے قلم کی زندگی بڑھا رہی تھیں۔ میں نے کہا۔ ''ہاں تم درست کہہ رہی ہو...... اس نے اپنی زندگی کا ایک ایک ورق میرے سامنے کھولا ہے...... وہ اب بھی ان گزرے لمحوں کا قصہ لے کر جلد ہی میرے دماغ پر دستک دے گا...... مجھے بھی یقین ہے۔''

میں نے اپنا قلم اپنی مٹھی میں یوں داب لیا جیسے گزرتے لمحوں کو قید کرنے کی کوشش کی ہو۔ سامی میری کیفیت کو بخوبی سمجھ رہی تھی' جو کھڑکی سے کود کر میرے بستر پر آ بیٹھی تھی۔

''راوی کے بغیر اگرچہ اس داستان کو آگے بڑھانا مشکل کام ہے مگر یہ انتظار بھی تو اس کی داستان کا ایک حصہ ہے اور ایسا شاید پہلی بار ہو رہا ہے۔'' میں نے بستر پر بیٹھی ہوئی سامی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اگرچہ اس دستان میں بہت کچھ پہلی بار ہوتا رہا ہے مگر مجھے بھی جب تک یہ یقین نہیں ہو جائے گا کہ واقعی اس کی سانسیں رک گئی ہیں' تب تک میں اس داستان کو نہیں روکوں گا۔ ابھی تو دل اور دماغ پورے یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہے' زندہ سلامت ہے۔''

''یہ یقین تو دشمنوں کو بھی ہے۔ سب ہی خوفزدہ ہیں کہ نہ جانے فرہاد اچانک ہی کیسی قیامت بن کر اُن پر ٹوٹنے والا ہے؟''

''انہیں خوفزدہ رہنا بھی چاہیے۔ کیونکہ قیامت تو ایک روز آنی ہی ہے اور فرہاد قیامت بن کر ہی لوٹے گا۔''

میں اثبات میں سر ہلا کر سوچ میں پڑ گیا۔ انتظار بڑا ہی تکلیف دہ تھا۔ یہ تجسس بے چین کر رہا تھا کہ آخر فرہاد کہاں گم ہو گیا ہے؟ نیہا نے کہا تھا کہ اس کے نانا مہاراج اسے تلاش کرنے کے لیے جو منتر پڑھ رہے ہیں' وہ تاریکی میں بے اثر ہو جاتا ہے اور یہی ہوا تھا۔ وہ مہاراج اسے اماوس کی تاریکی میں ڈھونڈ نہیں پایا تھا۔

ایسی صورتِ حال سے اتنا یقین ہو گیا تھا کہ وہ دشمنوں کے ہاتھوں مارا نہیں گیا ہے۔ فی الحال کسی وجہ سے گم ہو گیا ہے۔ سامی چھلانگ لگا کر کھڑکی پر چلی گئی۔ میں نے پوچھا۔ ''کہاں جا رہی ہو؟''

میرے دماغ میں اس کی آواز سنائی دی۔ اس نے سوچ کے ذریعے کہا۔ ''اور کہاں جاؤں گی؟ تلاشِ یار میں بھٹکنا مقدر بن گیا ہے۔ اپنے طور پر کوشش جاری رکھوں گی۔ کبھی تو اُس کی خبر ملے گی۔''

''پھر آؤ گی؟''

''فرہاد کی تلاش میں بھٹکتی ہوئی تمہارے پاس آئی تھی۔ جب تک وہ نہیں ملے گا' تب تک یہ آنا جانا لگا رہے گا۔''

میں نے کہا۔ ''اچھی بات ہے۔ مجھے تمہارا انتظار رہا

کرے گا۔"

میرے دماغ میں خاموشی چھاگئی۔ وہ تھوڑی دیر تک کھڑکی کی چوکھٹ پر کھڑی جگمگاتی آنکھوں سے مجھے دیکھتی رہی پھر وہ پلٹ کر جھپ لگاتے ہی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ میں پھر سوچ میں ڈوب گیا۔ فرہاد کن حالات سے گزر رہا تھا یہ تو اس کے آنے کے بعد ہی معلوم ہونے والا تھا۔ البتہ سونیا سازش کا شکار ہوگئی تھی۔ ایشورارا کی کمینگی سے ماری گئی تھی مگر کیا کیا جائے اس کے سلسلے میں بھی دل نہیں مان رہا تھا۔ جبکہ اس کا جاں سے گزر جانا بالکل واضح تھا۔

☆☆☆

فرہاد کو صرف رشتے دار اور دوست ہی نہیں دشمن بھی تلاش کررہے تھے۔ جو اس کی موت کی دعائیں مانگتے رہتے تھے' اُنہیں تو سکھ کا سانس لینا چاہیے تھا کہ جان کا عذاب گیا مگر ایک پھانس اٹکی ہوئی تھی کہ وہ جا بھی چکا ہے یا نہیں؟ پہلے بھی اس کی لاش دیکھی گئی ہے۔ پتا نہیں ملک الموت سے کیسی دوستی گانٹھ رکھی ہے کہ پھر زندگی کی طرف لوٹ آتا ہے۔ وہ کسی دن' کسی لمحے میں بھی پلٹ کر آسکتا ہے۔

وہ ایسا ہی ہے۔ اگر واقعی مر چکا ہے' تب بھی دشمنوں کے خوابوں میں' خیالوں میں اور اندیشوں میں زندہ رہے گا۔

تانترک گرو مہاراج کو پراسرار علوم میں کمال حاصل تھا۔ وہ منتر پڑھ کر زمین میں گڑے ہوئے خزانے نکال لاتا تھا۔ پاتال میں چھپے ہوئے دشمنوں تک پہنچ جاتا تھا مگر اب پہلی بار فرہاد تک پہنچنے میں ناکام ہو رہا تھا۔ اپنے تمام پراسرار علوم آزمانے کے بعد بھی گم ہونے والے کے قدموں کے نشانات نہیں مل رہے تھے۔

تب یہ یقین ہونے لگا کہ وہ مر چکا ہے۔ موت کی تصدیق کرنا بھی لازمی تھا۔ وہ ایک دن اور ایک رات تک مخصوص منتروں کا جاپ کرتا رہا اور فرہاد کی آتما کو حاضر ہونے کا حکم دیتا رہا۔ اگر اس کے نظریے کے مطابق فرہاد کی آتما کہیں لوک پرلوک میں بھٹک رہی ہوتی تو اس کا حکم سنتے ہی حاضر ہوجاتی مگر ایسا کچھ نہیں ہو رہا تھا۔

یہ یقین ہوگیا کہ آتما نے فرہاد کے جسم کو نہیں چھوڑا ہے۔ یعنی وہ اسی دنیا میں کہیں زندہ ہے اور اس کا سراغ اس لیے نہیں مل رہا ہے کہ کالا جادو کرنے اور کالا منتر پڑھنے میں شاید کوئی غلطی ہو رہی ہے یا پھر بابا صاحب کے ادارے والے اسے روحانی عمل کے پردے میں چھپا رہے ہیں۔

زیادہ سے زیادہ یہی رائے قائم کی جارہی تھی کہ اسے روحانیت کے ناقابل فہم اسرار میں گم کردیا گیا ہے۔ گرو مہاراج یہ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ روحانی علوم اس پر غالب آکر اسے بھٹکاتے رہیں گے اور کبھی فرہاد تک پہنچنے نہیں دیں گے۔ اس نے اپنے دامادوں جے' بلرام اور بھنڈاری سے وعدہ کیا' قسم کھائی کہ روحانی علوم کا توڑ کرنے کے لیے چالیس دن تک کٹھن تپسیا کرے گا پھر فرہاد کو کالے عمل کے شکنجے میں جکڑ کر اسے اپنی نواسی نیہا کا زن مرید پتی بنائے گا۔

دامادوں نے اعتراض کیا کہ ہم منت مان چکے ہیں' اسے دُرگا ماں کی بھینٹ چڑھائیں گے۔ اسے داماد بنا کر ننگی تلوار کی طرح اپنے سر پر نہیں لٹکائیں گے۔

مہاراج نے کہا۔ "میں نادان نہیں ہوں۔ تم لوگوں کی طرح اسے کمزور شکنجے میں نہیں رکھوں گا۔ میری چالیس دنوں کی تپسیا ایسا ظالم اثر کرے گی کہ فرہاد کی کھوپڑی الٹ جائے گی۔ وہ ہمیشہ کے لیے اپنے آپ کو بھول جائے گا۔ میری نواسی کا تابعدار پتی بن کر رہے گا۔"

بھنڈاری نے کہا۔ "ہم کو بھی یہ گمان تھا اور گھمنڈ تھا کہ درگا ماں کے آگے کی ہوئی برسوں کی تپسیا کمزور نہیں ہوگی۔ پر وہ اچانک ہی ہمارے شکنجے سے نکل گیا۔"

"تمہاری برسوں کی تپسیا کمزور نہیں ہوئی تھی۔ بھوانی ماں ہماری درگا ماں کمزور نہیں ہے۔ تم لوگ گھمنڈ میں آکر فرہاد کے ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے غافل ہوگئے تھے۔ بابا صاحب کے ادارے کو کمزور سمجھ رہے تھے۔ میں ایسی غلطی نہیں کروں گا۔ تم ابھی نہیں جانتے کہ میری تپسیا کیسی خطرناک ہوگی؟ جس طرح آج ہم اسے ڈھونڈ نہیں پارہے ہیں' اسی طرح چالیس دنوں کے بعد روحانی ٹیلی پیتھی جاننے والے بھی اسے ڈھونڈ نہیں پائیں گے۔"

کالے جادو میں مہارت حاصل کرنے والے بعض اوقات ایسے خطرناک منتر پڑھتے ہیں جس میں ایک ذرا سی غلطی انہیں لے ڈوبتی ہے۔ پڑھنے اور عمل کرنے کے دوران ذرا سی بھول ہوجائے تو دماغ الٹ جاتا ہے یا وہ مر جاتے ہیں۔

گرو مہاراج بھی ایک ایسا ہی خطرناک عمل کرنے والا تھا۔ انجام کار اس کی جان جاسکتی تھی یا پھر فرہاد کا دماغ بدل جاتا اور وہ ہمیشہ کے لیے اس کا غلام بن کر رہتا۔

وہ ہمالیہ کی ترائی میں انسانی آبادی سے دور پہاڑ کے ایک غار میں رہتا تھا۔ وہ علاقہ ہمیشہ برف سے ڈھکا رہتا تھا۔ انسان تو انسان جانور بھی اُدھر سے نہیں گزرتے تھے۔ شدید سردی ہڈیوں میں اتر کر جانداروں کو منجمد کردیتی تھی اور وہ روحانیت کے خلاف بہت بڑی کامیابی حاصل کرنے کے لیے ایسی جگہ تپسیا کرنے والا تھا۔



وہاں سے قریب ہی انسانی آبادی دس میل کے فاصلے پر تھی۔ اس کا ایک خاص چیلا دو چار دنوں میں ذرا دیر کے لیے آتا تھا پھر اس کے لیے کھانے پینے کی کچھ چیزیں رکھ کر واپس چلا جاتا تھا۔ گرو مہاراج نے اس سے کہا تھا۔ "اگلے چالیس دنوں کے دوران جب بھی آؤ تو مجھ سے بات نہ کرنا۔ چپ چاپ میری ضرورت کی چیزیں رکھ کر چلے جانا۔ میں تپسیا کے دوران اپنے آپ سے بھی بات نہیں کروں گا۔"

چیلے نے کہا۔ "میں تو ہر دوسرے تیسرے دن آؤں گا اور آپ کا ضروری کام کرکے چلا جاؤں گا مگر ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں...... کیا یہاں آپ سے ملنے کوئی اور آتا ہے؟"

اس نے سر ہلا کر کہا۔ "نہیں۔ تم دیکھ رہے ہو' یہاں تک آنے میں کتنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟ بھلا یہاں آنے کی کون ہمت کرے گا؟"

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ ادھر کوئی آنہیں سکتا۔ پر میں نے گپھا (غار) کے باہر اور اندر قدموں کے نشان دیکھے ہیں۔"

گرو مہاراج آسن جمائے بیٹھا تھا۔ حیرانی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ بے یقینی سے بولا۔ "یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ادھر کون آسکتا ہے؟ مجھے پیروں کے وہ نشان دکھاؤ۔"

وہ دونوں غار کے اندر سے گزرتے ہوئے باہر جانے لگے۔ جہاں حدِ نظر تک برف ہی برف تھی۔ شور مچاتی ہوئی تیز ہواؤں کے باعث نقشِ قدم مٹ رہے تھے پھر بھی کہیں کہیں جھلک موجود تھی۔

وہ پریشان ہوکر بولا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔ ادھر کوئی آیا ہے مگر واپس جانے والے پیروں کے نشان نہیں ہیں۔ وہ آنے والا ابھی واپس نہیں گیا۔ اسی طرف کہیں ہے۔"

چیلے نے کہا۔ "اور وہ گپھا کے اندر ہوگا۔ وہاں بھی ہم نے اس کے پاؤں کے نشان دیکھے ہیں۔"

وہ فوراً ہی غار کے اندر آئے۔ وہاں اسے ڈھونڈنے لگے۔ اندر کئی دوراہے اور چوراہے بنے ہوئے تھے۔ وہ گپھا آگے جاکر کئی راستوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔ وہ دونوں تلاش کرتے ہوئے زیادہ دور نہیں گئے۔ کیونکہ آگے پیروں کے نشانات دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

گرو مہاراج سوچ میں پڑگیا کہ آنے والا کہاں گم ہوگیا ہے؟ جبکہ واپس بھی نہیں گیا ہے۔ واپس جانے والے نقش قدم کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ اس کا چیلا اگلے تین دنوں کے بعد آنے کے لیے وہاں سے چلا گیا۔

وہ غار میں تنہا رہ گیا۔ اگرچہ بزدل نہیں تھا۔ اسے پراسرار علوم میں اتنی مہارت حاصل تھی کہ ناگہانی بلاؤں سے تنہا نمٹ سکتا تھا۔ فی الوقت اس ویران علاقے میں کسی نادیدہ شخص کی موجودگی پریشان کررہی تھی۔

کٹھن تپسیا کے لیے تنہائی اور یکسوئی لازمی تھی۔ اگر وہ کہیں سے بھٹکتا ہوا پھر ادھر آئے گا تو تپسیا کے دوران مداخلت ہوگی۔

وہ اپنے استھان پر بیٹھ کر ایسے منتر پڑھنے لگا' جس کے اثر سے چھپنے والے دشمن اعصابی کمزوریوں میں مبتلا ہوکر اس کے سامنے آکر گھٹنے ٹیک دیتے تھے۔ اسے یقین تھا کہ غار کے اندر کوئی بھی چھپ کر نہیں رہ سکے گا۔ منتروں کے شکنجے میں ضرور آئے گا۔

وہ تقریباً دو گھنٹے تک آزمودہ اور اثر انگیز منتروں کا جاپ کرتا رہا۔ شدت سے کسی کا انتظار کرتا رہا لیکن تھکا دینے والے انتظار کے باوجود کسی کی آہٹ سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس غار میں صرف وہی تھا۔ وہاں کسی اور کا وجود نہیں تھا۔ تب وہ چپ ہوگیا۔ منتر خاموش ہوگئے۔ یقین ہوگیا کہ وہاں آس پاس اور دور دور تک کوئی نہیں ہے۔ کوئی اس کی تپسیا کو بھنگ کرنے نہیں آئے گا۔ اس نے اندازہ کیا کہ آدھا دن گزر چکا ہے۔ انگلیوں پر حساب لگایا کہ اسی دن سے وہ گنتی شروع کرے گا اور چالیس دنوں تک مخصوص منتروں کا جاپ کرتا رہے گا۔

وہ منتر اتنے خطرناک تھے کہ پڑھنے والے کو بار بار بھولنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ ایک یا دو بار بھولتا تو سنبھلنے کے لیے چھوٹ مل جاتی۔ لیکن تیسری بار بھولتے ہی اس کا دماغ الٹ جاتا پھر وہ خون تھوک تھوک کر مرجاتا۔ اسے یقین تھا کہ اس سے بھول نہیں ہوگی۔ وہ مہاشکتی مان تھا۔ فولادی دماغ رکھتا تھا۔

وہ ذہنی اور جسمانی طور پر پوری طرح آسن جما کر بیٹھ گیا۔ مہاتما بت کی مورتی کی طرح دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر آنکھیں بند کرلیں پھر ابتدا کی۔ "اوم... جگدیش ہرے..."

اس کی آواز وسیع و عریض غار کے اندر گونجنے لگی۔

پھر وہ ہوا' جس کی وہ توقع نہیں کرسکتا تھا۔ اس کی گونجتی ہوئی آواز پر اچانک ہی دوسری آواز گونجتی ہوئی سنائی دی۔

"اللہ اکبر... اللہ اکبر... اکبر... اکبر..."

اس کے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ گونجتی ہوئی آواز مدھم ہوتی جارہی تھی۔ وہ دائیں بائیں سر گھما کر دیکھنے لگا۔ آواز تحلیل ہوچکی تھی۔ خاموشی چھاگئی تھی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ حدِ نظر تک کسی کا وجود نہیں تھا۔ آواز بھی نہیں تھی۔ ایسا لگ رہا تھا' جیسے کسی کی آواز نہیں تھی۔ اس کا وہم تھا۔ ایک مسلمان فرہاد گم

ہو کر اس کے حواس پر چھا گیا ہے۔
وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے۔ اس بار آنکھیں بند نہیں کیں۔ دور تک دیکھتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔ ''اوم۔ نمشیوا...''
اس کی آواز گونجنے لگی۔ ''نمشیوا۔ وا۔ وا۔ وا...''
وہ پھر ایک بار چونک گیا۔ عربی زبان کی دھیمی دھیمی سی گونج سنائی دے رہی تھی۔ کوئی کلام پاک کی آیت پڑھ رہا تھا۔
وہ اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ اس کے قریب آہنی ترشول رکھا ہوا تھا۔ وہ اسے ایک مٹھی کی گرفت میں لے کر چٹان سے اتر گیا۔ تلاوت کی دھیمی دھیمی سی آواز مسلسل سنائی دے رہی تھی۔ وہ پاؤں پٹختا ہوا آواز کی سمت جانے لگا۔
وہ آواز غار کے ایک موڑ پر واضح طور پر سنائی دینے لگی۔ وہ کہیں قریب ہی تھا۔ اس نے تیزی سے چلتے ہوئے ترشول کو فضا میں بلند کرتے ہوئے نعرہ لگایا۔ ''الکھ نرنجن۔ الکھ نرنجن...''
شیو شنکر ہر ہر مہاراج کے ہاتھ میں بھی ویسا ہی ترشول ہوا کرتا تھا۔ وہ اس ہتھیار کے ذریعے دشمنوں کو خون میں نہلا دیتے تھے۔ خاک میں ملا دیتے تھے۔
مقدس آیات گونج رہی تھیں۔ وہ الکھ نرنجن کہتا ہوا ایک موڑ پر آیا۔ وہاں سے غار تین حصوں میں تقسیم ہوگیا تھا۔ تین راستے تین مختلف سمتوں میں گئے تھے۔ اس نے ایک ذرا رک کر آواز کی سمت معلوم کی پھر ادھر چل پڑا۔
غار کا وہ راستہ آگے جا کر وسیع و عریض ہوتا گیا تھا۔ ایک اونچی چٹان سے وہ آیتیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ بہت بلندی پر کسی کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔
وہ برف جیسے سفید لباس میں تھا۔ اس کے وجود کے ایک حصے کی جھلک سے معلوم ہو رہا تھا کہ نماز پڑھ رہا ہے۔ وہاں کسی اجنبی کی خلاف توقع موجودگی حیران بھی کر رہی تھی اور پریشان بھی۔ اس نے گرجتے ہوئے پوچھا۔ ''کون ہو تم؟''
وہ عبادت میں مصروف تھا۔ وہاں سے جواب نہیں مل سکتا تھا۔ وہ اسے دوسری طرف سے دیکھنے کے لیے ایک سمت چلنے لگا۔ کبھی اُدھر جا کر کبھی اِدھر آ کر دیکھنے کی کوششیں کرنے لگا۔ چٹان کی چوڑائی ایسی تھی کہ وہ صرف ایک ہی سمت سے جھلک رہا تھا۔
وہ پھر پہلی جگہ آ گیا۔ اس کی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ صاف شفاف لباس سے پتا چل رہا تھا کہ وہ کبھی رکوع میں جا رہا ہے، کبھی سجدے کر رہا ہے اور کبھی سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے۔ ایسے وقت عربی زبان سنائی دے رہی تھی۔

اس نے پھر گرج کر پوچھا۔ ''کون ہو تم...؟ کہاں سے آئے ہو؟''
اس چٹان پر پہنچنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے پیچھے پتھریلی دیواریں اور بھاری پتھر ایک دوسرے پر رکھے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ ایک مسلمان کی موجودگی اس کے دماغ میں چیخ رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ وہ فرہاد علی تیمور ہے... وہ فرہاد علی تیمور ہے...
اس نے چونک کر پھر بلندی کی طرف دیکھا۔ اگر اس کی صورت نظر آتی، تب بھی وہ اسے پہچان نہ پاتا۔ کیونکہ پہلے کبھی اس نے فرہاد کو نہیں دیکھا تھا۔ اب تک خیال خوانی کے ذریعے اس سے رابطہ رہا تھا۔
اس نے فوراً ہی خیال خوانی کی چھلانگ لگائی۔ فرہاد کے دماغ میں پہنچنا چاہا مگر ناکامی ہوئی۔ سوچ کی لہریں واپس آ گئیں۔ اب سے پہلے بھی وہ ناکام ہوتا رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ روحانی ٹیلی پیتھی کے ذریعے فرہاد کی آواز اور لب و لہجے کو بدل دیا گیا ہے۔ اس لیے اس کا دماغ نہیں ملتا۔ یوں اسے مردہ نہیں سمجھنا چاہیے۔
اس نے سوچا۔ ''اگر اس چٹان پر فرہاد نہیں ہے۔ کوئی اور ہے تو اس کے لب و لہجے کو گرفت میں لے کر شاید اس کے اندر پہنچ سکوں گا لیکن وہ عربی پڑھ رہا ہے۔ میں اس زبان کے الفاظ اور لہجے کو گرفت میں نہیں لے سکوں گا۔ اگر وہ ہندی یا انگریزی بولے گا تو میں اس کے اندر جا سکوں گا۔''
گرو مہاراج نے زور سے کہا۔ ''مجھ سے بات کرو۔ تم کس راستے سے یہاں آئے ہو؟''
وہ خاموشی سے عبادت میں مصروف تھا۔ جواب نہیں دے رہا تھا۔ گرو نے کہا۔ ''جواب نہیں دو گے تو پچھتاؤ گے۔ میری دشمنی مہنگی پڑے گی۔ میں یہاں تنہائی میں تپسیا کرتا ہوں۔ تمہارا وجود برداشت نہیں کروں گا۔''
وہ بول رہا تھا۔ اس کی آواز غار میں گونج رہی تھی مگر اس نمازی پر جیسے اس کا اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے آہنی ترشول کا رخ بلندی کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری موت آ گئی ہے۔ میرا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا۔ تمہاری لاش وہاں سے نیچے گرے گی۔ اپنی سلامتی چاہتے تو مجھ سے بات کرو۔ فوراً نیچے آؤ۔''
جواباً پھر آیتوں کی آواز ہولے ہولے گونجنے لگی۔ گرو مہاراج کو نشانہ بنانے پر ترشول چلانا آتا تھا۔ اس نے پورے اعتماد سے نشانہ لے کر ترشول کو ادھر پھینکا۔ وہ فضا میں تیرتا ہوا بلندی کی طرف گیا پھر اس اجنبی کے لباس کے قریب پہنچ کر گم ہوگیا۔

وہ گردن اٹھا کر اچک اچک کر دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی جھلک دکھائی دی۔ وہ ترشول ہاتھ میں لیے چٹان پر کھڑا تھا۔ اب بھی اس کا چہرہ واضح طور پر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

وہ جوابی کارروائی کر سکتا تھا۔ اس ترشول کے ذریعے وہاں سے اس پر حملہ کر سکتا تھا مگر اس کی طرف سے مسلسل خاموشی اور بے نیازی تھی۔ وہ دوسری طرف گھوم گیا۔ وہاں سے چلا گیا۔ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

مہاراج سر اٹھائے دیکھتا رہا۔ اسے آوازیں دیتا رہا۔ ”اے! تم کہاں ہو؟ سامنے آؤ۔ مجھ سے باتیں کرو۔“

اب وہاں کوئی نہیں تھا۔ اوپر دیکھتے دیکھتے گردن دُکھنے لگی تھی۔ تب اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اسے ترشول سے حملہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہی ایک ہتھیار اس کے پاس تھا۔ وہ بھی اب اس اجنبی کے پاس چلا گیا۔ وہ کسی وقت بھی کہیں سے بھی آ کر اسے ہلاک کر سکتا تھا۔ وہ چاروں طرف دیکھتا ہوا بولنے لگا۔ ”تم کہاں ہو؟ اب تو تمہارے پاس ترشول ہے۔ میرے سامنے آؤ۔“

وہ آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھتا جا رہا تھا اور کہتا جا رہا تھا۔ ”مجھے بتاؤ‘ یہاں کیوں آئے ہو؟ کب تک یہاں رہو گے؟“

اسے جواب نہیں مل رہا تھا مگر وہ جنونی انداز میں بولتا جا رہا تھا۔ ”میں تنہائی میں تپسیا کرنے آیا ہوں۔ تم کب یہاں سے جاؤ گے؟ تم بولتے کیوں نہیں ہو؟ جواب دو...؟“

اسے یوں لگ رہا تھا‘ جیسے غار کی پتھریلی دیواروں سے بول رہا ہے۔ کوئی سننے والا‘ جواب دینے والا نہیں ہے۔ وہ بولتے بولتے تھک گیا۔ استھان میں واپس آ کر سوچنے لگا کہ اب کیا کرے؟ اپنی تپسیا کیسے شروع کرے؟ جب تک وہ سامنے نہ آتا‘ تب تک یہ اندیشہ رہتا کہ کسی بھی وقت آ کر اس کی تپسیا میں رکاوٹ پیدا کر سکتا ہے۔ اسے ان اطراف میں تلاش کرتا تھا یا اس کے واپس آنے کا انتظار کرتا تھا۔ دونوں ہی صورتوں میں تپسیا رک گئی تھی پھر ایک دن گزر گیا۔ جانے والا واپس نہیں آیا۔ وہ غار میں پہلے کی طرح تنہا ہی تھا۔ رات ہوئی تو یقین پختہ ہوا کہ اندھیری رات ہے۔ باہر برفیلی طوفانی ہوائیں چل رہی ہیں۔ وہ ادھر نہیں آ سکے گا۔

غار میں ایک لالٹین روشن رہتی تھی۔ وہ سوتے وقت اسے بجھا دیا کرتا تھا مگر سونا نہیں تھا۔ تپسیا شروع کرنی تھی۔ وہ کھانے کے بعد پوجا کے استھان پر آیا پھر آسن جما کر بیٹھ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے آنکھیں بند کیں پھر بڑے جذبے سے ابتدا کی۔ ”اوم... نمشیوا... اوم۔ جگدیش ہرے...“

اس کی آواز غار کے اندر دور تک گونجنے لگی۔ وہ ذرا چپ رہا۔ انتظار کرتا رہا۔ کسی کی مداخلت نہیں ہوئی۔ بڑی حد تک دل کو اطمینان ہوا کہ خطرہ ٹل گیا ہے۔ برفانی طوفان میں وہاں کوئی نہیں آئے گا۔

اس نے خاص منتر پڑھنے سے پہلے پھر ایک بار کہا۔ ”اوم... جگدیش ہرے...“

آواز پھر گونجنے لگی ”جگدیش ہرے۔ ہرے۔ ہرے...“

گونجنے والی آواز ہولے ہولے تحلیل ہو گئی۔ خاموشی چھا گئی۔ کہیں سے کوئی آہٹ سنائی نہیں دے رہی تھی۔ بڑا اطمینان ہوا کہ اب وہاں کوئی اجنبی نہیں ہے۔ کوئی مداخلت نہیں ہو رہی ہے۔

ویسے اطمینان کے باوجود یکسوئی نہیں تھی۔ تمام توجہ منتروں پر مرکوز نہیں ہو رہی تھی۔ یہ سوال ستا رہا تھا کہ وہ آنے والا کون تھا؟ کیوں تھوڑی دیر کے لیے آیا تھا اور اس کے یوں آنے اور گم ہو جانے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟

ان سوالوں کے جوابات نہیں مل رہے تھے۔ پڑھتے وقت دھیان بٹ رہا تھا مگر وہ پڑھتا جا رہا تھا۔ فی الوقت یہی غنیمت تھا کہ عارضی رکاوٹ آپ ہی آپ دور ہو گئی تھی۔

رات گزرتی جا رہی تھی اور وہ بڑی لگن سے منتر پڑھتا جا رہا تھا۔ اس بات کا دھیان تھا کہ پڑھنے کے دوران غلطی نہ ہونے پائے۔

ویسے اس کی یادداشت بہت مضبوط تھی۔ وہ بڑے اعتماد سے پڑھتا جا رہا تھا۔ صبح ہوتے ہی تپسیا کو روک کر آرام کرنے والا تھا لیکن اس سے پہلے پھر ایک دماغی جھٹکا لگا۔ وسیع و عریض غار میں فجر کی اذان گونجنے لگی۔ وہ آواز خلاف توقع تھی۔ منتروں کی ادائیگی ایکدم سے گڑبڑا گئی۔

منتروں کے الفاظ کچھ تھے‘ ادائیگی کچھ اور طرح کی ہوئی تو دماغ کو جھٹکا سا لگا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ پتھریلی دیواریں گھومتی ہوئی سی دکھائی دے رہی تھیں۔ سر چکرا رہا تھا۔ ابھی پوری طرح شامت نہیں آئی تھی۔ پوری طرح دماغ نہیں الٹا تھا۔

یہ پہلی وارننگ تھی۔ آئندہ وہ دماغی مریض بن سکتا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے اُکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ صبح کی اذان گونج رہی تھی۔ اس کے حواسوں پر چھا رہی تھی۔ اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہاں سے اٹھ کر جاتا اور اس اجنبی کو چیلنج کرتا۔ اس کے اپنے ہی منتروں نے اسے کمزور بنا دیا تھا۔

وہ بیٹھے بیٹھے لیٹ گیا۔ تصور میں دیکھنے لگا‘ وہ اجنبی اسی چٹان کی بلندی پر دکھائی دے رہا تھا۔ پہلے کی طرح واضح نہیں تھا۔ صرف اس کا لباس جھلک رہا تھا۔ غار میں تھوڑی دیر کے



خاموشی چھا گئی۔ یوں لگ رہا تھا‘ جیسے وہ اجنبی چپ چاپ ...گے پاس آ گیا ہے۔ اس پر جھک کر اسے دیکھ رہا ہے۔

اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ وہ نہیں تھا مگر مقدس ...ت دھیمی دھیمی سی لے میں گونج رہی تھیں۔ وہ فجر کی نماز پڑھ ...تھا۔ جہاں وہ تپسیا کرنے والا تھا۔ وہاں نماز ادا ہو رہی تھی۔ ...یہ دعویٰ نہیں کر سکتا تھا کہ وہ جگہ اس کی ہے۔ وہ اس ...کو وہاں سے بھگا نہیں سکتا تھا۔ اس کے پاس ایک ہی ...ل تھا اور اس کا وہ ہتھیار اس اجنبی کے ہاتھ لگ گیا تھا۔

وہ مہاشکتی مان خطرناک منتروں کے ذریعے اسے زیر ...کتا تھا۔ اسے ہلاک کر سکتا تھا لیکن منتر پڑھنے کی سہولت ...ل نہیں ہو رہی تھی۔ وہ پڑھنا شروع کرتا تھا تو مقدس ...ت حاوی ہو جاتی تھیں۔

وہ آنکھیں بند کیے اپنے استھان پر پڑا ہوا تھا۔ دماغی ...ف کم ہو رہی تھی۔ ذرا آرام آ رہا تھا۔ وہ نڈھال سا ہو کر ...ی نیند میں ڈوبتا چلا گیا۔

وہ بوڑھا تھا‘ پر کمزور نہیں تھا۔ اس کے اندر پراسرار ...ی بے پناہ طاقت اور غیر معمولی صلاحیتیں تھیں۔ وہ چشم ...میں منتر پڑھتے پڑھتے مخالفین کو زیر کر دیتا تھا۔ اس غار ...بھی مخالفت پر آنے والے اجنبی نے اسے نڈھال اور ...ت خوردہ نہیں بنایا تھا۔ اس کے اپنے ہی منتروں نے بھولنے اور غلطی کرنے کی سزا دی تھی۔

اس نے آنکھ کھلنے کے بعد توانائی محسوس کی۔ یہ یاد آیا ...جنبی پھر اس غار میں نماز پڑھنے آیا تھا۔ وہ فوراً ہی اٹھ کر ...ہا۔ چاروں طرف دیکھتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہاں گہری ...ی تھی۔ پتا نہیں کتنا وقت گزر چکا تھا؟ شاید وہ اجنبی وہاں ...جا چکا تھا۔

وہ وقت معلوم کرنے کے لیے اپنی نواسی نیہا کے دماغ ...گیا۔ وہ ایک ہینگنگ چیئر پر بیٹھی اپنے محبوب فرہاد کو یاد ...ہی تھی۔ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کرتی تھی۔ وہ ...چاپ اس کی سوچ پڑھ کر وقت معلوم کر کے اس کے ...سے چلا آیا۔

دوپہر کے دو بجنے والے تھے۔ وہ صبح سے اب تک ...نیند سوتا رہا تھا۔ ایسی غفلت کے دوران وہ اجنبی آ کر ...ی گردن اتار سکتا تھا پھر وہ ابدی نیند سوتا ہی رہ جاتا لیکن ...یں ہوا تھا۔ ابھی وہ اپنے مقدر سے سانسیں لے رہا تھا۔

وہ نیہا کے پاس نہ جاتا‘ تب بھی معلوم ہو جاتا کہ ظہر کا ...ہو گیا ہے کیونکہ پھر اذان کی آواز گونجنے لگی تھی۔ آواز ...ں وہ لڑکھڑا گیا۔ وہ اذان اس کے لیے نادیدہ حملہ تھی۔

اس حملے کو وہ روک نہیں سکتا تھا مگر روکنے کی کوشش کر سکتا تھا۔ وہ جھنجلاتا ہوا، پاؤں پٹختا ہوا پھر اسی جگہ پہنچا۔ سر اٹھا کر دیکھا، اس چٹان کی بلندی پر اجنبی کا لباس جھلک رہا تھا۔

اس نے غصے سے گرجتے ہوئے پوچھا۔ ”اے...! مجھ سے بات کرو۔ مجھے بتاؤ کون ہو تم؟ کیوں مجھے پریشان کرنے‘ مجھ سے دشمنی مول لینے آئے ہو؟“

وہ اجنبی بے نیاز تھا۔ اس کی کسی بات کا‘ کسی چیلنج کا اثر نہیں لے رہا تھا۔ اس کے متعلق اب تک یہی دیکھا گیا تھا کہ وہ نماز کے وقت آتا تھا‘ عبادت کرتا تھا پھر کہیں چلا جاتا تھا۔

گرو مہاراج نے کہا۔ ”اب میں تمہیں جانے اور چھپنے نہیں دوں گا۔ تم میرے منتروں کی شکتی سے خون تھوکتے ہوئے میرے پاس آؤ گے۔“

وہ ایک اونچے پتھر پر آ کر آسن جما کر بیٹھ گیا۔ چٹان کی بلندی پر اجنبی کی جھلک دیکھتے ہوئے زیر لب منتر پڑھنے لگا۔ وہ منتر خطرناک نہیں تھے۔ پڑھتے وقت بھول ہوتی تو منفی ردعمل نہ ہوتا۔ اسے کسی طرح کا نقصان نہ پہنچتا۔ اس کے برعکس وہ اجنبی چٹان کی بلندی سے گر کر اس کے قدموں میں آ سکتا تھا۔

دونوں اپنی اپنی جگہ پڑھ رہے تھے۔ دونوں کی دھیمی دھیمی سی آوازیں غار میں گونج رہی تھیں۔ ایک دوسرے سے ٹکرا رہی تھیں۔ اس نے اپنے منتروں کو حاوی کرنے کے لیے آواز اونچی کر دی۔ لہک لہک کر‘ ذرا اُچک اُچک کر پڑھنے لگا۔ انداز ایسا تھا‘ جیسے بھونک رہا ہو اور کاٹنے ہی والا ہو۔

مقدس آیات بدستور دھیمی دھیمی سی تھیں۔ اجنبی مقابلتاً چیخ مار کر نہیں پڑھ رہا تھا۔ اس کے باوجود وہ دھیمی سی آواز منتروں کے ایک ایک لفظ میں چبھ رہی تھی‘ اس کے تلفظ کو گڑبڑا رہی تھی۔

اسے تھوڑی دیر بعد احساس ہوا کہ صحیح طور پر پڑھ نہیں پا رہا ہے۔ پوری طرح دھیان لگانے کے باوجود الفاظ کی ادائیگی درست نہیں ہو رہی ہے اور یہ سمجھ میں آنے والی بات تھی کہ جب تک ادائیگی درست نہیں ہو گی۔ منتر اپنا اثر نہیں دکھائیں گے۔

تھوڑی دیر بعد وہاں خاموشی چھا گئی۔ وہ سوچنے سمجھنے کے لیے چپ ہو گیا تھا۔ دوسری سمت سے بھی آواز نہیں آ رہی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو لباس نہیں جھلک رہا تھا۔ چٹان خالی تھی... ابھی تو وہ وہاں تھا۔ کیا پھر گم ہو گیا ہے؟

وہ پلکیں جھپک جھپک کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر دوسری سمتوں میں نظریں دوڑانے لگا۔ وہ کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہاں سے جا چکا تھا۔

وہ جھنجلا کر پاؤں پٹختا ہوا اپنے استھان میں واپس آیا۔

اجنبی نہ کچھ بولتا تھا' نہ اس کی سنتا تھا۔ بڑی خاموشی سے آنکھ مچولی کھیل رہا تھا' اسے غصہ دلا رہا تھا۔ اس سے جھگڑا نہیں کررہا تھا' بڑے آرام سے اس کی تپسیا میں رکاوٹ پیدا کررہا تھا۔ وہ سر اٹھا کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے گرجتے ہوئے بولا۔ ''میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں' تم فرہاد ہو۔ تم نہیں چاہتے کہ میں تمہارا دماغ بدلنے والا اور غلام بنانے والا منتر پڑھوں اور تمام عمر تمہیں اپنی جوتیوں میں رکھوں۔''

وہ بولتے بولتے چپ ہوا پھر کہنے لگا۔ ''تم مجھے چالیس دنوں تک تپسیا نہیں کرنے دو گے اور میں ضرور کروں گا۔ یہ معلوم کروں گا کہ تم اس غار میں کہاں جاکر چھپ جاتے ہو۔''

وہ ذرا ٹھہر کر پھر بولنے لگا۔ ''میں سانپ کو اس کے بل سے نکالنے کا منتر جانتا ہوں مگر ابھی منتر نہیں پڑھوں گا۔ ابھی میں اکیلا ہوں۔ پہلے اپنے داماووں کو اور خطرناک چیلوں کو بلاؤں گا۔ تمہارے قدم یہاں سے اکھاڑوں گا پھر چالیس دنوں کے بعد تمہیں اپنے شکنجے میں جکڑ لوں گا۔''

وہ بولتے بولتے غصے سے ہانپنے لگا۔ ایک پتھر پر آکر بیٹھ گیا۔ اس پُراسرار اجنبی سے نمٹنے کے لیے اپنے داماووں کی اور چیلوں کی ضرورت تھی۔ وہ ٹیلی پیتھی اور کالا جادو جاننے والوں کی فوج بنا کر ان کے ذریعے تحفظ حاصل کرسکتا تھا اور چالیس دنوں تک کامیابی سے تپسیا کرسکتا تھا۔

☆☆☆

فرہاد کے نہ ہوتے ہوئے بھی اس کی داستان میں بہت کچھ ہو رہا تھا اور آئندہ بھی بہت کچھ ہونے والا تھا لیکن ابھی سونیا کے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا تھا اور جو معلوم ہونے والا تھا' اسے داستان کے اس موڑ پر بیان کرنا ضروری ہے۔

آخر ہوا کیا تھا...؟

جہاں بم دھماکا ہوا تھا' ہوٹل کا وہ حصہ کھنڈر بن گیا تھا۔ آس پاس کے کمروں میں رہنے والے بھی بری طرح زخمی اور ہلاک ہوئے تھے۔ مطلوبہ کمرے میں دو لاشیں پائی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک مرد کی تھی اور دوسری عورت کی... اور وہ سونیا ہی ہوسکتی تھی۔

ان دو جسموں کے چیتھڑے اڑ گئے تھے۔ چہرے بھی ناقابل شناخت ہوگئے تھے۔ اُس رات خیال خوانی کرنے والے سونیا کے دماغ کو تلاش کرتے اور ناکام ہوتے رہے تھے۔ یہ یقین کے ساتھ کہا جارہا تھا کہ دشمنوں نے کامیاب حملہ کیا ہے۔

دوسری صبح پتا چلا' ہوٹل کی وہ ملازمہ غائب ہے جو کمروں کی صفائی کرتی تھی۔ ہوا یہ تھا کہ جو ملازمہ سونیا کے کمرے میں صفائی کے لیے جانے والی تھی' اس وقت اس کا ایک عاشق اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس نے اپنی سہیلی سے کہا تھا کہ کی ڈیوٹی سنبھال لے۔ جبکہ ڈیوٹی سنبھالنے والی کی ہوچکی تھی۔ وہ اپنے گھر جانے والی تھی۔

لیکن موت کا تو ایک بہانہ ہوتا ہے۔ وہ سہیلی اس کمرے میں چلی گئی تھی۔ صفائی کے دوران واش کے اندر اسی کی گنگناہٹ سنائی دیتی رہی تھی۔

مگر یہ بات بعد میں معلوم ہوئی۔ کئی دنوں سب اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ اپنے عاشق کے گلچھرے اڑانے والی موت کے اس کمرے میں تھی۔ جو ماری گئی تھی' اس کی ڈیوٹی بہت پہلے ہی ختم ہو تھی۔ اسی لیے یہ مغالطہ ہوا کہ روم سروس کے ملازمہ وہاں نہیں گئی تھی۔ ان حالات کو جاننے کے حقیقت سے بھی پردہ اٹھا کہ سونیا اس ملازمہ کو اپنے چھوڑ کر باہر چلی گئی تھی۔

وہ اچانک باہر کیوں گئی تھی؟ ایسی کہاں گم ہوئی اس کا سراغ نہیں مل رہا تھا۔ الپا' عالی' کبریا اور ادار خیال خوانی کرنے والے پھر سے اسے تلاش کررہے اس بات کی تصدیق ہوگئی تھی کہ سونیا ماری نہیں گئی ہے۔

امریکی اکابرین سمیت دنیا کے بڑے بڑے کے حکمران اس کی ہلاکت کی خوشی میں جشن منا رہے امریکی آرمی کے یوگا جاننے والے افسران ہمارے تلے دبے ہوئے تھے۔ ادارے کے ٹیلی پیتھی جاننے نے انہیں ان تین جنم ساتھیوں جے' بلرام اور بھنڈاری دشمنوں سے تحفظ فراہم کیا تھا۔ لہٰذا وہ مجبور تھے۔ انہوں کھل کر اپنی خوشی کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن یہ کوئی بات نہیں تھی کہ وہ اندر سے بہت خوش اور مطمئن تھے۔

سونیا کی ہلاکت کے بعد دوسری خبر یہ ملی کہ فرہاد ہی کہیں غائب ہوگیا ہے۔ اگرچہ اس کی واپسی متوقع تھی الحال دشمنوں کے سر سے جیسے دو بلائیں ٹل گئی تھیں۔ سے نہال ہو رہے تھے۔ خوب جشن منا رہے تھے۔ وقت اُن کے ارمانوں پر جیسے اوس پڑ گئی۔

سونیا زندہ ہے۔

یہ خبر اس کی ہلاکت کی خبر سے بھی زیادہ دھما ثابت ہوئی۔ خوشی میں جھومتے ہوئے موروں کو جیسے بھدے پاؤں نظر آگئے۔ ایک امریکی حکمران بھرے جام کو غصے سے پھینکتے ہوئے غرایا۔ ''یو سونیا...!''

وہ نشے میں ڈول رہا تھا۔ اس نے غصے اور جو



ہاتھ مارا۔ کاؤنٹر پر رکھی ہوئی شراب کی بوتلیں اور کانچ یانے فرش پر گر کر ٹوٹتے اور بکھرتے چلے گئے۔ یہاں وہاں تک شراب پانی کی طرح بہنے لگی۔ وہ غصے سے ہوئی آواز میں بولا۔ ''حد ہوگئی... حد ہوگئی ہے۔ وہ کیا بلا ہے؟ آخر کیا بلا ہے وہ...؟''

اس کے دماغ کی رگیں جیسے پھٹنے لگی تھیں۔ وہ دونوں سے سر تھام کر بولا۔ ''اسٹرینج... ویری اسٹرینج۔ اوہ گاڈ...!''

وہ سر تھام کر ڈگمگاتا ہوا ایک صوفے پر گرنے کے میں بیٹھ گیا۔ یہ خبر سن کر ایک اعلیٰ حاکم کو دل کا دورہ پڑا اسے اسپتال لے جایا جارہا تھا۔ ایک حکمران دمے کا تھا۔ اس کی تو سانسیں اٹک کر رہ گئی تھیں۔ اسے بھی یو پہنچایا جارہا تھا۔ دوسرے اکابرین کی بھی ذہنی اور حالت بہتر نہیں تھی۔ اب سے پہلے وہ خود کو جتنا ہلکا پھلکا کررہے تھے۔ اب اُتنا ہی بوجھل محسوس کررہے تھے۔

ایک اعلیٰ حاکم نے کہا۔ ''وہ عورت کس مٹی کی بنی ہے؟ جان لیوا حملوں کے بعد بھی زندہ ہوکر چلی آتی ہے۔''

''فرہاد کا معاملہ بھی اُس سے کچھ الگ نہیں ہے۔ مرتے مرتے بھی نہیں مرتا۔''

ایک عہدیدار نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''یقیناً ان کی وہ ٹیلی پیتھی انہیں مرنے نہیں دیتی۔ یہ لوگ اُسے جادو کہتے لیکن اب تو یقین ہوچلا ہے' مسلمان جادو جانتے اور بابا صاحب کے ادارے والے کسی زبردست منتر کے فرہاد اور سونیا کو تحفظ دیتے رہتے ہیں۔''

دوسرے اکابرین بھی اس کی تائید میں کچھ نہ کچھ لگے۔ ایک اعلیٰ عہدیدار نے کہا۔ ''مجھے تو یہ سب ڈراما رہا ہے۔''

تمام اکابرین نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ڈراما...؟''

وہ سوچنے کے انداز میں بولا۔ ''پہلے سونیا کی ہلاکت افواہ پھیلائی گئی پھر اس کے فوراً بعد فرہاد روپوش ہوگیا۔ خبر مل رہی ہے کہ سونیا زندہ ہے۔ جبکہ فرہاد بدستور منظر غائب ہے... بات کچھ سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔''

''تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''مجھے لگ رہا ہے' اس ساری نوٹنکی کے پیچھے کوئی سازش چھپی ہوئی ہے۔''

''سونیا کی ہلاکت اور فرہاد کی گمشدگی کے ذریعے کیا ہوسکتی ہے؟''

اس عہدیدار نے کہا۔ ''فی الحال یہ معاملہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے لیکن ہمیں سمجھنا ہوگا۔''

ایک نے کہا۔ ''ایسا بھی تو ہوسکتا ہے کہ سونیا کی ہلاکت افواہ نہ ہو۔ بلکہ یہ بات افواہ ہو کہ وہ زندہ ہے؟''

''وہ لوگ ایسا کیوں کریں گے؟''

''ہمیں خوفزدہ کرنے کے لیے...''

ایک اعلیٰ حاکم نے کہا۔ ''ہمیں اپنے طور پر اس خبر کی تصدیق کرنی ہوگی۔''

ایسے وقت امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والے گائی ڈی البرٹ نے ایک عہدیدار کے ذریعے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''نہ یہ خبر افواہ ہے۔ نہ اس سے پہلے کوئی افواہ پھیلائی گئی تھی۔ ہم سب ہی کو غلط فہمی ہوئی تھی۔ دراصل سونیا ہوٹل کے اس کمرے میں تھی ہی نہیں تو ہلاک کیسے ہوتی؟''

''تو پھر وہ کہاں تھی؟''

البرٹ نے کہا۔ ''کوئی نہیں جانتا' وہ کہاں تھی اور اب کہاں ہے؟ وہ ابھی تک لاپتا ہے۔ ہمیں اس کا دماغ نہیں مل رہا ہے۔ حتیٰ کہ ادارے کے خیال خوانی کرنے والے بھی اسے تلاش کرنے کے سلسلے میں ناکام ہورہے ہیں۔''

انہوں نے تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ایک عہدیدار نے کہا۔ ''یہ تو ناممکن سی بات ہے۔''

دوسرے عہدیدار نے کہا۔ ''میں کہہ رہا ہوں ناں... سونیا اور فرہاد کوئی ڈراما کھیل رہے ہیں۔ بھلا ایسا کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص زندہ ہو اور خیال خوانی کرنے والوں کو اس کا دماغ نہ مل رہا ہو؟ اور وہ بھی بابا صاحب کے ادارے کے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو...؟ ناممکن... میں مان ہی نہیں سکتا۔''

''ہاں۔ یہ بات حلق سے نہیں اتر رہی ہے۔''

گائی ڈی البرٹ نے کہا۔ ''ہمیں بھی نہ ماننے کے باوجود ماننا پڑ رہا ہے۔ جو پہلے کبھی نہیں ہوا' وہ اب ہورہا ہے۔''

ایک اعلیٰ حاکم نے اپنی پیشانی پر کور گڑتے ہوئے کہا۔ ''بے شک۔ وہ میاں بیوی کسی جادو منتر کے ذریعے گمشدہ ہوگئے ہیں مگر یہ حقیقت پھر سے ہتھوڑے برسانے لگی ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہیں' سلامتی سے سانسیں لے رہے ہیں۔ یوں ہماری سلامتی پھر سے خطرے میں پڑ گئی ہے۔ اوہ گاڈ! کیا کبھی ہمیں ان بلاؤں سے نجات بھی ملے گی؟''

یہ بھی عجیب بات تھی۔ فرہاد اور سونیا وہاں نہیں تھے۔ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا رہے تھے مگر پھر بھی وہ لوگ خوفزدہ تھے۔ گائی ڈی البرٹ کا ساتھی مائیکل بھی وہاں پہنچا ہوا تھا۔ اس نے ایک عہدیدار کے ذریعے کہا۔ ''پہلے صرف فرہاد معما بنا ہوا تھا مگر اب سونیا کا معاملہ بھی سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔''

جب سونیا زندہ تھی۔ اس بم دھماکے میں جاں بحق نہیں ہوئی تھی تو کسی کو اس کا دماغ کیوں نہیں مل رہا تھا؟ وہ کہاں تھی؟

یہ سوالات سونیا سے کیے جاتے تو وہ کوئی جواب نہ دے پاتی۔ کیونکہ وہ خود اپنے حالات سے بے خبر تھی۔

دراصل وہ غائب دماغ ہوگئی تھی۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ کیا کر رہی ہے، کہاں جا رہی ہے اور کیوں جا رہی ہے؟ اس روز وہ بے اختیار موت کے اس کمرے سے نکل گئی تھی۔ کچھ سوچے سمجھے بغیر ہوٹل کے پچھلے دروازے سے باہر آگئی تھی۔ اسی لیے وہاں کے عملے کو اس کی غیر موجودگی کی خبر نہ ہو سکی۔ سب یہی سمجھ رہے تھے کہ سونیا اپنے روم میں تھی۔

احاطے کے عقبی گیٹ کے باہر ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ سونیا بے اختیار اس کی پچھلی سیٹ پر آکر بیٹھ گئی۔ ان لمحات میں اسے ایسا ہی لگ رہا تھا، جیسے اس کے آس پاس کی ساری دنیا کہیں گم ہوگئی ہے۔ روم سے نکلتے وقت کوریڈور سے صرف پچھلے گیٹ تک کا راستہ دکھائی دیتا رہا تھا پھر نگاہوں نے ایک گاڑی دیکھی اور وہ نہ جانے کس کے حکم سے اس میں آکر بیٹھ گئی؟

وہ کہاں جا رہی تھی؟ کن راستوں سے گزر رہی تھی؟ اُسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ ہاں... یہ ضرور تھا کہ وہ ایسے وقت تھکن اور کمزوری محسوس کر رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا، جیسے برسوں کی بیمار ہو۔ جبکہ بیمار نہیں تھی پھر اچانک ہی کمزوری کیوں محسوس ہونے لگی تھی؟

ان لمحات میں وہ ایسی سحر زدہ سی تھی، جیسے گہری نیند میں ہو۔ اس نے خوابیدہ دماغ میں کسی کی آواز سنی تھی۔ وہ شفقت بھرا لہجہ اسے تھپک رہا تھا، اس کی کمزوری کو اور تھکن کو دور کر رہا تھا۔ وہ آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہتی تھی مگر ایسا جنتی سکون نصیب ہو رہا تھا کہ چاہنے کے باوجود آنکھیں نہ کھول سکی۔ گہری نیند میں ڈوبتی چلی گئی۔ نہ جانے کتنا وقت گزرتا جا رہا تھا؟

پھر رفتہ رفتہ وہ ہوش میں آنے لگی۔ دل و دماغ پر چھائی ہوئی دُھند چھٹنے لگی۔ کوئی سرہانے بیٹھا اس کا سر سہلا رہا تھا۔ اس نے آنکھوں کو پوری طرح کھول کر دیکھا۔ نگاہوں کے سامنے آمنہ کا شفیق چہرہ مسکرا رہا تھا۔ وہ اس کے سر کو سہلاتے ہوئے بولی۔ ”کیسی طبیعت ہے؟“

اس نے ایک ذرا سر اٹھا کر دائیں بائیں دیکھا۔ تب علم ہوا کہ وہ بابا صاحب کے ادارے کے ایک کمرے میں ہے۔ اس نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ ”میں تو ہوٹل میں تھی۔ یہاں کیسے آگئی؟“

وہ مسکرا کر بولی۔ ”اوپر والے کی مرضی سے...“

”کیا مطلب...؟“

”جو جگہ انسان کے لیے ضروری ہوتی ہے [illegible] وہاں پہنچا دیتا ہے۔ تمہارے لیے باہر کی دنیا اب خطر[illegible] رہی ہے۔“

”یہ کیا کہہ رہی ہو؟ ابھی ہمیں اُن تین جنم [illegible] سے نمٹنا ہے، انہیں ان کے کالے جادو سمیت جہنم [illegible] ہے۔ دوسری طرف گریٹ ایشورارا ہے۔ وہ ابتدا [illegible] دنیا پر حکمرانی کا خواب دیکھ رہا ہے۔ اس بار پھر کوئی [illegible] چلنا چاہتا ہے۔ میں ایسے سنگین حالات میں ہمیشہ [illegible] ساتھ ایکشن میں رہتی ہوں۔“

”بے شک رہتی ہو لیکن ہم ہمیشہ متحرک نہیں [illegible] کہیں ٹھہراؤ اور سکون کی گھڑیاں بھی آتی ہیں اور جہا[ں] زندگی کے جھمیلوں کا تعلق ہے تو وہ کبھی ختم نہیں ہو[تے] سپاہی لڑتے لڑتے فنا ہو جاتا ہے تو دوسرا سپاہی اس [illegible] سنبھال لیتا ہے۔“

”یہ بات تو میں بھی سمجھتی ہوں مگر ابھی فرہاد [illegible] ضرورت ہے۔ ہم نے دشمنوں سے نمٹنے کے لیے بڑ[illegible] بنائے ہیں۔“

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ”تدبیر [illegible] بدلی جاتی ہے لیکن کبھی کبھی تقدیر ایک ہی جھٹکے میں ہما[ری] تدبیروں کو پلٹ کر رکھ دیتی ہے۔ تمہارے اور فرہاد [illegible] بھی یہی ہو رہا ہے۔“

سونیا نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا [illegible] ”میں تم سے بحث نہیں کروں گی۔ اچانک ہی ادار[ے] [illegible] گئی ہوں۔ یقیناً اس کے پیچھے کوئی مصلحت ہوگی۔“

وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ”بس [illegible] باپ کی محبت بیٹی کو بلا رہی ہے۔“

وہ زیر لب بولی۔ ”بابا فرید واسطی...؟“

اس کے دماغ میں اعلیٰ حضرت کے الفاظ گو[نج رہے تھے] انہوں نے خواب کے ذریعے اسے ایک نئی پیش گوئی [illegible] تھا۔ واضح الفاظ میں فرمایا تھا کہ وہ آخری سانسوں تک [illegible] رہے گی۔ یعنی فرہاد کی زندگی میں موت کو گلے لگائے گی [illegible]

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ اسے ایسا ہی لگ رہا تھا [illegible] ایک رات پہلے فرہاد کے ساتھ ایکشن میں تھی۔ ان [illegible] ساتھیوں کی بوسونگھتی ہوئی بڑی پھرتی سے ان کا [illegible] رہی تھی۔ دوسری طرف ایشورارا سے نمٹنے کے لیے [illegible] بنا رہی تھی اور اب یکا یک ایسی کمزور اور بیمار ہوگئی [تھی] پر پہنچ گئی تھی۔



دراصل یہ سب کچھ اچانک نہیں ہوا تھا۔ سونیا کو [illegible]رے تک پہنچنے میں کئی دن لگ گئے تھے مگر ان لمحات میں وہ [illegible] محسوس کر رہی تھی، جیسے ابھی ہوٹل کے کمرے میں تھی [illegible]اب پلک جھپکتے ہی خود کو آمنہ کے پاس دیکھ رہی تھی۔

آمنہ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ [illegible]اب تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ لیٹ جاؤ۔“

وہ اپنے اندر کی کمزوری کو خود بھی محسوس کر رہی تھی۔ بہت [illegible] عجیب سا لگ رہا تھا، کچھ بے یقینی سی تھی مگر یقین تو کرنا تھا۔ [illegible]نکہ دل و دماغ میں اعلیٰ حضرت کی پیش گوئی گونج رہی تھی [illegible]ن یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس کے پاس اتنا مختصر سا وقت ہوگا۔

دراصل ہمیشہ شہزور بن کر رہنے والے کمزوریوں کو فوراً [illegible] قبول نہیں کر پاتے۔ چند ماہ پہلے فرہاد بھی ایسی ہی صورت [illegible]ال سے گزرتا رہا تھا۔ یہ سوچ کر مایوسی ہوتی تھی کہ زندگی [illegible] میدان میں کامیابی سے جنگ لڑنے والے کے ہاتھ سے [ا]چانک ہی ہتھیار چھین لیا گیا ہے، وہ اوندھے منہ گر پڑا ہے۔

اور سونیا کی تو بات ہی الگ تھی۔ اس کے ساتھ بابا [فر]ید واسطی کا دستِ شفقت رہا تھا۔ انہوں نے اس پر ایک عمل [کیا] تھا، دعا دی تھی کہ سونیا ذہنی اور جسمانی طور پر بھی زوال [پذی]ر نہ ہو۔ یہ ان کی دعاؤں کا ہی اثر تھا کہ وہ جوانی کے [ابت]دائی دنوں کی طرح آج بھی حاضر دماغ، چست و چالاک [او]ر پھرتیلی تھی مگر یہ تو قدرتی بات ہے، ہر کمال کو زوال آتا [ہے]۔ فرہاد کا زوال فی الحال ٹل گیا تھا۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ [رُخ] بدل کر سونیا کی طرف آگیا تھا۔

آمنہ اسے تنہا چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ وہ چپ چاپ بستر [پر لی]ٹی تھی۔ کمزوری کے باوجود ایک عجیب سا سکون محسوس ہو [رہا] تھا، جیسے برسوں کی تھکن اتر رہی ہو۔ ایسے ہی وقت اسے [فرہ]اد کا خیال آیا۔ دل اس کی آواز سننے کو مچل گیا۔ اس نے زیر [لب] اسے پکارا۔ ”فرہاد...! میرے دماغ میں آؤ۔ مجھے تم سے [بہت کچ]ھ کہنا ہے... بہت کچھ کہنا ہے کہ پھر مہلت ملے نہ ملے...“

ایسے ہی وقت عالی اس کے اندر پہنچ گئی۔ اسے مخاطب [ک]رنا چاہتی تھی مگر اس کے خیالات پڑھتے ہی بجھ کر رہ گئی۔ یہ [سمج]ھ گئی تھی کہ فی الحال ماں کی خواہش پوری نہیں ہو سکے گی۔ [فرہ]اد نہ جانے کب لوٹنے والا تھا؟ ماں کی بیماری اور باپ کی [گمش]دگی نے سب ہی بچوں کو بری طرح مایوس کیا ہوا تھا۔ [عا]لی کا دل بھر آیا۔ وہ اسے مخاطب کیے بغیر لوٹنا چاہتی تھی۔ [ایس]ے وقت سونیا نے پوچھا۔ ”کون ہے...؟“

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ سونیا کے اندر ایک ہلکی سی آہ [نک]لی۔ اس نے تڑپ کر کہا۔ ”عالی...! میری جان...! یہ تم ہو؟“

وہ دھیرے سے بولی۔ ”یس مما...! میں ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟“

وہ مسکرا کر بولی۔ ”دیکھ نہیں رہی ہو؟ حالات نے اچانک ہی بستر پر پہنچا دیا ہے۔“

”سمجھ میں نہیں آتا۔ بابا فرید واسطی مرحوم نے تو فرمایا تھا، آپ ہمیشہ تندرست و توانا رہیں گی۔ ان کی دعائیں اچانک ہی بے اثر کیوں ہوگئی ہیں؟“

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ”بے اثر نہیں ہوئی ہیں۔ شاید اب اس دنیا میں میری ذمہ داریاں ختم ہو چکی ہیں۔“

”نہیں مما! اس ادارے کو، پاپا کو... ہم سب کو آپ کی ضرورت ہے۔“

”کوئی ہمیشہ کے لیے ضروری نہیں رہتا اور جو ضروری ہوتا ہے، زندگی اسے موت کے منہ سے بھی چھین کر لے آتی ہے۔ کیا پاپا کی مثال تمہارے سامنے نہیں ہے؟“

اس نے جواباً کچھ نہ کہا۔ وہ بولی۔ ”ہر صدمہ ابتدا میں بھاری لگتا ہے پھر رفتہ رفتہ دل اور دماغ اسے قبول کر لیتے ہیں۔“

”نہ جانے قدرت ہمارے ساتھ کیسا کھیل کھیل رہی ہے؟“

”سچ پوچھو تو فرہاد کی بیماری نے مجھے توڑ کر رکھ دیا تھا لیکن اب میں بہت خوش ہوں۔ مطمئن ہوں۔ اس دنیا سے رخصت ہونے کا ایک ذرا بھی غم نہیں ہو رہا ہے۔ کیونکہ میری ایک ایسی خواہش پوری ہونے والی ہے، جو ہر بیوی کے دل میں ہوتی ہے۔ میں آخری سانس تک سہاگن رہوں گی اور آخری آرام گاہ تک پہنچنے کے لیے مجھے شوہر کا کاندھا نصیب ہوگا۔“

”مما...!“ عالی کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سونیا نے اسے بڑی محبت سے پچکارتے ہوئے کہا۔ ”عالی! میری جان! کیا تم ماں کی خوشی میں خوش نہیں ہوگی؟“

اس نے ذرا توقف سے جواب دیا۔ ”آپ کے احساسات اور جذبات اپنی جگہ درست ہیں لیکن پاپا... پاپا نہ جانے کہاں گم ہوگئے ہیں؟“

اس نے تعجب سے پوچھا۔ ”کیا مطلب...؟“

وہ اسے بم دھماکے کے بعد سے اب تک کے تمام حالات بتاتے ہوئے بولی۔ ”کسی خیال خوانی کرنے والے کو پاپا کا دماغ نہیں مل رہا ہے۔ حتیٰ کہ روحانی ٹیلی پیتھی بھی ناکام ہو رہی ہے۔“

”اعلیٰ حضرت کیا فرماتے ہیں؟“

”انہوں نے تو خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔“

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ عالی نے کہا۔ ”ایسا پہلے کبھی نہیں

ہوا جیسا اب ہو رہا ہے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "زندگی میں جو ہوتا ہے پہلی بار ہی ہوتا ہے۔"

"لیکن کسی بھی زندہ شخص کا دماغ نہ ملنا عجیب سی بات ہے۔"

"ابھی تم نے بتایا کہ جب ہوٹل میں بم دھماکا ہوا تو تم میں سے کسی کو میرا دماغ نہیں مل رہا تھا۔ تب یہ مصدقہ رائے قائم کی گئی کہ میں اس حادثے میں جاں بحق ہو چکی ہوں۔ جبکہ میں آج بھی زندہ ہوں۔ سلامتی سے سانسیں لے رہی ہوں۔"

وہ بولی۔ "آپ کی واپسی اور اعلیٰ حضرت کی خاموشی حوصلہ بڑھا رہی ہے۔ یقیناً کوئی قدرتی راز ہے' جسے فی الحال وہ آشکار کرنا نہیں چاہتے۔"

وہ سوچنے کے انداز میں بولی۔ "فرہاد منظر عام پر آ کر ضرور کوئی زبردست دھماکا کرے گا۔"

پھر اس نے پوچھا۔ "کبریا کہاں ہے؟"

اسے بیٹے کی آواز سنائی دی۔ "میں آپ کے پاس ہی ہوں مما...!"

وہ مسکرا کر بولی۔ "یہ تم لوگ ماں سے آنکھ مچولی کیوں کھیل رہے ہو؟ عالی بھی آئی تو خاموش تھی' جیسے چوری چھپے آئی ہو۔ تم بھی چپ چاپ میرے اندر پہنچے ہوئے ہو۔ یقیناً الپا بھی تمہارے ساتھ ہوگی؟"

الپا کی آواز سنائی دی۔ "لیس مما! میں بھی یہاں موجود ہوں۔"

وہ بولی۔ "تم تینوں کی مایوس کن آوازیں ایسی لگ رہی ہیں' جیسے ابھی سے میرے لیے ماتم شروع کر دیا ہے۔"

عالی نے تڑپ کر کہا۔ "پلیز مما! ایسے تو نہ بولیں۔"

اس نے ایک گہری سانس یوں کھینچی' جیسے بولنے کے لیے ہمت جمع کر رہی ہو پھر کہا۔ "بس اتنا سمجھ لو کہ زندگی مجھے جتنی مہلت دے گی' میں اس عرصے میں اپنے بچوں کی خوشیوں بھری چہکار سننا چاہوں گی۔"

کبریا نے کہا۔ "فکر نہ کریں مما! ہم آپ کی ہر خواہش کا احترام کریں گے۔ میرا خیال ہے' اب آپ آرام کریں۔ ہم پھر آئیں گے۔"

وہ لوگ اسے تنہا چھوڑ کر چلے آئے۔ اپنی اپنی جگہ دماغی طور پر حاضر ہو گئے۔ ایمان علی نے عالی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "مما ہوش میں آئیں یا نہیں...؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "ہوش میں تھیں لیکن بہت کمزوری محسوس کر رہی تھیں۔"

"اُن سے باتیں ہوئی ہیں؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ بولا۔ "چلو شکر ہے' اتنی تو تسلی ہوئی۔"

"تسلی کیسے ہو سکتی ہے؟ ہم پہلی بار مما کو اس طرح بیمار اور کمزور دیکھ رہے ہیں۔"

"پہلی بار تو پاپا کو بھی دیکھا تھا۔ ان کی بیماری اور کمزوری بھی صدمہ پہنچاتی رہی تھی۔ زندگی اسی کا نام ہے' حالات کے ساتھ سمجھوتا کرنا پڑتا ہے۔"

"پریشانیوں نے تو جیسے ہماری فیملی کا پیچھا لے لیا ہے۔ بیماری کے بعد اب پاپا کی گمشدگی پریشان کن ہوتی جا رہی ہے اور ادھر مما بستر سے جا لگی ہیں۔ اُن کی خواہش ہے کہ انہیں خوش رکھنے کے لیے ہمیں خوش رہنا چاہیے مگر یہ بہت مشکل ہو رہا ہے۔ میں بات کرنا چاہتی ہوں تو آنسو چھلک پڑتے ہیں۔ دراصل... اس حالت میں انہیں پاپا کا ساتھ چاہیے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر ذرا توقف سے بولی۔ "سمجھ میں نہیں آتا' پاپا کو کہاں تلاش کیا جائے؟ جب مما کے پاس گئی تھی تو وہ ان لمحات میں پاپا کو بڑی شدت سے یاد کر رہی تھیں۔"

ایمان علی نے کہا۔ "میں تو دعا کر رہا ہوں' جس طرح پاپا کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت کی پیش گوئی تبدیل ہو گئی' اسی طرح مما کو بھی سلامتی مل جائے۔"

"یہ دعا تو ہم سب ہی کر رہے ہیں۔"

اس نے کہا۔ "مما جسمانی اور دماغی طور پر کمزور ہو گئی ہیں۔ کوئی بھی دشمن بہ آسانی ان کے اندر گھس سکتا ہے۔ کیا تنویمی عمل کے ذریعے ان کے دماغ کو لاک کر دیا گیا ہے؟"

"کبریا کرنا چاہتا تھا لیکن بابا (آمنہ) نے منع کر دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ روحانی ٹیلی پیتھی کے ذریعے مما کو تحفظ دیا جا رہا ہے۔"

ایسے ہی وقت عالی کا بیٹا شایان علی نیند میں ایک ذرا کسمسایا۔ وہ اسے دھیرے دھیرے تھپکنے لگی۔ ایمان علی اس کے ساتھ نیم دراز تھا۔ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندتے ہوئے بولا۔ "سلامتی کے لیے لاکھ جتن کر دیکھیں' پریشانیاں مقدر میں لکھ دی جاتی ہیں' وہ نازل ضرور ہوتی ہیں۔"

عالی بیٹے کو تھپک رہی تھی مگر اس کا دھیان پاپا کی طرف تھا۔ وہ دل کی گہرائیوں سے دعائیں مانگ رہی تھی کہ پاپا کے سلسلے میں بھی کوئی معجزہ ہو جائے۔ اعلیٰ حضرت کی پیش گوئی بدل جائے لیکن کیا کیا جائے...؟ معجزے بار بار نہیں ہوا کرتے۔

چند لمحوں بعد ہی ایمان علی نے جیسے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ ایک جھٹکے سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ عالی نے چونک کر پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

اس نے سر گھما کر بیٹے کو دیکھا۔ وہ ننھا سا وجود گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔ عالی نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔ "کیا بات ہے ایمان! تم اِسے ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟ کیا کوئی آگہی ملی ہے؟"

اس نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کے چہرے سے پریشانی جھلک رہی تھی۔ عالی کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ ایک گہری سانس لے کر دونوں ہاتھوں سے اپنے بالوں کو مٹھی میں جکڑتے ہوئے بولا۔ "یا اللہ! ہم کیسی آزمائش سے گزرنے والے ہیں؟"

"آخر ہوا کیا ہے؟ کیسی آگہی ملی ہے؟"

"میں نے ابھی آگہی کے پردے پر دیکھا کہ ہمارا شایان رو رہا ہے اور تم اس کے لیے فیڈر تیار کر رہی ہو لیکن جب دودھ لے کر بچے کے لیے بستر کے قریب آئیں تو دیکھا' بستر خالی ہے۔"

عالی نے پریشان ہو کر بیٹے کو دیکھا پھر ایمان کو دیکھا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "اس کے بعد منظر بدل گیا۔ میں نے دیکھا' ہم دونوں لوگوں کے ہجوم میں ہیں۔ اِدھر سے اُدھر بھٹک رہے ہیں۔ اپنے بیٹے کو تلاش کر رہے ہیں۔ ایسے ہی وقت ایک بھاری بھرکم قہقہہ سنائی دیتا ہے۔ وہ کوئی بھی ہے' فاتحانہ انداز میں ہنس رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہمارے بیٹے کے رونے کی آواز سنائی دیتی ہے۔"

وہ ذرا دیر کے لیے چپ ہوا۔ عالی نے جھٹ سے شایان کو اٹھا کر سینے سے یوں لگا لیا' جیسے کوئی دشمن اسی لمحے میں اس کے بچے کو چھیننے آ رہا ہو۔ ایمان علی ایک ماں کے جذبات کو سمجھ رہا تھا۔ اس نے اپنی آگہی بیان کرتے ہوئے کہا۔ "منظر ایک بار پھر بدلتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں' کوئی ہمارے بیٹے کو آسمان کی طرف اُچھالتا ہے' پھر اپنے بازوؤں میں تھام لیتا ہے۔ ہم دونوں شدید پریشان ہیں۔ اپنے بیٹے کو انجانے دشمن کے ہاتھوں سے چھین لینا چاہتے ہیں' مگر بے بسی کی تصویر بنے کھڑے ہیں۔ تب دیکھتا ہوں کہ جہاں اِسے اچھالا جا رہا ہے' وہاں آگ ہی آگ ہے۔ اگر اسے پکڑنے کے سلسلے میں ایک ذرا بھی کوتاہی ہوگی تو ہمارا بیٹا آگ میں جا گرے گا۔"

عالی نے پریشان ہو کر کہا۔ "یا خدا! یہ ہمارے بچے پر کیسی آفت نازل ہونے والی ہے؟"

وہ بولا۔ "تم سوچ بھی نہیں سکتیں' یہ منظر دیکھتے ہوئے میری کیا حالت ہو رہی تھی؟ تب ہی گھبرا کر آنکھ کھل گئی۔"

وہ بولی۔ "آگہی میں یہ تو واضح ہے کہ ہمارا بچہ دشمنوں کے ہتھے چڑھنے والا ہے۔ وہ لوگ اسے اذیت بھی پہنچا سکتے ہیں لیکن یہ سن کر کلیجا کانپ رہا ہے کہ ہم بے بس بنے تماشا دیکھتے رہیں گے۔ اپنے بیٹے کے بچاؤ کے لیے کچھ کر نہیں سکیں گے۔ آگہی یہی کہہ رہی ہے نا...؟"

وہ اثبات میں سر ہلا کر بولا۔ "ہاں۔ فی الحال تو یہی سمجھا رہی ہے مگر میں ایک بات سوچ رہا ہوں۔"

"وہ کیا...؟"

"میں نے اس آگہی کے سارے منظر میں صرف دو بار اس کے رونے کی آواز سنی۔ ایک بار تب' جب اسے بھوک لگی تھی اور تم فیڈر بنا رہی تھیں اور دوسری بار تب' جب کسی انجانے دشمن کا قہقہہ سنائی دیا تھا۔ اس کے بعد اسے بڑے خطرناک طریقے سے آگ پر اچھالا جا رہا تھا۔ اس کے باوجود یہ رو نہیں رہا تھا۔"

اس پہلو پر غور کرتے ہوئے وہ دونوں ہی سوچ میں پڑ گئے۔ عالی بیٹے کو سینے سے لگائے تھپک رہی تھی۔ ایسے وقت کبریا نے دماغ میں آ کر اسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ہو رہا ہے؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "ہر نیا دن نئے مصائب لے کر آ رہا ہے۔ تم میرے خیالات پڑھو پھر بات کرتی ہوں۔"

کبریا اس کے خیالات پڑھنے لگا۔ تب معلوم ہوا کہ بھانجا دشمنوں کے شکنجے میں جا کر مصائب میں مبتلا ہونے والا ہے۔ عالی نے کہا۔ "پیدائش کے پہلے دن سے دشمن اس کے پیچھے پڑے ہیں۔ پہلے ایشورارا نے اسپتال میں اسے ہلاک کر دینا چاہا مگر ایک تدبیر نے' ایک حکمت عملی نے اس دشمن کے عزائم کو ناکام بنا دیا۔"

کبریا نے کہا۔ "گریٹ ایشورارا مما پر جان لیوا حملہ کر کے' اپنی دانست میں کامیابی کے جھنڈے گاڑ کر یہاں سے جا چکا ہے۔"

"پھر یہ کون سے دشمن ہو سکتے ہیں' جو میرے بچے سے دشمنی کرنے والے ہیں؟"

ایمان علی نے کہا۔ "ایشورارا اپنے خلائی جہاز کے ذریعے کب زمین پر آتا ہے اور کب چلا جاتا ہے؟ یہ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا۔ ممکن ہے' وہ ارضی دنیا میں واپس آ گیا ہو۔ اب مما کی سلامتی کی خبر سن کر جھنجلا گیا ہو اور نئے طریقے سے دشمنی کرنا چاہتا ہو۔"

کبریا نے کہا۔ "ایسا سوچا جا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ ہمیشہ

بڑی رازداری کے ساتھ زمین پر آتا ہے۔ ایک طرح سے نقب زنی کرتا ہے اور ہمیں اس وقت خبر ہوتی ہے' جب وہ اپنے ہاتھ پاؤں پھیلا چکا ہوتا ہے۔ پچھلی بار بھی اس نے دولاکھ ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی فوج سمیت دھاوا بولا تھا اور ہمیں تب خبر ہوئی تھی' جب وہ لوگ کسی وبا کی طرح دنیا کے کونے کونے میں پھیل چکے تھے۔''

الپا بھی دماغی طور پر وہاں پہنچ گئی تھی۔ عالی نے بیٹے کو بستر پر لٹاتے ہوئے کہا۔ ''وہ اس دنیا پر حکومت کرنے کا خواب دیکھنے سے باز نہیں آئے گا۔ اس کی یہ خواہش ضد بن چکی ہے۔ آخری بار جب مما سے اس کی بات چیت ہوئی تھی' تب بھی اس کا یہی مطالبہ تھا کہ پوری دنیا پر نہ سہی' کم از کم کسی ایک حصے پر حکمرانی کرنے کے سلسلے میں اس سے تعاون کیا جائے اور جب مما نے صاف طور پر انکار کیا تو اس نے دشمنی کی انتہا کر دی۔''

الپا نے کہا۔ ''عین ممکن ہے۔ اس بار بھی وہی دشمنی کرنے والا ہوگا لیکن ہمیں دوسرے دشمنوں کی طرف سے بھی چوکنا رہنا ہوگا۔ امریکی اکابرین لاکھ ٹھوکریں کھانے کے بعد بھی سنبھلنے والے نہیں ہیں۔ کتے کی دُم کی طرح ہمیشہ ٹیڑھے رہتے ہیں۔ کبھی ہمارے احسان مند نہیں ہوتے۔ دشمنی کا یہ حملہ اُن کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے۔''

کبریا نے کہا۔ ''بے شک۔ وہ ہمارے احسانات کو نہیں مانتے۔ اس بار بھی سب کچھ بھلا کر مما کی ہلاکت پر خوشیاں منا رہے تھے مگر اُن کے یوگا جاننے والے آرمی افسران خاموش تھے۔ وہ بھی صرف اس لیے کہ ہم نے انہیں دماغی تحفظ فراہم کیا ہے۔ انہیں یہ خوف ہے کہ وہ ہمارے خلاف کچھ بھی سوچیں گے تو ہم انہیں دماغی اذیتوں میں مبتلا کر دیں گے۔''

''یہ بھی ان کا عجیب گھٹیا پن ہے۔ وہ یہ نہیں سوچ رہے ہیں کہ ہمارے خلاف کچھ بھی کریں گے یا سوچیں گے تو اس کا اثر آرمی افسران کو دیے جانے والے تحفظ پر ہو سکتا ہے۔ ہم ان کے دماغوں کو کالا جادو جاننے والے دشمنوں کے لیے آزاد چھوڑ سکتے ہیں۔''

''یہ سراسر اُن کی بے حسی اور عاقبت نااندیشی ہے۔''

عالی نے کہا۔ ''اور یہی عاقبت نااندیشی انہیں ہم سے دشمنی کرنے پر اُکساتی رہتی ہے۔ مما کی سلامتی کی خبر سننے کے بعد ان کی طرف سے بھی یقیناً کوئی نہ کوئی ری ایکشن سامنے آئے گا۔''

ایمان علی نے کہا۔ ''اور ری ایکشن ہمارے بچے کے اغوا کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے۔''

کبریا نے کہا۔ ''یہ درست ہے کہ وہ ہم سے دشمنی کرنے کے لیے ہر طرح کے راستے اختیار کرتے آ... اور آئندہ بھی کر سکتے ہیں مگر یہ ان کی پرانی عادت ... سے دشمنی کرنے کے لیے ہمیشہ کسی نہ کسی اتحادی ... استعمال کرتے ہیں۔''

ایمان علی نے پوچھا۔ ''کیا یہ کہنا چاہتے ہو کہ ... بار بھی گریٹ ایشورارا سے اتحاد کر رہے ہیں؟''

''ایسا ممکن بھی ہے۔ ایشورارا نے جب مما سے ... تھی' ایسے وقت امریکی اکابرین سے اس کا اتحاد ختم ہو... تھا۔ اب وہ ان کا اتحادی بن کر ہمیں نقصان پہنچا... سازشیں کر سکتا ہے۔ یوں امریکی اکابرین کو بیٹھے بٹھا... ملتا رہے گا۔ انہیں کچھ کرنا نہیں پڑے گا۔ جو کرنا ہوگا' ا... کو اور اس کے جاں نثاروں کو کرنا ہوگا۔''

''یہ بھی یقین ہے کہ اس بار ایشورارا ازبردست ... چلے گا۔ اس موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اکابرین ... شمالی امریکا کا علاقہ حاصل کر کے ہی دم لے گا۔''

الپا نے کہا۔ ''امریکی حکمران پوری دنیا اس ... حوالے کر سکتے ہیں مگر امریکا کے ایک کونے کی بھی سو... بازی نہیں کریں گے۔''

کبریا نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''ایمان علی کی آگہی ... ایسا ظاہر ہو رہا ہے' جیسے بچے کو اغوا کرنے والے دشمن... کوئی مطالبہ نہیں ہوگا۔ وہ بس تمہارے بیٹے کو حاصل ک... خوش ہیں۔ خود کو فاتح سمجھ رہے ہیں۔''

''ہمارا ایسا کون سا دشمن ہو سکتا ہے' جو بغیر کسی مطا... کے اتنا بڑا گیم کھیلے گا؟ بچے کو اغوا کرنے کے بعد وہ کسی قسم کا فائدہ تو ضرور حاصل کرنا چاہے گا۔''

''کوئی نہ کوئی فائدہ پہنچے گا' اسی لیے تو اسے اغو... جائے گا۔''

الپا نے کہا۔ ''ہمارے مخالفین کی لسٹ میں کالا ... جاننے والے اور خیال خوانی کرنے والے تین زبرد... دشمنوں کا اضافہ ہوا ہے۔ جے' بلرام اور بھنڈاری پاپا کو ... شکنجے میں لے کر انہیں بھینٹ چڑھانے کے سلسلے میں نا... ہوئے تھے۔ ایسی ناکامی پر بری طرح جھنجلائے ہوئے ... کتوں کی طرح اُن کی بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ دشمنی کا ... ان کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے۔ وہ نانا کو حاصل کرنے ... لیے نواسے کو مہرہ بنا سکتے ہیں۔''

عالی نے گہری نیند میں ڈوبے ہوئے بیٹے کو د... دشمنی گریٹ ایشورارا کی طرف سے ہونے والی تھی' یا اکا... کی طرف سے یا جے' بلرام اور بھنڈاری کی طرف ...

...ن کوئی بھی ہوتا مگر یہ اٹل حقیقت سمجھ میں آ رہی تھی کہ وہ ...صوم بچہ مصائب میں گھرنے والا تھا۔ عالی دل ہی دل میں ...ائیں مانگ رہی تھی' اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر التجائیں کر رہی ...ی کہ کسی بھی طرح ایمان علی کی آگہی بدل جائے۔ بچے پر ...نے والی مصیبت ٹل جائے۔ زندگی میں اکثر ہونی' انہونی ...ں تبدیل ہو جاتی ہے۔ نہ جانے فرہاد کے نواسے کے ساتھ ہونی ہونے والی تھی' وہ انہونی بن سکتی تھی یا نہیں...؟

☆☆☆

وہ تانترک گرو مہاراج اس اجنبی کی موجودگی کے ...ث پریشان تھا۔ اس کی تپسیا میں رکاوٹ پیدا ہو رہی تھی۔ وہ اس سے نمٹنے کے لیے اپنے جانباز چیلوں کے علاوہ تینوں ...ادوں کو بلانا چاہتا تھا۔ لہٰذا خیال خوانی کی پرواز کرتا ہوا جے' بلرام اور بھنڈاری کے پاس پہنچ گیا۔

وہ تینوں خیال خوانی کے ذریعے ایک اہم کانفرنس میں ...یک تھے۔ بھارتی وزیر خارجہ نے ایک خفیہ اجلاس منعقد کیا تھا۔ اس اجلاس میں امریکا کے یوگا جاننے والے آرمی افسران اور بھارتی اکابرین موجود تھے۔ وہاں جے' بلرام' بھنڈاری اور ...ریکی ٹیلی پیتھی جاننے والے اپنے اپنے آلہ کاروں کے اندر ...ر موجودہ اہم مسائل پر گفتگو کر رہے تھے۔

ایک اہم مسئلہ یہ تھا کہ یوگا جاننے والے آرمی کے ...سران پاکستان کے خلاف بھارت کے مطالبات ماننے سے ...کار کر رہے تھے۔

ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔ ''ہم یوگا میں مہارت رکھتے ہیں۔ ہمارے یوگا جاننے والے مائیکل اور گاکی ڈی البرٹ کے دماغوں میں بھی کوئی نہیں آ سکتا تھا مگر نہ جانے جے' بلرام اور بھنڈاری کیسے ہمارے اندر گھس آئے؟ انہیں اپنے دماغوں سے بھگانے کے لیے ہمیں مجبوراً روحانی ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی مدد حاصل کرنی پڑی۔''

دوسرے اعلیٰ افسر نے کہا۔ ''اب ہم پہلے کی طرح محفوظ ہیں۔ جے' بلرام اور بھنڈاری ہمارے اندر کبھی نہیں آ سکیں گے۔ نہ ہمیں غلام بنا سکیں گے۔ نہ ہم سے جبراً کوئی کام لے سکیں گے۔''

بھنڈاری نے کہا۔ ''تم نے ہمارا راستہ روک دیا ہے۔ کیا یہ سمجھتے ہو کہ وہ مسلمان پوری طرح تمہارے دماغوں کو لاک کر چکے ہیں؟ کیا وہ چپ چاپ تمہارے اندر نہیں آتے ہوں گے؟''

بلرام نے کہا۔ ''بیشک آتے ہوں گے۔ ان مسلمانوں نے ہمارا راستہ روک کے اپنے لیے راستہ ہموار کیا ہے۔ وہ چپ چاپ تمہارے اندر رہتے ہوں گے۔ تمہارے اہم راج (راز) مالوم کرتے ہوں گے۔''

جے نے کہا۔ ''ایک سیدھی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کہ تم سب نے ہم سے نجات حاصل کر لی ہے۔ پر مسلمانوں کے گلام بن گئے ہو۔''

یوگا جاننے والے ایک افسر نے کہا۔ ''انہوں نے ہمیں غلام نہیں بنایا ہے۔ وہ ہمیں کسی طرح مجبور نہیں کر رہے ہیں۔ ہم سے ناجائز مطالبات نہیں منوا رہے ہیں۔''

را ایجنسی کے ڈائریکٹر نے کہا۔ ''ابھی نہ سہی' مگر کچھ عرصے بعد یہ مسلمان اپنا رنگ دکھائیں گے تو تمہارے ہوش اڑ جائیں گے۔''

''اور ذرا اس نئے مسئلے پر بھی دھیان دو کہ سونیا پھر سے زندہ ہو گئی ہے پھر سے مصائب پیدا کرنے والی ہے۔ یقیناً فرہاد بھی کسی نہ کسی روز اچانک ہی سامنے آ کر دھماکا کرے گا۔''

وزارت خارجہ کے سیکریٹری اروِن پربھاکر نے کہا۔ ''یہ مسلمانوں کی آسمانی کتاب میں لکھا ہے کہ یہودی اور عیسائی کبھی مسلمانوں کے دوست بن کر نہیں رہ سکیں گے۔ اس بات کو یوں سمجھو کہ مسلمان کبھی تمہارے دوست اور وفادار نہیں ہوں گے۔ تم ان سے ہمیشہ دھوکا کھاتے رہو گے۔''

ایک یوگا جاننے والے افسر نے کہا۔ ''جب ہم دھوکا کھائیں گے' تب دیکھا جائے گا۔ ابھی ہم مطمئن ہیں۔ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کر لیتے ہیں۔ کسی مسلمان ٹیلی پیتھی جاننے والے کو بھی اپنے اندر نہیں آنے دیتے اور جہاں تک سونیا فرہاد کا معاملہ ہے تو یہ بات اچھی طرح ہماری سمجھ میں آ گئی ہے کہ شاید ان سے نمٹتے رہنے کے لیے ہی ہم اس دنیا میں آئے ہیں۔ نہ جانے اس سلسلے کا اختتام کیا ہوگا؟ کب ہوگا؟''

دوسرے افسر نے کہا۔ ''بہتر ہے' ابھی ہم سونیا فرہاد کے اور ٹیلی پیتھی کے معاملات میں نہ الجھیں۔ ہمیں بھارت اور امریکا کے سیاسی معاملات پر گفتگو کرنی چاہیے۔ اس سلسلے میں ہمارا سب سے پہلا اور اہم سوال یہ ہے کہ امریکا کے لیے بھارت اہم ہے یا پاکستان...؟''

آرمی آفیسر نے کہا۔ ''جغرافیائی اعتبار سے دونوں ہی اہم ہیں۔ چین اور روس تمہاری شمالی سرحدوں سے جنوبی مغربی ایشیا میں داخل ہو سکتے ہیں۔ انہیں روکنے کے لیے ہم پاکستان اور بھارت دونوں سے ہی دوستی اور اتحاد رکھتے آئے ہیں اور آئندہ بھی رکھنا چاہیں گے۔''

ایک بھارتی نیتا نے کہا۔ ''چین کبھی ہمارا سب سے بہترین دوست تھا پھر ہمارے درمیان غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں۔ پہلے جیسی دوستی نہیں رہی لیکن پھر ایک بار دوستی اور

اتحاد قائم ہوسکتا ہے۔"

ایک بھارتی وزیر نے کہا۔ "اگر امریکا پاکستان کو ہمارے مقابلے میں مضبوط کرے گا تو ہم چین اور روس سے اتحاد کریں گے۔ دونوں ملکوں کی فوجوں کو پیش قدمی کا راستہ دیں گے' تب کیا ہوگا؟"

امریکی عہدیدار نے کہا۔ "ہم کبھی ایسا نہیں چاہیں گے۔ بھارت ہمارے لیے ناگزیر ہے۔ ہم ہر قیمت پر تم سے اتحاد رکھیں گے۔"

"کیسے رکھو گے؟ ہم پاکستان کو کمزور بنانا چاہتے ہیں۔ جبکہ تمہاری دوستی اسے مضبوط بنا رہی ہے۔ اس ملک میں اقتصادی بحران آتا ہے تو تم اسے کروڑوں اربوں ڈالرز دیتے ہو۔ جنگی طیارے اور جدید اسلحہ بھی دیتے رہتے ہو۔ وہ ملک گرتے گرتے پھر سنبھل جاتا ہے۔"

امریکی اعلیٰ عہدیدار نے کہا۔ "ہم پاکستان کی مدد نہیں کریں گے تو چین اور روس بڑھ چڑھ کر اس کی مدد کے لیے آجائیں گے۔ ان دو ممالک کے لیے شمالی سرحدیں کھل جائیں گی۔"

ایک نے کہا۔ "پاکستان کبھی ہمارے بھارت کا ایک حصہ تھا۔ اگر امریکا ہمارا بھرپور ساتھ دے گا تو یہ پڑوسی ملک مٹ سکتا ہے۔ ہم سے چھینا ہوا یہ حصہ ہمیں واپس مل سکتا ہے۔"

"اس سلسلے میں ہم تمہارا ساتھ کیسے دے سکتے ہیں؟ کیا تم پاکستان پر جنگ مسلط کر دینا چاہتے ہو؟"

"ہم دونوں مل کر اسے نابود کر سکتے ہیں۔"

"یہ کیوں بھولتے ہو کہ وہ ایٹمی طاقت بن چکا ہے؟"

"اگر ہماری را تنظیم اور تمہاری سی آئی اے یہ معلوم کرلے کہ پاکستان کا جوہری اثاثہ کہاں چھپا کر رکھا گیا ہے اور کس طرح حفاظتی انتظامات کیے گئے ہیں تو ہم ایک ہی دن میں اس کی ایٹمی قوت کو تباہ کر دیں گے۔"

ایک امریکی آرمی کے افسر نے کہا۔ "وہی ایک اسلامی ملک ایٹمی قوت بنا ہوا ہے۔ ہم سب یہ چاہتے ہیں کہ اس سے یہ قوت چھین لی جائے۔ مسلمانوں کو اس حد تک آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔ ہم اس سلسلے میں پلاننگ کر چکے ہیں لیکن اس پر عمل نہیں کریں گے۔"

"کیوں نہیں کرو گے؟"

وہ بولا۔ "ہم نے بابا صاحب کے ادارے سے وعدہ کیا ہے' وہ جے' بلرام اور بھنڈاری کو ہمارے اندر آنے نہیں دیں گے تو ہم پاکستان کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔"

بھنڈاری نے کہا۔ "تم تو بے وجہ ہم سے ڈر رہے ہو۔ ہم سب کے سامنے قسم کھائیں گے۔ وہ کیا بولتے ہاں۔ لکھا پڑھی کریں گے۔ یہ معاہدہ کریں گے کہ کبھی کا جادو کا اور ٹیلی پیتھی کا ہتھیار تمہارے خلاف استعمال کریں گے۔"

را کے ڈائریکٹر نے کہا۔ "تمہیں جے' بلرام اور بھ پر بھروسا کرنا ہوگا۔ نہیں کرو گے تو بھارت سے تمہارا سیاسی ا نہیں ہوگا۔ ہم چین اور روس کی لابی میں چلے جائیں گے۔"

یوگا جاننے والے افسر نے کہا۔ "پلیز۔ ہمار مجبوریوں کو سمجھو۔ کوئی ایسا درمیانی راستہ نکالو کہ پاکستان او بھارت دونوں سے ہمارا اتحاد قائم رہے۔"

"ایسا تو اسی صورت میں ممکن ہے کہ تم بظاہر پاک سے دوستی نبھاؤ مگر درپردہ ہمارا ساتھ دیتے رہو۔"

"روحانی ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے ہماری و پالیسی چھپی نہیں رہے گی۔"

بلرام نے کہا۔ "ہم کالے جادو سے چھپالیں گے۔ ہم ایک بار ہم پہ بھروسا کر کے دیکھو۔ انہیں کھبر بھی نہیں ہوگی۔"

را کے ڈائریکٹر نے کہا۔ "ہماری را ایجنسی تمہاری آئی اے اور اسرائیل کی موساد تنظیم بڑی رازداری سے ا آف ایکشن بنائیں گی اور پاکستان کے جوہری اثاثے تک ضرور پہنچیں گی۔"

ایک سیاسی نیتا نے کہا۔ "ایران بھی ایٹمی قوت جا رہا ہے۔ ہم نے پاکستان کی کمر نہ توڑی تو دوسرے اسلامی ممالک بھی جوہری قوت حاصل کرتے چلے جائیں گے۔"

ارون پربھاکر نے کہا۔ "تاریخ بتاتی ہے کہ ہم یہودیوں' عیسائیوں اور ہندوؤں کا ہمیشہ گٹھ جوڑ رہا مسلمانوں نے کبھی ہم سے اتحاد نہیں کیا۔ تم تاریخی حقائق کے خلاف مسلمان ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے ڈرو گے۔ بلرام اور بھنڈاری کے خلاف ان سے مدد حاصل کرتے رہو گے تو جلد ہی پچھتاؤ گے۔"

یوگا جاننے والے افسر نے کہا۔ "ہم مسلمانوں پر بھروسا نہیں کریں گے۔ اُن سے برائے نام دوستی اور اتحاد رکھیں گے لیکن انہیں ہماری دوغلی پالیسی کا علم ہوگا تو ہمارے جانی دشمن بن جائیں گے۔"

"وہ دشمن بن جائیں گے تو ہم تماشا نہیں دیکھیں گے۔ انہیں منہ توڑ جواب دیں گے۔ ویسے اطمینان رکھو انہیں کبھی تمہاری دوغلی پالیسی کا علم نہیں ہوگا۔"

یورپ اور امریکا کے حکمرانوں کی یہ سیاسی اور جغرافیائی مجبوری تھی۔ وہ ہر قیمت پر پاکستان اور بھارت کو

دوست اور اتحادی بنائے رکھنا چاہتے تھے۔ دو میں سے کسی ایک ملک کی بھی ناراضی مول لینا نہیں چاہتے تھے۔

را ایجنسی، خفیہ تنظیم موساد اور سی آئی اے کے اعلیٰ افسران نے یوگا جاننے والے افسران کو یقین دلایا کہ بابا صاحب کے ادارے والوں کو ان کی دہری پالیسیوں کا علم نہیں ہوگا۔ اگر ہوگا تو کوئی قیامت نہیں آجائے گی۔ سیاست میں دہری پالیسیوں اور طرح طرح کے ہتھکنڈوں سے کام لیا جاتا ہے۔ یوں بدلتے ہوئے حالات کا بڑی چالبازیوں سے سامنا کیا جاتا ہے۔ لہٰذا یوگا جاننے والوں کو روحانی ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے خوفزدہ نہیں رہنا چاہیے۔

بہر حال اس کانفرنس میں یہ طے پایا کہ امریکی آرمی کے یوگا جاننے والے افسران بڑی رازداری سے را ایجنسی موساد اور سی آئی اے والوں کو پاکستان میں مستحکم کریں گے۔ یہ سراغ لگائیں گے کہ پاکستان کے جوہری اثاثے کہاں محفوظ کیے گئے ہیں اور انہیں محفوظ رکھنے کے لیے کیسی حکمت عملی سے کام لیا جارہا ہے؟

مزید یہ کہ پاکستان کو دوست بنائے رکھنے کے لیے بظاہر کروڑوں ڈالرز کی امداد دی جائے گی لیکن درپردہ اس کے اہم رازوں تک پہنچ کر اسے اس درجہ کمزور بنایا جائے گا کہ اس کی ایٹمی قوت صفر ہوکر رہ جائے گی۔

ہمیشہ یہی ہوتا رہا ہے۔ امریکی اکابرین نے اپنے بدترین حالات میں فرہاد سے سمجھوتا کیا، دوست بن کر رہنے کی قسمیں کھائیں پھر حالات بہتر ہوتے ہی اپنے سیاسی معاملات کے پیش نظر ساری قسمیں اور وعدے بھول گئے۔ اس بار بھی وہ یہی کرنے والے تھے۔

کانفرنس کے اختتام پر گرو مہاراج نے بھنڈاری کے اندر آکر اسے مخاطب کیا۔ "تم تینوں کہاں ہو؟ کیا کررہے ہو؟ فوراً میرے پاس آؤ۔ میں بہت پریشان ہوں۔"

بھنڈاری نے جے اور بلرام سے کہا۔ "مہاراج پریشان ہیں۔ ہمیں ابھی آنے کو بول رہے ہیں۔"

جے نے کہا۔ "مہاراج تو کبھی پریشان نہیں ہوتے۔ وہ تو دوسروں کی نیندیں اڑاتے رہتے ہیں۔ لگتا ہے ان کو پھرہاد کی سن گن مل رہی ہے؟"

وہ تینوں اس کے اندر پہنچ گئے۔ خیال خوانی کے ذریعے اس برف پوش علاقے کے غار میں آگئے۔ انہوں نے آتے ہی کہا۔ "مہاراج کی جے ہو۔"

بھنڈاری نے کہا۔ "ہم نے پہلی بار تمہارے منہ سے یہ بات سنی ہے کہ تم پریشان ہو۔"

جے نے کہا۔ "تم تو بڑی بڑی مصیبتوں کو ایک پھونک میں اڑا دیتے ہو۔ کیا پھرہاد کی کوئی کھبر مل رہی [illegible]"

گرو مہاراج نے کہا۔ "مجھے ایسا ہی لگ رہا ہے۔ [illegible] اس غار میں چھپا ہوا ہے۔"

"کیا تم نے اس سے باتیں کی ہیں؟ وہ کیا بولتا ہے؟"

"نہ کچھ بولتا ہے نہ سنتا ہے۔ نماز کے وقت ایک [illegible] پر اس کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ میں نے اس کی صورت نہیں دیکھی ہے۔"

"کیا تم نے مالوم کیا ہے وہ کس راستے سے آتا جاتا ہے؟"

"یہ معلوم کرنے کے لیے مجھے اس غار کے پیچیدہ [illegible] میں جانا ہوگا۔ میں نے ترشول سے اس پر حملہ کیا تھا۔ وہ [illegible] اس کے پاس پہنچ گیا ہے۔ میں اکیلا ہوں نہتا بھی ہوگیا ہوں [illegible] وہ کسی وقت بھی آکر اس ترشول سے مجھے ہلاک کرسکتا ہے۔"

"تم اپنے چیلوں کو بلاؤ اور ان کے دماغوں میں رہ [illegible] اس گپھا کے اندر دور تک اُس کو کھوجو۔"

"میں نے اپنے خاص چیلوں کو بلایا ہے۔ وہ [illegible] پہلوان بھی ہیں اور کالے منتر بھی جانتے ہیں۔ آج شام [illegible] یہاں پہنچ جائیں گے۔"

جے نے پوچھا۔ "پھرہاد کب سے یہاں ہے؟"

"ایک دن اور ایک رات گزر چکی ہے۔ آج دوسرا دن ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ دوپہر کی نماز پڑھ کر گیا ہے۔ شام کو پھر آئے گا۔"

بھنڈاری نے کہا۔ "اس نے اب تک تم پر حملہ نہیں کیا ہے۔ تم سے کچھ بولتا بھی نہیں ہے۔ صرف نماز پڑھنے آتا ہے پھر چلا جاتا ہے۔"

بلرام نے پوچھا۔ "وہ ایسا کیوں کررہا ہے؟ اس ویرانے میں اس گپھا میں کیوں آتا ہے؟"

گرو مہاراج نے کہا۔ "بس ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے۔ میں فرہاد کو غلام بنانے کے لیے کٹھن تپسیا کرنا چاہتا ہوں اور وہ نہیں چاہتا۔ میں منتر پڑھتا ہوں تو وہ کچھ نہیں بولتا مگر نماز کے وقت اس کی آواز گونجتی ہے۔ میرے منتروں کو کر[illegible] دیتی ہے۔"

بلرام نے کہا۔ "اب ہم آگئے ہیں۔ سوچ کی لہروں کی مدد سے تمہارے سننے کی حِس کو اور کانوں کو بند کردیں گے پھر تم کو نہ اس کی آواج سنائی دے گی نہ منتر پڑھنے میں کوئی رکاوٹ ہوگی۔"

جے نے کہا۔ "تم سے دشمنی کرنے کی جرأت کوئی نہیں کرتا۔ اِدھر آنے والا جرور پھرہاد ہی ہے۔ ہم تمہارے [illegible] کے دماغوں میں رہ کر اس کو ڈھونڈ نکالیں گے۔ وہ [illegible] کر نہیں رہ سکے گا۔"

وہ آپس میں بول رہے تھے۔ ایک اجنبی کو اپنی گرفت [illegible] اور اس کی حقیقت معلوم کرنے کی تدبیریں سوچ [illegible] تھے۔ چیلوں کے آنے کے بعد اپنی تدابیر پر عمل کرنے [illegible] تھے۔ ایسے میں عصر کا وقت ہوگیا۔ وسیع و عریض غار [illegible] لے میں اذان گونجنے لگی۔

گرو مہاراج نے کہا۔ "سنو...! اس کی آواز سنو۔ وہ [illegible] ہے۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا آواز کی سمت جاتے ہوئے [illegible] ابھی تم تینوں میری آنکھوں سے دیکھو گے۔ وہ پوری [illegible] دکھائی نہیں دیتا ہے۔ کبھی بولتا بھی نہیں ہے۔ ایسا لگتا [illegible] کا کوئی وجود نہیں ہے۔ بس سفید لباس ہے۔ وہ لباس [illegible] ہے نماز پڑھتا ہے اور چلا جاتا ہے۔"

وہ بولتا ہوا تیزی سے چلتا ہوا اس اونچی چٹان کے نیچے [illegible]۔ اوپر اس کا لباس جھلک رہا تھا۔ جے بلرام اور [illegible] اس کے اندر رہ کر دیکھ رہے تھے۔ وہ اذان کے بعد [illegible] دیر تک خاموش رہا پھر اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ انہیں کلام [illegible] آیتیں سنائی دینے لگیں۔

مہاراج نے کہا۔ "وہ نماز پڑھ رہا ہے۔ میں کچھ [illegible] کا تو یہ جواب نہیں دے گا۔"

بلرام نے کہا۔ "تم نماج کے بعد اس کو پکارو۔"

"یہ نماز کے بعد ایک لمحے کے لیے بھی نہیں رکتا۔ کچھ [illegible] بغیر چلا جاتا ہے۔"

"اس کو کچھ تو بولنا چاہیے۔ ہم سے باتیں کرنا [illegible]۔ تم اس کو پکارو تو سہی۔"

اس نے چٹان کی طرف سر اٹھا کر اسے مخاطب کیا۔ "...! سنو...! تم مجھ سے بولتے کیوں نہیں ہو؟ کچھ تو [illegible] کب تک ایسی حرکتیں کرتے رہو گے؟ صرف اتنا ہی [illegible] مجھے پریشان کیوں کررہے ہو؟"

وہ عبادت میں مصروف تھا۔ معروف نہ ہوتا، تب بھی [illegible] بولتا۔ اس نے جھنجلا کر کہا۔ "یہ نہیں بولے گا۔ مجھے غصہ [illegible] ہے گا۔ اس کی حرکتوں سے صاف پتا چل رہا ہے کہ [illegible] کرنے سے روکتا رہے گا۔"

جے نے کہا۔ "یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تمہاری تپسیا [illegible] ہی تو اس کو نقصان پہنچے گا۔ یہ پھرہاد ہی ہے۔ اپنے نقصان سے بچانے کے لیے ادھر آیا ہے۔"

بلرام نے کہا۔ "ہم اسے ادھر رہنے نہیں دیں گے۔ تمہارے چیلوں کو آلۂ کار بنا کر اس سے مقابلہ کریں گے۔ اسے جندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

بھنڈاری نے کہا۔ "ہم کو اپنی پچھلی ناکامیاں بھولنا نہیں چاہئیں۔ جرا اس پہلو سے بھی سوچو! اس کو گپھا سے بھگا نہ سکے تو کیا ہوگا؟"

گرو مہاراج نے کہا۔ "اور کیا ہوگا؟ میں اسے شکنجے میں لینے والی تپسیا نہیں کرسکوں گا۔"

"کیوں نہیں کرسکو گے؟ ہم تمہارے درجنوں چیلوں کے ساتھ رہ کر تمہاری نگرانی کریں گے۔ اس کو پاس بھی نہیں پھٹکنے دیں گے۔"

جے نے کہا۔ "ہاں۔ اس طرح تم چالیس دنوں تک آرام سے تپسیا کرتے رہو گے۔"

مہاراج نے کہا۔ "تم سب جسمانی طور پر میری حفاظت کرو گے۔ وہ مجھ پر حملہ کرنے نہیں آئے گا مگر مشکل یہ ہے کہ وہ میرے اندر سے نکلنے والے منتروں کو روکتا ہے۔"

"کیا وہ روکنے کے لیے تمہارے اندر آتا ہے؟"

"میرے اندر کوئی نہیں آسکتا لیکن وہ اونچی آواز میں پڑھتا ہے تو وہ آواز اور اس کے الفاظ میرے منتروں سے ٹکراتے ہیں۔ تب میں پڑھتے پڑھتے بھول جاتا ہوں۔"

بھنڈاری نے کہا۔ "اب ہم آگئے ہیں۔ ہم سوچ کے اور کالے منتروں کے ذریعے تمہارے سننے کی حِس کو وقتی طور پر بند کردیں گے۔"

بلرام نے کہا۔ "یوں سمجھو کہ تمہارے کان بند ہوجائیں گے۔ یوں سنسار کی کوئی آواج کانوں سے تمہارے دماگ تک نہیں پہنچے گی۔"

اس نے کہا۔ "ہاں۔ ایسا ہوسکتا ہے۔ میں ابھی اس اجنبی کو خاموش کردینے والا منتر پڑھوں گا۔ تم تینوں مجھ پر عمل کرتے رہو۔ اس کی آواز کو مجھ تک پہنچنے نہ دو۔"

وہ ایک بڑے سے پتھر پر آکر پالتھی مار کر بیٹھ گیا پھر چٹان کی بلندی پر اس کی جھلک دیکھتے ہوئے منتر پڑھنے لگا۔ اس نے کالے منتر کی ابتدا کی تو جیسے چمتکار ہوگیا۔ اجنبی کی آواز بند ہوگئی۔ مقدس آیات سنائی نہیں دے رہی تھیں۔

اس نے خوش ہوکر کہا۔ "جے مہا کالی۔ تیرا وچن نہ جائے خالی۔ تُو اپنے بھگتوں کا ساتھ نہیں چھوڑتی۔ دشمنوں کی ہڈیاں توڑ دیتی ہے۔"

اس نے جے بلرام اور بھنڈاری سے کہا۔ "تم لوگوں کا عمل کامیاب ہورہا ہے۔ اس اجنبی کی آواز میرے کانوں تک نہیں پہنچ رہی ہے۔"

بلرام نے کہا۔ ”مہاراج! ہم نے تو ابھی منتر پڑھنا شروع بھی نہیں کیا ہے۔ نہ ہی ٹیلی پیتھی کے ذریعے تمہارے کان بند کیے ہیں۔“

مہاراج نے پوچھا۔ ”پھر اُس کی آواز میرے منتروں سے کیوں نہیں ٹکرا رہی ہے؟“

”اس لیے کہ وہ چپ ہوگیا ہے۔ شاید نماز پڑھ چکا ہے۔“

اس نے مایوسی سے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ وہاں نہیں تھا۔ اس کا لباس نہیں جھلک رہا تھا۔ وہ غصے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ گرجتے ہوئے بولا۔ ”اے! تم کہاں جا کر منہ چھپاتے ہو؟ آج کے بعد نہیں چھپ سکو گے۔ اپنی بھلائی چاہتے ہو تو سامنے آجاؤ۔ منہ دکھاؤ‘ مجھ سے بات کرو۔“

جے‘ بلرام اور بھنڈاری بھی گرو مہاراج کی آنکھوں کے ذریعہ اُدھر دیکھ رہے تھے۔ ایک نے کہا۔ ”چٹان کھالی ہے۔ اس کا لباس بھی نہیں جھلک رہا ہے۔“

دوسرے نے کہا۔ ”شاید وہ چھپ گیا ہے اور چھپ کر تم کو دیکھ رہا ہے۔“

مہاراج نے کہا۔ ”بہت ہوگیا۔ اب میں اسے برداشت نہیں کروں گا۔ میرے چیلے یہاں پہنچنے ہی والے ہیں۔ میں ابھی معلوم کرتا ہوں کہ وہ کہاں ہیں؟“

اس نے خیال خوانی کے ذریعے اپنے ایک چیلے کو مخاطب کیا۔ ”تم کہاں ہو؟ کب تک یہاں پہنچو گے؟“

وہ برف سے ڈھکی ہوئی ایک وادی سے گزر رہے تھے۔ اس نے جواب دیا۔ ”ہم بہت قریب آگئے ہیں۔ ایک گھنٹے کے اندر آپ کے چرنوں میں ہوں گے۔“

”میں دیکھ رہا ہوں۔ تم تعداد میں چار ہو۔ باقی دو کہاں ہیں؟“

”گرو دیو! ہمارا ایک ساتھی دارجلنگ پہنچتے ہی بیمار ہوگیا تھا۔ آگے سفر کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس لیے واپس چلا گیا۔“

اس نے پوچھا۔ ”اور دوسرا کہاں ہے؟“

وہ ذرا چپ رہا پھر بولا۔ ”ابھی تھوڑی دیر پہلے ہم ایک گھاٹی سے گزر رہے تھے۔ آپ نے ہمیں ریوالور اور ترشول لانے کو بولا تھا۔ ترشول میرے پاس ہے۔ ریوالور اس کے پاس تھا۔ اچانک ہی ہمیں کہیں سے ایک بلی کی آواز سنائی دی۔“

”کیا...؟“ گرو مہاراج نے حیرانی اور بے یقینی سے پوچھا۔ ”کیا بکواس کر رہے ہو؟ اس علاقے میں بلی چوہے زندہ نہیں رہ سکتے پھر تم نے بلی کی آواز کہاں سے سن لی؟“

”صرف سنی ہی نہیں ہے۔ میں نے اور ساتھیوں نے اس کی ایک جھلک بھی دیکھی ہے... اچانک ہی ایک برفانی ٹیلے سے چھلانگ لگا کر ہمار... پر حملہ کیا تھا۔ پتا نہیں کیوں جھنجلاتی اور چیختی رہی تھی۔“

دوسرے چیلے نے کہا۔ ”اس وقت ہم ایک... سے گزر رہے تھے۔ وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ... ڈھلان کی طرف گرا تو ہم اسے پکڑ نہ سکے۔ وہ لڑھکتا... گہری کھائی میں جا کر ہمیشہ کے لیے گم ہوگیا۔“

ایک اور چیلے نے کہا۔ ”بلی جیسے اسی ایک ساتھی پر... کرنے آئی تھی۔ فوراً ہی پلٹ کر چھلانگیں لگاتی ہوئی... نظروں سے اوجھل ہوگئی۔“

مہاراج نے کہا۔ ”کیا تم اسے فوراً ہی گولی... سکتے تھے؟“

”کیسے مارتے؟ ریوالور اس کے پاس تھا‘... کھائی میں چلا گیا۔“

وہ جھنجلاتے ہوئے بولا۔ ”یہ کیا ہو رہا ہے... دشمن کو مارنے کے لیے ریوالور بہت ضروری تھا۔“

”ہم کیا کریں مہادیو! یہ تو سوچ بھی نہیں سکے... وہ بلا اچانک ہی کہیں سے آجائے گی۔ ویسے ہمارے... ترشول ہے۔“

”ترشول ہمارے دشمن کے پاس بھی ہے۔ وہ... دنی ہے۔ ہم دور سے اس کا نشانہ لے کر اسے... گھاٹ نہیں اتار سکیں گے۔“

وہ غصے سے تلملا رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ”اب... دیکھا جائے گا۔ تم لوگ یہاں جلد سے جلد پہنچنے کی کوشش...“

وہ دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہوگیا۔ جے... بھنڈاری اس کے اندر رہ کر تمام باتیں سن رہے... تینوں بلی کے ذکر پر چونک گئے تھے۔

بھنڈاری نے کہا۔ ”مہاراج! ایک بہت... ناری ہمارے شکنجے میں تھی۔ ہم نے اسے ایک بلی کے... قید کر دیا تھا۔ شاید وہ اِدھر آئی ہے۔“

”جب وہ تمہارے شکنجے میں تھی تو اِدھر کیسے آ...“

”ہم سمجھ نہیں پا رہے ہیں کہ کیا ہوا تھا؟ اس کو... ہی ہمارے منتروں سے نجات مل گئی تھی۔ اب وہ ہمارے... میں نہیں آرہی ہے۔“

”جب تمہارے منتر بے اثر ہوگئے ہیں تو اسے... شریر سے بھی نکل جانا چاہیے۔“

”جب تک تم جیسے تانترک مہاراج اسے بلی...



...نکال کر کسی لڑکی کے شریر کے اندر نہیں پہنچائیں گے۔ تب ...وہ بلی ہی رہے گی۔“

”اس نے میرے ایک چیلے پر حملہ کیا۔ اسے کھائی میں ...گرا کر ہمیں ریوالور سے محروم کر دیا۔ یوں سمجھو‘ اس نے ...ہمارے اجنبی دشمن کے لیے بڑا کام کیا ہے۔“

وہ ذرا سوچنے کے بعد بولا۔ ”کیا وہ جانتی ہے کہ تم ...میری مدد کے لیے یہاں آئے ہوئے ہو؟ کیا اس نے ...انتقام لینے کے لیے ہمارے ایک آدمی کو مار ڈالا ہے اور ہم ...سے ایک ہتھیار چھین لیا ہے؟“

جے نے کہا۔ ”اگر یہ وہی ہے تو پھر جرور دشمنی کرنے ...والی ہے۔“

”تو پھر خیال خوانی کے ذریعے اس لڑکی کے اندر جاؤ ...اور معلوم کرو وہ کہاں ہے؟ کیا کر رہی ہے؟“

”ہم کئی بار کوششیں کر چکے ہیں۔ ہماری سوچ کی ...لہروں کو اس کا دماغ نہیں مل رہا ہے۔ اگر وہ کسی طرح بلی کا ...شریر چھوڑ چکی ہے تو اس کی آتما ہمارے منتروں کے شکنجے میں ...نہیں آرہی ہے۔“

گرو مہاراج نے پریشان ہو کر کہا۔ ”کیا اسے روحانی ...ٹیلی پیتھی جاننے والوں کا سہارا مل گیا ہے؟“

انہیں اس سوال کا جواب نہیں مل رہا تھا۔ وہ روحانی ٹیلی ...پیتھی کے متعلق کچھ زیادہ نہیں جانتے تھے۔ روحانی عمل کو ایسا ...جادو سمجھتے تھے‘ جس کے آگے ان کا کالا جادو بے اثر ہو جاتا تھا۔

پھر وہ چاروں ہی ایکدم سے چونک گئے۔ کہیں سے ہلکی ...سی میاؤں کی آواز سنائی دی تھی۔ اگرچہ بلی کی آواز بے ضرر ...ہوتی ہے۔ وہ شیر کی دھاڑ اور درندے کی للکار نہیں ہوتی مگر اس ...وقت وہ ان تین جنم ساتھیوں کے لیے ایک چیلنج بنی ہوئی تھی۔ ...منتروں سے نکلنے کے بعد پھر ان کی گرفت میں نہیں آرہی تھی۔

گرو مہاراج آواز کی سمت گھوم گیا۔ وہ دھیمی سی آواز ...چاروں طرف گونج کر رہ گئی تھی۔ وہ دوسری طرف گھوم کر ...اندازہ کرنے لگا کہ بلی کہاں ہوگی؟

”میاؤں... میاؤں...“

اس بار واضح طور پر آواز سنائی دی۔ وہ تیزی سے چلتا ...ہوا اسی چٹان کی طرف جانے لگا۔ جہاں وہ اجنبی نماز پڑھتا ...تھا۔ جے نے کہا۔ ”مہاراج! وہ بلی یہاں آگئی ہے۔ یہ وہی ...ہے‘ جس نے ایک چیلے کی جان لی ہے۔“

مہاراج نے کہا۔ ”اگر یہ تمہاری دشمن بلی ہے تو پھر مجھ ...سے بھی دشمنی کرنے آئی ہے۔“

بلرام نے کہا۔ ”اس کی کیا مجال کہ تم سے دشمنی کرے؟ وہ نجر آئے گی تو ہم اسے جندہ نہیں چھوڑیں گے۔“

وہ نظر آگئی۔

گرو مہاراج نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ اسی چٹان پر کھڑی ہوئی تھی‘ جہاں وہ اجنبی نماز پڑھتا تھا۔ اس وقت وہ نہیں تھا۔ نماز کے وقت آنے والا تھا۔ بلی وہاں تن کر کھڑی ہوئی تھی۔ اسے گھور گھور کر دیکھ رہی تھی۔

جے‘ بلرام اور بھنڈاری خیال خوانی کے ذریعے اس لڑکی کے اندر پہنچنے کی کوششیں کر رہے تھے‘ جسے بلی کے جسم میں قید کیا تھا۔ وہ پہلے بھی ناکام ہوتے رہے تھے۔ اس وقت بھی ناکامی ہو رہی تھی۔

وہ چٹان کے سرے پر آگئی تھی۔ اس کا جسم یوں تن گیا تھا‘ دم یوں کھڑی ہوگئی تھی‘ جیسے بلندی سے اس پر چھلانگ لگانے ہی والی ہو۔

وہ پیچھے ہٹتے ہوئے داماودوں سے بولا۔ ”یہ غرا رہی ہے۔ مجھ پر حملہ کرنا چاہتی ہے۔“

اس نے ذرا دور جا کر زمین پر جھک کر دو پتھر اٹھا لیے۔ وہ پتھر پھینک کر اسے مارنا چاہتا تھا۔ اس طرح وہ مر جاتی یا پھر زخمی ضرور ہوتی۔

وہ نشانہ لینے کے لیے سیدھا ہوا تو پتھر ہاتھوں میں ہی رہ گئے۔ وہ گم ہوگئی تھی۔ چٹان اس کے وجود سے خالی ہوگئی تھی۔ اس نے آواز دی۔ ”اے! کیا تم وہی ہو‘ جسے جے‘ بلرام اور بھنڈاری نے قیدی بنا کر رکھا تھا؟“

دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”میاؤں...“

وہ جیسے کہہ رہی تھی۔ ”ہاں۔ میں وہی ہوں۔“

پھر میاؤں میاؤں کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ جگہ بدل رہی تھی۔ نظر نہیں آرہی تھی۔ اس نے کہا۔ ”اگر تم وہی ہو تو میرے پاس آؤ۔ میں تمہیں کسی بہت ہی سندر لڑکی کے شریر میں پہنچا دوں گا۔ تم انسان بن کر ایک نیا جیون شروع کرو گی... میرے پاس آؤ۔“

وہ باتوں میں آنے والی نہیں تھی۔ اس کے پاس آنا تو دور کی بات‘ اب نظر بھی نہیں آرہی تھی۔ ٹھہر ٹھہر کر کبھی اِدھر سے کبھی اُدھر سے آواز دے رہی تھی۔ ”میاؤں۔ آؤں۔ میں یہاں آؤں۔ ی۔ آؤں...!“

وہ بری طرح جھنجلا گیا تھا۔ جدھر سے میاؤں سنائی دیتی تھی‘ اُدھر پتھر مارتا تھا۔ بڑی بڑی چٹانیں اور بڑے بڑے پتھر ایک دوسرے کے اوپر اور آگے پیچھے اس طرح تھے کہ ان کے پیچھے چھپنے والی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ صرف اس کی میاؤں میاؤں خطرے کی گھنٹی کی طرح سنائی دے رہی تھی۔

جے، بلرام اور بھنڈاری نے کہا۔ ”مہاراج! پتھر نہ مارو۔ تم تھک جاؤ گے۔ اس گپھا میں چھپے رہنے کی بڑی سہولتیں ہیں۔ شانت رہو، تمہارے چیلے پہنچنے ہی والے ہیں پھر ہم ان کے اندر رہ کر اس اجنبی کو ڈھونڈیں گے اور اس بلی کو تو چھوڑیں گے نہیں...“

وہ تھک کر ایک جگہ بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”یہ نئی بلا تم تینوں کے پیچھے آئی ہے۔ میری مصیبت بڑھانے والی ہے۔ اس اجنبی دشمن کی طرح یہ بھی جھلک دکھا کر چھپ رہی ہے۔“

اس کی بات ختم ہوتے ہی وہ موت کی طرح ہڑبڑا کر آئی۔ اس نے اچانک ہی ایک بڑے پتھر کی بلندی سے چھلانگ لگائی تھی۔ وہ ایسے ناگہانی حملے کے باعث چیخ پڑا۔ اس نے دونوں ہاتھوں کو ڈھال کے طور پر استعمال کیا۔ اس کے باوجود وہ خونخوار انداز میں چیختی چنگھاڑتی ہوئی اسے پنجہ مارتی ہوئی گزر گئی۔

اس نے دیکھا، وہ چھلانگیں لگاتی ہوئی بلندی پر جا کر ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔ مہاراج کو اپنے چہرے کے ایک حصے پر جلن کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے کان کے پاس ہاتھ لگا کر دیکھا۔ وہاں سے ایک ذرا لہو رستے ہی سردی کی شدت سے جم گیا تھا۔ چہرے کے اس حصے پر بلی کے ناخنوں سے خراشیں پڑ گئی تھیں۔

اس نے فوراً ہی جھک کر دونوں ہاتھوں میں پتھر اٹھا لیے۔ وہ چھلانگ لگا کر ایک چٹان کے پیچھے چلی گئی۔ اس نے جے، بلرام اور بھنڈاری سے کہا۔ ”اس اجنبی نے مجھے ایک ذرا نقصان نہیں پہنچایا مگر یہ حملے کر رہی ہے۔ مجھے ایک ہاتھ میں لاٹھی اور ایک ہاتھ میں پتھر رکھنا ہوگا۔“

بھنڈاری نے کہا۔ ”تمہارے چیلے آئیں گے تو پہلے ہم اسی بلا کو گھیر کے پکڑیں گے پھر اس کو منتروں کے شکنجے میں کس لیں گے۔“

بلرام نے کہا۔ ”ہمارے ہی منتروں نے اسے بلی کے شریر میں قیدی بنا کے رکھا ہے۔ اب یہ ہماری پکڑ میں آئے گی تو ہم اس کی ایک ٹانگ توڑ دیں گے۔ باقی تین ٹانگوں سے یہ اچھلنے کودنے کے قابل نہیں رہے گی۔“

وہ آپس میں خیال خوانی کے ذریعے بول رہے تھے۔ گرو مہاراج نے دور تک دیکھتے ہوئے کہا۔ ”وہ نظر نہیں آ رہی ہے۔ اس کی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی ہے۔“

جے نے کہا۔ ”وہ اس لیے کہ تمہارے چیلے آ گئے ہیں۔ میں ابھی ان کے دماغوں میں جھانک کر آیا ہوں۔“

گرو مہاراج یہ سنتے ہی اٹھ کر غار کے دہانے کی طرف جانے لگا۔ جے نے کہا۔ ”سوی کو پتا چل گیا ہے کہ [illegible] لوگ آ گئے ہیں۔ اس لیے وہ کہیں جا کر چھپ گئی [illegible]

اس نے پوچھا۔ ”کیا اس قیدی لڑکی کا نام سوی [illegible]

”ہاں۔ سوی بھٹناگر ہے۔“

وہ تیزی سے چلتا ہوا غار کے دہانے کے قر[illegible] استھان میں آیا۔ وہاں چاروں چیلے پہنچے ہوئے [illegible] نے گرو دیو کو دیکھتے ہی اس کے آگے گھٹنے ٹیک د[illegible] ہاتھ جوڑ کر سر جھکا لیے۔ ”جے ہو... گرو دیو کی جے ہو[illegible]

ان کے سر اس کے پاؤں چھو رہے تھے۔ [illegible] عقیدت مند تھے۔ اپنے بھگوان کے بعد اُسی کی پوجا [illegible] تھے۔ ایسے جانباز چیلے تھے کہ اس دشوار گزار علاقے [illegible] کی حفاظت اور سلامتی کے لیے آ گئے تھے۔

گرو مہاراج نے ان سے کہا۔ ”میرے تینوں [illegible] تمہارے اندر رہا کریں گے۔ تم اُن کے حکم کے مطابق [illegible] میرے دشمن کو تلاش کرو گے۔ دشمنوں میں ایک انسا[ن] اور ایک بلی ہے۔“

وہ تینوں ان کے دماغوں میں پہنچ گئے۔ ایسے [illegible] مغرب کی اذان سنائی دی۔ گرو مہاراج ایک جھٹکے [illegible] کی سمت گھوم کر بولا۔ ”وہ دیکھو... سنو! وہ نماز پڑ[ھ رہا] ہے۔ میں تمہیں دکھاؤں گا، وہ بہت اونچی چٹان پر آ [illegible] وہاں سے کہیں چلا جاتا ہے۔“

وہ اسی سمت جاتے ہوئے بولا۔ ”آج اسے [illegible] جانے نہ دو۔ تم لوگوں کو اس چٹان پر چڑھنا ہوگا۔“

وہ سب اس کے پیچھے چلتے ہوئے غار کے اس [illegible] میں آئے، جہاں وہ چٹان بہت بلندی پر تھی اور وہاں [illegible] صرف اس کا لباس جھلکتا رہتا تھا۔

انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا، وہ جھلک رہا تھا۔ [illegible] صورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ اذان دے کے [illegible] کچھ دیر چپ چاپ بیٹھا رہتا تھا پھر اٹھ کر نماز پڑھتا [illegible] وسیع و عریض غار میں مقدس آیتیں دھیمی دھیمی سی آواز [میں] گونجنے لگی تھیں۔

گرو مہاراج، جے، بلرام اور بھنڈاری ان [illegible] چیلوں کے اندر تھے۔ وہ ان کی مرضی کے مطابق آگے [illegible] بڑے بڑے پتھروں اور چٹانوں پر چڑھنے لگے۔ وہ [illegible] سمتوں سے وہاں پہنچنا چاہتے تھے۔

پتھر اور چٹانیں کچھ اس ترتیب سے اوپر کی طر[ف] تھیں کہ مطلوبہ چٹان تک پہنچنے کے لیے کوہ پیمائی کا ما[illegible] لازمی تھا۔ رسیوں اور اوزاروں کے بغیر اوپر چڑھنا محال [illegible]



تین چیلے رک گئے۔ وہاں سے اوپر نہیں جا سکتے تھے۔ چوتھا ضدی تھا۔ بندروں کی طرح چھلانگیں لگاتا ہوا ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتا تھا اور واقعی وہ ایک چٹان سے دوسری اور ایک پتھر سے دوسرے پتھر تک چھلانگیں لگا رہا تھا اور بلندی کی طرف جا رہا تھا۔

وہ تینوں چیلے سر اٹھائے اسے دیکھ رہے تھے۔ گرو مہاراج، جے، بلرام اور بھنڈاری اس کے اندر تھے۔ خیال خوانی کے ذریعے اس کی دماغی توانائی میں اضافہ کر رہے تھے۔ اس کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔

اب وہ چٹان قریب تھی، جہاں سے وہ آیات سنائی دے رہی تھیں۔ وہاں پہنچنے کے بعد اجنبی کی پشت دکھائی دینے لگی تھی۔ اس کے پیچھے پتھریلی دیوار میں ایک بڑا سا شگاف تھا۔ شگاف کے دوسری طرف غار کا دوسرا حصہ جھلک رہا تھا۔ یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ وہ اجنبی اسی شگاف سے آتا جاتا ہے۔

وہ کسی کی آمد سے بے خبر تھا۔ عبادت میں مصروف تھا۔ حقیقتاً اسے بے خبر نہیں کہا جائے گا۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ گرو مہاراج کے علاوہ وہاں مزید چار افراد آ گئے ہیں اور وہ اس کے خلاف ضرور کچھ نہ کچھ کریں گے۔

یہ دیکھنے سمجھنے کے باوجود وہ ان سے بے نیاز ہو کر اللہ تعالیٰ سے لو لگا رہا تھا۔ نہایت خشوع و خضوع سے کلام پاک کی آیتیں پڑھ رہا تھا۔

ٹیلی پیتھی جاننے والے گرو مہاراج اور جے، بلرام، بھنڈاری، اس بازی گر چیلے کے اندر تھے۔ اس آلۂ کار کے ذریعے اچھلتے ہوئے، چھلانگیں لگاتے ہوئے اجنبی کے قریب پہنچ گئے تھے۔ آگے دو ہاتھ کی بلندی پر وہ چٹان تھی۔ ایسے ہی وقت کہا جاتا ہے۔

قسمت کی خوبی دیکھیے ٹوٹی کہاں کمند...
دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا

وہ بازی گر چیلا ایک چھلانگ میں اس چٹان پر پہنچ سکتا تھا۔ اس نے جے بجرنگ بلی کہہ کر چھلانگ لگاتے ہوئے چٹان پر پہنچنا چاہا۔ اسی لمحے میں وہ غراتی ہوئی، چیختی چنگھاڑتی ہوئی ایک پتھر کی بلندی سے اس کے اوپر آئی پھر اس کے منہ پر پنجہ مارتی ہوئی دوسرے پتھر پر پہنچ گئی۔

وہ بازی گر سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسے نازک لمحات میں کوئی اور بازی گری دکھانے آ جائے گی اور ”چاؤں میاؤں تیرا کلیجا کھاؤں“ کہنے کے انداز میں چیختی چلاتی ہوئی اس کے قدم اکھاڑ دے گی۔

وہ نہ تو چٹان تک پہنچ سکا اور نہ ہی اپنی جگہ واپس آ سکا۔ آخری چیخیں مارتا ہوا بلندی سے پستی کی طرف جانے لگا۔ اس کے اندر گرو مہاراج اور وہ تینوں جنم ساتھی بھی جیسے موت کی پستی میں جا رہے تھے۔

وہ چاروں زیادہ دیر تک اس کے اندر نہ رہ سکے۔ گرنے کے دوران اس کا سر ایک پتھر سے ایسے ٹکرایا، جیسے ناریل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہو۔ وہ چاروں اس کے اندر سے نکل گئے۔ گرو مہاراج نے دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو کر دیکھا۔ اس کا قابل فخر بازی گر چیلا قدموں میں آ کر گرا تھا۔

”میاؤں۔ میاؤں...“

اس نے چونک کر دیکھا۔ وہ بلندی پر تھی، اچھل کر چٹان پر پہنچ گئی تھی۔ وہاں سے سر گھما کر اسے دیکھ رہی تھی۔ ان ہی لمحات میں ان سب کو چپ لگ گئی۔ جو سوچا نہیں تھا، وہ منظر نگاہوں کے سامنے تھا۔ وہ پہلا جارحانہ حملہ کہہ رہا تھا کہ آگے اور بہت کچھ ہونے والا ہے۔

وہ سب ایک چیلے اور ایک بازی گر ساتھی کی موت پر تڑپ گئے۔ غصے سے جھنجلاتے ہوئے، گالیاں دیتے ہوئے پتھر اٹھا اٹھا کر مارنے لگے مگر کسے مار رہے تھے؟ غصے میں اندھے ہو گئے تھے۔ جلد ہی پتا چلا کہ وہ نظر نہیں آ رہی ہے۔ صرف اس کی ”میاؤں میاؤں“ ٹھہر ٹھہر کر سنائی دے رہی ہے۔

اب تین چیلے رہ گئے تھے۔ ان کے پاس ترشول، کٹار اور لاٹھیاں تھیں۔ جے، بلرام اور بھنڈاری ان کے اندر سمائے ہوئے تھے۔ اس طرح وہ تعداد میں چھ ہو گئے تھے۔ وہ سب اس بلی کو اور اجنبی کو ڈھونڈنے کے لیے مختلف سمتوں میں جانے لگے۔

گرو مہاراج نے ایک کٹارا اپنے پاس رکھ لی۔ اس کی سمجھ میں آ گیا کہ اچانک ہی ناگہانی حملے کے وقت جادو منتر اور ٹیلی پیتھی کام نہیں آئے گی۔ ایسے وقت وہ ایک کٹار سے یا ایک لاٹھی سے ہی اپنا بچاؤ کر سکے گا۔

وہ بہت ہی خطرناک کالے منتر جانتا تھا۔ صرف ایک منتر پڑھ کر دشمنوں کو زیر کر سکتا تھا لیکن ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ دھیمی دھیمی مقدس آیتیں دماغ سے ٹکراتی تھیں اور وہ منتر کے کچھ الفاظ بھول جاتا تھا۔

جب سے تپسیا کا آغاز کیا تھا، تب سے پڑھتے وقت بھول چوک ہو رہی تھی۔ وہ بڑی تشویش میں مبتلا ہو گیا تھا۔ سوچ رہا تھا، یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو نہ تپسیا شروع کر سکے گا اور نہ ہی ڈھنگ سے کوئی منتر پڑھ کر اجنبی دشمن کو فنا کر سکے گا یا اسے وہاں سے بھگا سکے گا۔

پھر یہ کہ یک نہ شد دو شد والی بات تھی۔ وہ دوسری بلا

جانے کہاں سے آگئی تھی؟ وہ اس اجنبی سے زیادہ خطرناک تھی۔ کیونکہ اس نمازی اور عبادت گزار نے اب تک اس پر حملہ نہیں کیا تھا۔ وہ سومی بھٹنا گر نہ جانے کیوں خونخوار بنی ہوئی تھی؟

وہ پھر چاروں طرف گھوم گھوم کر دیکھنے لگا۔ ایک لالٹین کی روشنی میں دور تک دیکھا نہیں جاسکتا تھا۔ اس کے چیلے اور داماد ایک مشعل لے کر غار کے اندرونی حصوں میں جاکر کہیں بھٹک رہے تھے۔ خیال خوانی کے ذریعے اپنے مہاراج کو تسلیاں دے رہے تھے کہ جلد ہی دشمنوں کی لاشیں لے کر آئیں گے۔

وہ تنہا اپنے استھان میں مطمئن نہیں تھا۔ اپنی حفاظت کے لیے زیرلب منتر پڑھ رہا تھا۔ دل ہی دل میں حساب لگا رہا تھا کہ مغرب کا وقت گزر چکا ہے۔ دیر ہو چکی ہے۔ اب کسی وقت بھی عشا کی اذان گونجنے والی ہے۔ اس ویران اور پرسکون غار میں پھر زندگی اور موت کی ہلچل پیدا ہونے والی ہے۔

☆☆☆

فرہاد کی داستان عجب دور سے گزر رہی تھی۔ ایک طرف وہ لاپتا تھا اور دوسری طرف عمر بھر ایکشن میں رہنے والی آسمانی بجلی بستر سے جا لگی تھی۔ اس کی گرج چمک ماند پڑ رہی تھی۔ دوستوں کو اور لہو کے رشتوں کو تو معلوم تھا کہ وہ کیسے حالات سے گزر رہی ہے مگر دشمن اب تک انجان تھے۔ سونیا کی طرف سے کسی نہ کسی دھماکا خیز حملے کے منتظر تھے۔ خاص طور پر امریکی اکابرین فکرمند تھے۔ ایک امید تھی کہ وہ تین جنم ساتھی ان کا ساتھ دیں گے تو وہ سونیا سے مقابلہ کرسکیں گے۔

وہاں وہ دشمن اُس سے نمٹنے کی تدبیریں سوچ رہے تھے اور یہاں وہ اپنی بیماری اور کمزوری سے نمٹ رہی تھی۔ دن رات کیسے گزر رہے تھے' اسے کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا' جیسے صبح ہوتی ہی نہیں ہے اور وہ صبح ہونے کے انتظار میں سوتی چلی جارہی ہے۔ دراصل اس پر غنودگی طاری رہتی تھی۔ جب ذرا ہوش میں آتی تھی تو آمنہ اسے جوس یا سوپ پلا کر دوائیں کھلا دیتی تھی۔ یوں رفتہ رفتہ تھوڑی بہت توانائی ملتی رہتی تھی۔

یہ قانون قدرت ہے' پہاڑ سالہا سال اٹل حقیقت کی طرح پروقار انداز میں اپنی جگہ پر قائم رہتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر لگتا ہے' یہ کبھی ٹوٹ نہیں سکتے۔ ان کا قد کبھی کم نہیں ہوسکتا لیکن جب قدرت کو منظور ہوتا ہے تو فلک بوس چوٹیاں بھی زلزلے کے ایک ہی جھٹکے میں ریزہ ریزہ ہو کر ڈھے جاتی ہیں' زمین بوس ہو جاتی ہیں۔ سونیا کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہو رہا تھا۔ وہ جس انداز میں زندگی گزارتی آئی تھی' اس سے تو یہی اندازہ ہوتا تھا کہ کبھی ٹس سے مس نہیں ہوگی۔ اس کی طاقت میں کبھی کوئی کمی نہیں آئے گی مگر اب قدرت کا قانون اسے توڑ رہا تھا۔

اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ نہ جانے کتنی دیر بعد گہری نیند سے جاگی تھی؟ وہ جب بھی آنکھیں کھول کر دیکھتی تھی تو آمنہ کا مسکراتا ہوا چہرہ دکھائی دیتا تھا مگر اس وقت وہ وہاں نہیں تھی۔ کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے ذرا سر اٹھا کر دائیں بائیں دیکھا۔ وہ کمرے میں تنہا تھی۔ اس نے سر کو تکیے پر ٹکا کر ایک گہری سانس کھینچی' جیسے بڑی محنت کا کام کیا ہو۔

اس نے ایک ہاتھ پیشانی پر رکھ کر زیرلب کہا۔ "یاخدا! یہ کیسا وقت آیا ہے؟ میں زندگی بھر دوڑتی رہی' کبھی ہار نہیں مانی' کبھی تھک کر رُکی نہیں... اور اب... رُکنا تو دور کی بات ہے۔ میں تو نڈھال ہو کر گر پڑی ہوں۔"

وہ آنکھیں بند کیے اپنے بدلتے ہوئے حالات کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ زیرلب بول رہی تھی۔ انہی لمحات میں ایسا لگا' جیسے کوئی اس کے پہلو میں آکر بیٹھا ہے۔ وہ آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہتی تھی لیکن بند آنکھوں کے پیچھے ایسا منظر تھا کہ وہ چاہتے ہوئے بھی آنکھیں نہ کھول سکی۔ جو دیکھ رہی تھی' اسے کسی بھی صورت نظروں سے اوجھل نہیں کرنا چاہتی تھی مگر دیکھنے کے باوجود یقین نہیں آرہا تھا۔ اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ "بابا...! آپ یہاں...؟ میرے پاس...؟"

اس کی نگاہوں کے سامنے بابا فرید واسطی کا شفیق اور مہربان چہرہ مسکرا رہا تھا۔ وہ بڑی محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔ "ایک باپ اپنی بیٹی کے پاس آیا ہے۔"

"مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔ لگتا ہے' میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں۔"

انہوں نے گونجتی ہوئی سی آواز میں کہا۔ "ہر انسان پہلے خواب دیکھتا ہے' پھر اس کی تعبیر ڈھونڈتا ہے۔ تب کہیں جا کر کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں۔"

"میں نے تو ہر کامیابی آپ کی دعاؤں کی سیڑھیوں پر قدم رکھتے ہوئے حاصل کی ہے۔"

وہ بڑی شفقت سے مسکرا کر بولے۔ "تم نے جو مقام حاصل کیا' اپنے حوصلے اور ہمت سے کیا۔ مجھے تم پر فخر ہے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "اب ہمت ٹوٹ گئی ہے۔ حوصلہ پست ہو گیا ہے۔ بے شک۔ بڑھاپا اور بیماری سب ہی پر حاوی ہوتے ہیں۔ میں اس کے لیے ذہنی طور پر تیار تھی مگر... یوں اچانک ہی ایک ہی جھٹکے میں ایسی کمزور اور بے بس ہو جاؤں گی' یہ نہیں سوچا تھا۔ میں نے تو سوچا تھا' زندگی کے میدان میں لڑتے لڑتے جان دوں گی۔"

"جیسا سوچو' ہمیشہ ویسا نہیں ہوتا۔ قدرت کی ہر منشا کے پیچھے کوئی نہ کوئی مصلحت چھپی ہوتی ہے۔"

وہ اثبات میں سر ہلا کر بولی۔ "لیکن مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ فرہاد کو نئی زندگی مل گئی ہے۔ میں نہیں رہوں گی مگر بچوں کے سروں پر باپ کا سایہ رہے گا۔"

انہوں نے فرہاد کی نئی زندگی کے سلسلے میں کوئی جواب نہ دیا۔ گویا اس کے بارے میں اپنی حتمی رائے نہیں دے رہے تھے۔ اس نے کہا۔ "فرہاد اچانک ہی کہیں گم ہو گیا ہے۔ یقیناً اس کی گمشدگی میں بھی کوئی نہ کوئی مصلحت ہوگی۔ یہ بھی یقین ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوگا' سلامتی سے سانسیں لے رہا ہوگا۔ میں صرف اتنا جاننا چاہتی ہوں کہ وہ میری زندگی میں ہی لوٹ کر تو آئے گا نا...؟ آخری بار ہی سہی' میں اُس سے مل تو سکوں گی' اسے دیکھ تو سکوں گی نا...؟"

وہ تھوڑی دیر تک چپ رہے پھر بولے۔ "بیٹی! تم بہت ہمت والی ہو۔"

وہ جلدی سے بولی۔ "مجھے عمر کے ان آخری لمحات میں صرف اتنی ہمت' صرف اتنا حوصلہ اور اتنا یقین چاہیے کہ میرا فرہاد واپس آئے گا۔ میری آخری سانس پوری ہونے سے پہلے آئے گا۔"

ان کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے بڑی محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا پھر کہا۔ "وہ آئے گا... مگر ایسے آئے گا کہ تمہارے سوا کسی کو دکھائی نہیں دے گا۔"

وہ خوشی سے کھل گئی پھر بولی۔ "یہ بھی کوئی راز ہے؟"

"یہ قدرت کی منشا ہے۔"

وہ اتنا بول کر خاموش ہو گئے۔ ان کا ایک ہاتھ مسلسل اس کے بالوں کو سہلا رہا تھا۔ بہت سکون مل رہا تھا۔ وہ چند لمحوں تک ان کا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھتی رہی پھر وہ چہرہ دھندلانے لگا۔ کچھ عجیب سی دھند تھی' آنکھوں کے سامنے ہی نہیں' اس کے حواسوں پر بھی چھا رہی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے نیند میں ڈوبتی چلی گئی۔ اپنے آپ سے غافل ہوتی چلی گئی۔

اعلیٰ حضرت نے ایک گہری سانس لے کر آنکھیں کھول دیں۔ وہ اپنے حجرے میں تھے۔ آمنہ ان کے سامنے سر جھکائے دوزانو بیٹھی ہوئی تھی۔ انہوں نے اسے دیکھا پھر کہا۔ "ہم جس وقت کا انتظار کر رہے تھے' وہ آگیا ہے۔"

آمنہ نے سر اٹھا کر انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولے۔ "بابا فرید واسطی کا حجرہ کھلوا دو اور مغرب سے پہلے پہلے سونیا کو وہاں منتقل کر دو۔"

انہوں نے اتنا کہہ کر آنکھیں بند کرلیں۔ یہ ان کی طرف سے اشارہ ہوتا تھا۔ وہ آنکھیں بند کر کے زبانِ بے زبانی سے سمجھا دیتے تھے کہ کوئی سوال نہ کیا جائے۔ جو کہا گیا ہے' اس پر عمل کیا جائے۔ آمنہ انہیں سلام کر کے حجرے سے باہر چلی گئی۔

☆☆☆

ایشورارا پہلے بھی جان بچا کر اس ارضی دنیا سے بھاگتا رہا تھا۔ یوں اپنے سیارے میں پہنچ کر محفوظ رہتا تھا پھر بھی اس رنگ دبو کے نئے نئے گل کھلاتی ہوئی دنیا میں اس کی جان اٹکی رہتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن یہاں اپنی حکومت قائم کرسکے گا۔

وہ سائنس اور جدید ٹیکنالوجی میں ارضی دنیا والوں سے بہت آگے تھا پھر اس سیارے کی آب و ہوا ایسی تھی کہ وہاں قدرتی طور پر خیال خوانی کرنے والے پیدا ہوتے تھے۔ یوں اس کی پوری فوج خطرناک ٹیلی پیتھی کے ہتھیار سے لیس تھی۔ وہ اس ہتھیار سے ایٹم بموں اور ہائیڈروجن بموں کو بھی ناکارہ بنا سکتا تھا .... غیر معمولی قوتوں کا حامل ہو کر ارضی دنیا میں فتوحات کے جھنڈے گاڑھ سکتا تھا۔

ابتدا میں اسے اپنے یقین کے مطابق کسی حد تک کامیابی حاصل ہوئی تھی لیکن پھر سونیا اور فرہاد اس کے قدم اکھاڑنے لگے۔ ثابت کرنے لگے کہ انسانی ذہانت اور حاضر دماغی کے سامنے جدید ٹیکنالوجی اور غیر معمولی ہتھیار بھی پانی ہو جاتے ہیں۔

پھر رفتہ رفتہ پتا چلا کہ روحانی ٹیلی پیتھی جاننے والے اس کے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی تعداد کم کر رہے ہیں۔ دوسری طرف جے' بلرام اور بھنڈاری نے اسے چیلنج کیا تھا۔ وہ اس کی خفیہ پناہ گاہ تک پہنچنے والے تھے۔ ان حالات میں سونیا سے اتحاد کرنے کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ وہ عارضی طور پر سیارے میں واپس جانے پر مجبور ہو گیا تھا اور تب اس نے جاتے جاتے کمینگی دکھائی تھی۔ اپنی دانست میں سونیا کو موت کے گھاٹ اتار کر گیا تھا۔ اس کا حملہ اس کا طریقہ کار ایسا نپا تلا تھا کہ کامیابی یقینی تھی اور وہ اسی یقین کے ساتھ سیارے میں گیا تھا۔ اس نے ارضی دنیا سے روانہ ہوتے وقت فرہاد سے رابطہ کیا تھا' بڑے فخر سے کہا تھا کہ اس نے سونیا کو ہلاک کیا ہے۔ ابھی وہ فاتح کی شان سے جا رہا ہے۔ واپس آکر اسے بھی ٹھکانے لگائے گا۔

یہ دنیا اتنی خوبصورت ہے کہ اسے کوئی چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا۔ جو دولتمند کھاتے پیتے عیش کرتے ہیں۔ طاقت کے بل

بوتے پر کامیابیاں حاصل کرتے ہیں۔ وہ مرنا نہیں چاہتے۔ مرنے کے بعد بھی ممی کی صورت میں اپنے جسم کو اپنے مردہ وجود کو پوری حفاظت سے اسی دنیا میں رکھتے ہیں۔

ایشورارا بھی اس رنگ و بو میں لمبی عمر گزارنا چاہتا تھا۔ اسی لیے واپس آنا چاہتا تھا۔ اتنا اطمینان تو تھا کہ سونیا جیسی بلا کا سر کچل چکا ہے۔ اس نے آنے سے پہلے بابا صاحب کے ادارے سے رابطہ کیا لیکن وہاں کسی نے گھاس نہیں ڈالی۔ اس کی سمجھ میں یہی آیا کہ بابا صاحب کے ادارے والے سونیا کی موت سے ٹوٹ کر رہ گئے ہیں۔ اسی لیے جھنجلا کر اس سے رابطہ نہیں کر رہے ہیں۔

بہر حال اس کا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ اس نے واپس آنے کی تیاریاں مکمل کیں پھر اپنے بھائی ایکورارا کے ساتھ خلائی جہاز میں بیٹھ کر ارضی دنیا میں واپس آ گیا۔

جنوبی افریقا کا ریگستان سینکڑوں کلومیٹر کے رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ وہاں انسانی آبادی نہیں تھی۔ اسی ویران اور لق ودق صحرا میں جہاز کو اتارا جاتا تھا پھر ایشورارا کے حکم سے اس کا پائلٹ جہاز کو سیارے میں واپس لے جاتا تھا۔

اس نے پائلٹ سے کہا۔ "ہم ایتھوپیا کے شہر عدیس ابابا پہنچ کر حالات کا جائزہ لیں گے پھر تمہیں جہاز واپس لے جانے کا حکم دیں گے۔"

ان کے پاس غیر معمولی جوتے تھے۔ جنہیں پہن کر وہ گھنٹوں کا سفر منٹوں میں طے کر لیتے تھے۔ وہ اپنے بھائی ایکورارا کے ساتھ وہ جوتے پہن کر عدیس ابابا پہنچ گیا۔ انہوں نے وہاں پینگ گیسٹ کی حیثیت سے ایک بنگلے میں رہائش اختیار کی پھر خیال خوانی کے ذریعے ارضی دنیا کے موجودہ حالات معلوم کرنے لگے۔ نامعلوم نے سوچ کے ذریعے کسی کو مخاطب نہیں کیا۔ اپنے مطلوبہ افراد کے اندر پہنچ کر چپ چاپ معلومات حاصل کرتے رہے۔

پرانی کہاوت ہے کہ سر منڈاتے ہی اولے پڑ گئے... جس دن وہ عدیس ابابا پہنچے، اسی شام اُن کے خاص نمائندے رم تارا نے یہ دل ہلا دینے والی خبر سنائی کہ سونیا زندہ ہے۔

ایشورارا نے بے یقینی سے پوچھا۔ "تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ زندہ ہے؟"

"میں نے امریکی اکابرین کے دماغوں میں پہنچ کر معلوم کیا ہے۔ را ایجنسی کے افسران کے اندر بھی گیا تھا۔ وہاں بھی یہی معلوم ہوا ہے۔"

ایشورارا یہ سن رہا تھا اور اس کا سر گھوم رہا تھا۔ اس نے سیارے میں جانے سے پہلے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا تھا۔ سونیا کو ہلاک کرنے کا اعزاز حاصل کرنے کے بعد اب واپس آیا تھا تو وہ زندہ پائی جا رہی تھی۔ وہ سر پکڑ کر سوچ رہا تھا کہ کیا حاصل ہوا ہے؟ فلک بوس پہاڑ کھودنے کے بعد ایک چوہا بھی نہ نکلا۔ دہشت زدہ کرنے کے لیے پھر سے وہ ناگن نکل آئی ہے۔

دہشت یہ تھی کہ ناگن زندہ ہے تو ناگ بھی کہیں گھات لگائے چھپا ہوگا۔ اس نے فرہاد سے فخریہ انداز میں کہا تھا کہ میں نے سونیا کو حرام موت مارا ہے۔ اب سیارے میں جا رہا ہوں۔ یہ سانپ نکل رہا ہے۔ تم لکیر پیٹتے رہو۔

اب وہ انجانے میں خود اپنی بتائی کے لئے اپنی موت کو دعوت دینے وہاں چلا آیا تھا۔ اس نے ایکورارا سے کہا۔ "وہ مردہ کہلانے والی اچانک ہی زندہ ہو گئی ہے۔ کسی بھی وقت ہماری موت بن کر آ سکتی ہے۔ یہاں سے ابھی نکل چلو۔"

وہ غیر معمولی جوتے پہن کر اپنے خلائی جہاز کی طرف جانے لگے۔ ایکورارا نے پوچھا۔ "ویسے کیا ہم یہاں روپوش رہ کر سونیا اور فرہاد کے خلاف محاذ نہیں بنا سکتے ہیں؟"

"ہم روپوش رہ کر پہلے کئی بار ایسا کر چکے ہیں۔ اب ان سے نمٹنے کے لیے امریکی اکابرین سے یا بے بلرام سینڈاری سے اتحاد کرنا ہوگا۔"

ایکورارا نے کہا۔ "امریکی اکابرین کمزور ہیں اور بے بلرام سینڈاری خطرناک ہیں۔ وہ فرہاد کی بلی چڑھانا چاہتے تھے۔ کسی دن ہمیں بھی بھینٹ چڑھا دیں گے۔ ان سے دور ہی رہنا چاہیے۔"

"ہم سیارے میں جا کر تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر اپنی بہتری کے لیے سوچیں گے۔ ابھی تو روحانی ٹیلی پیتھی اور کالا جادو جاننے والوں سے نمٹنا ممکن نہیں ہے۔"

وہ اس ویرانے میں پہنچ گئے۔ جہاں خلائی جہاز کو چھپا کر رکھا جاتا تھا۔ اسے چھپائے رکھنے کے لیے زیر زمین خفیہ پناہ گاہ بنائی گئی تھی۔ صحرائی ہواؤں کے باعث ریگستانی زمین کے نشیب و فراز بدلتے رہتے ہیں۔ یہ پہچان مٹ جاتی ہے کہ پہلے جو جگہ تھی وہ ہوا کے جھکڑ چلنے کے بعد کہاں چھپ گئی ہے؟

ایسے میں قطب نما کے ذریعے سمت معلوم کی جاتی ہے۔ دیگر تکنیک کے ذرائع سے خاص جگہ کی پہچان رکھی جاتی ہے۔ وہ دونوں سرچنگ آلے کے ذریعے وہاں پہنچ گئے۔ ایکورارا زمین کی تہہ میں اترتے ہوئے پائلٹ سے کہنا چاہتا تھا کہ جہاز کا دروازہ کھولو، ہم آ گئے ہیں۔

مگر وہ چلتے چلتے رک گیا۔ ایشورارا نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "پائلٹ کا دماغ نہیں مل رہا ہے۔ میری سوچ کی لہریں واپس آ جاتی ہیں۔"

ایشورارا نے فوراً ہی خیال خوانی کی پرواز کی۔ پائلٹ کے اندر پہنچنا چاہا پھر واپس آ گیا۔ تصدیق ہو گئی کہ وہ مر چکا ہے۔ دونوں بھائیوں نے حیرانی سے اور سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر تیزی سے نیچے اترتے ہوئے خلائی جہاز کے دروازے کے سامنے پہنچ کر رک گئے۔

وہ دروازہ بند نہیں تھا۔ مرنے والے نے اسے کھلا رکھا تھا۔ وہ کھلا ہوا دروازہ جیسے کہہ رہا تھا۔ "آؤ... تمہاری بھی شامت آ گئی ہے۔"

وہ پیچھے ہٹ گئے۔ آگے خطرہ تھا۔ بڑے غرور سے جسے موت کے گھاٹ اتار کر گئے تھے وہ زندہ ہو گئی تھی۔ اب یہ دہشت تھی کہ شاید اس جہاز میں پہنچ گئی ہے۔ پائلٹ کو ٹھکانے لگا دیا ہے اور ان کا انتظار کر رہی ہے۔

کھلا ہوا دروازہ خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ یہ بھی کہہ رہا تھا کہ تم آ گئے ہو تو پھر واپس نہ جاؤ۔

وہ اور پیچھے ہٹ گئے۔ اوپر جانے کے لیے ٹھہر ٹھہر کر سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ ایشورارا نے خوفزدہ ہونے کے باوجود بڑی ہمت کرتے ہوئے سخت لہجے میں چیخ کر پوچھا۔ "اندر کون ہے؟"

ایکورارا نے بھی پوچھا۔ "کون ہے اندر...؟"

جواب میں خاموشی رہی اور موت تو خاموشی سے ہی آیا کرتی ہے۔ ایشورارا نے بھائی سے کہا۔ "میرا خیال ہے اندر کوئی نہیں ہے۔ پائلٹ کی موت طبعی ہوگی۔ یہاں ہمارا کوئی دشمن نہیں پہنچ سکتا۔"

ایکورارا نے کہا۔ "پھر بھی خطرہ پیش آ سکتا ہے۔ ذرا سوچو! پائلٹ اچانک ہی کیسے مر گیا؟ ہمیں خیال خوانی کے ذریعے معلوم کرنا چاہیے کہ سونیا کہاں ہے اور ابھی کیا کر رہی ہے؟"

"وہ بابا صاحب کے ادارے میں ہے۔ وہاں ہم جیسے مخالفین کی سوچ کی لہریں پہنچ نہیں پاتی ہیں۔"

"وہ خطرناک بلا ہے۔ اپنے قاتلوں کا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ وہ یہاں آ سکتی ہے۔ ہمیں کسی طرح معلوم کرنا ہوگا کیا واقعی وہ بابا صاحب کے ادارے میں ہے؟"

انہوں نے چند لمحوں تک سوچا پھر بیک وقت خیال خوانی کی پرواز کی۔ انہیں کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ تھوڑی دیر تک بھٹکتے رہے پھر واپس آ گئے۔ یہ یقین ہو گیا کہ خیال خوانی کے ذریعے بھی بابا صاحب کے ادارے کے اندر نہیں پہنچ پائیں گے۔

ایشورارا نے بھائی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "حوصلہ کرنا ہوگا۔ تم اندر جاؤ۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "برادر! کیوں مجھے قربانی کا بکرا بنا رہے ہو؟ ایک بات تو ماننا ہی پڑے گی' وہ ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ وہ یہاں ہے۔ یقین نہیں ہے تو تم جا کر دیکھو۔"

"میں تمہیں جانے کا حکم دے رہا ہوں۔"

"تو پھر ہاں لو! میں نے حکم کی تعمیل کی ہے اور ابھی اندر سے جا کر یہاں آیا ہوں۔ یہ رپورٹ دے رہا ہوں کہ وہ موجود ہے اور وہ میرا نہیں' تمہارا انتظار کر رہی ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ میں صرف تمہارا بھائی نہیں ہوں۔ سیارے کا حکمران بھی ہوں۔ تمہیں میرے حکم کی تعمیل کرنی چاہیے۔"

"نہیں کروں گا تو تم مجھے مار ڈالو گے۔ تم سے بچنے کے لیے اندر جاؤں گا تو وہ مجھے مار ڈالے گی۔"

ایشورارا نے ریوالور نکال کر کہا۔ "مرنا تو کہیں بھی ہے۔ لہٰذا بھائی پر قربان ہو جاؤ۔ اندر جاؤ اور پائلٹ کی موت کی وجہ معلوم کرو۔"

وہ بے بسی سے ریوالور کو پھر بھائی کو دیکھ کر زینے سے اتر گیا۔ دروازے کی طرف جانے لگا۔ ایشورارا نے کہا۔ "خود کو تنہا نہ سمجھو۔ میں خیال خوانی کے ذریعے تمہاری حفاظت کروں گا۔"

اس نے کھلے ہوئے دروازے پر پہنچ کر سر گھما کر بھائی کو دیکھا پھر اندر ایک لفٹ میں آ گیا۔ اس لفٹ کے ذریعے جہاز کے نچلے حصے میں جانے لگا۔ ایشورارا اس کے اندر رہ کر دیکھ رہا تھا۔ ایک بڑے سے ہال میں طرح طرح کی مشینیں نصب کی گئی تھیں۔ آگے ایک پائلٹ کیبن تھا' جہاں سے جہاز کو اڑایا جاتا تھا۔

ایکورارا نے کیبن میں آ کر دیکھا۔ پائلٹ اپنی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ وہ جہاز کی ونڈ اسکرین کو دیکھ رہا تھا' جبکہ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اسکرین تاریک تھی اور وہ پائلٹ بھی مردہ تھا۔

موت برحق ہے اور موت کے بعد تاریکی ہی تاریکی ہوتی ہے پھر ایک جگنو کی بھی چمک نہیں ملتی۔ کوئی صدا سنائی نہیں دیتی۔ ایشورارا نے بھائی کے اندر رہ کر ایک دھیمی سی صدا سنی۔ اس جہاز میں جہاں ایک مردہ اپنی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں زندگی کی صدا سنائی دے رہی تھی۔

دونوں بھائیوں نے توجہ سے سنا۔ عربی زبان قرأت کے ساتھ ابھر رہی تھی اور تاریک اسکرین دھیمی دھیمی سی روشن ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی مقدس آیات واضح ہوتی جا رہی تھیں اور

دھندلی سی روشنی میں کسی کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔

ایکورارا سحر زدہ سا ہو کر دوسری سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اسکرین پر روشنی کی دھندسی چھائی ہوئی تھی۔ ہر سمت برف ہی برف دکھائی دے رہی تھی۔ وہ بہت ہی صاف اور شفاف برف جیسے سفید لباس میں نظر آرہا تھا۔ دونوں بھائیوں کے اندر جیسے سونیا چیخنے لگی۔ ”لو آ گیا... میرا انتقام لینے والا آ گیا۔ یہ خلائی جہاز اب ہمارا ہے۔ یہاں آنے والا پھر کبھی باہر نہیں جاسکے گا۔ سیارے سے ہی اوپر عالم ارواح میں پہنچے گا۔“

یہ ان کے احساسات تھے‘ خوف تھا‘ دہشت تھی۔ وہ اچانک ہی دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہوگیا۔ ایک ساعت پہلے بھائی کے اندر تھا۔ اب باہر ہوگیا تھا۔ اس نے پھر خیال خوانی کی پرواز کی۔ اس کے اندر پہنچنا چاہا مگر ناکام رہا۔ بھائی اسے نہیں مل رہا تھا۔ اس نے چشم تصور سے دیکھا۔ پائلٹ کیبن کی دوسری سیٹ پر دوسرے مردے کا اضافہ ہوگیا تھا۔

وہ جہاز جو انہیں بہ حفاظت سیارے میں لے گیا تھا۔ اب انہیں واپس لا کر موت کا مسکن بن گیا تھا۔ اس کے حواس پر تو سونیا چھائی ہوئی تھی۔ اس سے کہہ رہی تھی۔ ”آؤ میرے قاتل! اب تمہاری باری ہے۔“

ایک جانباز بھائی جان سے گزر گیا تھا۔ وہ تنہا بے یار و مددگار رہ گیا تھا۔ ایکدم سے گھبرا کر وہاں سے پلٹ گیا۔ سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر کھلے آسمان کے نیچے آ گیا۔ اب ایک ساعت کے لیے بھی وہاں نہیں رک سکتا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا سونیا پیچھے آرہی ہے۔ وہ غیر معمولی جوتوں کے ذریعے غیر معمولی رفتار سے بھاگتا چلا گیا۔

وہ کہاں جاسکتا تھا؟ خلائی جہاز کی طرف رخ کرنے کا حوصلہ نہیں تھا اور اس کے بغیر جان بچانے کے لیے سیارے میں نہیں جاسکتا تھا۔ اس کے لیے فی الحال اتنا ہی کہا جاسکتا تھا کہ... خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم۔ نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے...

☆☆☆

وہ تینوں جنم ساتھی تین چیلوں کے اندر تھے۔ غار کے اندرونی حصوں میں دور دور تک ایک اجنبی کو اور ایک بلی کو ڈھونڈ رہے تھے۔ کئی جگہ بڑے بڑے پتھر آڑے ترچھے رکھے ہوئے تھے۔ ان پر سے گزر کر آگے جانا محال تھا۔ وہ اجنبی ایک شگاف سے گزر کر چٹان پر عبادت کرنے جاتا تھا۔ وہ شگاف انہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ دشوار راستوں سے نہیں گزر رہے تھے۔ لہٰذا وہاں تک پہنچ نہیں پارہے تھے۔ بھنڈاری نے ان چیلوں سے کہا۔ ”تم تینوں میں سے کسی ایک کو ان آڑے ترچھے پتھروں پر گزر کر آگے جانا ہوگا۔ تب ہی وہ دونوں نظر آئیں گے۔“

ایسے وقت اذان کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ اس سمت دیکھنے لگے۔ بلرام نے ایک چیلے سے کہا۔ ”دیکھو! ان پتھروں کے پیچھے جو چٹانیں ہیں‘ اُدھر سے آواج آرہی ہے۔ آگے بڑھو۔ ہم تمہارے اندر رہیں گے۔“

وہ بولا۔ ”آگے کیسے جاؤں؟ اونچائی تک پتھر ہی پتھر ہیں۔ رسیوں اور اوزاروں کے بغیر ان پر چڑھتے ہوئے جانا ممکن نہیں ہے۔“

گرو مہاراج اپنے استھان میں اکیلا تھا۔ اس نے خیال خوانی کے ذریعے پوچھا۔ ”کیا تم اس کی آواز سن رہے ہو؟“

جے نے کہا۔ ”ہاں۔ اس کی آواج یہاں بھی گونج رہی ہے۔“

”آواز تو ہر جگہ ہے مگر وہ کہاں ہے؟“

”جہاں ہوسکتا ہے‘ وہاں کے راستے میں بڑی رکاوٹیں ہیں۔ تمہارا کوئی چیلا پھر اوپر سے گر کر مر سکتا ہے۔“

”اس کا مطلب ہے‘ جہاں وہ چھپ کر رہتا ہے۔ وہاں پہنچ سکو گے‘ نہ اسے پکڑ سکو گے؟“

بلرام نے کہا۔ ”مہاراج! اس کو کھانا پینا کہاں سے ہوگا؟ وہ جرور گپھا سے باہر کسی دوسرے راستے سے جاتا ہوگا۔“

”تو پھر وہ دوسرا راستہ تلاش کرو۔“

”ہم یہی کررہے ہیں۔ پر بھٹک رہے ہیں۔ گھوم پھر کر اسی جگہ آجاتے ہیں۔“

اذان کے بعد تھوڑی دیر تک خاموشی چھائی رہی پھر دھیمی دھیمی سی مقدس آیات گونجنے لگیں۔ یہ اندازہ ہوا کہ وہ نماز ادا کررہا ہے۔

گرو مہاراج ایک ہاتھ میں لالٹین اور دوسرے میں کٹار لے کر پھر اسی چٹان کی طرف جانے لگا۔ بلی نے اسے دہشت زدہ کر رکھا تھا۔ وہ اچانک ہی کہیں سے اس پر چھلانگ لگا سکتی تھی اور وہ کٹار کو مضبوطی سے تھامے جوابی حملے کے لیے تیار تھا۔

بڑی دیر ہو چکی تھی۔ بہت وقت گزر چکا تھا۔ نہ وہ نظر آرہی تھی‘ نہ اپنی آواز سنا رہی تھی۔ وہ محتاط انداز میں دائیں بائیں‘ آگے پیچھے دیکھتا ہوا اس جگہ پہنچا‘ جہاں چٹان پر اس کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ وہاں پہنچ کر وہ ٹھٹک گیا۔ بلندی پر وہ چٹان خالی تھی۔ نماز پڑھنے والا نہیں تھا۔ اس کی آواز اب کسی دوسری جگہ سے آرہی تھی۔ پتا نہیں کیوں؟ اس نے جگہ بدل لی تھی۔ اب وہ کہاں ہے؟



وہ لالٹین اونچی کر کے چاروں طرف گھوم گھوم کر دیکھنے لگا۔ ہر سمت اس کی آواز تھی مگر وہ نہیں تھا۔

اس نے خیال خوانی کے ذریعے کہا۔ ”بھنڈاری! وہ دونوں سے اسی چٹان پر دکھائی دیتا تھا مگر اس وقت نہیں ہے۔ اُدھر ہی کہیں عبادت کررہا ہوگا۔ اسے ڈھونڈو۔ میں اِدھر ڈھونڈ رہا ہوں۔“

وہ پاؤں پٹختا ہوا ایک سمت جاتے ہوئے بولا۔ ”اس کی عبادت میرے لیے عذاب بن گئی ہے۔ کسی بھی طرح اسے پکڑو۔ نہیں تو میں یہاں تپسیا نہیں کرسکوں گا۔“

وہ جھنجلاتا ہوا اپنے استھان میں واپس آیا پھر جیسے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی ہو۔ وہ لڑکھڑا گیا۔ گرتے گرتے سنبھل گیا۔ وہ اجنبی وہاں ایک صاف ستھرے چبوترے پر نماز پڑھ رہا تھا۔

وہ ایکدم سے چیخ کر بولا۔ ”جے بلرام بھنڈاری! دوڑو... جلدی آؤ۔ یہ یہاں میرے استھان میں ہے۔“

اس نے دیکھا‘ وہ اجنبی نماز پڑھنے میں مصروف تھا۔ اس کی صورت نظر آرہی تھی لیکن نظر آنے کے باوجود وہ اجنبی تھا۔ گرو مہاراج نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

مزید غصہ دلانے والی بات یہ تھی کہ وہ تپسیا کرنے کی جگہ آکر اس استھان کو عبادت گاہ بنارہا تھا۔ اس کی بپتا کی یہ تھی کہ وہ نہتا تھا۔ اس کے پاس ترشول بھی نہیں تھا۔

اس بات کی پروا نہیں تھی کہ اس پر حملہ کیا جائے گا۔ اسے مار ڈالا جائے گا اور واقعی گرو مہاراج کو کھلی چھٹی مل گئی تھی۔ اس اجنبی کو چشم زدن میں مار ڈالنے کی سہولت تھی۔ کہیں سے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ وہ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر کٹار والا ہاتھ بلند کرتے ہوئے جے مہا کالی کہتے ہوئے آگے بڑھا۔ اجنبی سجدے میں تھا۔ وہ اس کی گردن اڑا سکتا تھا۔

”جے مہا کالی... جے مہا کالی...!“

وہ رُکنے والا نہیں تھا مگر وہ یکبارگی رُک گیا۔ دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ ”میاؤں“ کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

وہ لڑکھڑا گیا۔ حالانکہ کسی نے گولی نہیں ماری تھی۔ گولی تو کیا ایک لات بھی نہیں ماری تھی لیکن موت سے زیادہ ”میاؤں“ کی آواز نے اس کے قدم اُکھاڑ دیے تھے۔

وہ اجنبی کے قریب آکر اوندھے منہ گرا۔ کٹار ہاتھ سے نکل گئی۔ اس نے سر گھما کر دیکھا۔ سونی ایک پتھر پر کھڑی تھی‘ اسے دیکھ کر غرا رہی تھی۔ وہ بڑی پھرتی سے اٹھ کر اِدھر اُدھر اپنی کٹار ڈھونڈنے لگا۔

وہ اجنبی کے قریب پڑی ہوئی تھی۔ وہ عبادت سے فارغ ہو چکا تھا۔ اس نے اُسے اٹھا لیا۔ موت کا رخ بدل گیا۔ پہلے اُدھر سے آنے والی تھی۔ مقدر بدلتے ہی اِدھر ہوگئی پھر اچانک ہی وہ کٹار فضا میں لہرائی۔ ”شک...“ کی آواز ایسی ابھری کہ اس کے حلق سے چیخ بھی نہ نکل سکی۔ ایک آہ‘ ایک کراہ بھی نکلنے سے پہلے حلق دو حصوں میں تقسیم ہوگیا تھا... میاؤں!

موت کا سناٹا... میاؤں!

طاقت‘ غرور‘ کالے کرتب اور کرتوت کا خاتمہ میاؤں...!

وہ پتھر سے چھلانگ لگا کر نیچے آئی پھر کیٹ واک کرتی ہوئی اجنبی کے پیچھے جانے لگی۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد بھنڈاری نے خیال خوانی کی اڑان بھری‘ اپنے گرو کے اندر پہنچنا چاہا تو اس کی سوچ کی لہریں بھٹکنے لگیں۔

اس نے دونوں جنم ساتھیوں سے کہا۔ ”مہاراج سے رابطہ نہیں ہو رہا ہے۔ اس کے دماگ میں جگہ نہیں مل رہی ہے۔“

ان دونوں نے بھی رابطہ کرنے کی بار بار کوششیں کیں پھر وہ تینوں چیلوں کو دوڑاتے ہوئے استھان پر آئے تو دل دھک سے رہ گئے۔ دماغ ہل کر رہ گئے۔ تانترک گرو مہاراج کا لہو میں ڈوبا ہوا شریر ایک طرف تھا اور سر دوسری طرف پڑا ہوا تھا۔ دیدے پھیلے ہوئے تھے۔ جیسے حیرت سے پوچھ رہے ہوں۔ ”یہ کیا ہوگیا؟“

اس کے چیلے غم و غصے سے چیخنے لگے۔ کٹار اور ترشول اٹھائے غار کے اندر دوڑنے لگے۔ وہ گرج رہے تھے۔ اجنبی کو آوازیں دے کر مقابلے کے لیے پکار رہے تھے۔ اسے مار ڈالنے اور ٹکڑے ٹکڑے کردینے کی قسمیں کھا رہے تھے۔

وہ سب دوڑتے ہوئے اس چٹان کے پاس پہنچے‘ جہاں سے اس کا لباس جھلکتا تھا اور مقدس آیتیں سنائی دیتی تھیں مگر اب وہاں خاموشی تھی۔ کوئی نہیں تھا۔ جے‘ بلرام اور بھنڈاری دماغی طور پر اپنی اپنی جگہ حاضر ہوگئے۔ میدانِ جنگ میں بادشاہ مارا جاتا ہے تو فوج ہتھیار ڈال دیتی ہے یا پھر وہاں سے بھاگ جاتی ہے۔

انہیں اندازہ ہوگیا کہ دشمن صرف خطرناک ہی نہیں پراسرار بھی ہے۔ وہ خیال خوانی کے ذریعے چیلوں کے اندر رہ کر اسے زیر نہیں کرسکیں گے۔ وہ اپنے گرو دیو کی ہلاکت کا بدلہ لینے کے لیے جوش و جنون میں مبتلا نہیں ہو رہے تھے۔ بڑی سنجیدگی سے سوچنے اور سمجھنے کی کوششیں کررہے تھے کہ مقابلے میں کون ہے؟

تمام دشمنوں کے دماغوں میں فرہاد کا نام گونج رہا تھا۔ وہ تینوں بھی یقینی اور بے یقینی کی کیفیت کے درمیان لٹک رہے تھے۔

ان میں سے جے دہلی میں تھا۔ بلرام کولکتہ میں اور بھنڈاری حیدرآباد دکن میں تھا۔ وہ کبھی ایک شہر ایک چھت کے نیچے نہیں رہتے تھے۔

ان کا یہ بھید کھل گیا تھا کہ دراصل جے بلرام اور بھنڈاری ایک ہی شخص ہے لیکن کالے منتروں کے ذریعے ایک سے تین بن گیا ہے۔ جے نے بلرام نے اور بھنڈاری نے تین الگ الگ جسم حاصل کیے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک کو ہلاک کیا جاتا ہے تو باقی دو ساتھی اس مرنے والے کی آتما کو نئے شریر میں پہنچا کر اسے نئی زندگی دیتے ہیں۔

اور یہ بھید بھی کھل گیا تھا کہ وہ تینوں اماوس کی رات کو ایک جسم میں سمٹ آتے ہیں۔ الگ الگ تین نہیں رہتے۔ ایسے وقت انہیں ہلاک کیا جائے گا تو وہ ہمیشہ کے لیے فنا ہو جائیں گے۔

وہ تینوں ایک دوسرے سے دور رہتے تھے۔ خیال خوانی کے ذریعے یکجا ہو جاتے تھے۔ اس وقت بھی وہ دونوں جنم ساتھی بھنڈاری کے دماغ میں آ گئے تھے۔ گرو مہاراج کی آتما کی شانتی کے لیے پراتھنا کر رہے تھے۔

انہوں نے اپنی بیٹی نیہا سے کہا۔ ''بیٹی! بڑے دکھ کی بات ہے۔ اپنا دل کڑا کر لو اور یہ دکھ برداشت کرو۔ تمہارے نانا مہاراج کا دیہانت ہو گیا ہے۔''

یہ سنتے ہی وہ رونے لگی۔ کہنے لگی۔ ''میرے نانا مہان شکتی مان تھے۔ مجھ سے کہتے تھے' انہیں موت نہیں آئے گی پھر وہ کیسے مر گئے؟''

جے نے کہا۔ ''ان کو فرہاد نے دھوکے سے مار ڈالا ہے۔''

وہ فرہاد کی دیوانی تھی۔ کبھی یقین نہیں کر سکتی تھی کہ اس کے محبوب نے نانا مہاراج کی ہتیا کی ہو گی۔ ویسے ان تینوں کو بھی یقین نہیں ہو رہا تھا کہ فرہاد نے تانترک مہاراج کو بھی زیادہ پراسرار بن کر اسے ہلاک کیا ہے۔ یقین نہ ہونے کے باوجود الزام دینے کے لیے اور کوئی زبردست دشمن اس دنیا میں نہیں تھا۔

بھنڈاری نے کہا۔ ''ہم یہ دیکھتے آئے ہیں کہ مسلمانوں کا روحانی علم ہمارے کالے علم کو پانی کر دیتا ہے۔ ہماری ٹیلی پیتھی ان کی روحانی ٹیلی پیتھی کے آگے جیرو (زیرو) ہو جاتی ہے۔ یہ بڑی مشکل ہے۔''

بلرام نے کہا۔ ''پھر بھی شیطانی طاقت ہم کو سمجھاتی ہے کہ ہم ایک بار ہارتے ہیں تو کئی بار جیتتے ضرور ہیں۔ میں پورے وشواس سے بولتا ہوں' اس کھیل میں فرہاد ہی تھا اور روحانی ٹیلی پیتھی اس کو پراسرار بنا رہی تھی۔''

جے نے کہا۔ ''ہوں۔ اگر ہم فرہاد کو روحانی ٹیلی پیتھی سے کسی طرح دور کر دیں تو وہ پراسرار بن کر نہیں رہ سکے گا۔''

بھنڈاری نے کہا۔ ''فرہاد کو کسی نہ کسی طرح اسرار کے پردے سے نکالنا ہو گا۔ وہ پہلے کی طرح نظروں میں آئے گا تو ہم اس کو ٹریپ کر سکیں گے۔''

وہ فرہاد کو پھر سے پالنے کی اور اسے جکڑ لینے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ ان کی طرح بے شمار دشمن اس اکیلے گمشدہ شخص کے اسرار کو ختم کرنے اور اسے زیر کرنے کی تدبیریں ہمیشہ سوچتے رہتے ہوں گے۔ بیشک وہ سب ہی کا سکون برباد کر رہا تھا۔ سب ہی کی نیندیں اڑا رہا تھا۔

جے نے کہا۔ ''اس کو اپنے آگے جھکانے کی ایک ہی تدبیر ہے۔ اس کی کوئی ایسی بڑی مجبوری ہاتھ آ جائے کہ وہ تلملانے لگے۔''

بلرام نے مایوسی سے سر ہلا کر کہا۔ ''وہ ایسا کچھ نہیں ہونے دے گا۔''

اچانک بھنڈاری نے خوش ہو کر چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔ ''وہ ایسا کچھ نہیں ہونے دے گا۔ پر سمجھو! اس کی دکھتی رگ ہماری ایک چٹکی میں آ سکتی ہے۔''

جے نے پوچھا۔ ''کیا سچ...؟''

بلرام نے کہا۔ ''مالوم ہوتا ہے' دور کی کوڑی لا رہے ہو؟''

''بات قریب کی ہی ہوتی ہے۔ پر جب تک سمجھ میں نہیں آتی' دور کی لگتی ہے۔ یہ سیدھی سی' عام سی بات ہے کہ معصوم بچے اپنے ماتا پتا کی جان ہوتے ہیں۔ بچوں کو ہلکی سی چوٹ بھی آ جائے تو ماں باپ کی جان نکل جاتی ہے اور یہ سب ہی جانتے ہیں کہ سونیا اور فرہاد اپنے بچوں کے لیے جان لڑا دیتے ہیں۔''

بلرام نے پوچھا۔ ''تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ فرہاد کے کسی بچے کو نقصان پہنچایا جائے؟''

''نقصان نہیں پہنچانا ہے۔ پہلے ہم نے فرہاد کو اگوا (اغوا) کیا تھا۔ اسے اپنے شکنجے میں رکھا تھا۔ پر اس بار ہم اس کی کسی اولاد کو اگوا کریں گے' وہ بچہ ہمارے رحم و کرم پر رہے گا تو فرہاد اس کی سلامتی اور رہائی کے لیے اسرار کے پردے سے باہر آنے پر مجبور ہو جائے گا۔ اپنے کسی بچے کی بلی چڑھ جانے نہیں دے گا۔ کچھ کیے بنا ہی ہمارے سامنے گھٹنے ٹیک دے گا۔''

''تدبیر اچھی ہے۔ پر ہم کسی کو اگوا نہیں کر سکیں گے۔ سونیا کی بیماری کی وجہ سے سب بچے بابا صاحب کے ادارے میں ہیں اور وہاں کوئی دشمن تو کیا' سوچ کی لہریں بھی پہنچ نہیں پاتی ہیں۔''

''میں حیدرآباد دکن میں ہوں اور یہاں فرہاد کی بیٹی عالی کا سسرال ہے۔ میں نے مالوم کیا ہے' عالی کسی وجہ سے بابا صاحب کے ادارے میں نہیں گئی ہے۔ جدر کھیال کھوانی سے ماں کی کھیریت مالوم کرتی ہو گی۔''

''یعنی عالی یہاں تمہارے قریب ہے۔ تم چاہتے ہو' اسے اگوا کیا جائے؟''

''وہ اپنی ماں کی طرح مکار ہے۔ اس کو تو ہم چھو بھی نہیں سکیں گے۔''

''تو پھر...؟''

''اس کا بیٹا ابھی چند ماہ کا ہے۔ نہ بولتا ہے' نہ سمجھتا ہے۔ اس کو اگوا کیا جائے گا تو نہ وہ ہم کو پہچانے گا اور نہ ہمارے کھلاف اپنے نانا فرہاد سے کوئی شکایت کرے گا۔''

وہ تینوں اپنی اپنی جگہ دماغی طور پر حاضر ہو گئے۔ تدبیر ذہن میں پک رہی تھی۔ اسے اور اچھی طرح پکانے لگے۔ ایک ننھا سا بچہ جو نہ بولتا ہو' نہ سمجھتا ہو' نہ اپنے اور پرائے کو پہچانتا ہو۔ اسے اگوا کرنا آسان تھا۔

وہ دوسرے پہلو سوچ رہے تھے کہ اس سلسلے میں رکاوٹیں کہاں سے پیدا ہو سکتی ہیں؟ اور کیسے پیدا ہو سکتی ہیں؟ وہ پھر خیال خوانی کے ذریعے یکجا ہو گئے۔

جے نے کہا۔ ''ہم نے مان لیا ہے کہ کھیل میں جو اجنبی تھا' وہ فرہاد ہی تھا۔ اسی نے گرو دیو کی ہتیا کی ہے لیکن ہم کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس سے جیادہ سوئی بھٹناگر مشکلیں پیدا کرتی رہی تھی۔''

بلرام نے کہا۔ ''ہاں۔ اس بلی کو نہیں بھولنا چاہیے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ ہمارے دشمن فرہاد کے پاس کیسے پہنچ گئی ہے؟''

بھنڈاری نے کہا۔ ''میرا کھیال ہے' وہ منتر سے نجات پانے اور بلی کے شریر سے رہائی پانے کے لیے فرہاد کے پاس گئی ہے۔ ہو سکتا ہے' روحانی ٹیلی پیتھی کے جریعے اس کو رہائی ملنے والی ہو؟''

''اس کو رہائی ملے یا نہ ملے' بچے کو اگوا کرتے سمے وہ رکاوٹ بن سکتی ہے۔''

جے نے کہا۔ ''وہ بلی ہمارا راستہ کاٹے گی تو ہماری ساری محنت پر پانی پھر جائے گا' فرہاد کی مجبوری ہمارے ہاتھ نہیں آئے گی۔ الٹا ہم اس کے ہتھے چڑھ جائیں گے۔''

سوئی بھٹناگر نے غار میں انہیں اچھی طرح دوڑایا تھا۔ وہ آئندہ ایک بڑا قدم اٹھانے سے پہلے اسے نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ بلرام نے کہا۔ ''ہم نے دس دنوں تک ایسے منتروں کا جاپ کیا تھا' جن کی جکڑ بندی سے سوئی نکل نہیں پائی تھی۔ میں اور جے آج رات سے پھر انہی منتروں کا جاپ کریں گے۔ تم عالی کے بچے پر دھیان دو۔ ہم سوئی کو تمہاری طرف نہیں آنے دیں گے۔''

وہ خوب سوچ سمجھ کر ہر پہلو پر نظر رکھتے ہوئے اس منصوبے پر عمل کرنے لگے۔ انہوں نے را ایجنسی کے افسران سے کہا۔ ''فرہاد کا پتا مل رہا ہے۔ شاید وہ جندہ ہے۔ ہم اس کو جلد ہی ٹریپ کرنے والے ہیں۔ جب تک وہ ہمارے شکنجے میں نہیں آئے گا' تب تک ہم اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے اور تب تک تم لوگوں سے بھی رابطہ نہیں رکھیں گے۔ دس دنوں کے لیے ہم کو بھول جاؤ۔''

ان کی یہ باتیں یورپ اور امریکا کے اکابرین تک بھی پہنچیں کہ وہ جسے مردہ سمجھ رہے ہیں' وہ زندہ ہے اور جے' بلرام' بھنڈاری اگلے دس دنوں میں اسے ساری دنیا کے سامنے پیش کرنے والے ہیں۔

☆☆☆

ایشورارا ایسے جی رہا تھا کہ موت اس کے چاروں طرف تھی اور پورے یقین کے ساتھ تھی۔ وہ اس کی موجودگی کا نمونہ خلائی جہاز میں دیکھ چکا تھا۔ وہ پائلٹ کو اور ایکورارا کو ہضم کر چکی تھی اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہی تھی کہ ان کے بعد اب اس کی باری ہے۔

ہر شخص کو یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ اگلے لمحات میں بھی سانسیں لیتا رہے گا۔ ایشورارا کو یقین نہیں تھا کہ آگے زندگی ہے اور وہ چند سانسیں اور لے سکے گا۔ عین ممکن تھا کہ کسی وجہ سے موت ادھر کا راستہ بھول جاتی مگر ہیبت تو یہ تھی کہ سونیا نہیں بھولے گی۔ وہ موت سے زیادہ کشش رکھتی تھی۔ اسی لیے وہ سیارے سے کھنچا چلا آیا تھا۔

وہ خلائی جہاز کی طرف جانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے عدلیس ابابا پہنچ کر سوچا۔ ''کیا میں یہاں چھپ کر رہ سکوں گا؟''

''نہیں...'' وحشت نے سمجھایا کہ جو خلائی جہاز میں پہنچ سکتی ہے۔ وہ اس شہر کی رہائش گاہ میں بھی آ سکتی ہے۔ اسے وہ شہر' وہ ملک چھوڑ کر کسی دوسرے ملک میں پناہ لینی چاہیے۔

پھر وہ چوبیس گھنٹوں کے اندر افریقا سے نکل کر ترکی کے شہر استنبول آ گیا۔ ارضی دنیا میں اس کا ایک ہی دست راست رم تارا رہ گیا تھا۔ اس نے خیال خوانی کے ذریعے حکم

دیا۔ ”فوراً یہاں آؤ۔ میں استنبول میں ہوں۔“

اس نے پوچھا۔ ”اے ایشورارا! کیا تمہیں یقین ہے کہ یہاں کچھ روز جی سکو گے؟“

اس نے ناگواری سے پوچھا۔ ”یہ سوال کیوں کررہے ہو؟“

”اس لیے کررہا ہوں کہ تم یہاں خالی اور کھوکھلے ہوگئے ہو۔ نہ یہاں سے خلائی جہاز جائے گا‘ نہ تمہاری ٹیلی پیتھی جاننے والی فوج اِدھر آسکے گی۔ کیا تنہا ٹیلی پیتھی کے ذریعے دشمنوں سے لڑسکو گے؟ کیا سونیا کے انتقام سے بچ سکو گے؟“

وہ بولا۔ ”میں سونیا اور فرہاد سے رحم کی بھیک مانگوں گا تو نہیں ملے گی۔ میں حوصلہ ہارنے والا نہیں ہوں۔ آخری سانسوں تک اپنی بقا کی اور اقتدار حاصل کرنے کی جنگ لڑتا رہوں گا۔“

”تو پھر لڑتے رہو اور مرتے رہو۔ مجھے تمہارے ساتھ مرنے کا شوق نہیں ہے۔ آئندہ میرے پاس آؤ گے تو سانس روک کر بھگا دیا کروں گا۔“

اس نے سانس روک لی۔ وہ دماغی طور پر حاضر ہوکر جھنجلانے لگا۔ آخری ٹیلی پیتھی جاننے والے نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اب اس کے پاس کیا رہ گیا تھا؟ صرف اس کا اپنا وجود...

اس کے پاس ٹیلی پیتھی جاننے والی فوج نہیں رہی تھی۔ امریکی اکابرین اور بے جی بلرام بھنڈاری نہ اس سے مرعوب ہونے والے تھے‘ نہ اتحاد کرنے والے تھے۔ اب اسے تنہا ڈرتے رہنا تھا یا لڑتے لڑتے مرجانا تھا۔

دیکھا جائے تو دشمن بہت تھے لیکن وہ سب اس کی طرف سے بے خبر تھے یا بے پروا تھے۔ اسے مار ڈالنے کے لیے تلاش نہیں کررہے تھے۔ صرف اور صرف سونیا کا خوف اسے مار رہا تھا۔ وہ استنبول کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں بڑے آرام سے تھا۔ خلائی جہاز سے دور ہونے کے بعد تقریباً تیس گھنٹے گزر چکے تھے اور کہیں سے سونیا کی ایک ذرا سی آہٹ بھی سنائی نہیں دی تھی۔ دل کو ذرا اطمینان حاصل ہورہا تھا۔

وہ ہوٹل کی بالکونی میں بیٹھا وہسکی پی رہا تھا۔ خود کو تسلیاں دے رہا تھا۔ ”میں سونیا اور فرہاد کی نظروں سے گم ہوچکا ہوں۔ وہ مجھے ڈھونڈ نہیں پارہے ہیں۔ مجھے اسی ملک‘ اسی شہر میں رہنا چاہیے۔“

”میاؤں... میاؤں...!“ وہ ایکدم سے چونک گیا۔

بلی کی میاؤں سے کوئی نہیں ڈرتا لیکن وہ آواز خنجر کی دھار جیسی تھی۔ اسے یوں لگا‘ جیسے سونیا غرا رہی ہو۔

اس نے سر گھما کر دیکھا‘ بالکونی کی نیم تاریکی میں دیوار پر اس کا سایہ نظر آرہا تھا۔ ان لمحات میں اس کا دماغ بہک رہا تھا۔ دو پیگ میں اسے چڑھتی نہیں تھی مگر خوف کی آمیزش نے نشے کو تند کردیا تھا۔ بلی کا سایہ سونیا جیسا دکھائی دے رہا تھا۔

اس نے سر جھٹک کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔

”میاؤں...“ وہ بلی ہی تھی۔ ہاں۔ بلی ہی تھی۔

یکبارگی وہ ”میاؤں میاؤں تیرا کلیجا کھاؤں...“ کے انداز میں چیختی چنگھاڑتی ہوئی کہیں سے آئی پھر اس کے منہ پر پنجہ مارتی ہوئی گزر گئی۔ وہ مارے دہشت کے چیختا ہوا کرسی سمیت پیچھے کی طرف الٹ گیا۔ ان لمحات میں پورا یقین تھا کہ سونیا نے حملہ کیا ہے۔

وہ گرنے کے بعد چاروں ہاتھ پاؤں یوں جھٹک رہا تھا‘ جیسے سونیا کے حملوں کو روک رہا ہو۔ صرف ہاتھوں سے نہیں‘ پیروں سے بھی لڑ رہا ہو۔ وہ جاچکی تھی مگر اس کے دماغ میں میاؤں میاؤں کی صدائیں گونج رہی تھیں۔

ہوٹل کے ملازم دوڑتے ہوئے آئے۔ اسے فرش پر اٹھا کر بٹھایا۔ تھپک تھپک کر سمجھانے لگے۔ ”مسٹر! ہوش میں آؤ۔ کسی نے تم پر حملہ نہیں کیا ہے۔ تم کس سے لڑ رہے ہو؟“

وہ اپنا چہرہ دکھاتے ہوئے بولا۔ ”دیکھو...! اس نے حملہ کیا ہے اور تم کہتے ہو‘ نہیں کیا ہے؟ وہ ابھی یہاں تھی۔“

ایک ویٹر نے کہا۔ ”بلی نے پنجہ مارا ہے۔ پتا نہیں‘ وہ کہاں سے آگئی تھی؟ اب نہیں آئے گی۔“

وہ فرش سے اٹھ کر کرسی پر آیا۔ دماغ میں سنسناہٹ سی ہورہی تھی۔ یہ سوچ کر گھبراہٹ ہورہی تھی کہ اچانک یہ کیا ہوگیا تھا؟

ہوٹل کا ایک ڈاکٹر آکر اس کے چہرے کی مرہم پٹی کرنے لگا۔ اس کے دماغ میں یہ سوال گونج رہا تھا کہ کیا سونیا روپ بدل کر آئی تھی؟ جواب کہیں سے ملنے والا نہیں تھا۔ جبکہ وہ چہرے پر جواب لکھ کر گئی تھی۔ وہ سونیا تھی یا بلی تھی۔ کچھ بھی سمجھ لیا جائے۔ حقیقتاً اس کی شامت آگئی تھی۔

ہوٹل کی طرف سے لیمن جوس پیش کیا گیا۔ منیجر نے کہا۔ ”اسے پی لیں۔ نشہ کم ہوجائے گا۔“

وہ جھنجلا کر بولا۔ ”میں نشے میں نہیں ہوں۔ مجھے سمجھتے کیا ہو؟ پوری ایک بوتل پی کر اپنے پیروں پر کھڑا رہتا ہوں۔“

”کیا ابھی اور پئیں گے؟“

”کیا آپ مجھے پینے سے روکیں گے؟“

”ہم گاہکوں کی مرضی کے خلاف نہ کچھ کہتے ہیں‘ نہ کرتے ہیں مگر مشورہ دیتے ہیں کہ آپ اپنے کمرے میں جاکر شغل کریں۔ یہاں مزید تماشا بننا مناسب نہیں ہے۔“



اس نے سوچا۔ ”یہی مناسب ہے۔ وہ پھر کہیں سے آکر حملہ کرسکتی ہے۔ مجھے بند کمرے میں سوچنا اور سمجھنا چاہیے کہ وہ کوئی بلی ہی تھی یا سونیا مجھے ہلاک کرنے سے پہلے کسی پالتو بلی کے ذریعے وحشت زدہ کررہی ہے؟“

وہ کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ ”ٹھیک ہے۔ میرے کھانے پینے کا سامان کمرے میں پہنچادو۔“

وہ بالکونی سے نکل کر ایک وسیع و عریض ڈائننگ ہال میں آیا۔ وہاں حسین و جمیل عورتیں امیر کبیر مردوں کے ساتھ ہنس بول رہی تھیں۔ بڑا ہی رنگین ماحول تھا۔ وہ ان کے درمیان سے گزرتا جارہا تھا۔ اچانک ہی لڑکھڑا کر اوندھے منہ گر پڑا۔

کسی نے ٹانگ پر ٹانگ ماری تھی۔ وہ فوراً ہی اٹھ کر دائیں بائیں اور پیچھے کی سمت دیکھنے لگا۔ آس پاس کی میزوں پر لوگ کھانے پینے اور ہنسنے بولنے میں مصروف تھے۔ اس نے غصے سے پوچھا۔ ”مجھے کس نے گرایا ہے؟“

اسے اپنے اندر کسی کی آواز سنائی دی۔ ”تقدیر نے گرایا ہے۔“

اس نے چونک کر ایک سمت دیکھا۔ ڈائننگ ہال کے دروازے پر ایک قد آور شخص کھڑا تھا۔ صاف و شفاف سفید لباس میں کوئی راہب ہوسکتا تھا لیکن اس کی گردن میں کوئی صلیب نہیں تھی۔ ہاتھ میں تسبیح تھی۔ وہ کوئی مسلمان ہوسکتا تھا۔

ایشورارا نے حیرانی سے سوچا۔ ”یہ مجھ سے تقریباً دس گز کے فاصلے پر ہے۔ بالکل خاموش ہے مگر میں نے اس کی آواز اپنے اندر سنی ہے۔“

پھر اس نے سر کو سمجھاتے ہوئے سوچا۔ ”اور میں یہ کیسے سمجھ رہا ہوں کہ میں نے اسی شخص کی آواز سنی ہے؟“

اس نے دور اس اجنبی شخص کو دیکھتے ہوئے خیال خوانی کے ذریعے پوچھا۔ ”کیا ابھی تم میرے اندر بول رہے تھے؟“

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہاں سے پلٹ کر جانے لگا۔ ایشورارا تیزی سے چلتا ہوا ڈائننگ ہال سے باہر آکر دیکھنے لگا۔ وہ نظر نہیں آرہا تھا۔ اس کی آواز سنائی دی۔ ”تم نے کسی کو ہلاک کرنا چاہا مگر کیا حاصل ہوا؟ یہ کیوں بھول گئے کہ تمہاری زندگی سے بھی کوئی کھیل سکتا ہے؟“

اس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ آواز اس کے اندر تھی۔ وہ سانس روک کر اسے بھگانا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے ہی وہ چپ ہوگیا۔ اس کی باتوں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ہوٹل میں بم دھماکے سے ماری جانے والی عورت کے متعلق کہہ رہا ہے۔ اگرچہ وہ سونیا نہیں تھی مگر ایشورارا کا نشانہ تو وہی تھی۔

اس نے ابھی یہ کہا تھا‘ یہ کیوں بھول گئے کہ تمہاری زندگی سے بھی کوئی کھیل سکتا ہے...؟

وہ تیزی سے چلتا ہوا لفٹ کی طرف آیا۔ وہ اجنبی وہاں کھڑا ہوا تھا۔ ایشورارا نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ”میں سمجھ گیا ہوں‘ تم ہی میرے اندر بول رہے ہو۔“

وہ لفٹ کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ اس نے آواز دی۔ ”رک جاؤ۔ مجھ سے بات کرو۔ مجھے بتاؤ‘ تم کون ہو؟“

اس نے دوڑ لگائی۔ وہ اسے پکڑ کر پوچھنا چاہتا تھا کہ میں تمہاری آواز اپنے اندر کیسے سن رہا ہوں؟ جبکہ یوگا میں مہارت رکھتا ہوں۔ بولو...! مجھے بتاؤ... تم کون ہو؟

وہ دوڑتا ہوا آیا مگر لفٹ کے قریب پہنچنے تک دروازہ بند ہوگیا۔ لفٹ اوپر جانے لگی۔ اسے بھی دسویں فلور پر اپنے کمرے میں جانا تھا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا دوسری لفٹ کے اندر آگیا۔

لفٹ خالی تھی۔ بٹن دباتے ہی دروازہ بند ہوگیا۔ وہ اوپر جانے لگی۔ اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا پھر ایکدم سے چیخ پڑا۔ ”میاؤں میاؤں تیرا کلیجا کھاؤں...“ وہ بلائے ناگہانی کی طرح اس پر آگئی۔

ہنگامہ رے ہنگامہ...

لفٹ کے اندر جیسے زلزلہ آگیا۔ دھم دھما۔ کھٹاک پٹاک۔ چیخ و پکار۔ انسان کی چیخ بلی کی چنگھاڑ...

وہ دونوں ہاتھ پاؤں چلاتا ہوا ایک دیوار سے ٹکرایا۔ سوی پنجہ مارتی ہوئی فرش پر آئی۔ ایشورارا نے لات مارنا چاہی مگر وہ ایک طرف ہوگئی پھر اچھل کر اس پر آئی اور پنجہ مارتی ہوئی دوسری دیوار سے ٹکرا کر پھر فرش پر پہنچ گئی۔

وہ چیخ رہا تھا۔ بدحواسی میں ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ اسے قریب آنے سے روک رہا تھا۔ ایسے وقت لفٹ روکی جاسکتی تھی لیکن وہ بٹن تک پہنچ نہیں پارہا تھا۔

سوی اس سے زیادہ پھرتیلی تھی۔ چھوٹی سی لفٹ کی چاردیواری میں ہاتھ نہیں آرہی تھی۔ ایک بار اس کی ٹھوکر میں آئی‘ اس نے زور کی کک ماری مگر وہ نشانے سے پھسل گئی۔ اس کی ایک ٹانگ اوپر اچھل گئی۔ ایسے وقت وہ غراتی ہوئی اچھل کر اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان لٹک گئی۔

عجب طرح سے لٹکی تھی۔ ایشورارا کے حلق سے ایک فلک شگاف چیخ نکلی۔ وہ اسے پکڑ کر کھینچنا اور اپنے وجود سے الگ کرنا چاہتا تھا مگر حملہ ایسا اذیت ناک تھا کہ ہاتھوں پیروں سے جان نکل رہی تھی۔ وہ جان نہیں چھوڑ رہی تھی‘ جیسے اس کا

کلیجا نوچ رہی تھی۔

وہ بے دم سا ہو کر فرش پر گر پڑا۔ ایسے ہی وقت لفٹ رک گئی۔ دروازہ کھل گیا۔ وہ چھلانگیں مارتی ہوئی باہر چلی گئی۔ باہر سے لفٹ کے اندر آنے والے ٹھٹک گئے۔ ان کے سامنے ایک شخص فرش پر چیخیں مار رہا تھا۔ اس کے بدن کا درمیانی حصہ لہولہان ہو رہا تھا۔ فوراً ہی سمجھ میں آنے والی بات نہیں تھی۔ اسے اسپتال پہنچاتے پہنچاتے پتا چلا کہ ایک خونخوار بلی نے اس کی تکا بوٹی کی ہے۔

وہ جان لینے والا حملہ نہیں تھا۔ ابھی اس کے مقدر میں زندگی تھی۔ وہ اسپتال کے بیڈ پر سانسیں لے رہا تھا۔ یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ مکمل طور پر تحفظ حاصل نہیں کرے گا تو اسی طرح شامت آتی رہے گی۔ سونیا اسے ایک ہی وقت میں نہیں مارے گی۔ بلکہ قسطوں میں موت دیتی رہے گی۔

اب یہی ایک راستہ رہ گیا تھا کہ وہ کسی بڑی طاقت کی محفوظ پناہ گاہ میں چلا جائے۔ امریکی اکابرین کو اور ان کے یوگا جاننے والے افسران کو یہ لالچ دے کہ وہ ان کا ٹیلی پیتھی جاننے والا تابعدار بن کر رہے گا۔ ان کے خیال خوانی کرنے والے مائیکل اور گائی ڈی البرٹ اس کے دماغ کو لاک کر دیں گے تو سونیا اور فرہاد معلوم نہیں کر سکیں گے کہ وہ کہاں چھپا ہوا ہے؟

بچاؤ کا یہی ایک راستہ رہ گیا تھا۔ اس نے یوگا جاننے والے ایک آرمی افسر کے اندر پہنچنے کے لیے خیال خوانی کی پرواز کی مگر نہ کر سکا۔ یہ سمجھ میں آیا کہ گہرے زخم کے باعث دماغ کمزور ہو گیا ہے۔ جب تک پہلے جیسی دماغی توانائی حاصل نہیں ہوگی' تب تک ٹیلی پیتھی کی صلاحیتوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔

اس کے سینے سے ایک آہ نکلی۔ وہ ایسے پچک کر رہ گیا تھا' جیسے غبارے سے ہوا نکل چکی ہو۔ دونوں ٹانگیں پھیلائے بستر پر پڑا تھا۔ کمرے میں تنہا تھا۔ کھڑکی کے باہر دیکھتے ہی چونک گیا۔ باہر اسپتال کے کوریڈور میں وہ سفید پوش اجنبی کھڑا اسے دیکھ رہا تھا اور زیر لب تسبیح خوانی میں مصروف تھا۔

اس نے ہوٹل سے اسپتال تک نمودار ہو کر اس سے کلام نہیں کیا تھا۔ ایشورارا نے اسے اپنے اندر بولتے ہوئے سنا تھا۔ اس کے لب نہیں ہلتے تھے۔ وہ خاموش رہ کر اسے دیکھتا رہتا تھا۔ ایسے وقت دماغ چیخ چیخ کر کہتا تھا کہ وہ فرہاد ہے... وہ فرہاد ہی ہے۔

وہ آپریشن کے بعد اٹھ کر بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ ٹانگیں پھیلائے لیٹا رہتا تھا۔ اس نے تکیے سے سر اٹھا کر پوچھا۔

''اے! تم کون ہو؟''

وہ خاموش نہیں تھا۔ زیر لب تسبیح خوانی کر رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ ''مجھے کیوں خوف و ہراس میں مبتلا کر رہے ہو؟ جواب دو۔ کیا تم فرہاد ہو؟''

اسے کہیں سے جواب سنائی دیا۔ ''میاؤں...!''

وہ ایکدم سے لرز کر رہ گیا۔ چیخیں مارتا ہوا ادھر ادھر دیکھنے لگا پھر اس نے کھڑکی کی سمت دیکھا۔ اب وہاں اجنبی نہیں تھا۔ سونی بھٹنا گر دکھائی دے رہی تھی۔ ''میاؤں...!''

اس نے بے اختیار چیختے ہوئے دونوں ٹانگیں سمیٹ لیں۔ سکیڑ لیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپریشن کے بعد جو ٹانکے لگائے گئے تھے' وہ ٹوٹنے لگے۔ ایسا درد' ایسی جلن تھی' جیسے بدن کے اس زخمی حصے کو جہنم کی آگ میں ڈال دیا گیا ہو۔ تکلیف ناقابل برداشت تھی۔ وہ تڑپتے تڑپتے بیہوش ہو گیا۔

موت کیا ہوتی ہے؟

کچھ نہیں۔ وہ اچانک آتی ہے اور اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔ اس کے برعکس زندگی کو عذاب بنا دیا جائے تو وہ موت سے بدتر ہو جاتی ہے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ کب تک موت سے بدتر زندگی گزارتا رہے گا؟

☆☆☆

شیر بیمار ہو جائے' چلنے پھرنے کے قابل نہ رہے' کسی غار کے اندر پڑا رہے۔ تب بھی جنگل کے تمام جانوروں پر اس کی ہیبت طاری رہتی ہے۔ یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ پتا نہیں وہ کب دھاڑتا ہوا غار سے نکل آئے گا؟

یہ مثال سونیا پر صادق آتی تھی۔ وہ بیمار تھی مگر دشمنوں کے دماغوں میں خطرے کی گھنٹی کی طرح بجتی ہی رہتی تھی۔ اعلیٰ حضرت کی ہدایت کے مطابق اسے بابا فرید واسطی کے حجرے میں پہنچا دیا گیا تھا۔

بابا صاحب کی وفات کے بعد وہ حجرہ بند رہا کرتا تھا۔ اسے روزانہ صفائی کے لیے صرف ایک بار کھولا جاتا تھا پھر مقفل کر دیا جاتا تھا۔ وہاں کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ پہلی بار اور شاید آخری بار اسے سونیا کے لیے کھولا گیا تھا۔

چونکہ وہاں کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اس لیے کوئی اس کی تیمارداری کے لیے بھی نہیں جا سکتا تھا۔ لہٰذا وہاں داخل ہونے سے پہلے آمنہ' پارس' پورس' الپا' عالی' کبریٰ' انوشے اور عدنان وغیرہ اس سے ملنے آئے تھے۔ انہوں نے کئی گھنٹے اس کے ساتھ گزارے پھر آنسو بھری آنکھوں سے اسے بابا صاحب کے حجرے میں پہنچا دیا گیا۔

حجرے کا دروازہ پہلے کی طرح مقفل کر دیا گیا۔ اعلیٰ

حضرت نے فرمایا۔ ''اب اسے دواؤں کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ صرف ہلکی پھلکی سی خوراک وہاں پہنچائی جائے گی۔''

حجرے میں ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی۔ اس کا ایک پٹ کھول کر کھانے پینے کے برتن پہنچائے جاتے تھے اور وہیں سے برتن لائے جاتے تھے۔

کسی کو چھوت کی بیماری ہو تو اسے اپنوں سے' بیگانوں سے دور قرنطینہ میں رکھا جاتا ہے۔ سونیا متعدی مرض میں مبتلا نہیں تھی۔ اسے مصلحتاً بابا صاحب کے حجرے میں مقفل رکھا گیا تھا۔ مصلحت کیا تھی؟ یہ بعد میں معلوم ہونے والا تھا۔

وہ بابا صاحب مرحوم کے بستر پر بے سدھ پڑی رہتی تھی۔ جیتے جی دنیا والوں سے دور ہوگئی تھی مگر دنیا کو دھندلائی ہوئی چشم تصور سے دیکھتی رہتی تھی۔

کبھی کبھی اس کے اندر کوئی بولتا تھا... کیا فرہاد بولتا تھا؟

نہیں... فرہاد کو تو وہ گہری نیند میں بھی پہچان لیتی تھی۔ بولنے والے کی آواز اور لہجے میں پدرانہ محبت اور شفقت ہوتی تھی۔ گمان ہوتا تھا کہ بابا فرید واسطی اپنی بیٹی سے بول رہے ہیں۔

وہ آواز کہتی تھی۔ ''کسے یاد کرتی ہو؟ کسے سوچتی ہو؟ اپنے شوہر کو؟ اپنی اولاد کو؟ نہیں... نہ سوچو۔ سب ہی کو چھوڑ کر جانا ہوتا ہے۔''

وہ جیسے غنودگی میں رہتی تھی۔ کچھ سمجھتی تھی' کچھ سمجھ نہیں پاتی تھی۔ اس نے کہا۔ ''میں اپنے رب سے' اپنے شوہر اور اپنے بچوں کے لیے سلامتی چاہتی ہوں۔''

اسے جواب ملا۔ ''بندہ اپنی سلامتی کے لیے جدوجہد کرتا رہتا ہے۔ خدا اسے جہاد کا ثمر دیتا ہے۔''

اس نے کہا۔ ''ہم ساری زندگی جدوجہد کرتے رہے۔ شیطانی قوتوں کو کچلتے رہے پھر بھی شر پھیلانے والے پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں۔''

جواب ملا۔ ''پیدا ہوتے ہی رہیں گے۔ قیامت تک خیر و شر کے درمیان جنگ جاری رہے گی اور اس جنگ کے دوران عجیب کھیل تماشے ہوتے رہیں گے۔''

''میں سکون سے مرنا چاہتی ہوں۔ مجھے معلوم تو ہو' میرے پیچھے کیا ہو رہا ہے؟''

''بیشک۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے۔ میں تمہیں سکون پہنچانا چاہتا ہوں۔ اپنے دشمنوں پر توجہ مرکوز کرو۔ تمہیں یکے بعد دیگرے دکھائی دیں گے۔''

وہ چاروں شانے چت لیٹی ہوئی تھی۔ اسے اپنے فرہاد کی فکر تھی۔ جب وہ اس سے جدا ہوئی تھی' تب جے بلرام اور بھنڈاری اس کے محبوب کو مار ڈالنے کی دھن میں لگے ہوئے تھے۔ اس نے سامنے دیوار کو دیکھتے ہوئے ان دشمنوں کا دھیان کیا تو وہ دکھائی دینے لگے۔

اس نے ہمالیہ کی ترائی میں برف سے ڈھکے ہوئے غار کے اندر تانترک گرو مہاراج کو' اس کے چیلوں کو اور بلرام بھنڈاری کو دیکھا۔ وہ ایک عبادت کرنے والے اجنبی کو وہاں سے بھگانا یا مار ڈالنا چاہتے تھے۔ سونیا نے دیکھا کہ ایک بلی اس اجنبی کی معاون تھی۔ ان دشمنوں کو دہشت زدہ کر رہی تھی۔ اجنبی کے سائے میں رہ کر اس پر کالے منتروں کا اثر نہیں ہو رہا تھا۔ بہرحال وہ مہا شکتی مان اور ناقابلِ شکست کہلانے والا گرو مہاراج اس اجنبی کے ہاتھوں مارا گیا تھا پھر اس نے جے بلرام اور بھنڈاری کو دیکھا۔ وہ تینوں فرہاد کی کمزوری سے کھیلنے کے لیے اس کے نواسے یعنی عالی کے بیٹے شایان کو اغوا کرنے کا منصوبہ بنا چکے تھے۔ یہ معلوم ہوتے ہی سونیا کے اندر ہلچل سی پیدا ہوئی لیکن وہ بیمار تھی۔ بستر سے اٹھنے کے قابل نہیں تھی۔ اس نے پہلی بار بے بسی سے کہا۔ ''اے خدا! میں کیا کروں؟''

اسے شفقت بھری آواز سنائی دی۔ ''کچھ نہ کرو۔ کیا تم نے نہیں دیکھا' تمہاری عالی اپنے شوہر اور بچے کے ساتھ ادارے میں آئی ہوئی ہے؟ کیا تمہارے نواسے کو اغوا کرنے کے لیے کوئی دشمن یہاں قدم رکھ سکتا ہے؟''

وہ اطمینان کا سانس لے کر بولی۔ ''خدا کا شکر ہے' میرا نواسہ یہاں محفوظ رہے گا۔''

پھر وہ چونک کر بولی۔ ''مگر عالی جب یہاں سے جائے گی' تب وہ دشمن اپنی کمینگی پر اتر آئیں گے۔''

''ہم محبت کرنے والے سوچتے ہیں کہ ہمارے بعد ہمارے چاہنے والوں کا کیا ہوگا؟ کیا سوچنے اور فکر کرنے سے ہم دنیا میں واپس آ کر اپنوں کے کام آسکتے ہیں؟''

اس نے مایوسی سے سر ہلایا۔ ''نہیں...''

''جب تک تم سانسیں لے رہی ہو' تب تک کیا ہو رہا ہے' یہ دیکھو...!''

اس نے پھر سامنے والی دیوار کو دیکھا۔ اس بار اس کا جانی دشمن ایشورارا دکھائی دیا۔ وہ اپنی دانست میں اسے ایک بم بلاسٹ میں ہلاک کر کے سیارے میں گیا تھا۔ اب واپس آ کر بری طرح پھنس گیا تھا۔ نہ سیارے میں جا سکتا تھا' نہ اس ارضی دنیا میں سلامتی سے رہ سکتا تھا۔ اس وقت وہ ایک اسپتال میں تھا۔ دوسری بار آپریشن ہونے کے بعد بے حد کمزور ہوگیا تھا۔ دونوں ٹانگیں پھیلائے بیڈ پر پڑا تھا۔



سونیا نے وہ تمام مناظر دیکھنے کے بعد کہا۔ ''وہ عابد اجنبی کچھ بولتا نہیں ہے۔ بولے گا تو میں پہچان لوں گی۔ میرا دل کہتا ہے' وہ فرہاد ہے۔''

جواباً کچھ نہیں کہا گیا۔ وہ بولی۔ ''میں خدا کا واسطہ دیتی ہوں' آپ فرمائیں! وہ میرا فرہاد ہے ناں؟''

''اور کون ہو سکتا ہے؟ اگرچہ وہ ایک نئے...... بہروپ میں ہے۔ جیتے جی اپنی پہلی شخصیت کو ختم کر چکا ہے۔ اس کے باوجود پہچانا جا رہا ہے۔ وہ اپنے اور پرائے سب ہی کے ذہنوں میں ایسا نقش ہو چکا ہے کہ مٹائے نہیں مٹے گا۔''

''میرا فرہاد جیوے۔ تا قیامت جیوے...''

''وہ ایسا جیئے گا کہ مرنے کے بعد بھی ہر آہٹ پر اس کا گمان ہوتا رہے گا۔ پتے بھی کھڑکیں گے تو دشمنوں کے دل دھڑکیں گے۔''

''میرا فرہاد کسی پالتو جانور سے دلچسپی نہیں لیتا تھا پھر اس بلی کو اپنے ساتھ کیوں رکھتا ہے؟''

''اس کا جواب تمہیں ملے گا۔ پہلے یہ دیکھو کہ وہ دشمنوں سے کس طرح نمٹ رہا ہے۔''

وہ سامنے دیوار کو دیکھنے لگی۔ وہاں یوگا جاننے والے امریکی اکابرین نظر آ رہے تھے۔ ایک میز کے اطراف سی آئی اے کے اور اسرائیلی موساد تنظیم کے اعلیٰ افسران بھی موجود تھے۔ اس خفیہ اجلاس میں پاکستان کی ایٹمی قوت زیر بحث تھی۔

موساد کے ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔ ''ہم انڈین را والوں کے ساتھ مل کر اپنی سی کوششیں کر چکے ہیں۔ ہمیں اب تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ پاکستان کا جوہری اثاثہ کن لوگوں کے ہاتھوں میں ہے؟ اور وہ لوگ کیسی حکمت عملی سے اس کی حفاظت کر رہے ہیں؟''

یوگا جاننے والے افسر نے کہا۔ ''جے' بلرام اور بھنڈاری صرف ٹیلی پیتھی نہیں جانتے' کالا جادو بھی جانتے ہیں۔ وہ اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کے ذریعے فرہاد علی تیمور کو اپنا غلام بنا چکے تھے۔ اگرچہ وہ ان کی گرفت سے نکل چکا ہے مگر ان تینوں کے خوف سے منظر عام پر نہیں آ رہا ہے۔''

وہ ایک ذرا توقف سے بولا۔ ''را ایجنسی کے افسران کا دعویٰ ہے کہ وہ ان تینوں کے ذریعے پاکستان کے خفیہ جوہری اثاثوں تک ضرور پہنچیں گے۔ ہماری سی آئی اے کو اور موساد کو ان سے تعاون کرنا چاہیے۔''

''ہم ضرور تعاون کریں گے۔ وہی ایک اسلامی ملک ایٹمی قوت ہے۔ ہم یہ قوت ان سے چھین لینے کے لیے پیش پیش رہیں گے۔''

سی آئی اے کے ایک افسر نے پوچھا۔ ''کیا مسلمان ٹیلی پیتھی جاننے والے ہمارے راستے کی دیوار نہیں بنیں گے؟''

ایک یوگا جاننے والے افسر نے کہا۔ ''ہم نے بابا صاحب کے ادارے سے وعدہ کیا تھا کہ وہ جے بلرام اور بھنڈاری سے ہمیں تحفظ دیں گے تو ہم کبھی پاکستان کے خلاف انڈیا کا ساتھ نہیں دیں گے۔''

دوسرے افسر نے کہا۔ ''لیکن سیاسی اور جغرافیائی پہلوؤں سے انڈیا ہمارے لیے بہت اہم ہے۔ اس لیے ہم بابا صاحب کے ادارے سے وعدہ خلافی کر رہے ہیں۔''

ایک نے پوچھا۔ ''اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟''

''یہی کہ مسلمان ٹیلی پیتھی جاننے والے ہمارے دشمن بن جائیں گے۔ کوئی بات نہیں۔ ابھی حالات ہمارے لیے سازگار ہیں۔ ہم مسلمانوں سے نمٹ لیں گے۔''

اجلاس کے اختتام پر وہ اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر جانے لگے۔ ایک کار میں سی آئی اے اور موساد تنظیم کے دو افسر اور دو جاسوس جا رہے تھے۔ ایک نے کہا۔ ''واقعی۔ یہ سنہری موقع ہے۔ سونیا اور فرہاد کی غیر موجودگی میں ہم پاکستان کے جوہری اثاثوں تک پہنچ سکیں گے۔''

دوسرے نے کہا۔ ''یوگا جاننے والے افسران بابا صاحب کے ادارے سے وعدہ خلافی کر رہے ہیں مگر انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا ہے۔ روحانی ٹیلی پیتھی جاننے والے ان کی اس دوغلی پالیسی سے بے خبر ہیں۔''

اس کی بات ختم ہوتے ہی کار ڈرائیو کرنے والے نے اچانک رفتار بڑھا دی۔ سامنے سے ایک آئل ٹینکر آ رہا تھا۔ موساد کے اعلیٰ افسر نے گھبرا کر کہا۔ ''یہ کیا کر رہے ہو؟ رفتار کم کرو۔ اپنے ٹریک پر چلو۔''

اس کے بولتے بولتے تیز رفتار کار آئل ٹینکر سے ٹکرا گئی۔ ایک زوردار دھماکا ہوا۔ آگ کے شعلے بلند ہوئے۔ اس کے ساتھ وہ چاروں اپنی اپنی زندگیوں سے بچھڑ گئے۔

دوسری گاڑی میں یوگا جاننے والے دو افسران اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک مسلح باڈی گارڈ پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ ایک افسر کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ دوسرا کہہ رہا تھا۔ ''میں نے مائیکل اور گاگی ڈی البرٹ سے کہا ہے کہ وہ ہمارے اندر موجود رہیں۔ مسلمان ٹیلی پیتھی جاننے والے کسی وقت بھی ہمیں نقصان پہنچانے آسکتے ہیں۔''

پیچھے بیٹھے ہوئے مسلح گارڈ نے اپنی گن سے اس کا نشانہ لیتے ہوئے کہا۔ ''تم نے خطرے کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ اس کے باوجود خطرے کو دعوت دی۔ لو... میں نے

دعوت قبول کی۔''

یہ کہتے ہی اس نے یوگا جاننے والے کو گولی مار دی۔ دوسرے نے فوراً ہی کار روکتے ہوئے اپنے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو آواز دی۔ ''مائیکل! البرٹ! اُسے روکو۔ اس سے گن چھین لو۔''

البرٹ نے کہا۔ ''ہم اس باڈی گارڈ کے دماغ پر قبضہ جمانا چاہتے ہیں مگر ناکام ہو رہے ہیں۔ آپ فوراً یہاں سے بھاگیں۔ بچاؤ کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔''

وہ دروازہ کھول کر کار سے نکل کر بھاگنے لگا۔ کچھ دور بھاگتے رہنے کے بعد اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ دشمن باڈی گارڈ اس کے تعاقب میں نہیں آ رہا تھا۔ فی الحال اس کی جان کو خطرہ نہیں تھا۔ اس نے البرٹ سے کہا۔ ''دیکھو۔ وہ کم بخت کہاں ہے؟''

''وہ اسی کار میں ہے۔ اس نے ہمارے ایک افسر کو گولی ماری ہے۔ پولیس والوں نے اس کی کار کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اب وہ پولیس کسٹڈی میں رہے گا۔ ادھر نہیں آسکے گا۔''

اس افسر نے اپنے لباس سے ایک ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔ ''اس دشمن باڈی گارڈ سے بچنے سے کیا ہوتا ہے؟ کیا میں اپنے آپ سے بچ پاؤں گا؟''

البرٹ اور مائیکل نے حیرانی سے پوچھا۔ ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا آپ کے اندر سما گیا ہے؟''

''ہاں۔ انہوں نے ہمارے دماغوں کو مقفل کیا تھا۔ تُّے بلرام اور بھنڈاری ہمارے اندر نہیں آسکتے تھے۔ اب وہ مقفل کرنے والے آ رہے ہیں۔ ہماری موت کو عبرت ناک بنا رہے ہیں۔ تم دونوں جاؤ۔ باقی افسران کو بتاؤ کہ ہم کس طرح اس دنیا سے گئے ہیں؟''

یہ کہتے ہی اس نے ریوالور کو کنپٹی پر رکھ کر گولی چلا دی۔ فائر کی ایک آواز ہوئی پھر قصہ تمام ہو گیا۔

سونیا بستر پر پڑی سامنے دیوار کو تک رہی تھی۔ وہ تمام مناظر اس کی نگاہوں کے سامنے سے گزر چکے تھے پھر اسے وہی شفقت بھری آواز سنائی دی۔ ''یہ فرہاد کا آخری معرکہ ہے۔ دنیا چھوڑنے سے پہلے وہ موجودہ تمام دشمنوں سے نمٹ لینا چاہتا ہے۔''

''وہ ابھی امریکی اکابرین سے نمٹ رہا ہے۔ وہ بلی وہاں نظر نہیں آئی۔''

''وہ یہاں ہے۔''

''یہاں...؟'' اس نے حیرانی سے پوچھا۔

''ہاں۔ اس حجرے میں ہے۔''

''میاؤں...'' دھیمی سی آواز سنائی دی۔

اس نے تکیے پر دائیں بائیں سر گھما کر دیکھا پھر کہا ''یہاں ہے پھر مجھے کیوں نظر نہیں آ رہی ہے؟ ابھی میں نے پہلی بار اس کی آواز سنی ہے۔''

''تمہارا زیادہ وقت غفلت میں گزرتا ہے۔ تم اپنے حواس میں نہیں رہتی ہو۔ اسے کیا دیکھو گی' جبکہ خود سے غافل رہتی ہو۔''

وہ اچانک ہی کہیں سے اچھل کر بستر پر آگئی۔ سونیا کے پہلو میں آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے پوچھا۔ ''اس حجرے میں کسی کو آنے کی اجازت نہیں ہے پھر یہ کیسے آئی ہے؟''

''رازداری سے آئی ہے۔ حجرے کو مقفل رکھنے کی مصلحت یہی ہے کہ کسی کو اس کی موجودگی کا علم نہ ہو۔''

''اسے یہاں آنے کی اجازت کیوں دی گئی ہے؟''

''اسے نئی زندگی ملنے والی ہے۔ یہ اس دنیا کا دستور ہے۔ کوئی قبر کی کوکھ میں جاتا ہے' کوئی ماں کی کوکھ سے نکل آتا ہے۔ میری بچی! تمہیں الوداع کہنا ہے اور اسے خوش آمدید...''

حجرے کی محدود فضا میں خاموشی چھا گئی۔ بڑی سوگوار خاموشی تھی۔ اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ ''سوجا... سوجا شہزوری سوجا... تُو نے بہت طویل جنگ لڑی ہے۔ اب بس کر... آرام کر...''

''کلمۂ شہادت... میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ ایک ہے اور لاشریک ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔

کوئی یہاں دائم رہنے نہیں آتا۔ ہر ذی روح کو اپنے مقررہ اختتام تک پہنچنا ہی پڑتا ہے۔''

اعلیٰ حضرت کے حجرے سے تلاوت کی آواز آ رہی تھی۔ یہ سونیا کی رخصتی پر پہلی قرآن خوانی تھی۔ حجرے کی بند چار دیواری میں ایک رخصت ہو گئی۔ دوسری آ گئی... کیسے آ گئی؟

وہ ابدی نیند سونے والی پر چادر ڈالنے لگی پھر ذرا رک گئی۔ سونیا کی دائیں کلائی پر ایک سیاہ تل تھا۔ اس کی دائیں کلائی پر بھی ویسا ہی تل دکھائی دے رہا تھا۔

سونیا کی گردن کے نیچے ہلکا سا زخم کا نشان تھا۔ اس کی گردن کے نیچے بھی بالکل ویسا ہی نشان تھا۔

''اے! تُو جا چکی ہے یا آ چکی ہے؟ کون ہے تُو...؟''

ٹیلی پیتھی کے فسوں کار فرہاد علی تیمور کی اس مقبول عام سرگزشت کے مزید واقعات آئندہ شمارے میں پڑھیے

# دیوتا

**33 سال تک قارئین کے دلوں پر راج کرنے والی، دنیا کی کسی بھی زبان کی**
**1977 طویل ترین اور ہوش ربا داستان کا آخری باب 2010**

فرہاد علی تیمور

زندگی کیا ہے...... پہلی سانس سے لے کر آخری ہچکی تک مسلسل کوشش...... اِسرار و تحیّر میں لپٹی دو نسلوں تک پڑھی جانے والی یہ داستاں در داستاں بہت کچھ مکمل کرنے کے باوجود شاید بہت سے عنوان ادھورے چھوڑے جا رہی ہے...... دلوں کو تھام کر بیٹھو کہ اب شمال کی جانب..... کُھلنے والی اس کھڑکی کے بند ہونے کا وقت قریب آگیا ہے...... جہاں سے مقناطیسی ہوائیں گزر کر ایک عام سے انسان کو اس قدر خاص بنا گئی تھیں کہ اپنی کشش میں جکڑ کر اتنی طویل مسافت طے کر ڈالی اور احساس تک نہ ہوا...... ٹیلی پیتھی کے اس بے تاج بادشاہ نے کبھی شکست کا سامنا نہیں کیا...... جب چاہا کسی کے بھی دماغ پر دستک دے ڈالی...... کسی کی بھی سوچوں میں خاموشی سے اتر گیا...... اور اب اس کی چھٹی حس اسی کے سفر کے اختتام کی جانب اشارہ کر رہی ہے!

سونیا...... وہ دلوں میں دھڑکنے والی...... وہ بجلیاں گرانے والی اس بار اپنا ہی چراغِ زندگی گُل ہونے سے نہ بچا سکی...... وہ جنم جنم ساتھ نبھانے کے خواب دیکھنے والی خوابوں میں ڈھلتی جا رہی ہے...... یہ زندگی بہت دوڑاتی ہے...... اس کے باوجود زندگی کی کہانی ختم ہونے کے لیے ہی ہوتی ہے۔ بے شمار جانی انجانی گتھیوں کو سلجھانے والی ایک شعلہ بدوش داستان جس کی انفرادیت، برتری اور اکملیت نے ایک دنیا کو حیران کیے رکھا...... صدیوں کی مسافت لمحوں میں طے کرنے والے دیوتا ''فرہاد علی تیمور'' کی طویل داستان اب رختِ سفر باندھتی ہے۔

کیا ہوا تھا؟

قیامت آئی اور گزر گئی...... کچھ اس طرح جیسے شور مچاتی ہوئی ٹرین آئی اور چند لمحوں میں گزر گئی ہو۔

موت سے پہلے بھی بہت شور ہوتا ہے۔ بیماریوں کا شور...... بڑھاپے کا شور...... بم دھماکوں کا شور......اور پھر...... پیچھے رہ جاتا ہے گہرا سناٹا......سفید برف جیسا سرد خاموش اور پُراسرار سناٹا......

بابا فرید واسطی کے کمرے میں ایسا ہی سناٹا چھا گیا تھا۔ زندگی کی حرارت، سانسوں کی سرسراہٹ اور دھڑکنوں کی آہٹ دم توڑ چکی تھی۔ جب کوئی اپنا پیارا رشتہ دائمی جدائی دیتا ہے تو لگتا ہے زمین پھٹ جائے گی، آسمان ٹوٹ پڑے گا، بجلی گر پڑے گی...... وہاں سونیا، سب کے دلوں کی دھڑکن، سب کی جان ابدی نیند سو چکی تھی لیکن نہ تو زمین پھٹ پڑی تھی، نہ آسمان ٹوٹا تھا، نہ ہی بجلی گری تھی۔ حقیقت میں تو ایسا کچھ نہیں ہوتا مگر دل کے جذبات اور احساسات یہی سمجھاتے ہیں جیسے بھونچال آ گیا ہو۔ بھونچال تو آیا تھا۔ سینے کے اندر دل کی دھڑکنیں تہ و بالا ہو کر رہ گئی تھیں۔ فرہاد علی تیمور...... اپنی سونیا سے دور تھا۔ آخری وقت میں اس کے پاس نہیں تھا لیکن جیسے اس کے کان کے پاس کسی نے سرگوشی کی تھی۔ ”انا للہ وانا الیہ راجعون......“

یہ صرف سرگوشی نہیں تھی، ایک خبر تھی۔ اسے ہر لمحہ اس بری خبر کا دھڑکا تو لگا ہی رہتا تھا اور آج بالآخر وہ بری گھڑی آ گئی تھی، اس بری خبر کی ساتھ کہ سونیا اس سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئی ہے خواب میں بتائی گئی پیش گوئی پوری ہو چکی تھی کیونکہ پیش گوئی کے مطابق وہ آخری سانس تک سہاگن رہی تھی۔

ہاں۔ وہ سہاگن تھی...... زندگی کی آخری ہچکی تک...... بینائی کے آخری دُھندلکے تک...... کانوں میں اترنے والی آخری آواز تک......اور دل میں ابھرنے والی آخری خواہش کے پورا ہونے تک وہ سہاگن تھی۔

آمنہ کے ساتھ انوشے، عالی، الپا، کبریا، پارس، پورس اور ایمان علی اس مقفل حجرے کے دروازے پر پہنچے ہوئے تھے۔ سب ہی کی آنکھیں نم تھیں۔ اعلیٰ حضرت کی طرف سے ملنے والی خبر کے باوجود کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ سونیا کا آخری دیدار ہونے والا ہے۔ ایسا ہی لگ رہا تھا، جیسے دروازہ کھلے گا اور جب وہ اندر جائیں گے تو اچانک ہی کوئی معجزہ ہو جائے گا مگر اب کوئی معجزہ ہونے والا نہیں تھا۔ جو سب کی جان تھی، وہ جاں سے گزر چکی تھی۔ آمنہ نے آگے بڑھ کر مقفل دروازے کو کھولا۔ ایسے وقت سب ہی ٹھٹک گئے جب دروازہ کھلتے ہی ایک بلی اس کمرے سے باہر آئی تھی۔ عالی نے آنسو پونچھتے ہوئے شدید حیرانی سے کہا۔ ”یہ حجرہ تو لاکڈ تھا پھر یہ بلی......؟“

وہ آرام سے چلتی ہوئی ذرا دور جا کر ایک ... گئی۔ آمنہ نے ایک نظر اس پر یوں ڈالی جیسے بلی کی موجودگی کوئی غیر معمولی بات نہ ہو، پھر پلٹ کر اندر چلی گئی۔ سب ... حیران تھے کہ اس مقفل کمرے میں بلی کہاں سے آ گئی؟

آمنہ کے بعد عالی اور الپا نے حجرے میں قدم رکھا۔ دھڑکنیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ یہ سوچ کر ہاتھ پیروں ... جان نکل رہی تھی کہ چند ہی لمحوں بعد وہ ماں کی بے جان صورت دیکھنے والے ہیں۔ کمرے میں ایک طرف وہ ... دکھائی دے رہا تھا، جہاں زندگی سے بے نیاز وجود سر ... پاؤں تک ایک چادر میں چھپا ہوا تھا۔

الپا اور عالی آگے بڑھتے بڑھتے ذرا ٹھٹک گئیں۔ سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ سوال یہی تھا کہ اس مرنے والی کے چہرے پر چادر کس نے ڈالی؟ ان کے ... آنے والے پارس، پورس، کبریا اور ایمان علی بھی ٹھٹک ... تھے۔ اس حجرے میں آخری وقت تک کوئی نہیں آیا تھا۔ ... دلوں پہلے آمنہ اس کی تیمارداری کے لیے وہاں آتی رہی تھی لیکن پھر اعلیٰ حضرت کے منع کرنے کے بعد سے اس نے بھی وہاں ... رُخ نہیں کیا تھا۔ سونیا اپنی زندگی کے آخری لمحات میں بالکل ... رہی تھی اور یہ ممکن نہیں تھا کہ دم توڑنے والی نے خود کو ... ہاتھوں سے چادر میں چھپا لیا ہو۔

کبریا دروازے کے پاس کھڑا تھا۔ اس نے سر گھما کر باہر دیکھا۔ حجرے سے نکل کر جانے والی بلی ذرا دور گردن ڈالے بیٹھی ہوئی تھی۔ بیٹھنے کا انداز ایسا تھا، جیسے بہت صدمہ ... رہی ہو۔ کبریا سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ آمنہ نے آگے بڑھ کر چادر اُلٹ دی تھی۔ عالی کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا تھا۔ وہ دھاڑیں مارتی ہوئی گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے سونیا کے چہرے کو سہلاتے ہوئے ... پکارنے لگی۔ ”مما! میں عالی...... آپ کی بیٹی آپ سے ملنے آئی ہے۔ پلیز آنکھیں کھولیں۔ میری طرف دیکھیں۔ ایک بار ... جان کہہ کر سینے سے لگا لیں مما......! پلیز مما......!“

اس سوگوار اور خاموش کمرے میں ایک بیٹی کی آہیں گونج رہی تھیں۔ الپا فرش پر اس کے پاس بیٹھ گئی۔ اسے سنبھالنے لگی مگر وہاں کسی کا دل سنبھلنے والا نہیں تھا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی۔ سونیا اور فرہاد کے بیٹے بہت ہمت والے تھے۔ باپ کا جگر اور ماں کا حوصلہ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ بہترین پرورش نے انہیں چٹان بنا دیا تھا۔ برے حالات اور دشمنوں کی جان لیوا سازشیں ان کے قدم اکھاڑ نہیں پاتی تھیں مگر ان لمحات میں وہ چٹانیں جیسے ٹوٹ کر رہ گئی تھیں۔

بے شک! مرد نہیں رویا کرتے لیکن جان سے ...



رشتوں کی دائمی جدائی ایسی چوٹ پہنچاتی ہے کہ پتھر دل بھی رو پڑتے ہیں پھر اُن کی تو جنت کھو گئی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں میں انہیں کھلانے والی اُن کے ہاتھ خالی کر کے جا چکی تھی۔ جیسے کوئی کارواں لُٹ جاتا ہے، وہ اسی طرح لٹے لٹائے تہی داماں اس حجرے میں پہنچے ہوئے تھے۔ پارس اور پورس اس کے قدموں میں فرش پر بیٹھ گئے، جیسے شہتیر گر پڑے ہوں۔ کبریا سونیا کے دائیں پہلو میں فرش پر بیٹھ گیا تھا۔ عالی اس ماں کی بیٹی تھی، جس نے کبھی زندگی کے کسی موقعے پر حوصلہ نہیں ہارا تھا۔ وہ اسی ماں کا دل گردہ لے کر پیدا ہوئی تھی، مگر ان لمحات میں ٹوٹ رہی تھی، بکھر رہی تھی۔ الپا کے ساتھ انوشے بھی اسے سنبھال رہی تھی۔

آمنہ بھی صدمے سے ٹوٹ رہی تھی۔ بھیگی ہوئی آنکھوں سے سوکن کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بے جان چہرہ جیسے یک بہ یک مسکرانے لگا۔ زبانِ بے زبانی سے کہنے لگا۔ ”زندگی کیا ہے؟ پہلی سانس سے آخری ہچکی تک مسلسل کوشش...... ایک دوڑ...... ایک ضد...... سب سے آگے نکل جانے کی، سب کچھ حاصل کر لینے کی، جو نہ ملے اسے چھین لینے کی۔

بہت عرصہ ہوا، تمہارے اور میرے درمیان فرہاد کے معاملے میں ایک جنگ شروع ہوئی تھی۔ تم اُسے مجھ سے اور میں اُسے تم سے چھین لینا چاہتی تھی۔ سوکن چاہے مٹی کی ہو، کوئی عورت اسے برداشت نہیں کرتی۔ ہم جیتی جاگتی سوکنیں تھیں۔ ایک مرد کو صرف اپنا بنا کر رکھنے کے لیے ایک دوسرے کا خون کرنے سے بھی باز آنے والی نہیں تھیں۔ ہمارے بیچ یہ چھینا جھپٹی، یہ رسا کشی بہت عرصے تک جاری رہی پھر جیسے سب کچھ معمول پر آ گیا۔ تم نے مجھے اور میں نے تمہیں قبول کر لیا۔ کیونکہ ہم فرہاد کو دل سے قبول کر چکی تھیں۔“

سونیا چپ تھی مگر ایسا ہی لگ رہا تھا، جیسے اپنی عادت کے مطابق مسکرا کر بول رہی ہو۔ ”میں اپنی زندگی میں کبھی فرہاد کی زندگی سے الگ نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ میرے اندر اتنا حوصلہ ہی نہیں تھا لیکن آج دیکھو! ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دور ہو گئی ہوں......“

آمنہ کے حلق سے دبی دبی ہچکیاں اور سسکیاں ابھرنے لگیں۔ وہ مرنے والی بڑی خاموشی سے بول رہی تھی۔ ”اب وہ صرف تمہارا ہے آمنہ! میں اُسے پورے کا پورا تمہیں سونپ کر جا رہی ہوں۔ یہ نہ تو میرا بڑا پن ہے اور نہ ہی کوئی قربانی...... جو ہو رہا ہے، قدرتی طور پر ہو رہا ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ میرے آخری وقت میں فرہاد کا ہاتھ میرے ہاتھ میں نہیں تھا مگر دائمی خوشی اور سکون یہ ہے کہ میں آخری دم تک سہاگن رہی۔ خدا تمہیں بھی یہ خوشی دیکھنا نصیب فرمائے......“

آمنہ منہ پر آنچل رکھ کر ہچکیوں، سسکیوں کو روکتی ہوئی بستر کے قریب ہی فرش پر بیٹھتی چلی گئی۔ ”تم ہار کر بھی جیت گئیں سونیا! تمہارا پیار امر ہو گیا اور میں...... میں جیت کر بھی ہار رہی ہوں۔ جس فرہاد کو مجھے سونپ کر گئی ہو، میں کبھی اسے پا نہیں سکوں گی۔ وہ اس دنیا میں تو ہے لیکن نہ ہونے جیسا......“

اس نے روتے روتے سر جھکا لیا، بستر کے سرے پر ٹکا لیا۔ اس کے اندر سے آہیں ابھر رہی تھیں۔ ”سونیا......! تم واقعی بہت خوش نصیب ہو۔ یہ کبریا، پارس، پورس اور فرہاد...... آخری آرام گاہ تک پہنچانے کے لیے تمہیں یہ چاروں کاندھے نصیب ہو رہے ہیں لیکن میں...... میں وہ بدنصیب عورت ہوں، جسے آخری وقت میں نہ تو شوہر کا ساتھ ملے گا اور نہ ہی کاندھا...... اور نہ ہی سہاگن کا خطاب...... تم جیت گئیں سونیا! تم جیت گئیں...... خدا تمہاری روح کو سکون دے، آمین......!“

الپا اگرچہ عالی کو سنبھال رہی تھی مگر خود اندر ہی اندر بکھر رہی تھی۔ سونیا اس کی ساس تھی لیکن ساس سے بڑھ کر ایک ماں تھی۔ اس کی دائمی جدائی کا صدمہ ایسا ہی تھا، جیسے اس سے ممتا کی چھاؤں اور آغوش چھین لی گئی ہو۔

وہ روتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ ”مما! میں نے آپ سے بہت کچھ سیکھا۔ بہت سی ایسی باتیں جو ہمیشہ زندگی کے ہر موڑ پر میری کامیابی کا سبب بنتی رہیں گی لیکن سب سے اہم بات یہ سیکھی کہ عورت بے شک صنفِ نازک ہوتی ہے مگر کمزور نہیں ہوتی۔ یہ لہو کے رشتوں پر جہاں رحمت کی چھاؤں بن کر رہتی ہے، وہیں دشمنوں پر بجلی بن کر گرتی ہے۔“

اس نے ایک گہری سانس لے کر سوچا۔ ”مجھے فخر ہے کہ میں بہو بن کر اس خاندان میں آئی۔ جہاں سونیا جیسی ماں، فرہاد علی تیمور جیسا باپ اور پارس جیسا شوہر ملا۔ اس خاندان کے ہر فرد کو خداداد غیر معمولی صلاحیتیں نصیب ہوئی ہیں اور مجھے اس بات کی بھی خوشی ہے کہ جو صلاحیتیں اس فیملی کی میراث ہیں، وہ میری بیٹی انوشے کے ذریعے میری آئندہ نسل تک منتقل ہوتی رہیں گی۔“

ان لمحات میں سب ہی کے ہونٹ خاموش تھے مگر سوگوار دل بول رہے تھے۔ اس حجرے کے باہر ادارے کے تقریباً سب ہی افراد جمع ہو گئے تھے۔ کسی بھی نامحرم کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی دیگر خواتین بھی فی الحال اندر نہیں آ رہی تھیں۔ فضا اداس تھی ...... مرحومہ کا سوگ منانے کے لیے حجرے میں ہجوم سے پرہیز کیا جا رہا تھا۔ پورے ادارے میں گہری سوگواری چھائی ہوئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اعلیٰ حضرت نے حجرے میں قدم رکھا۔ اُن کے چہرے پر ماتمی سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ وہاں داخل ہوتے ہوئے ان کی نگاہیں سونیا کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

آنکھوں میں آنسو نہیں تھے لیکن چہرے کی شکستگی بتا رہی تھی کہ دل رو رہا ہے اور زار و زار رو رہا ہے۔ اس وقت صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ سونیا جیسی بیٹی کی دائمی جدائی نے ایک باپ کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔ وہ شکستہ قدموں سے چلتے ہوئے اس کے بستر کے قریب آئے تو عالی اٹھ کر ان سے لپٹ گئی۔ روتے ہوئے کہنے لگی۔ ''مما چلی گئیں۔ میری مما چلی گئیں اعلیٰ حضرت......!''

وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ایسے تھپکنے لگے' جیسے نواسی کے بہانے خود کو تھپک رہے ہوں' دلاسہ دے رہے ہوں پھر انہوں نے کہا۔ ''صبر کرو بیٹی! سونیا کا غم سب ہی کے لیے بھاری ہے۔''

پھر انہوں نے کبریا' پارس اور پورس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''جب کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اس کے لیے روتے نہ رہو جو چلا گیا۔ اپنے لیے آنسو بہاؤ کہ ابھی ہم اس گناہ آلود دنیا میں مزید گناہ کرنے کے لیے زندہ رہ گئے ہیں۔''

پھر انہوں نے دونوں ہاتھ بلند کر کے سونیا کو دیکھتے ہوئے دعا مانگی۔ ''خدا میری بیٹی کا حساب آسان کرے اور اسے قبر کے عذاب سے محفوظ رکھے اور اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔''

انہوں نے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے آمین کہا۔ ان کے ساتھ ہی آمین کی صدائیں بلند ہوئیں۔ عالی نے روتے ہوئے کہا۔ ''اعلیٰ حضرت! مرنے والے کی آخری خواہش ہر صورت پوری کی جاتی ہے۔ میں قدرت کے بھید سمجھ نہیں سکتی لیکن مجھے یقین ہے' مما کی ایک خواہش پوری ہو گئی ہے۔ وہ زندگی سے منہ موڑنے تک سہاگن رہی ہیں۔ میرے پاپا کہیں زندہ ہیں لیکن مما کی آخری خواہش کا کیا ہوگا؟ یہ یہاں ہیں اور وہ کہیں اور ہیں تو مما کو آخری آرام گاہ تک پہنچانے کے لیے ان کا کاندھا کیسے نصیب ہوگا؟ خدارا! پاپا کو بلائیں۔ بے شک۔ وہ ہم میں سے کسی سے نہ ملیں لیکن مما کی خواہش کو پورا کر دیں۔''

وہ بولتے بولتے ہچکیوں سے رونے لگی۔ فرہاد کی اولاد پر عجیب وقت آیا تھا۔ ایک طرف ماں داغِ مفارقت دے گئی تھی اور دوسری طرف باپ کا دیدار بھی نہیں ہو رہا تھا۔ وہ نادان بچے نہیں تھے۔ اچھے برے حالات سے بخوبی نمٹنا جانتے تھے۔

لیکن ہر انسان پر کبھی کبھی ایسا وقت آتا ہے جب عمر کا ایک طویل سفر طے کرنے کے باوجود دل کسی نادان بچے کی طرح تمنا کرتا ہے کہ رونے اور منہ چھپانے کے لیے ماں کی آغوش مل جائے۔ سنگدل حالات سے بچنے کے لیے باپ کا دستِ شفقت نصیب ہو جائے۔ عالی' کبریا' پارس اور پورس کا یہی بچپنا ماں کے غم میں باپ کو پکار رہا تھا۔

کیا باپ اُن کی پکار سننے والا تھا؟

فرہاد نے آج تک اپنی سونیا کی کسی بات کو رد نہیں کیا تھا۔ اس کی ایک پکار پر آندھی طوفانوں سے لڑتا ہوا چلا آتا تھا۔

کیا اب وہ اس کی پکار سننے والا تھا......؟ اس کی آخری خواہش کا احترام کرنے والا تھا......؟

وہ ڈولی میں آنے والی' جنازے پر جانے والی تھی۔ وہ سہاگن تھی اسی لیے اپنے سہاگ کا کاندھا مانگ رہی تھی۔

کیا وہ اپنی مجبوریوں کے باوجود ایک بیوی کو اس کا حق دینے والا تھا......؟ فرہاد کو کبھی حالات کی زنجیریں جکڑ کر نہیں رکھ پائی تھیں...... کیا اس بار وہ جکڑا ہوا تھا......؟ کیا پابندیوں کو توڑ کر آ سکتا تھا؟

اور پھر...... شاید وہ آ گیا......

سب ہی نے چونک کر حجرے کے دروازے کی طرف دیکھا۔ ایک سفید پوش شخص اندر داخل ہو رہا تھا۔ اگرچہ سر کے اور ڈاڑھی کے بال اس کے لباس کی طرح سفید تھے مگر وہ چہرے سے عمر رسیدہ نہیں لگ رہا تھا۔ ہاتھوں کی اور چہرے کی جلد پر جھریاں نہیں تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا' جیسے وقت سے پہلے اس پر بڑھاپے کی سفیدی چھا گئی ہو۔

وہ کون تھا؟ کوئی اسے جانتا نہیں تھا۔ ادارے میں پہلے کبھی اسے دیکھا نہیں گیا تھا پھر وہ اچانک ہی کہاں سے چلا آیا تھا؟ سب سے بڑی بات یہ کہ اس حجرے میں کوئی بھی نامحرم داخل نہیں ہو سکتا تھا اور اس نے اجازت لینا تو دور کی بات ہے داخل ہونے سے پہلے دستک بھی نہیں دی تھی۔

وہ کون تھا؟

یہ سوال پارس' پورس' کبریا' عالی' الپا' ایمان علی سب ہی کے اندر پیدا ہو رہا تھا۔ وہ چہرہ ہر ایک کے لیے اجنبی تھا مگر اس کے لیے وہاں کوئی بھی اجنبی نہیں تھا۔ وہ سب اس کے اپنے تھے لیکن کبھی کبھی حالات اپنوں کے درمیان اجنبی بن کر رہنے پر مجبور کر دیتے ہیں اور فی الحال وہ اجنبی بن کر رہنے والا تھا۔

وہ حجرے میں داخل ہو کر دو قدم چل کر رک گیا تھا' جیسے آگے بڑھنے کی سکت نہ ہو۔ کھڑے ہونے کا انداز ایسا تھا' جیسے اپنے ہی بوجھ کو اپنے کاندھوں پر لادا ہو اور اس بوجھ کو اٹھاتے اٹھاتے تھک گیا ہو۔ جیسے اب ایک بھی قدم آگے بڑھائے گا تو گر پڑے گا' اپنے ہی بوجھ تلے دب جائے گا۔ چہرہ پُرنور تھا مگر ان لمحات میں بجھا بجھا سا تھا۔ اداسی' مایوسی اور صدمے کے تاثرات ایسے گہرے تھے جیسے اُس کا جہان لُٹ چکا ہو۔ وہ زندہ تھا لیکن زندگی سے بہت دور محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی نگاہیں سونیا کے بے جان چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں اور وہاں موجود افراد کی سوالیہ نظریں اسے ٹٹول رہی تھیں۔ اعلیٰ حضرت سونیا کے بستر کے قریب کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس سفید پوش کو دیکھا پھر سر جھکا لیا جیسے زبانِ بے زبانی سے اظہارِ افسوس کر



رہے ہوں۔ وہ جیسے پتھر کا ہو گیا تھا۔ صاف لگ رہا تھا' سونیا کی موت اسے شدید صدمہ پہنچا رہی ہے مگر کیوں پہنچا رہی ہے؟

الپا نے خیال خوانی کے ذریعے پارس کے اندر آ کر پوچھا۔ ''یہ کون ہے؟''

اس نے سوچ کے ذریعے کہا۔ ''معلوم نہیں۔''

''ایک اجنبی شخص مما کے کمرے میں چلا آیا ہے۔ کیا یہ معمولی بات ہے؟''

''یہ اجنبی نہیں ہے۔''

''کیا مطلب؟ ابھی تو تم نے کہا ہے' اسے نہیں جانتے؟''

''ہاں۔ نہیں جانتا پھر بھی اجنبی نہیں لگ رہا ہے۔ ذرا اس کے چہرے کو غور سے دیکھو! چند لمحوں تک یہ اجنبی لگتا رہا تھا مگر اب اس کے چہرے میں ایسی کشش ایسی اپنائیت محسوس ہو رہی ہے جیسے یہ کوئی غیر نہ ہو۔ ہمارا اپنا ہو۔ اس سے سگا لہو کا رشتہ ہو۔''

الپا ذرا دیر چپ رہی پھر بولی۔ ''کہتے تو تم ٹھیک ہو۔ مجھے بھی اس کی شخصیت میں اپنا پن محسوس ہو رہا ہے مگر یہ کون ہو سکتا ہے؟''

وہ ایک ایک قدم آگے بڑھنے لگا' جیسے جبراً اپنے وجود کو گھسیٹ رہا ہو' صدمات سے ٹوٹ رہا ہو۔

کبریا بھی الجھا ہوا تھا۔ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا' جاننا چاہتا تھا کہ آخر وہ کون ہے جسے اعلیٰ حضرت حجرے میں آنے سے روک نہیں رہے تھے؟ وہ انتظار میں تھا کہ سفید پوش شخص کچھ بولے تو وہ اس کی آواز اور لب و لہجے کو گرفت میں لے کر اس کے دماغ میں پہنچ جائے' اس کے بارے میں معلوم کرے۔

یہ بات عجیب تھی کہ وہ اجنبی اور انجان ہونے کے باوجود سب ہی کو اپنا اپنا سا لگ رہا تھا۔ اس کے لیے ایک عقیدت کا جذبہ پیدا ہو رہا تھا مگر کیوں ہو رہا تھا؟ شاید اس کی شخصیت ہی ایسی تھی لیکن نہیں...... عالی بھیگی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آمد سے پہلے وہ اعلیٰ حضرت سے التجا کر رہی تھی کہ وہ کسی بھی طرح فرہاد کو یہاں بلا لیں۔ سونیا کی آخری خواہش کو پورا کریں۔

اعلیٰ حضرت نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ایسے وقت وہ سفید پوش شخص جیسے جواب بن کر چلا آیا تھا۔ وہ ایک ایک قدم چلتا ہوا سونیا کے بستر کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

سونیا کے آخری لمحات میں بابا فرید واسطی اس کے پاس آئے تھے۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ باہر کی دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ خاص طور پر اسے فرہاد کی فکر تھی۔ یہ بھی فکر تھی کہ اس کے بعد دشمن اس کے بچوں کو ستاتے رہیں گے۔ تب بابا فرید واسطی نے اسے دیوار کی اسکرین پر دشمنوں کو نابود ہوتے دکھایا تھا۔ سونیا نے دیکھا تھا کہ ایک سفید پوش شخص خطرناک دشمنوں سے نمٹ رہا ہے۔ سونیا نے کہا تھا کہ وہ عابد اجنبی کچھ بولتا نہیں ہے۔ بولے گا تو وہ اسے پہچان لے گی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ فرہاد ہے۔

تب بابا فرید واسطی نے فرمایا تھا۔ ''وہ فرہاد ہی ہے۔ اگرچہ ایک نئے روپ بہروپ میں ہے۔ جیتے جی اپنی پہلی شخصیت کو ختم کر چکا ہے۔ اس کے باوجود پہچانا جا رہا ہے۔ وہ اپنے اور پرائے سب ہی کے ذہنوں میں ایسا نقش ہو چکا ہے کہ مٹائے نہیں مٹے گا...... ایسا جیئے گا کہ مرنے کے بعد بھی ہر آہٹ پر اس کا گمان ہوتا رہے گا۔ پتے بھی کھڑکیں گے تو دشمنوں کے دل دھڑکیں گے......''

ان لمحات میں دشمنوں کے نہیں' اپنوں کے دل دھڑک رہے تھے اور دھڑک دھڑک کر کہہ رہے تھے۔ ''اس شخص سے کوئی گہرا رشتہ ہے۔ سگا رشتہ...... لہو کا رشتہ......''

بابا فرید واسطی نے درست فرمایا تھا کہ وہ شخصیت بدلنے کے باوجود پہچانا جا رہا ہے اور جیسے وہ واقعی پہچانا جا رہا تھا۔

لہو کی کشش ایسی ہی ہوتی ہے۔

وہ کشش فرہاد کے بچوں کے اندر ایک مسرت اور سرشاری سی بھر رہی تھی۔ بعض اوقات ایسا ہی ہوتا ہے۔ لگتا ہے' بات سمجھ میں آ رہی ہے مگر پھر بھی سمجھنے کو بہت کچھ رہ جاتا ہے۔ پارس' پورس' کبریا' عالی' الپا اور ایمان علی کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو رہا تھا۔ وہ کچھ کچھ سمجھ رہے تھے مگر سمجھنے کے باوجود انجان تھے۔ واضح طور پر یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ وہ آنے والا' اپنا اپنا سا لگنے والا اُن کا کون ہے؟

آمنہ بستر کے دوسری طرف فرش پر بیٹھی ہوئی تھی۔ بڑی حسرت سے اس سفید پوش کو دیکھ رہی تھی پھر سونیا کی طرف دیکھ کر دل ہی دل میں بولی۔ ''تم سچ میں بہت خوش نصیب ہو سونیا! لو...... تمہاری آخری خواہش بھی پوری ہو گئی۔ یقیناً اب تمہاری روح کو قرار آ گیا ہوگا۔ کیونکہ فرہاد آ گیا ہے...... تمہیں کاندھا دینے...... آخری آرام گاہ تک پہنچانے......''

ہاں۔ وہ فرہاد ہی تھا...... فرہاد علی تیمور...... ٹیلی پیتھی کی دنیا کا شہنشاہ...... میرا راوی...... قارئین کا ہیرو...... دشمنوں کا دشمن...... دوستوں کا دوست...... بابا فرید واسطی کے کہنے کے مطابق ایک نئے روپ' ایک نئی شخصیت کے ساتھ وہاں پہنچا ہوا تھا۔

وہ سونیا کے بستر کے قریب کھڑا ہوا تھا۔ فرش پر بیٹھنا چاہتا تھا لیکن بیٹھتے ہوئے توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ لڑکھڑاتا ہوا

ایسے بیٹھا جیسے گر پڑا ہو۔ اس کی نگاہیں بدستور سونیا کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ جانِ حیات جاں سے گزر چکی تھی۔

فرہاد اپنی زندگی میں بڑے بڑے صدمات اٹھاتا رہا تھا لیکن کبھی حوصلہ نہیں ہارا تھا مگر سونیا کی دائمی جدائی کا صدمہ اٹھایا نہیں جارہا تھا۔ وہ سنبھلنے کے باوجود ٹوٹ رہا تھا۔ ”یا خدا! میری بجلی کی کڑک چمک بجھ گئی ہے۔ اس بار ایسی گری کہ اب کبھی نہیں چمکے گی، کبھی نہیں کڑکے گی، پھر کبھی نہیں گرے گی۔

کانوں سے سن کر یقین نہیں آرہا تھا۔ اب آنکھوں سے دیکھ کر بھی دل نہیں مان رہا ہے۔ کیسے مناؤں اس دل کو......؟ کیسے سمجھاؤں کہ زندگی کو زندگی کا احساس دلانے والی چلی گئی ہے؟ حالات کے تپتے صحرا میں مجھ پر بارش کی طرح برسنے والی اب نہیں رہی ہے۔ کہیں نہیں رہی ہے۔ وہ میری ایک آہٹ پر دوڑی چلی آنے والی، اب چیخ چیخ کر بلاؤں گا تو بھی نہیں آئے گی، کبھی نہیں آئے گی۔

اُف خدایا! یہ کیسی گھڑی ہے؟ لگتا ہے اندھیر ہو گیا ہے۔ کچھ نہیں رہا...... کچھ بھی تو نہیں رہا یہاں......“

وہ اندر ہی اندر رو رہا تھا۔ ماتم کر رہا تھا مگر اوپر سے خاموش تھا۔ جی چاہ رہا تھا، اس کے سر پر ہاتھ پھیرے، اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لے مگر میاں بیوی کا رشتہ بہت ہی نازک ہوتا ہے۔ یا تو جیتے جی تین لفظوں میں ٹوٹ جاتا ہے یا سانس کی ڈوری ٹوٹتے ہی ایسی دوریاں پیدا کر دیتا ہے کہ پلک جھپکتے شوہر اپنی بیوی کے لیے اور بیوی اپنے شوہر کے لیے نا محرم ہو جاتی ہے۔

وہ اپنی سونیا کے لیے نا محرم ہو گیا تھا۔ اسے چھو بھی نہیں سکتا تھا۔ اُف......! یہ کیسے قانون اور کیسے اصول ہیں۔ جس رشتے سے تمام رشتے وجود میں آتے ہیں، وہی اتنا نازک ہوتا ہے۔

ادارے کی فضا میں خاموشی اور اداسی گھلی ہوئی تھی۔ ہر چہرہ سوگوار تھا۔ ایسا لگ رہا تھا، سارے کام رک گئے ہیں۔ کرنے کو کچھ نہیں رہا، سوائے ماتم کے۔

مگر کسی کی سانسیں رکنے سے کچھ بھی رکتا نہیں ہے۔ ادارے کے تمام افراد اگرچہ افسردہ تھے مگر اپنے اپنے فرائض بھی انجام دے رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت کے حکم کے مطابق سونیا کے انتقال کی خبر ان خاص لوگوں تک پہنچادی گئی تھی، جو ادارے سے باہر دیگر سرگرمیوں میں مصروف رہتے تھے۔ بابا صاحب کے ادارے کے کارکن تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کی آمد کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا۔ دنیا کے مختلف اسلامی ممالک کی بڑی بڑی ہستیاں تعزیت کرنے آرہی تھیں۔

اعلیٰ حضرت نے یہ بھی تاکید کی تھی کہ یہ خبر اخبارات اور مختلف میڈیاز تک بھی پہنچادی جائے۔ بات کو بس پر لگنے کی دیر تھی پھر تو جیسے پوری دنیا میں ہلچل سی مچ گئی۔ ایک بھونچال سا آگیا۔ دنیا بھر کے ٹی وی چینل، انٹرنیٹ اور اخبارات کے ذریعے ایک ہی خبر گردش کرنے لگی لیکن چند ذرائع اسے عجیب سے انداز میں پیش کر رہے تھے۔ کہا جارہا تھا۔ ”ایک بار پھر خبر ملی ہے کہ سونیا کی ہلاکت ہو چکی ہے۔ یہ خبر ہے یا افواہ اس کے بارے میں فی الحال یقین سے کچھ کہا نہیں جاسکتا مگر پوری دنیا میں اس خبر نے ایک بار پھر تہلکہ مچادیا ہے۔“

اصل میں کچھ عرصہ پہلے بھی سونیا کی ہلاکت کی خبر کسی دھماکے کی طرح سنائی دی تھی پھر بعد میں پتا چلا کہ دھماکا تو ہوا تھا مگر وہ دشمنوں کے دلوں میں دھماکے کرنے والی کسی دھماکے کی نذر نہیں ہوئی ہے۔ وہ دنیا میں ابھی اور بجلیاں گرانے کے لیے زندہ ہے۔

اسی لیے کچھ لوگ مخمصے میں تھے مگر یہ بھی کہا جارہا تھا کہ اس بار یہ خبر بابا صاحب کے ادارے کی طرف سے جاری کی گئی ہے۔ افواہ نہیں ہو سکتی۔ یقیناً مصدقہ ہو گی پھر بھی عداوتیں رکھنے والے الجھے ہوئے تھے۔ تمام دشمنوں کے درمیان کھلبلی مچی ہوئی تھی۔

امریکی اکابرین بھی یہ خبر سن رہے تھے۔ ایک اعلیٰ عہدیدار یہ سنتے ہی اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں بازو پھیلا کر خوشی کا نعرہ لگاتے ہوئے بولا۔ ”یاہو...... وہ اونٹنی آخر آگئی نا موت کے پہاڑ کے نیچے...... وہ کیا کہتے ہیں......؟ ہاں؟ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی...... ہاہاہا......“

اس نے فاتحانہ انداز میں قہقہہ لگایا پھر کہا۔ ”آخر آگئی نا چھری تلے......؟“ اس نے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے دوسرے اعلیٰ اکابرین کو دیکھا۔ وہ سب خاموش تھے۔ کسی بھی طرح کا ری ایکشن ظاہر نہیں کر رہے تھے۔ اس نے کہا۔ ”ارے کیا ہوا......؟ تم لوگوں کو سانپ کیوں سونگھ گیا ہے؟ چیئر اپ دوستو......! جشن مناؤ......“

ایک اعلیٰ حاکم نے کہا۔ ”خاموشی سے اپنی کرسی پر بیٹھ جاؤ۔ اس بار ہم بندروں کی طرح چھلانگیں نہیں لگانا چاہتے۔“

دوسرے عہدیدار نے ٹی وی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ سب مسلمانوں کے تماشے ہیں۔ وہ پہلے ہمیں خوش فہمی میں مبتلا کر کے نچاتے ہیں، پھر ہمارے بھدے پاؤں ہمیں دکھاتے ہیں۔“

اس عہدیدار نے کہا۔ ”اس بار ایسا نہیں ہے۔ سونیا چلی گئی۔ مر گئی۔ خاک ہو گئی۔ مردے زندہ نہیں ہوتے۔“

”ہوتے ہیں۔ ہم برسوں سے دیکھتے آرہے ہیں۔ وہ لوگ جادو جانتے ہیں۔ مُردوں کو زندہ کر دیتے ہیں۔ کئی بار سنا کہ فرہاد مر گیا مگر وہ نہیں مرتا۔ مرتا بھی ہے تو زندہ ہو کر چلا آتا ہے۔ اب سونیا کے معاملے میں بھی یہی ہو رہا ہے۔ دیکھ لینا...... چند دنوں کے بعد وہ پھر سے زندہ ہو کر بجلیاں گرانے چلی آئے گی۔“

”ویسے بلائیں کبھی نہیں ٹلتیں۔ وہ بھی ہمارے سروں سے ٹلنے والی نہیں ہے۔“

ایک عہدیدار نے کہا۔ ”بس ایک ہی وجہ سے اس بار یقین کرنے کو دل کر رہا ہے کہ یہ خبر بابا صاحب کے ادارے کی طرف سے جاری کی گئی ہے۔“

اعلیٰ حاکم نے کہا۔ ”پھر بھی ہمارا یقین ڈانواں ڈول ہے۔“

ایک نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ ”یہ تو ہے۔ وہ دونوں میاں بیوی ایسے ہیں کہ انہیں اپنی آنکھوں سے مردہ حالت میں دیکھے بغیر کبھی یقین نہیں آئے گا۔“

”اور آنکھوں سے دیکھ کر یقین کرنے کے لیے کبھی بابا صاحب کے ادارے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ملے گی۔“

”مگر فرہاد کو تو ملے گی۔ وہ تو اپنی بیوی کی آخری رسومات ادا کرنے کے لیے وہاں جائے گا۔ بہت عرصے سے گمشدہ رہ کر پراسرار بنا ہوا ہے۔ ہمارے لیے سوالیہ نشان بنا ہوا ہے۔ اگر سونیا واقعی مر چکی ہے تو اب فرہاد کو اپنے خفیہ مورچے سے باہر نکلنا ہی پڑے گا۔“

دشمن انتظار میں تھے کہ روپوش رہنے والا فرہاد اب منظر عام پر آئے گا۔ یہ سمجھ نہیں سکتے تھے کہ ان کا انتظار...... انتظار بن کر ہی رہ جائے گا، وہ شاہکار کبھی سامنے نہیں آئے گا۔ آئے گا بھی تو پہچانا نہیں جائے گا کیونکہ وہ سامنے تھا، اپنوں کے درمیان تھا لیکن جیسے ہو کر بھی نہیں تھا۔ سونیا کی آخری رسومات ادا کی جا رہی تھیں۔ ادارے کے ماحول میں بدستور سوگواری گھلی ہوئی تھی۔ اسے سفید کفن میں لپیٹ کر لایا گیا تو ایسا لگا، جیسے زندگی کے سارے رنگ اڑ گئے ہیں، تمام رنگینیوں پر سفیدی چھا گئی ہے۔ فرہاد دور سے دیکھ رہا تھا، قریب نہیں جارہا تھا۔ وہ عمر بھر قریب رہنے والی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دور ہو گئی تھی اور اب چند لمحوں بعد منوں مٹی تلے چھپنے والی تھی۔

یا خدا......! اس کا یہ آخری سفر جیسے فرہاد کی جان لے رہا تھا۔ آنسوؤں، آہوں اور سسکیوں کے درمیان کلمہ شہادت کی صدائیں بلند ہوئیں۔ کتنے ہی دل ڈوبنے لگے۔ جب کوئی دنیا میں آتا ہے تو اسے پالنے میں لٹایا جاتا ہے اور جب کوئی دنیا سے جاتا ہے تو میت کا کھٹولا اٹھایا جاتا ہے۔

پارس، پورس اور کبریا میت کو کاندھا دینے آئے تو فرہاد بھی ان کے ساتھ تھا۔ کلمہ شہادت کی صداؤں میں جنازے کو کاندھوں پر اٹھایا گیا پھر وہ ایک ایک قدم چلتے ہوئے اس کی آخری آرام گاہ کی طرف جانے لگے۔ زندگی میں شاید پہلی بار کسی کمزوری کے بغیر فرہاد کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ وہ نہیں جانتا، اُس نے بابا فرید واسطی کے حجرے سے سونیا کی آخری آرام گاہ تک کا فاصلہ کیسے طے کیا؟ کیسے خود کو گھسیٹ کر آخری آرام گاہ تک لایا؟ ان لمحات کو وہ اپنی آخری سانس تک کبھی بھول نہیں پائے گا۔

ادارے میں ایسے تکلیف دہ لمحات گزارنے اور اپنی جان کو منوں مٹی تلے چھپا دینے کے بعد اب وہاں اُس کا دم گھٹ رہا تھا۔ کسی نے دیکھا، وہ سفید پوش شخص دھیرے دھیرے چلتا ہوا ادارے کے مین گیٹ کی طرف جا رہا تھا۔ ایسے وقت وہ بلی اس کے ساتھ تھی پھر وہ دونوں صدر دروازے سے باہر نکل گئے، نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ وہ جیسے زبانِ بے زبانی سے اپنے تمام بچوں کو اور آمنہ کو الوداع کہہ گیا تھا۔

☆☆☆☆

یہ زندگی بہت دوڑاتی ہے۔ تھکا مارتی ہے۔ فرہاد اور سونیا ساری عمر دوڑتے رہے تھے۔ سونیا تھک ہار کر اس بھاگم بھاگ زندگی سے دور نکل گئی تھی، اب وہ تنہا رہ گیا تھا۔ اگرچہ وہ دونوں کبھی تھکنا اور ہارنا نہیں جانتے تھے لیکن قانونِ قدرت کے مطابق بڑھاپا آتا ہے۔ بیماریاں اور کمزوریاں مسلط ہوتی ہیں۔ آخری عمر میں کوئی شہزور رہ کر دنیا سے نہیں جاتا۔ کمزور ہو جاتا ہے۔ تب ہی موت سے ہار جاتا ہے۔

سونیا کے جاتے ہی اس نے خود کو تنہا کر لیا۔ اپنی باقی عمر بابا صاحب کے ادارے میں گزار سکتا تھا مگر اپنی جان کو قبر میں سلا کر ادارے سے نکل آیا تھا۔ آمنہ کو اور اپنے تمام بچوں کو الوداع کہہ چکا تھا۔ کبھی ضرورت کے وقت یا ہنگامی حالات میں خیال خوانی کے ذریعے ان سے کچھ بول سکتا تھا۔ ان کے لیے کچھ کر سکتا تھا۔ ورنہ کہیں روپوش اور خاموش رہ کر اپنی سونیا کے پاس جانا چاہتا تھا۔

جب وہ ادارے سے نکلا تو اس کے ساتھ کوئی اپنا پرایا نہیں تھا۔ صرف وہ چار پیروں والی سوی بھٹنا گر تھی۔ پیچھے پیچھے چلتی ہوئی کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟ صرف اعلیٰ حضرت جانتے تھے کہ وہ اُس راستے پر جا رہا ہے، جس کے آخری سرے پر اسے سونیا ملے گی۔

مخالفین کو اس سے کیا لینا تھا کہ وہ صدمات اٹھا رہا ہے۔ سونیا کے بغیر ٹوٹ کر رہ گیا ہے۔ اگر ٹوٹ چکا تھا تو ان کے لیے اچھا ہی تھا۔ آئندہ آسانی سے گرفت میں آنے والا

تھا۔ سب یہی سمجھتے کہ اس میں اب پہلے جیسی تیزی طراری نہیں ہوگی۔ جنگل کے خون آشام درندے بھی ایسے ہی سنہری موقعے کے منتظر رہتے ہیں کہ شیر بوڑھا ہو جائے، بیماریوں اور صدمات سے ٹوٹ جائے۔ ایسے وقت مخالفین کی عید ہو جاتی ہے۔

وہ سب جانتے تھے کہ سونیا کی تجہیز و تدفین کے سلسلے میں وہ ضرور آئے گا۔ بابا صاحب کے ادارے میں سب ہی رشتے دار آئے تھے لیکن تمام دشمن صرف اسی کی تاک میں تھے۔ ادارے کے باہر دور دور تک مختلف بہروپ میں چھپے ہوئے تھے۔ اپنے اوپر والوں کو اپنے اکابرین کو پل پل کی رپورٹ دیتے رہے تھے کہ کون اس ادارے کے اندر جا رہا ہے؟ کون باہر آرہا ہے؟

یوگا جاننے والے امریکا کے آرمی افسران اپنے دو ٹیلی پیتھی جاننے والوں مائیکل اور گائی ڈی البرٹ کے ذریعے معلومات حاصل کر رہے تھے۔ ان دو ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے چھ معمول اور تابعدار ادارے کے آس پاس کرائے دار کی حیثیت سے رہائش پذیر تھے۔ ہمیشہ صدر دروازے پر نظر رکھتے تھے۔ دوربین کے ذریعے گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے افراد کو دیکھ رہے تھے۔ جب کسی پر شبہ ہوتا کہ وہ فرہاد علی تیمور ہے تو وہ اس کا تعاقب کرتے مگر بعد میں مایوس ہو جاتے تھے۔

بے، بلرام اور بھنڈاری کے معمول اور تابعدار بھی ادارے کے سامنے کچھ فاصلے پر ایک ہوٹل اور جنرل اسٹور میں موجود رہتے تھے۔ انہیں بھی مایوسی ہو رہی تھی۔ ایشورارا اسپتال میں تھا۔ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ خیال خوانی کرنے کے لیے توانائی بحال ہو گئی تھی۔ اس نے دو عدد معمول اور تابعدار بھی بنا لیے تھے۔ وہ سوچتا تھا۔ ''فرہاد نظروں میں آئے گا تو میں کس طرح اسے زیر کر سکوں گا؟ جب میں بھلا چنگا تھا، تب اس کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ اب اسپتال میں چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوں تو اسے کس طرح شکنجے میں لے کر مجبور اور بے بس بنا سکوں گا؟''

موجودہ حالات میں اس کا ارادہ بدل گیا تھا۔ چونکہ بالکل تنہا اور بے یار و مددگار تھا۔ اس لیے ارضی دنیا پر حکومت کرنے کے خواب نہیں دیکھ رہا تھا۔ اب وہ کسی بھی طرح زندہ سلامت اپنے سیارے میں واپس جانا چاہتا تھا اور یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فرہاد اسے جانے نہیں دے گا۔ اسی زمین پر تھوڑی تھوڑی سی موت دیتا رہے گا۔ اس وقت بھی وہ عارضی موت کا مزہ چکھ کر اسپتال میں پہنچا ہوا تھا۔ یہ سوچ کر الجھ رہا تھا کہ وہ سفید پوش کون ہے جو پہلے ہوٹل میں پھر اسپتال میں نظر آیا تھا؟ ایک بات سمجھ میں آرہی تھی کہ وہ فرہاد ہی ہوگا اور حملہ کرنے والی بلی اسی سے تعلق رکھتی ہوگی۔

یہی بات دہشت زدہ کر رہی تھی کہ سونیا کی موت کا بدلہ اس سے لیا جا رہا ہے۔ ورنہ ایک بے زبان بلی اس کی دشمن کیوں ہوگی؟ یقیناً اسے خاص طور پر حملہ کرنے کی ٹریننگ دی گئی ہوگی۔

اس نے سوچا۔ ''اگر میں فرہاد کے انتقام کے نتیجے میں اسپتال آیا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس کی نظروں میں ہوں۔ وہ پھر کسی وقت مجھ پر حملہ کر سکتا ہے۔ کیا میں یہاں سے فرار ہو کر کسی دوسری جگہ چھپنے کے باوجود اس کی نظروں میں رہوں گا؟''

وہ پریشان ہو کر بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ ''کیا مشکل ہے؟ خلائی جہاز میں پائلٹ کو اور میرے ایکورارا کو اسی نے قتل کیا ہے۔ مجھے ڈھیل دے رہا ہے مگر حملے بھی کر رہا ہے۔ اب یہ دھڑکا لگا رہے گا کہ پتا نہیں آئندہ کیا کرنے والا ہے؟''

اس نے خیال خوانی کے ذریعے فرہاد سے رابطہ کرنا چاہا تھا مگر سوچ کی لہریں بھٹک کر واپس آگئی تھیں۔ اس کا دماغ نہیں ملتا تھا۔ جیسے وہ مر گیا ہو جبکہ وہ زندہ تھا۔

ایسی بے چینی، ایسا اضطراب تھا کہ زندہ سلامت سیارے میں واپس جانے کے لیے تڑپتا رہا تھا۔ کسی پہلو قرار نہیں آرہا تھا۔ اگر فرہاد سے رابطہ ہو جاتا یا اس سے سامنا ہو جاتا تو اس کے پیروں میں گر کر، گڑگڑا کر معافی مانگتا اور اس سے کہتا کہ مجھ سے جیسی چاہے شرائط منوالو۔ جدید ٹیکنالوجی کے اور غیر معمولی مشینوں کے فارمولے مجھ سے لے لو مگر ایک بار مجھے سیارے میں جانے کا راستہ دے دو۔

اس کا خلائی جہاز زیرِ زمین محفوظ تھا۔ ادھر فرہاد کی طرف سے موت نہ آتی تو وہ آرام سے اپنے گھر چلا جاتا۔ آرام تو اس وقت تک تھا، جب تک اس کے پاس فرعونی طاقت اور ذرائع تھے۔ ارضی دنیا کو زیر کرنے کے لیے غیر معمولی مشینیں اور لاکھوں ٹیلی پیتھی جاننے والے تھے۔ اس دنیا میں کچھ عرصے فرعون بن کر جینے کے بعد پتا چل رہا تھا کہ یہاں غیر معمولی قوتیں اور صلاحیتیں رکھنے کے باوجود زوال آتا ہے۔

اس کے اندر سے آہیں اور کراہیں نکل رہی تھیں۔ ''آہ......! میں جاؤں گا۔ کسی طرح بھی جان بچا کر اپنے گھر جاؤں گا پھر توبہ کروں گا۔ دوسرے سیارے والوں سے کہوں گا کہ بڑی قوتیں رکھنے کے باوجود ارضی دنیا میں شہزور بن کر نہ جاؤ۔ یہاں سے واپسی کا راستہ نہیں ملتا۔''

اسے راستہ تو نکالنا ہی تھا۔ ورنہ موت صاف دکھائی دے

رہی تھی۔ اس نے خیال خوانی کی پرواز کی، ان تابعداروں کے اندر پہنچا جو بابا صاحب کے ادارے کے سامنے فرہاد کی ٹوہ میں لگے رہتے تھے۔ ان میں سے ایک تابعدار ہوٹل کی بالکونی میں تھا۔ وہاں سے بابا صاحب کے ادارے کا صدر دروازہ صاف نظر آرہا تھا۔

اور یہ نظر آرہا تھا کہ ایک سفید پوش ادھیڑ عمر کا شخص جس کی ڈاڑھی اور سر کے بال بھی سفید ہیں۔ وہ تسبیح خوانی کرتا ہوا صدر دروازے سے باہر آیا ہے۔ اس کے پیچھے ایک بلی آرہی تھی۔ وہ چھلانگ لگا کر کار کی کھڑکی سے گزر کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔

ایشورارا اپنے تابعدار کے خیالات پڑھتے ہی چونک گیا۔ اس نے تڑپ کر کہا۔ "یہی فرہاد ہے اور وہ بلی میری جان کی دشمن ہے۔ فوراً اُن کا تعاقب کرو۔ کسی طرح اس کا راستہ روک کر اس سے بات کرو۔ میں اس کی آواز اور لہجہ سننا چاہتا ہوں۔"

اس تابعدار نے فون کے ذریعے دوسرے تابعدار سے کہا۔ "تم گراؤنڈ فلور پر ہو۔ دروازے کے سامنے ایک بلیک ہنڈا اکارڈ دیکھ رہے ہو۔ اس میں ایک سفید پوش ایک بلی کے ساتھ کہیں جانے والا ہے، فوراً اس کا تعاقب کرو۔"

ایشورارا دوسرے تابعدار کے اندر آیا۔ وہ دوربین کے ذریعے دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس کے ساتھ بلی نہیں ہے۔ حسین دوشیزہ بیٹھی ہوئی ہے۔"

ایشورارا پہلے تابعدار کے ذریعے دیکھ چکا تھا کہ ایک بلی کار میں جا کر بیٹھی تھی۔ اب دوسرے تابعدار کی سوچ کہہ رہی تھی، وہ بلی نہیں ایک دوشیزہ ہے۔ ان چند لمحوں میں کار کے اندر کچھ سے کچھ ہوگیا تھا۔

کسی بھی معمول اور تابعدار کی سوچ کبھی غلط نہیں کہتی پھر بھی اس نے کہا۔ "ابھی چند لمحے پہلے میں نے تمہارے ساتھی کے دماغ میں جا کر دیکھا تھا۔ کار کے اندر کھڑکی کے راستے ایک بلی گئی تھی پھر وہاں کوئی حسینہ کیسے پہنچ گئی؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ جو دیکھ رہا ہوں، وہی کہہ رہا ہوں۔"

وہ تابعدار بول رہا تھا اور ہوٹل سے نکل کر اپنی کار میں بیٹھ کر فرہاد کے تعاقب میں جا رہا تھا۔ ایشورارا اسے سمجھا رہا تھا۔ "فرہاد کو اوور ٹیک کرو۔ اس کا راستہ روکو۔ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر سر جھکا لو۔ اس سے التجا کرو کہ وہ مجھ سے ایک بار بات کرے۔ ویسے میں تمہارے اندر موجود رہوں گا۔"

جے، بلرام اور بھنڈاری نے اپنے اپنے تابعداروں کے ذریعے اس سفید پوش کو دیکھا جسے ہمالیہ کے ایک برف پوش غار میں دیکھ چکے تھے پھر اس کے ساتھ بلی نظر آئی تو وہ ایکدم سے اچھل پڑے۔ انہوں نے کہا۔ "یہی فرہاد ہو سکتا ہے۔ یہی ہمارے گرو مہاراج کا قاتل ہے اور وہ بلی سومی بھٹنا گر ہے۔"

پھر انہوں نے دیکھا کہ کار کے اندر ایک بلی گئی تھی مگر جب وہ اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھی تو اگلی سیٹ پر ایک حسینہ دکھائی دینے لگی۔ یہ یقین ہوگیا کہ سومی بھٹنا گر روپ بدل کر فرہاد کے ساتھ جا رہی ہے۔ تینوں جنم ساتھی اپنے تابعداروں کے اندر رہ کر فرہاد کا تعاقب کرنے لگے۔ وہ فیصلہ کر چکے تھے کہ نہ تو اسے روکیں گے، نہ اس سے بات کریں گے۔ شوٹنگ رینج میں آتے ہی اسے گولیوں سے چھلنی کر دیں گے۔ سومی کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

یوگا جاننے والے امریکی افسران کے دو ٹیلی پیتھی جاننے والے مائیکل اور گاگی ڈی البرٹ اپنے آلۂ کاروں کے اندر رہ کر اس کار کا پیچھا کر رہے تھے۔ ان کے ارادے بھی یہی تھے۔ وہ سب سونیا کے بعد فرہاد سے بھی نجات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ تمام مخالفین یہ کہتے تھے کہ سونیا اور فرہاد کے نابود ہوتے ہی ٹیلی پیتھی کی دنیا میں مسلمانوں کی برتری ختم ہو جائے گی۔ ابھی فرہاد پر زوال آیا ہے۔ وہ بے انتہا صدمات سے گزر رہا ہے۔ ایسے ہی وقت اسے ہر طرف سے گھیر کر ہمیشہ کے لیے نابود کیا جا سکتا ہے۔

دیکھا جائے تو وہ بالکل ہی تنہا اور بے یار و مددگار نہیں تھا۔ بے شمار ٹیلی پیتھی جاننے والے اس کے ماتحت تھے۔ اس کے اپنے لہو کے رشتے روحانی ٹیلی پیتھی بھی جانتے تھے۔ وہ سب کے سب چشم زدن میں دشمنوں کی شہ رگ تک پہنچ سکتے تھے لیکن مقدر میں کچھ اور لکھا تھا۔ اس کے مطابق اعلیٰ حضرت نے ہدایات کی تھیں کہ فرہاد کو بالکل تنہا چھوڑ دیا جائے۔ وہ اپنی زندگی کی آخری جنگ خود لڑے گا۔

اور یہ جنگ لڑنے کے لیے وہ پراسرار بن گیا تھا۔ بالکل ہی تبدیل ہوگیا تھا۔ سمجھ میں آتا تھا کہ وہ فرہاد ہے مگر یقین نہیں ہوتا تھا کہ وہ فرہاد ہی ہے۔ کیونکہ فرہاد کے بال سفید نہیں تھے۔ وہ ڈاڑھی نہیں رکھتا تھا۔ جبکہ اس پراسرار شخص کے سر کے اور ڈاڑھی کے بال سفید تھے۔ وہ کسی راہب کی طرح سفید جبہ پہنتا تھا۔ کبھی بولتا نہیں تھا، کسی نے اس کی آواز نہیں سنی تھی۔

دشمن اس کی آواز اور لہجہ سن کر اس کے اندر پہنچنا چاہتے تھے۔ وہ فرہاد کے دماغ میں پہنچ نہیں پا رہے تھے۔ اس پہلو سے یقین ہوتا تھا کہ اس کا دماغ مردہ ہے۔ وہ مر چکا ہے۔

اس نے کئی بار اپنی موت کا ڈراما پلے کیا تھا۔ اس لیے شبہ ہو رہا تھا کہ اس بار بھی وہ کسی ناقابل فہم منصوبے کے تحت گم ہو رہا ہے۔ اس منصوبے کے مطابق اس کا وجود نہیں ہے پھر بھی جھلک رہا ہے۔ حقیقتاً اعلیٰ حضرت کی حکمت عملی یہ تھی کہ تمام مخالفین کو کبھی اس کی موت کا یقین نہ ہو..... اور وہ ایسا کیوں چاہتے تھے؟

انہوں نے فرمایا۔ "ہم سب کو ایک دن اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے، فرہاد بھی لوٹنے والا ہے۔ اس کے بعد تمام مخالفین دشمنی کی انتہا کر دیں گے۔ ایسا مضبوط بند ٹوٹنے کے بعد سیلاب کی طرح مسلمان ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو بہا کر لے جائیں گے۔ انہیں ذلت کی پستیوں میں اور گوشہ گمنامی میں پہنچا دیں گے۔ لہٰذا فرہاد کے بعد اس کا خوف ضرور طاری رہنا چاہیے۔"

کہتے ہیں، کسی علاقے کا سردار رحم دل بھی تھا اور ظالم بھی۔ اپنی قوم کو سونے کا نوالہ کھلاتا تھا لیکن ذرا ذرا سی غلطی پر کوڑے مارتا تھا۔ انسانی فطرت کے مطابق لوگ ذرا بے لگام ہو کر غلط کام بھی کرنا چاہتے تھے مگر پکڑے جاتے تھے، کوڑے کھاتے تھے۔ آخر رفتہ رفتہ وہ سدھر گئے۔ نہایت امن و امان سے اور شرافت سے رہنے لگے۔ ایک بار وہ سردار اپنے بیٹے کو قائم مقام سردار بنا کر حج کرنے گیا تو واپس نہ آسکا۔ وہیں اپنے معبودِ حقیقی سے جا ملا۔ بیٹے نے اس کی موت کو راز میں رکھا۔ یہ جانتا تھا کہ اس کی قوم سر پھری ہے۔ بے لگام ہو جائے گی۔ لہٰذا اس نے واپس آکر اعلان کیا کہ اس کے سردار بابا نامعلوم مدت تک واپس نہیں آئیں گے۔ خانہ کعبہ میں عبادت کرتے رہیں گے۔ کبھی یہاں کے لوگ قانون توڑیں گے یا بے راہ روی اختیار کریں گے تو وہ فوراً ہی کوڑے مارنے چلے آئیں گے۔

دراصل گمراہوں کے لیے خوف ہی بادشاہ ہے، خوف ہی معبود ہے۔ خطا کرنے والے صرف خوفزدہ ہو کر ہی جھکتے ہیں۔ زبردست کے آگے ہاتھ جوڑتے ہیں۔ قانون نہیں توڑتے۔ کہتے ہیں، ایک نامعلوم مدت تک پوری قوم پر سردار کا خوف طاری رہا کہ وہ زندہ ہے اور کسی وقت بھی واپس آسکتا ہے۔ اعلیٰ حضرت بھی یہی چاہتے تھے کہ فرہاد کو تو جانا ہی جانا ہے۔ اس کے جانے کے بعد بھی مخالفین پر اس کا خوف طاری رہنا چاہیے۔

یہ حکمتِ عملی برسوں سے رہی ہے۔ فرہاد وقتاً فوقتاً اپنی موت کا ڈراما پلے کرتا رہتا تھا۔ دشمنوں کو اندیشوں میں مبتلا کرتا رہتا تھا پھر ان کے بے لگام ہوتے ہی قہر بن کر نازل ہو جاتا تھا۔

آج بھی یہی ہو رہا تھا۔ اس کا وجود تھا، چہرہ گم ہوگیا تھا۔ قوتِ گویائی تھی، مگر اس نے چپ سادھ لی تھی۔ مخالفین کشمکش میں تھے کہ وہ ہے بھی اور نہیں بھی...... کسی وقت بھی اچانک دھاوا بولے گا اور وہ اس پہاڑ تلے دب کر رہ جائیں گے۔

اگر فرہاد چاہتا تو ادارے کے ہیلی کاپٹر میں آرام سے کہیں جا کر روپوش ہو جاتا لیکن وہ جان بوجھ کر دشمنوں کو اپنے پیچھے لگانے کے لیے پیدل صدر دروازے سے باہر آیا تھا۔ کار بھی باہر کھڑی کی گئی تھی تاکہ دشمن ایک ایسے پراسرار شخص کو دیکھیں، جس کے ساتھ ایک بلی ہوتی ہے۔

پہلے کسی نے اس کے ساتھ بلی نہیں دیکھی تھی۔ اس لیے شبہ ہوتا تھا کہ وہ فرہاد ہے بھی یا نہیں؟ جے، بلرام اور بھنڈاری نے پہلی بار غار میں سومی بھٹنا گر کو اس پراسرار شخص کے ساتھ دیکھا تھا، یہ اندازہ کیا تھا کہ وہ فرہاد ہے اور وہ تینوں جنم ساتھی یہ بھی کہتے تھے کہ ان کا اندازہ غلط ہو سکتا ہے۔

اسے اب سے پہلے کسی نے پانچ وقت کی نمازیں پڑھتے اور کلام پاک کی تلاوت کرنے والے عابد و زاہد کے روپ میں نہیں دیکھا تھا۔ اسے کسی نے دشمن کی طرح حملہ کرتے نہیں دیکھا تھا۔ غار میں گرو مہاراج کا سر تن سے جدا ہوا تھا لیکن جے، بلرام اور بھنڈاری چشم دید گواہ نہیں تھے کہ ایسا اسی پراسرار شخص نے کیا ہے۔

عجیب بات تھی کہ جہاں قتل کی واردات ہوئی، وہاں بلی حملے کرتی رہی۔ ہوٹل میں بھی بلی نے ایشورارا پر حملہ کر کے اسے اسپتال پہنچایا تھا۔

یہ ساری باتیں، یہ سارے واقعات الجھا رہے تھے۔ یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ فرہاد ہے۔ اگر ہے تو گونگا بہرہ کیوں ہے؟ نہ کچھ سنتا ہے، نہ کچھ بولتا ہے، نہ حملے کر کے کسی کو نقصان پہنچا رہا ہے؟ بلی ہی سب کچھ کر رہی ہے اور وہ چار پیروں والی کسی پراسرار شخص سے مانوس ہے۔ اسی کے ساتھ رہتی ہے۔

بابا صاحب کے ادارے سے نکلنے کے بعد تین گاڑیاں اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ پیرس جانے والے راستے پر گئی گاڑیوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ وہ تعاقب کرنے والے ایک دوسرے کو پہچانتے تھے۔ ایک دوسرے کے آگے پیچھے ہوتے ہوئے تیز رفتاری سے آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ اپنی مطلوبہ گاڑی تک پہنچ کر عداوتی کارروائی کرنا چاہتے تھے۔

کئی کلومیٹر تک تعاقب کرتے رہنے کے بعد وہ پریشان ہوگئے۔ انہیں وہ مطلوبہ بلیک ہنڈا اکارڈ دور سے دکھائی دیتی تھی۔ جب وہ کئی گاڑیوں کو اوور ٹیک کر کے اس کے قریب پہنچنا چاہتے تو وہ بلیک ہنڈا پھر اتنی ہی دور چلی جاتی تھی۔ اس سے فاصلہ کم نہیں ہوتا تھا، دور بھی نہیں ہوتا تھا۔ وہ نظروں سے اوجھل بھی نہیں ہو رہی تھی۔

وہ پیرس پہنچنے سے پہلے اس ہائی وے پر ہی کچھ کر گزرنا چاہتے تھے۔ جے بلرام اور بھنڈاری کے تینوں آلۂ کار ایک ہی گاڑی میں تھے۔ ان میں سے ایک نے جے کی مرضی کے مطابق رفتار حد سے بڑھادی۔ آندھی طوفان کی طرح آگے بڑھنے لگا۔ یوں اس مطلوبہ بلیک ہنڈا سے قریب ہونے لگا۔ بلرام نے اپنے آلۂ کار سے کہا۔ "اپنی گن سنبھالو۔ اس کار کے قریب ہوتے ہی بچائز کھول دو۔ گولیاں اس سفید پوش کو لگنی چاہییں۔ اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی حسینہ کو بھی نہ چھوڑنا۔"

بھنڈاری نے اپنے تابعدار سے کہا۔ "اگر کسی وجہ سے اس کو گولیاں نہ لگیں تو گاڑی کے پہیوں پر بچائز کرو۔ اسے آگے جانے سے روک دو۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہائی وے پر کاؤنٹر بچائزنگ ہو۔ اگر مجبور ہو جاؤ تو اس کار کو آگے نہ بڑھنے دو پھر تم آسانی سے ان پر گولیاں برسا سکو گے۔"

ان سب کے اندر ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ ان کے گرد کا قاتل اور سومی نشانے پر آرہے تھے۔ جے کا تابعدار اپنی گن سے فائر نہیں کرسکتا تھا۔ کیونکہ وہ تیز رفتاری سے کار چلا رہا تھا۔ جب دونوں کاریں تیز رفتاری سے ایک دوسرے کے برابر ہوئیں تو پھر وہ ہوا جس کی توقع نہیں تھی۔

بلیک ہنڈا کی اگلی سیٹ پر کوئی حسینہ نہیں تھی۔ بلی چیختی چنگھاڑتی ہوئی چھلانگ لگا کر ان کی کار کی اگلی کھڑکی میں داخل ہو گئی۔ وہ جیسے جھنجلائی ہوئی تھی۔ چیاؤں میاؤں تیرا کلیجا کھاؤں۔

کار چلانے والا بوکھلا گیا۔ اس کے ہاتھوں سے اسٹیئرنگ بہک گیا۔ اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے تابعدار نے بلی پر گولی چلائی مگر جب کار بہک گئی تھی پھر نشانہ کیسے نہ بہکتا؟ وہ گولی کار چلانے والے کو جا کر لگی۔

پھر تو قصہ ہی تمام ہو گیا۔ وہ کار سڑک کے دوسری طرف ڈھلان پر آئی پھر اس کے بعد دور گہری پستی میں لڑھکتی چلی گئی۔ ہنڈا دور جا کر رک گئی تھی۔ بلی دوڑتی ہوئی آکر چھلانگ لگا کر کھڑکی کے ذریعے اندر پہنچ گئی۔ ہنڈا پھر آگے بڑھ کر اپنی رفتار بڑھاتی چلی گئی۔

جے بلرام اور بھنڈاری اپنی اپنی جگہ دماغی طور پر حاضر ہو گئے۔ ان کے معمول اور تابعداروں کے دماغ مردہ ہو چکے تھے پھر وہ ایک دوسرے سے خیال خوانی کے ذریعے بولنے لگے۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

جے نے کہا۔ "ہم نے تو ٹھوس پلاننگ کی تھی۔ پر یہ بھول گئے تھے کہ میرا آلۂ کار گاڑی چلاتا رہے گا، گولی نہیں چلا سکے گا۔ اس مکار سومی نے سیدھے اسی پر چھلانگ لگائی تھی۔"

بلرام نے کہا۔ "افسوس! یہ سنہری موقع ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔ اب پتا نہیں، وہ کب ہماری نظروں میں آئے گا؟"

بھنڈاری نے کہا۔ "ہم دیکھ رہے ہیں، وہ آدمی چپ رہتا ہے۔ ہم پر حملے نہیں کرتا۔ اس نے غار میں بھی ہم کو نقصان نہیں پہنچایا تھا۔"

"ہاں۔ ہم نے اب تک سومی کو ہی حملے کرتے دیکھا ہے۔ ہمارے گرد کو اسی نے روپ بدل کر قتل کیا ہوگا پھر بلی بن گئی ہوگی۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہی ہم سے انتقام لے رہی ہے۔ اس آدمی کو ہم سے دشمنی نہیں ہے۔"

بلرام نے کہا۔ "ہاں۔ اگر وہ فرہاد ہوتا تو ہم سے دشمنی کرتا۔ وہ تو ہم سے بات بھی نہیں کرتا۔"

بھنڈاری نے کہا۔ "پر میں پورے وشواس کے ساتھ بولتا ہوں، وہ فرہاد ہی ہے۔ اگر نہیں ہے تو بابا صاحب کے ادارے میں کیوں گیا تھا؟"

"وہ بابا صاحب کے ادارے کا کوئی دین دار بندہ ہوگا۔ ٹیلی پیتھی بھی جانتا ہوگا۔ ہم سے براہِ راست دشمنی نہیں کر رہا ہے۔ شاید وہ روحانی علم بھی جانتا ہے۔ ہمارے جادو کا توڑ کر چکا ہے۔ جب چاہتا ہے، سومی کو بلی سے انسان بنا دیتا ہے۔"

"یعنی وہ خود حملے نہیں کر رہا ہے، سومی کو آلۂ کار بنا کر یہ جتا رہا ہے کہ ہم کچھ نہیں ہیں۔ آئندہ بھی ایک بلی سے مات کھاتے رہیں گے؟"

وہ تینوں اپنے طور پر اندازے کر رہے تھے کہ فرہاد اس دنیا میں نہیں رہا ہے، مر چکا ہے۔ اس کی جگہ کوئی روحانی علوم جاننے والا شخص ایک بلی کو آلہ بنا کر ان سے دشمنی کر رہا ہے۔ وہ طرح طرح سے اندازے قائم کر رہے تھے اور الجھتے جا رہے تھے۔

ان سب کے الجھنے کی وجہ یہ بھی تھی کہ فرہاد اپنے سابقہ رعب و دبدبے کے ساتھ نہ دیکھا جا رہا تھا، نہ کہیں سے اس کا سراغ مل رہا تھا۔ صرف انتقامی کارروائیوں کے بعد شبہ ہوتا تھا کہ وہ پراسرار شخص فرہاد ہے۔

پھر وہی سوال کہ فرہاد ہے تو نظر کیوں نہیں آتا؟ کیا پلاسٹک سرجری کرائی ہے؟ یوں صورت تو بدل جاتی ہے مگر شخصیت نہیں بدلتی۔ جبکہ وہ پراسرار شخص سر سے پاؤں تک بالکل مختلف تھا۔ فرہاد ویسا دین دار نہ کبھی بن پایا تھا، نہ اب بن سکتا تھا۔ اگر وہ ہوتا تو سونیا کی موت کے بعد دشمنوں پر قہر بن کر ٹوٹ پڑتا۔ کوئی دشمن سکون سے رہ نہ پاتا۔



ابھی وہ کسی پر حملے نہیں کر رہا تھا۔ کسی کو چیلنج بھی نہیں کر رہا تھا۔ اس کے باوجود کوئی دشمن سکون سے نہیں تھا۔ اس کی طرف سے فکریں لاحق تھیں۔ شعوری یا غیر شعوری طور پر اسی کا خوف طاری رہتا تھا اور اعلیٰ حضرت یہی چاہتے تھے۔

امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والے مائیکل اور گائی ڈی البرٹ اپنے آلۂ کاروں کے ذریعے بلیک ہنڈا کا تعاقب کر رہے تھے۔ انہوں نے ایک کار کو ڈھلان کی طرف جا کر گہری کھائی میں گرتے دیکھا تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ اس میں جے، بلرام اور بھنڈاری کے آلۂ کار تھے۔ ان کی سمجھ میں یہی آیا کہ وہ کار انتہائی تیز رفتاری کے باعث حادثے کا شکار ہوئی ہے۔

وہاں تھوڑی دیر کے لیے ٹریفک جام ہو گیا تھا مگر وہ امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والے اپنی کار آگے بڑھاتے رہے۔ اس طرح انہیں آگے کھلا راستہ مل گیا۔ اب وہ ہنڈا اتنا دور جاتی دکھائی دے رہی تھی۔ مائیکل نے اپنے آلۂ کار کے ذریعے کار کی رفتار بڑھائی۔ تھوڑی دیر بعد پتا چلا کہ اگلی کار سے فاصلہ اتنا ہی دور ہے، جتنا پہلے تھا۔

مائیکل نے اور رفتار بڑھائی۔ البرٹ نے کہا۔ "یہ کیا کر رہے ہو؟ رفتار نہ بڑھاؤ۔"

اس نے کہا۔ "ہم شروع سے دیکھتے آرہے ہیں، درمیانی فاصلہ کم نہیں ہو رہا ہے۔ رفتار تو بڑھانی ہوگی۔"

"ابھی ہم تیز رفتاری کا انجام دیکھ چکے ہیں۔ یہاں ہمارے پاس یہی دو آلۂ کار ہیں۔ یہ حادثے کا شکار ہوں گے تو پھر فرہاد ہماری نظروں سے اوجھل ہو جائے گا۔ ہم اسے پھر کبھی پا نہیں سکیں گے۔"

اس نے رفتار کو معمول کے مطابق کرتے ہوئے کہا۔ "درست کہتے ہو۔ فاصلہ کم نہیں ہو رہا ہے مگر اس کی کار نظروں میں ہے۔ جب وہ رفتار بڑھائے گا تو ہم بھی بڑھا دیں گے۔"

وہ بڑے صبر سے اس کے پیچھے چلنے لگے۔ تقریباً سات کلو میٹر چلتے رہنے کے بعد پیرس شہر کی حدود میں داخل ہو گئے۔ یہ توقع تھی کہ فرہاد وہاں کسی ایئرپورٹ یا کسی پرائیویٹ فلائنگ کمپنی کی طرف جائے گا لیکن وہ ان مقامات سے بھی گزرتا جا رہا تھا۔

وہ بڑے بے چین ہو کر بڑی بیزاری سے تعاقب کر رہے تھے۔ شہر میں آکر اسے کہیں تو رکنا تھا لیکن مسلسل ڈرائیونگ بتا رہی تھی کہ وہ پیرس کے آخری سرے تک جانے والا ہے۔ انہوں نے اتنی لمبی ڈرائیونگ کے متعلق سوچا ہی نہیں تھا۔ ایندھن کا کانٹا بتا رہا تھا کہ پیٹرول ختم ہو رہا ہے۔

مائیکل نے پریشان ہو کر کہا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟ ہم ٹنکی بھرنے کے لیے رکیں گے تو وہ آگے نکل کر کہیں گم ہو جائے گا۔"

البرٹ نے کہا۔ "یہی ہونے والا ہے۔ ہماری اتنی لمبی دوڑ رائیگاں جا رہی ہے۔"

آگے جا کر کار جھٹکے کھانے لگی۔ مائیکل نے کہا۔ "فرہاد قسمت کا دھنی ہے۔ آج ہماری گولیوں کا نشانہ ضرور بنتا مگر دیکھو، کس طرح تقدیر نے اس کا ساتھ دیا ہے۔"

"اس کی چالاکی کو سمجھو ہنڈا کی ٹنکی ہماری کار کی ٹنکی سے بڑی ہے۔ وہ ہمیں لمبی ڈرائیونگ پر مجبور کر رہا ہے۔ نتیجہ اب ہمارے سامنے ہے۔"

کار رک گئی تھی۔ آگے بڑھنے سے انکار کر رہی تھی۔ ایشورارا کا آلۂ کار ان سے آگے نکل گیا۔ وہ رکنے والی کار کو بڑی دیر سے دیکھتا آرہا تھا اور سمجھ رہا تھا کہ اس میں بھی فرہاد کے دشمن ہیں۔ تب ہی مسلسل تعاقب میں ہیں۔ اب وہ گاڑی درمیان سے ہٹ گئی تھی۔ وہ تنہا بلیک ہنڈا کے پیچھے جا رہا تھا۔

اسے زیادہ دور نہیں جانا پڑا۔ چند کلو میٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد آگے جانے والی کار ایک ویران راستے پر رک گئی۔ ایشورارا نے اپنے تابعدار سے کہا۔ "رک جاؤ۔ یہ معلوم ہونے دو، وہ کیوں رک گیا ہے؟"

تابعدار نے تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر کار روک کر پوچھا۔ "کیا مجھے ہاتھ جوڑ کر سر جھکا کر اس کے سامنے جانا ہوگا؟"

"ہاں۔ اس سے التجا کرو گے کہ تمہارا آقا ایشورارا اس سے بات کرنا چاہتا ہے۔ وہ صرف ایک بار مجھ سے بات کر لے۔"

ادھر بلیک ہنڈا کی اسٹیئرنگ سیٹ کا دروازہ کھلا۔ وہ باہر آگیا۔ بالکل نہتا تھا۔ اس کی انگلیوں کے درمیان تسبیح کے دانے پھسل رہے تھے۔ وہ زیرِ لب کچھ پڑھ رہا تھا۔ ایشورارا کا ارادہ ایکدم سے بدل گیا۔ وہ بہت کم فاصلے پر نشانے پر تھا۔ اس سے نجات مل جاتی پھر کوئی اسے سیارے میں جانے سے روک نہیں سکتا تھا۔

اس کا تابعدار دروازہ کھول کر باہر جانا چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔ "رک جاؤ۔ وہ نہتا ہے۔ تم ریوالور لے کر نکلو۔ میں اس سے صرف دو باتیں کروں گا۔ ایسے وقت وہ ایک ذرا سی بھی حرکت کرے، کوئی چالاکی دکھانا چاہے تو ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اسے گولیوں سے چھلنی کر دینا۔ ویسے میں بھی تمہارے اندر محتاط رہوں گا۔"

اس معمول اور تابعدار نے اپنے عامل کے حکم کی تعمیل کی۔ ڈیش بورڈ کے خانے سے ریوالور نکال کر باہر آتے ہی اسے نشانے پر رکھ لیا۔ ایشورارا نے اس کی زبان سے کہا۔ ”خبردار فرہاد! اپنی جگہ سے نہ ہلنا۔ ورنہ گولی چل جائے گی۔ کیا میری آواز اور لب و لہجے سے پہچان رہے ہو کہ میں ایشورارا ہوں؟“

وہ بڑے اطمینان سے خاموش کھڑا تھا۔ اس نے پوچھا۔ ”میرے بھائی ایکورارا کو اور پائلٹ کو کس نے ہلاک کیا ہے؟“

وہ چپ تھا۔ اس نے پھر پوچھا۔ ”کیا اس بلی نے انہیں ہلاک کیا تھا؟ کیا وہ مجھے سیارے میں واپس نہیں جانے دے گی؟“

پھر اس نے چونک کر کہا۔ ”ارے ہاں۔ وہ بلی تمہارے ساتھ کار میں تھی پھر وہ ایک حسین لڑکی بن گئی۔ اس سے کہو وہ کار سے باہر آئے۔“

وہ تو بہت پہلے ہی آگئی تھی۔ دشمن کے قریب ہی اس کی کار کی چھت پر بیٹھی ہوئی تھی۔ فرہاد نے چھت کی طرف دیکھا تو اس نے حسب عادت دشمن پر چیختے ہوئے چھلانگ لگائی۔ ”چیاؤں میاؤں...... تجھے تگنی کا ناچ نچاؤں۔“

وہ اس کی گردن پر پنجہ مارتی ہوئی گزر گئی۔ وہ خلاف توقع چونکا دینے والا حملہ تھا۔ ریوالور ہاتھ سے چھوٹ کر دور چلا گیا۔ بے چارہ تابعدار بری طرح بوکھلا گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل پاتا' وہ پھر چیختی چنگھاڑتی ہوئی آئی اور اس کی آنکھوں پر پنجے مارتی ہوئی دوسری طرف چلی گئی۔ وہ تکلیف کی شدت سے چیخنے لگا۔ اس کی آنکھیں نہیں کھل رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا' جیسے اندھا ہو گیا ہو۔

ایشورارا کے ہوش اڑ گئے۔ وہ بلی سے بری طرح دہشت زدہ تھا۔ ان لمحات میں یوں لگ رہا تھا' جیسے وہ پھر سے اسے اسپتال پہنچانے آگئی ہے۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے خیال خوانی بھول کر اپنی جگہ دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ اس کا دماغ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ اس نے فرہاد کے سامنے ہاتھ نہ جوڑ کر اس پر گولی چلانے کی بات کی۔ اس کی یہ حماقت اب اور مہنگی پڑے گی۔ وہ بلی اس حماقت کی سزا دینے وہاں آئے گی۔ ابھی وہ پیرس میں ہے۔ کسی بھی وقت اس کی موت بن کر استنبول پہنچ سکتی ہے۔

وہ بری طرح سہا ہوا تھا۔ زیر لب بڑبڑا رہا تھا۔ ”میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ جہاں جاؤں گا' کیا وہاں وہ آ نہیں سکے گی؟“

وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر پھر بڑبڑایا۔ ”وہ میرے پیچھے آئے گی یا نہیں' یہ بعد میں دیکھا جائے۔ ابھی تو مجھے یہاں سے بھاگنا چاہیے...... اور ہاں یہ بھی تو معلوم کرنا چاہیے کہ وہ اب کیا کر رہی ہے؟ کیا میری طرف آ رہی ہے؟“

اس نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ اپنے تابعدار کے اندر پہنچا۔ وہ دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھے کار سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ تکلیف کی شدت سے کراہ رہا تھا۔ اس کے ذریعے بلی کو اور فرہاد کو دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔

اس نے تابعدار کے دماغ پر قبضہ جما کر اس کی آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹائے۔ اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کیا۔ ایسے وقت وہ اس کے اندر سے تکلیف کے احساس کو کم کر رہا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے آنکھوں کو کھولا تو دھندلا سا یہ دکھائی دیا کہ وہ بلیک ہنڈا اب وہاں نہیں تھی۔ اس کے سامنے قریب ہی زمین پر ریوالور پڑا ہوا تھا۔

یہ خوف اور بڑھ گیا کہ بلی اُدھر نہیں ہے تو پھر ضرور اِدھر آ رہی ہے۔ وہ فوراً ہی دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ وہاں سے نکل جانے کے لیے سفری بیگ میں سامان سمیٹنے لگا۔ وہ بے چارہ آلہ کار اس ویرانے میں آنکھوں کی تکلیف سے اندھا ہو سکتا تھا۔ برائے انسانیت اس کے کام آنا چاہیے تھا لیکن وہ خود غرض تھا۔ اب وہ اس کے کام آنے والا نہیں تھا۔ لہٰذا اسے ویرانے میں پھینک کر جا رہا تھا۔

پہلے یہ بات اس کے دماغ میں آئی تھی کہ فرہاد کو کسی بھی طرح مجبور اور بے بس بنائے بغیر نہ اپنی کوئی بات منوا سکے گا' نہ ہی سیارے میں واپس جا سکے گا۔ ایسے وقت ذہن میں یہ بات آئی تھی کہ سونیا اور فرہاد کی کسی بہت بڑی کمزوری سے کھیلنا چاہیے۔

اچھی طرح سوچنے کے بعد ان کی بیٹی عالی یاد آئی تھی۔ اس نے کچھ عرصہ پہلے عالی کے نوزائیدہ بیٹے کو ہلاک کرنا چاہا تھا۔ سونیا نے بڑی ذہانت سے اس کے منصوبے کو ناکام بنا دیا تھا۔ اب وہی کوشش دوبارہ کی جا سکتی تھی۔ عالی کے ننھے سے بیٹے کو کسی قدر آسانی سے اغوا کیا جا سکتا تھا۔

آسانی یوں تھی کہ ایشورارا اپنے ماتحت ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے ذریعے حیدر آباد دکن میں رہ چکا تھا۔ عالی کے سسرالی رشتے داروں کے دماغوں میں جگہ بنا چکا تھا۔ لہٰذا اب ان کے ذریعے یہ معلوم کر سکتا تھا کہ عالی کہاں ہے؟ اور اس کے بچے کو کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے؟

اس نے فوراً ہی خیال خوانی کی پرواز کی۔ عالی کی ساس کے اندر پہنچ کر معلومات حاصل کیں۔ یہ معلوم ہوا کہ عالی اپنے شوہر ایمان علی اور اپنے ننھے بیٹے شایان علی کے



ساتھ بابا صاحب کے ادارے میں ہے۔ اس کی مما سونیا کا سوئم ہو چکا ہے۔ وہ شوہر اور بیٹے کے ساتھ حیدر آباد دکن واپس آ رہی ہے پھر ماں کا چالیسواں ہوگا تو دوبارہ ادارے میں چلی جائے گی۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ دوسری صبح انڈین ایئر لائن سے روانہ ہوگی اور چھ گھنٹے بعد حیدر آباد پہنچے گی۔ یعنی صبح پانچ یا چھ بجے ادارے کے صدر دروازے سے اپنے بچے کے ساتھ باہر آئے گی۔ گویا پیرس کے ایئر پورٹ تک اس بچے کو چھین لینے کی کوشش کی جا سکتی تھی۔

اس نے انڈین ایئر لائن کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ یہ معلوم ہوا کہ وہ جہاز استنبول میں ایک گھنٹے کے لیے رکے گا پھر ممبئی میں بھی ایک گھنٹے کی بریک جرنی ہے۔ اس کے بعد وہ حیدر آباد پہنچے گی۔ ایشورارا کے لیے یہ اچھا موقع تھا۔ وہ استنبول سے اسی فلائٹ میں اس بچے کے ساتھ سفر کر سکتا تھا۔

اس نے خیال خوانی کے ذریعے متعلقہ شعبوں کے اعلیٰ افسران کے دماغوں میں جگہ بنائی پھر ایک گھنٹے کے اندر انڈیا جانے کے لیے پاسپورٹ اور ویزا حاصل کر لیا۔ اس مطلوبہ فلائٹ میں سیٹ نہیں تھی۔ اس نے متعلقہ کارندوں کو ٹریپ کیا۔ ان کے دماغوں پر قبضہ جما کر سیٹ ریزرویشن کے ریکارڈ میں تبدیلیاں کیں اور اپنے نام سے ایک سیٹ او کے کرالی۔

اگرچہ وہ کسی حد تک معذور تھا۔ اچھی طرح چلنے کے قابل نہیں تھا۔ اس کا کوئی ساتھی' کوئی ماتحت' کوئی مددگار بھی نہیں تھا۔ تاہم ایک ٹیلی پیتھی کا علم تھا۔ جس کے سہارے وہ فرہاد سے ٹکرانے اور سیارے میں واپس جانے کا راستہ ہموار کر سکتا تھا۔

☆☆☆

وہ بلیک ہنڈا ایئر پورٹ کے پارکنگ ایریا میں کھڑی ہوئی تھی۔ اب کوئی تعاقب کرنے والا اور اس کار میں آ کر جھانکنے والا نہیں تھا۔ تمام پیچھا کرنے والے پیچھے رہ گئے تھے۔ عارضی طور پر ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔

اس کے ساتھ اب بلی نہیں تھی۔ سومی بھٹنا گر تھی۔ بابا صاحب کے ادارے سے ان دونوں کے پاسپورٹ اور دیگر دوسرے ضروری کاغذات پہنچا دیے گئے تھے۔ ان کاغذات کی رُو سے وہ لاہور جا رہے تھے۔ لاہور سے شاہدرہ کے اسی مکان میں پہنچنے والے تھے' جہاں اسے ٹیلی پیتھی کا علم حاصل اور پھر عروج حاصل ہوا تھا۔ اور اب اسی جگہ وہ زوال کے وقت پہنچ رہا تھا۔

وہ جہاز میں آ کر ایک دوسرے کے شانہ بشانہ بیٹھ گئے۔

وہ ایک دوسرے کے ساتھ رہتے تھے مگر ان کے درمیان فاصلہ رہتا تھا۔ ان میں شناسائی تھی مگر کسی حد تک اجنبیت بھی تھی۔ وہ بولتا نہیں تھا' چپ رہتا تھا۔ سونیا حواس پر چھائی رہتی تھی مگر ایک عجیب سی بات تھی کہ سومی کی موجودگی کہتی تھی۔ ”کون کہتا ہے' تم سے بچھڑ گئی ہوں؟ میں تو تمہارے ساتھ ہوں۔“

وہ ایسے وقت چور نظروں سے سومی کی دائیں کلائی پر سیاہ تل کو دیکھتا تھا۔ سونیا کی دائیں کلائی پر بھی ویسا ہی تل تھا۔ کبھی سومی کی پشت اس کی طرف ہوتی تو اس کی گردن پر بالکل ویسا ہی زخم کا نشان دکھائی دیتا تھا' جیسا سونیا کی گردن پر تھا۔

سومی کے ہاتھوں اور پیروں کی انگلیاں بھی سونیا جیسی ہی تھیں۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا' چلنا پھرنا بھی بالکل سونیا کی طرح تھا۔ صرف صورت مختلف تھی۔ وہ اس کی اپنی نہ ہوتے ہوئے بھی اپنی لگتی تھی۔ دل کہتا تھا' وہ آگئی ہے۔ ایک بہلاوہ بن کر ہی سہی' مگر آگئی ہے۔

اس نے سومی کی آواز نہیں سنی تھی۔ وہ چپ رہتا تھا' اس لیے وہ بھی نہیں بولتی تھی۔ کوئی ضروری بات ہوتی تو خیال خوانی کے ذریعے اس کے اندر آ کر بولتا تھا۔ وہ اپنی سوچ کے ذریعے جواب دیتی تھی۔ وہ اعلیٰ حضرت کی احسان مند تھی۔ ان کے روحانی عمل کے ذریعے اسے انسانی زندگی مل رہی تھی۔ کبھی کبھی دشمنوں کو دہشت زدہ کرنے کے لیے وہ بلی کا روپ اختیار کر لیتی تھی۔ ویسے بھی فرہاد اس کا آئیڈیل تھا۔ خوش نصیبی سے اس کی قربت حاصل ہو رہی تھی۔ ساتھ ساتھ رہ کر اس کے کام آنے کے مواقع بھی نصیب ہو رہے تھے۔

جہاز فضا میں بلند ہو چکا تھا۔ اپنی مخصوص رفتار سے پرواز کر رہا تھا۔ اس کے خیالات بھی سونیا کی سمت پرواز کر رہے تھے۔ وہ اس کے سوا کچھ سوچتا نہیں تھا لیکن پاس بیٹھی ہوئی اسے اپنے وجود کا احساس دلاتی تھی۔ اس کی خاموشی کہتی تھی۔ ”میں تمہارے پاس ہوں۔ مجھے نہ سوچو۔ میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گی مگر پہلے اپنی ذمہ داریاں پوری کرو۔ تمام دشمنوں کا خاتمہ کرو پھر میری طرف آؤ۔“

وہ ایک گہری سانس لے کر مخالفین کی طرف توجہ دینے لگا۔ کچھ عرصہ پہلے یوگا جاننے والے امریکی افسران نے بابا صاحب کے ادارے سے رابطہ کیا تھا۔ اعلیٰ حضرت سے کہا تھا۔ ”ہم تمام افسران اور ہمارے دو ٹیلی پیتھی جاننے والے مائیکل اور گاگی ڈی البرٹ یوگا کے ماہر ہیں۔ کوئی ہمارے دماغوں میں پہنچ نہیں سکتا تھا لیکن جے بلرام اور بھنڈاری کالے جادو کے ذریعے ہمارے اندر چلے آتے ہیں۔ فار گاڈ سیک۔ آپ اپنی روحانی صلاحیت کے ذریعے ہمیں ان سے

نجات ولائیں۔"

اعلیٰ حضرت نے پہلے انکار کیا تھا پھر کہا تھا۔"تم لوگ پیار، محبت، دوستی اور اتحاد کے قابل نہیں ہو۔ ماضی میں فرہاد نے تم سے اتحاد قائم کیا۔ وہ تمہارے برے وقت میں کام آتا رہا۔ تم اس کے گن گاتے رہے پھر تم نے کام نکلتے ہی ہمیشہ کی طرح آنکھیں پھیر لیں۔ یہودیوں کو اور ہمارے دوسرے مخالفین کو اپنا باپ بنالیا۔ ان سے اتحاد کیا اور اپنی ازلی فطرت کے مطابق ہمارے خلاف محاذ آرائی شروع کردی۔"

انہوں نے کہا۔"ہم شرمندہ ہیں، قسم کھاتے ہیں، تحریری معاہدہ کریں گے کہ مسلمانوں کو کبھی دشمن نہیں سمجھیں گے۔ کبھی فرہاد کے اور آپ کے ادارے کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔ آپ ایک بار اور آخری بار ہم پر بھروسا کریں۔"

انہوں نے کہا۔"دنیا کی آخری آسمانی کتاب قرآن مجید میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ یہود و نصارا کبھی مسلمانوں سے دوستی اور وفا نہیں کریں گے۔ اس کے باوجود ہمیں انسانی ہمدردی کے حوالے سے دشمنوں کی مشکلوں میں کام آنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ لہٰذا ہم آخری بار تمہارے کام آئیں گے۔"

"ہم آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دیں گے۔ بس ہمیں نجات ولائیں۔ ایسا لگتا ہے، وہ تینوں جنم ساتھی اس وقت بھی ہمارے اندر موجود ہیں۔"

انہوں نے فرمایا۔"جاؤ عبادت کرو۔ اپنے گاڈ سے ڈرو۔ وہ وعدہ خلافی کی سزائیں دیتا ہے۔ سزائیں پانے والے راستے پر نہ چلو۔ تھوڑی دیر بعد تم سب کے دماغ مقفل ہوجائیں گے۔ کالا جادو بے اثر ہوجائے گا۔"

پھر یہی ہوا تھا۔ ان تمام یوگا جاننے والے افسران کو اور ان کے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو جے، بلرام اور بھنڈاری سے نجات مل گئی تھی۔ وہ دشمن کوشش کرتے تھے مگر ان کے اندر پہنچنے میں ناکام ہوتے تھے۔

وہ یوگا جاننے والے خوش ہوگئے۔ انہوں نے اعلیٰ حضرت کا شکریہ ادا کیا پھر مطمئن ہوگئے کہ وہ کالا جادو جاننے والے کبھی ان کے اندر نہیں آسکیں گے۔ یہ بات دل میں سمانے لگی کہ کالا جادو کمزور تھا۔ عارضی تھا، اپنے وقت پر ختم ہوگیا۔ اس میں روحانیت کا عمل دخل نہیں ہے پھر ان کے سیاسی معاملات نے انہیں مجبور کیا۔ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ پاکستان کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے لیکن انڈیا سے تعلقات مستحکم کرنے کے لیے وہ وعدے سے پھر گئے۔ اپنی سی آئی اے، انڈیا کی را ایجنسی اور اسرائیل کی موساد تنظیم کے اتحاد سے ایک ٹیم بنائی جو پاکستان کے جوہری اثاثوں تک پہنچنے کی ٹھوس پلاننگ کررہی تھی۔

ایسے ہی وقت انہیں یہ خوشخبری ملی کہ سونیا اب اس دنیا میں نہیں رہی ہے۔ فرہاد بھی گم ہے۔ کہیں سے اس کے وجود کا سراغ نہیں مل رہا ہے۔ اب وہ ایک پراسرار شخص پر شبہ کررہے تھے۔ اندازے سے کہہ رہے تھے کہ فرہاد نے پھر ایک بار موت کا ڈراما پلے کیا تھا اور اب ایک اور مختلف روپ میں واپس آرہا ہے۔

ایسے ہی اندازے کے مطابق ان سب نے بابا صاحب کے ادارے سے فرہاد کا تعاقب کیا تھا اور سب ہی اسے اوور ٹیک کرنے اور نقصان پہنچانے میں ناکام رہے تھے۔ ان کی طرف سے کئی بار جارحانہ کارروائیاں ہوچکی تھیں۔ فرہاد نے جارحیت نہیں کی۔ چپ چاپ مدافعت کرتا رہا تھا۔

اب وہ رویہ بدل رہا تھا۔ شرپسندوں کو اور مخالفین کو جلد سے جلد ان کے برے انجام تک پہنچانا چاہتا تھا۔ ان سب کا قصہ تمام کرنے کے بعد ہی اپنی سونیا کے پاس جاسکتا تھا۔

اس نے سر اٹھا کر جہاز کے ماحول کو دیکھا۔ مسافر بڑے آرام اور سکون سے بیٹھے ہوئے تھے۔ دو ایئر ہوسٹس درمیانی راہداری سے شراب اور دیگر مشروبات کی ٹرالی کے ساتھ گزر رہی تھیں۔ انہوں نے فرہاد کے قریب سے گزرتے ہوئے پوچھا۔"آپ کیا لینا پسند کریں گے؟"

اس نے انکار میں سر ہلایا۔ سوی ایک سافٹ ڈرنک لے کر پینے لگی۔ وہ خیال خوانی کی پرواز کرتا ہوا امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والے مائیکل کے اندر پہنچ گیا۔ اعلیٰ حضرت نے کہا تھا کہ وہ یوگا جاننے والوں کے اندر بھی پہنچے گا تو کوئی اس کی سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کرسکے گا۔

وہ مائیکل محسوس نہیں کررہا تھا۔ اس کے اندر جاتے ہی انکشاف ہوا کہ وہ بھی اسی جہاز میں سفر کررہا ہے۔ اس کی سوچ بتانے لگی کہ اس کے ساتھ موساد کا ایک بہت ہی چالاک اور مکار یہودی جاسوس ہے۔ وہ ایک امریکن عیسائی کے روپ میں اسلام آباد جارہا ہے۔ وہاں را ایجنسی کے جاسوس اُن کے منتظر تھے۔ وہ سب پاکستان کے جوہری اثاثے تک پہنچنے کے لیے اسلام آباد میں جمع ہورہے تھے۔

اگرچہ امریکی سی آئی اے، موساد اور را ایجنسی کے جاسوس متحد ہوکر اپنے منصوبے پر عمل کرنے والے تھے۔ تاہم مائیکل نے ان پر یہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ ٹیلی پیتھی جانتا ہے۔ وہ امریکی سفارت خانے کا ایک عہدیدار بن کر پاکستان جارہا تھا۔ اس کا خیال تھا، جے، بلرام اور بھنڈاری میں سے کوئی ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا را کے جاسوسوں کے ساتھ ضرور اسلام آباد میں ہوگا۔ وہ نظروں میں آئے گا تو اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔

فرہاد نے اس کی سوچ کے ذریعے معلوم کیا کہ موساد کے اس مکار جاسوس کا نام نارمن ڈیسوزا ہے۔ اس وقت ایک ایئر ہوسٹس اسے شراب کا جام پیش کررہی تھی۔ وہ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کرسکتا تھا۔

مائیکل نے فرہاد کی مرضی کے مطابق پوچھا۔"اسلام آباد میں تمہارے کتنے جاسوس ہیں اور وہ کہاں چھپے ہوئے ہیں؟"

نارمن نے کہا۔"ہمارے درمیان یہ طے پایا ہے کہ ہم صرف اپنے پروجیکٹ کے معاملات میں ایک دوسرے سے تعاون کریں گے لیکن اپنی ذاتی اہم باتیں کسی کو نہیں بتائیں گے۔"

مائیکل نے کہا۔"ٹھیک ہے۔ میں ایسی کوئی بات نہیں پوچھوں گا۔ یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ مسلمان یہودیوں سے سخت نفرت کرتے ہیں۔ پاکستانی مسلمان اپنے ملک میں ان کا وجود برداشت نہیں کرتے۔ اس لیے وہ برٹش اور امریکن عیسائی کے بھیس میں رہ کر جاسوسی کے فرائض انجام دیتے ہیں۔"

پیرس ایئرپورٹ میں جب نارمن ڈیسوزا فون کے ذریعے اپنے ایک جاسوس ساتھی سے بات کررہا تھا، تب مائیکل ان کی باتیں سنتے ہوئے اس جاسوس کے اندر پہنچ گیا تھا، جو اسلام آباد کے ایک پوش علاقے میں رہتا تھا۔ وہاں ایک اور بنگلے میں دو جاسوس مرد اور تین عورتیں ایک فیملی کی طرح رہتے تھے۔ پاکستانی عوام اور انٹیلی جنس والے ان پر شبہ نہیں کرسکتے تھے۔

فرہاد نے مائیکل کو اس بات پر مائل کیا کہ وہ اسلام آباد میں رہنے والے جاسوس کے دماغ میں جاکر اس کے خیالات پڑھے۔ مائیکل کی سوچ نے کہا۔"میں تھوڑی دیر پہلے اس کے اندر گیا تھا۔ معلومات حاصل کی تھیں۔ اب خوامخواہ اس کے اندر کیوں جاؤں؟"

فرہاد نے اس کے اندر سوچ پیدا کی۔"خوامخواہ ہی سہی، مجھے کچھ نئی معلومات حاصل کرتے رہنے کے لیے بار بار جانا چاہیے۔"

وہ یہ سوچ کر پریشان ہونے لگا کہ اپنی مرضی کے خلاف ایسا کیوں سوچ رہا ہے؟ فرہاد نے کہا۔"اپنی مرضی کے خلاف ہی سہی، تم ابھی یہاں کسی کو دیکھو گے پھر تمہارا باپ بھی وہی کرے گا، جو میں چاہوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ تسبیح پڑھتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ مائیکل اور نارمن ڈیسوزا پچھلی قطار میں تھے۔ انہوں نے اسے دیکھا نہیں تھا۔ اب دیکھتے ہی حیران بھی ہوئے اور ذرا بدحواس بھی ہوگئے۔ چند گھنٹے پہلے مائیکل اور گائی ڈی البرٹ اپنے آلہ کاروں کے ذریعے کار میں فرہاد کا تعاقب کررہے تھے۔ ان کی کار کا پیٹرول ختم ہوگیا تھا۔ وہ فرہاد تک پہنچ نہیں پائے تھے۔ اب وہاں جہاز میں وہ خود ہی ان کے قریب پہنچ گیا تھا۔

سفید پوش، سفید ڈاڑھی، سر کے بال بھی سفید وہ پراسرار شخص ان کی نگاہوں کے سامنے تسبیح پڑھتا ہوا ٹوائلٹ کی طرف جارہا تھا۔ نارمن ڈیسوزا وہسکی پی رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی ٹھسکا لگا۔ وہ کھانسنے لگا۔ اپنے سینے کو سہلانے لگا۔ مائیکل نے کہا تھا کہ امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والے اس پراسرار شخص کا تعاقب کررہے ہیں، جس کے ساتھ ایک بلی ہے۔

وہ مائیکل کو دیکھ کر کھانستے ہوئے بولا۔"تم نے تسبیح پڑھنے والے ایسے ہی سفید پوش پراسرار شخص کا ذکر کیا تھا۔ یہ تو وہی ہے۔"

مائیکل نے پریشان ہوکر کہا۔"ہاں یہ وہی ہے۔ مائی گاڈ! اس جہاز میں ہم اس کے خلاف کیا کرسکیں گے؟"

نارمن نے کہا۔"میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میرے خلاف کوئی قانونی کارروائی ہوگی تو امریکا، اسرائیل اور انڈیا کے تمام انٹیلی جنس والے مجھے سزا سے بچالیں گے۔ اگر یہ فرہاد ہے تو اسے قتل کرنے کا سہرا میرے سر ہوگا۔ ساری دنیا میں میرا نام ہوگا۔"

ایسے وقت مائیکل ٹیلی پیتھی کے ذریعے اپنے ساتھی گائی ڈی البرٹ کو بتانا چاہتا تھا کہ وہ پراسرار شخص طیارے میں اس کا ہمسفر ہے۔ یہ طیارہ قاہرہ میں ایک گھنٹے کے لیے رکے گا۔ وہاں اسے گولیوں سے چھلنی کردیا جائے۔

فرہاد نے اس کے دماغ کو بہت ہی ہلکا سا جھٹکا پہنچایا۔ جس کے نتیجے میں ایسی تکلیف پہنچی کہ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

فرہاد نے کہا۔"کسی سے رابطہ کرنے اور کسی کو میرے متعلق اطلاع دینے کی غلطی نہ کرنا۔ خیال خوانی کرو گے تو دماغ کو پھوڑا بنادوں گا۔"

پھر وہ نارمن کے اندر پہنچ گیا۔ اس نے ریوالور چھپا کر رکھا تھا۔ اسے اپنے سفری بیگ سے نکال کر فوراً ہی اسے گولی مارنا چاہتا تھا لیکن اس کی کھوپڑی اچانک ہی گھوم گئی۔ وہ ریوالور والا ہاتھ فضا میں بلند کرکے قہقہے لگانے لگا۔ تمام مسافر اسے حیرانی سے دیکھنے لگے۔

وہ چاروں طرف گھوم گھوم کر قہقہہ لگاتے ہوئے بول

رہا تھا۔ ”جب پاگل خانے والوں کو معلوم ہوگا کہ میں فرار ہو کر اس جہاز میں سفر کر رہا ہوں تو وہ کتنے حیران ہوں گے؟“

وہ ایک لطیفے کے مطابق بول رہا تھا لیکن اس کے قہقہے سن کر اور اس کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر خواتین چیخ پڑیں۔ کتنے ہی لوگ سیٹوں کے درمیان دبک گئے۔ وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ”ارے ارے! تم لوگ کیوں ڈرتے ہو؟ اس ہتھیار سے تم نہیں مرو گے۔ میں مرنے والا ہوں۔“

فرہاد ٹوائلٹ کے دروازے پر ہی رک گیا۔ اس کے اندر بولا۔ ”تم میرے وطن کی پاک زمین پر قدم نہیں رکھو گے۔ وہاں سے دوسرے یہودیوں کا بھی صفایا ہوگا۔ ابھی تم جاؤ۔“

اس نے اپنی کنپٹی پر ریوالور کی نال رکھتے ہوئے قہقہہ لگایا پھر کہا۔ ”پاگل خانے والے آئیں تو میری لاش کو چھپا دینا۔ انہیں نہ بتانا کہ میں یہاں ہوں۔ ورنہ وہ مجھے پھر پاگل خانے میں لے جائیں گے۔ میں ان کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔“

یہ کہتے ہی اس نے ٹریگر دبایا پھر ٹھائیں کی آواز کے ساتھ تڑپ کر گر پڑا۔ جہاز میں شور ہوا۔ سب ہی اپنی اپنی سیٹوں سے اٹھ گئے۔ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ ایک پاگل جہاز میں کیسے آ گیا تھا؟ جہاز کا عملہ پریشان تھا۔ قاہرہ کے کنٹرول ٹاور کو اس سانحے کی اطلاع پہنچائی جا رہی تھی۔

مائیکل چپ چاپ دیدے پھیلائے اس کی لاش کو دیکھ رہا تھا۔ خیال خوانی کرنے اور کسی سے رابطہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ اب وہ فرہاد کی مرضی کے مطابق موساد کے ان یہودیوں کے اندر پہنچنے لگا، جو اسلام آباد میں را ایجنسی کے ہندو جاسوسوں کے ساتھ ایک ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔

ان سب نے سراغ رسانی کی دنیا میں گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا تھا۔ سمندر کی تہہ اور پاتال میں پہنچ کر اور انسانی دل و دماغ کے اندر گھس کر چھپے ہوئے راز نکال لاتے تھے۔ ان میں ایک ہندو اور ایک یہودی عورت تھی۔ مردوں میں تین ہندو اور چار یہودی تھے۔ وہ خفیہ جوہری اثاثوں تک پہنچنے کے سلسلے میں کہہ رہے تھے کہ ہمیں صرف یہ معلوم ہو جائے انہیں کہاں چھپا کر رکھا گیا ہے اور چھپانے کے سلسلے میں کیسی حکمت عملی اختیار کی گئی ہے تو ہم اپنی ذہانت اور بازیگری سے وہاں پہنچ جائیں گے۔

موساد کی جاسوسہ نے کہا۔ ”یہ تو صرف جادو سے معلوم ہو سکتا ہے اور ٹیلی پیتھی سے بڑا جادو کوئی نہیں ہے۔ امریکی اور ہندوستانی ٹیلی پیتھی جاننے والے ہمیں اس خفیہ مقام تک پہنچا سکتے ہیں۔“

ایسے وقت امریکی سی آئی اے کے دو جاسوس وہاں آئے۔

وہ بھی ان کی گفتگو میں شریک ہو گئے۔ فرہاد مائیکل کے ذریعے ان سب کے دماغوں میں پہنچ رہا تھا۔ ان میں سے ایک ایک کے خیالات پڑھ رہا تھا۔ اس کی مرضی کے مطابق مائیکل نے ایک جاسوس کے اندر پہنچ کر کہا۔ ”میں اس کی زبان سے مائیکل بول رہا ہوں۔ نارمن ڈیسوزا جس طیارے میں آ رہا تھا، وہ قاہرہ پہنچ گیا ہے۔ وہاں کی انتظامیہ نے جو اطلاع دی ہے، وہ ہم سب کے لیے بری خبر ہے۔ جہاز سے نارمن کی لاش نکال کر پوسٹ مارٹم کے لیے بھیجی گئی ہے۔“

”لاش......؟“ سب نے چونک کر بے یقینی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ مائیکل نے کہا۔ ”میں خیال خوانی کے ذریعے جہاز کے مسافروں تک پہنچتا رہا ہوں۔ سب ہی کی سوچ بتا رہی ہے کہ اس نے اپنے ریوالور سے خودکشی کی ہے۔“

”خودکشی......؟“ ایک یہودی جاسوس نے سینٹر ٹیبل پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ”ہمارا سینئر فولادی دماغ کا حامل تھا۔ وہ مارنا جانتا تھا، مرنا نہیں جانتا تھا۔ بھلا خودکشی کیوں کرے گا؟“

مائیکل نے کہا۔ ”وہاں تمام مسافر کہتے ہیں، وہ پاگل تھا۔ قہقہے لگا کر کہہ رہا تھا کہ پاگل خانے سے فرار ہو کر آیا ہے۔ اس نے اور بہت کچھ بولتے رہنے کے بعد خودکشی کر لی۔“

دوسرے یہودی نے کہا۔ ”یہ نہیں ہو سکتا۔ وہ پاگل نہیں تھا۔ یہ سازش ہے۔ کوئی دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والا اس کے دماغ میں گھس گیا ہوگا۔“

مائیکل نے کہا۔ ”میرا بھی یہی خیال ہے۔ یہ شبہ ہے کہ فرہاد مرا نہیں، زندہ ہے۔ واپس آ گیا ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ اس کے بارے میں کچھ معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔“

وہ دماغی طور پر قاہرہ کے ڈیننگ روم میں حاضر ہو گیا۔ تمام مسافر وہاں تھے۔ جہاز ایک گھنٹے کے لیے رکا تھا۔ مرڈر یا سوسائڈ کیس کے باعث مزید ایک گھنٹے کے بعد پرواز کرنے والا تھا۔

فرہاد خیال خوانی کے ذریعے تینوں ممالک کے سراغ رسانوں کی ٹولی میں آ گیا۔ وہ سب اداس ہو گئے تھے۔ نارمن کی موت پر افسوس کر رہے تھے اور فون کے ذریعے اپنے متعلقہ افسران سے اس سلسلے میں گفتگو کر رہے تھے۔

فرہاد نے را کے ایک جاسوس بابو راؤ کے اندر پہنچ کر اس کی زبان سے بلند آواز میں کہا۔ ”ہیلو......!“

بابو راؤ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ دوسرے چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ موساد کی جاسوسہ نے پوچھا۔ ”کیا بات ہے؟“

وہ پریشان ہو کر بولا۔ ”پتا نہیں۔ میں تو سر جھکائے



نارمن کی خودکشی پر غور کر رہا تھا۔ اچانک ہی ہیلو بول کر اچھل پڑا۔“

یہ کہہ کر وہ بیٹھ گیا پھر دوسرے ہی لمحے میں ہیلو کہتا ہوا اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس بار اس کے ساتھیوں نے پریشان ہو کر اسے دیکھا۔ وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ”میں پاگل ہو گیا ہوں۔ نارمن نے خودکشی کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ پاگل ہے۔ میں بھی پاگل ہو گیا ہوں لیکن میں خودکشی نہیں کروں گا۔ خود نہیں مروں گا...... ماروں گا۔“

اس نے ریوالور نکال کر ان سب کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”بولو...... پہلے کس کو گولی ماروں؟“

سی آئی اے کے جاسوس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ”یہ کیا مذاق ہے؟ کیوں ایسی حرکتیں کر رہے ہو؟ اسے سامنے سے ہٹاؤ۔“

وہ اس سے ریوالور چھیننا چاہتا تھا۔ گولی چل گئی۔ فائر کی آواز کے ساتھ ہی وہ جاسوس جھٹکا کھا کر ایکدم پیچھے گیا پھر اپنے ساتھیوں کے قدموں میں پہنچ کر ایک ذرا تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ را کی جاسوسہ نے بابو راؤ کے ہاتھ پر گولی چلا کر پستول کو گرانا چاہا مگر فرہاد نے بہکا دیا۔ اس گولی نے بابو کو زمین بوس کر دیا۔ وہ بھی تڑپ تڑپ کر ہمیشہ کے لیے ساکت ہو گیا۔

را کے جاسوس نے کہا۔ ”شلپا! تمہیں ہلاک نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس کے ہاتھ سے پستول کو گرانا چاہیے تھا۔“

وہ پریشان ہو کر بولی۔ ”میں یہی چاہتی تھی۔ میرا نشانہ کبھی بہکتا نہیں ہے، مگر نہ جانے کیسے بہک گیا؟“

ایک نے کہا۔ ”ہم سب جانتے ہیں، شلپا اندھیرے میں بھی آواز کی سمت کا اندازہ کر کے صحیح نشانہ لیتی ہے۔ یہاں کوئی گڑبڑ ہو رہی ہے۔ ہوشیار رہو۔ کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا دشمن یہاں پہنچا ہوا ہے۔“

وہ سب سہم کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ جہاز میں نارمن ڈیسوزا نے خودکشی کی تھی اور اب وہاں ڈرائنگ روم کی چار دیواری میں دو لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ سی آئی اے کے ایک جاسوس نے پستول نکال کر ہنستے ہوئے کہا۔ ”ہمارے ایک ساتھی کو انڈیا کے جاسوس نے گولی ماری ہے۔ اب میں پاگل ہو گیا ہوں۔ انڈیا والوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

ایک ساتھی نے جلدی سے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”جسٹ آ منٹ گولی نہ چلانا۔ ہم سمجھ رہے ہیں، یہ سب کچھ ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہو رہا ہے اور تم یقیناً فرہاد ہو۔ ہمارے ساتھی کی زبان سے بول رہے ہو۔“

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ”میں تو تمہارا ساتھی ہوں۔ تمہارے سامنے بول رہا ہوں۔ اس وقت تمہارے بہت کام آ رہا ہوں۔ تم سب پاکستان کے جوہری اثاثوں تک پہنچنا چاہتے ہو۔ میں تم لوگوں کو ایک ایک کر کے پہنچا رہا ہوں۔“

یہ کہتے ہی اس نے ایک ساتھی کو گولی ماری۔ وہ سب چیختے ہوئے وہاں سے بھاگنے لگے اور کہنے لگے۔ ”بھاگو! ہم فرہاد کو روک نہیں سکیں گے۔ ہمیں دور ہی ہو جانا چاہیے۔ ورنہ وہ ہمارے ہی ذریعے ہمارے ساتھیوں کو ہلاک کرتا رہے گا۔“

وہاں سے بھاگتے وقت ایک اور گولی چلی۔ ایک اور زندگی کی شاخ سے...... ٹوٹ کر گرا۔ شلپا نے دروازے سے نکلتے ہوئے گولی چلانے والے کو نشانہ بنایا تاکہ وہ فائرنگ کرتا ہوا ان کے پیچھے نہ آئے۔ شلپا نے گولی چلائی تو اس چار دیواری میں پانچویں لاش کا اضافہ ہو گیا۔

وہ تعداد میں گیارہ تھے۔ اس ڈرائنگ روم سے نکلتے نکلتے چھ رہ گئے۔ کوریڈور سے گزرتے ہوئے مزید دو فائر ہوئے۔ دو اور گرے۔ اس بنگلے سے نکلنے کے بعد چار رہ گئے۔ وہاں تو جیسے سب ہی کی موت ایک جگہ لکھ دی گئی تھی۔ جان بچا کر بھاگنے والے جان سے جا رہے تھے۔ پاکستان کا جوہری اثاثہ نہیں تھا۔ خالی ہاتھ بھاگ رہے تھے۔

بنگلے کے باہر ان کی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ شلپا سب سے پہلے اپنی کار میں نکل گئی۔ یہودی جاسوسہ رومیلا اپنے ایک ساتھی کے ساتھ کار میں بیٹھنے جا رہی تھی۔ ٹھائیں کی آواز کے ساتھ وہ دروازہ کھولتے کھولتے گر پڑا۔ رومیلا گرتی پڑتی اسٹیئرنگ پر آئی پھر کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتی چلی گئی۔

باقی ایک جاسوس دوسری کار میں فرار ہو رہا تھا۔ اس نے زیر لب کہا۔ ”موت کہاں نہیں ہے؟ ہم کہاں تک جائیں گے؟ چھپنے کے لیے ماں کی گود بھی نہیں ہے۔“

وہ سب فون کے ذریعے اپنے اعلیٰ حکام اور انٹیلی جنس کے اعلیٰ افسران سے بولنے لگے کہ فرہاد آ گیا ہے۔ یہاں سی آئی اے، موساد اور را کے آٹھ جاسوس مارے گئے ہیں۔ جہاز میں نارمن کو قتل کیا گیا ہے۔

رومیلا نے اپنی کار ڈرائیو کرتے ہوئے فون پر کہا۔ ”اس بنگلے میں موت ہی موت تھی۔ ہم میں سے دو چار جان بچا کر بھاگ رہے ہیں مگر ٹیلی پیتھی کی رینج تو دنیا کے آخری سرے تک ہے۔ میں کہاں جاؤں؟ حرام موت مرنا نہیں چاہتی۔ کسی بھی طرح مجھے فوراً سیکورٹی دو۔“

اس سے کہا گیا۔ ”فرہاد سے کہو، ہم سے بات کرے۔“

وہ اچانک مردانہ بھاری بھرکم آواز میں بولی۔ ”فرہاد

تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہے۔ تم سب اپنی موت کا انتظار کرو۔"

پھر وہ ایکدم سے چونک کر بولی۔ "اوہ گاڈ! یہ ابھی میں کیا کہہ رہی تھی؟ میری آواز بدل گئی تھی۔ ہائے! میں مرجاؤں گی۔ وہ میرے اندر ہے۔ میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟"

وہ فون کو ساتھ والی سیٹ پر پھینکتے ہوئے بولی۔ "فرہاد! پلیز میری بات سنو۔ مجھ سے بات کرو۔ میں جانتی ہوں' تم حسن پرست ہو۔ تم نہیں جانتے' میں کتنی حسین ہوں۔ میرے نین نقش پر لاکھوں مرتے ہیں۔ میں چھتیس بتیس اور چھتیس ہوں۔ یہ کسی بھی حسینۂ عالم کی مستند پیمائش ہے۔ مجھے ایک بار چھونے آؤ۔ میرا دعویٰ ہے' واپسی کا راستہ بھول جاؤ گے۔"

اسے اپنے اندر آواز سنائی دی۔ "میں چھونا چاہتا ہوں مگر آ نہیں سکتا۔ تمہیں میرے پاس آنا ہوگا۔"

وہ جلدی سے بولی۔ "آؤں گی۔ ابھی آؤں گی۔ بولو کہاں آؤں؟"

"ذرا رفتار بڑھاؤ' ابھی پہنچ جاؤ گی۔"

اس نے بے اختیار رفتار بڑھائی۔ یہ پتا چلا کہ وہ اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ اسٹیئرنگ بہک رہا ہے۔ کار دائیں بائیں جارہی ہے۔ دوسری گاڑیاں ہارن بجارہی تھیں' چیخ رہی تھیں' غصے سے چنگھاڑ رہی تھیں۔

وہ روتے ہوئے بولی۔ "فرہاد یہ کیا کررہے ہو؟ فار گاڈ سیک! مجھے ایک بار بلا کر اپنی آنکھوں سے دیکھو پھر دیکھتے رہ جاؤ گے۔ میں تمہیں خوش کردوں گی۔"

"تم نے اب تک بڑی نیکیاں کمائی ہیں۔ دوسروں کو خوش کرتی رہی ہو۔ میرے پاس بھی آؤ۔ میں زندگی کے آخری سرے پر ملوں گا۔"

اسٹیئرنگ بری طرح بہکا۔ وہ چیخیں مارتی ہوئی بولی۔ "میں مرنا نہیں چاہتی۔"

"ایک دن مرنا تو پڑتا ہے۔ تمہاری قبر کے لیے چھتیس بتیس اور چھتیس کا ناپ دے دیا گیا ہے۔ وہاں کیڑے مکوڑے ناپ تول کرتے رہیں گے۔ اوکے......"

اسٹیئرنگ بہک رہا تھا۔ کار کہیں سے ٹکرا کر ٹیڑھی ہوئی۔ پلٹ کر گھسٹتی ہوئی دور جانے لگی۔ دور تک سنائی دینے والی آخری چیخوں کا دم نکل چکا تھا۔

امریکی سی آئی اے' اسرائیل کی موساد تنظیم اور انڈیا کی را ایجنسی کے تمام اعلیٰ عہدیدار انگاروں پر ٹہل رہے تھے۔ ہر دس پندرہ منٹ کے بعد انہیں اپنے بہترین تجربہ کار سراغ رسانوں کی ہلاکت کی اطلاعات مل رہی تھیں۔ وہ سب فون پر ایک دوسرے سے بول رہے تھے کہ پاکستان کے جوہری اثاثوں تک پہنچنا بہت مہنگا پڑرہا ہے۔ ہمارا قیمتی سرمایہ کہلانے والے جاسوس فنا ہورہے ہیں۔ انہیں کس طرح بچایا جائے؟

ٹیلی پیتھی جاننے والے مائیکل' گائی ڈی البرٹ' جے بلرام اور بھنڈاری سے بار بار پوچھا جارہا تھا کہ وہ فرہاد کو جنونی کارروائیوں سے روکنے کے سلسلے میں کیا کررہے ہیں؟ ان میں سے ہر ایک یہی کہہ رہا تھا کہ وہ جس کے دماغ میں آتا ہے' وہاں ہماری ٹیلی پیتھی پر حاوی ہوجاتا ہے۔ اس کے آگے ہماری سوچ کی لہریں کمزور پڑجاتی ہیں۔ ہم یقین سے کہتے ہیں' ہم پر روحانی ٹیلی پیتھی حاوی ہوجاتی ہے اور فرہاد روحانی ٹیلی پیتھی نہیں جانتا۔ ہمارے جاسوسوں کو ہلاک کرنے والا فرہاد نہیں ہے۔ وہ ایک پُراسرار شخص ہے۔ ہم ابھی تک اسے سمجھ نہیں پائے ہیں۔

یہ بات اُلجھارہی تھی کہ وہ فرہاد ہے بھی یا نہیں اور اگر نہیں ہے تو کوئی پُراسرار شخص ان سے دشمنی کیوں کررہا ہے؟ جواب صاف سمجھ میں آنے والا تھا کہ وہ جو کوئی بھی ہے' مسلمان ہے اور جو اسلامی ملک کو نقصان پہنچارہے ہیں' ان کا صفایا کررہا ہے۔ وہاں اسلام آباد میں تین جاسوس رہ گئے تھے۔ شلپا تنہا کار ڈرائیو کرتی جارہی تھی۔ جے بلرام اور بھنڈاری اس سے کہہ رہے تھے۔ "چنتا نہ کرو۔ ہم آگئے ہیں۔ تم کو جندا سلامت ہندوستان واپس لے جائیں گے۔"

سی آئی اے اور موساد کے دو جاسوس ایک کار میں جارہے تھے۔ مائیکل اور گائی ڈی البرٹ نے ان کے اندر آکر کہا۔ "ہم بڑی دیر سے فرہاد کو روکنے کی کوششیں کررہے ہیں۔ اب یہ آخری کوشش کرنے آئے ہیں۔"

حقیقت میں صرف گائی ڈی البرٹ ہی کوشش کررہا تھا۔ مائیکل تو اپنی یہ کمزوری چھپا رہا تھا کہ فرہاد کے زیر اثر آگیا ہے۔ وہ اس قدر مجبور ہوگیا تھا کہ اس کی سوچ کی لہروں کو اپنے دماغ سے نہیں نکال سکتا تھا اور نہ ہی اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام کرسکتا تھا۔ اب البرٹ کی باری تھی۔ اب اسے زیر اثر آنا تھا۔ اس نے ابھی کہا تھا کہ فرہاد کو روکنے آیا ہے اور اس کی آخری کوشش ہوگی۔ ایسے ہی وقت اسے اپنے اندر آواز سنائی دی۔ "میں آگیا ہوں۔ مجھے اپنے اندر سے نکالنے کی پہلی اور آخری کوشش کرو۔"

گائی ڈی البرٹ نے سانس روکی۔ پرائی سوچ کی لہروں کو بھگانا چاہا۔ اس نے کہا۔ "میں موجود ہوں۔ تم کب تک سانسیں روکتے رہو گے؟"

وہ حیرانی سے بولا۔ "میں یوگا میں مہارت رکھتا ہوں پھر ...کہ اعلیٰ حضرت نے ہمارے دماغوں کو مقفل کیا تھا۔ تعجب ہے' تم کیسے آگئے؟"

"تم لوگ بھارت اور اسرائیل سے ہمارے خلاف اتحاد کرچکے ہو۔ اپنی ازلی فطرت کے مطابق دھوکا دے رہے ہو اور سمجھتے ہو کہ اعلیٰ حضرت مہربان رہیں گے؟"

وہ چپ رہا۔ اس وقت بھی یہی کوشش کررہا تھا کہ سانس روک کر اسے بھگا دے مگر ناکام ہورہا تھا۔

اس نے ہلکا سا زلزلہ اس کے اندر پیدا کیا۔ وہ تکلیف کی شدت سے چیخ پڑا۔ اپنے بیڈروم میں دماغی طور پر حاضر ہوکر تڑپنے لگا۔ اسے اپنے اندر آواز سنائی دے رہی تھی۔ "آرام آجائے تو اپنے یوگا جاننے والے آرمی افسران سے جاکر کہنا' ان کے بھی دماغ مقفل نہیں رہے ہیں۔ جے بلرام اور بھنڈاری جب جاہیں گے' پہلے کی طرح تم سب کے اندر آتے جاتے رہیں گے۔"

سی آئی اے اور موساد کے دو جاسوس سوچ کے ذریعے مائیکل اور البرٹ کو پکار رہے تھے۔ فرہاد نے کہا۔ "وہ جو تمہارے مرد میدان تھے' وہ میدان چھوڑ کر جاچکے ہیں۔ گاڑی روکو اور تم بھی جاؤ۔"

ان کے دماغ اپنے اختیار میں نہیں تھے۔ وہ اپنی سلامتی کے لیے بحث نہیں کرسکتے تھے۔ انہوں نے سڑک کے کنارے گاڑی روک دی۔ دونوں نے اپنے اپنے ریوالور نکال لیے پھر موبائل فون نکال کر اپنے اپنے انٹیلی جنس ڈیپارٹمنٹ کے اعلیٰ افسران سے رابطہ کیا۔ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔ "ہیلو! کیا فرہاد سے نجات مل گئی؟"

موساد کے جاسوس نے کہا۔ "ہاں۔ ہمیشہ کے لیے نجات مل رہی ہے۔ سی آئی اے کے ڈیوڈ آرگن نے مجھے اپنے ریوالور کے نشانے پر رکھا ہے۔ ابھی گولی مارنے والا ہے۔"

ڈیوڈ آرگن نے اپنے شعبہ کے ڈائریکٹر سے کہا۔ "موساد کے جے رابن نے مجھے نشانے پر رکھا ہے۔ یہ بھی گولی مارنے والا ہے۔"

ان کے اعلیٰ عہدیداروں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔ "یہ کیا بکواس کررہے ہو؟ کیا پاگل ہوئے ہو؟ ایک دوسرے کو ہلاک کیوں کرنا چاہتے ہو؟"

جے رابن نے کہا۔ "کیا اپنی خوشی سے کوئی جان دیتا ہے؟ کیا اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے' ہم فرہاد کے شکنجے میں ہیں۔ وہ یہی چاہتا ہے اور ہم بھی یہی کررہے ہیں۔"

ڈیوڈ آرگن نے کہا۔ "تمام اوپر والے ہمارا یہ انجام دیکھ رہے ہیں۔ ہمارے رخصت ہونے سے پہلے اتنا بتادو' کیا ہمارے بعد جوہری اثاثوں کا سراغ لگانے پھر کوئی متحدہ ٹیم یہاں آئے گی؟"

جے رابن نے اپنے فون پر پوچھا۔ "کیا آپ لوگوں کو عبرت حاصل ہورہی ہے؟ دیکھو...... سمجھو...... ہم کس طرح اس دنیا سے جارہے ہیں۔"

ڈیوڈ آرگن نے کہا۔ "آپ سب کی خاموشی کہہ رہی ہے' اب اِدھر کا رُخ نہیں کریں گے اور یہی دانشمندی ہوگی۔ ہم جارہے ہیں...... گڈ بائے۔"

جے رابن نے کہا۔ "ہم بے وطن ہیں۔ بے موت مارے جارہے ہیں...... خوش رہو اہلِ وطن ہم تو سفر کرتے ہیں......"

اس کے بعد ہی ان کے اعلیٰ عہدیداروں نے ٹھائیں ٹھائیں کی دو آوازیں سنیں پھر اُدھر سے ابدی خاموشی چھاگئی۔ انہوں نے چشم تصور سے انہیں راضی خوشی مرتے دیکھا۔ ان کے وہ جیالے سراغ رساں ایک دوسرے کے جاں نثار دوست تھے' کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ شامت یوں بھی آئے گی اور وہ کسی حیل وحجت کے بغیر ایک دوسرے کی جان لیں گے۔

دنیا کے تمام علوم میں ٹیلی پیتھی بالکل ہی مختلف علم ہے۔ ایک عجوبہ ہے۔ یہ انسانی سوچ اور توقع کے خلاف ایسے ہی عجیب وغریب تماشے دکھاتا ہے۔

اب وہ رہ گئی تھی۔ کار ڈرائیو کرتی ہوئی ایئرپورٹ کی طرف جارہی تھی۔ جے بلرام اور بھنڈاری اس کے اندر تھے' اسے یقین دلا چکے تھے کہ اس پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ وہ اسے سلامتی سے دہلی پہنچادیں گے۔ اسلام آباد میں بھارتی سفارت خانے کی طرف سے اس کا پاسپورٹ اور دیگر اہم کاغذات تیار تھے۔ تب اسے اپنے اندر ایک آواز سنائی دی۔

"آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں"

وہ یہ آواز سنتے ہی گھبراگئی۔ بھنڈاری نے کہا۔ "ہاں ہم نے سامان کیا ہے۔ شلپا کی سلامتی کا سامان کیا ہے۔ ہم تینوں جنم ساتھیوں نے اس کے دماگ پر اتنی مجبوطی سے کبجا جما کے رکھا ہے کہ تمہاری سوچ کی لہریں اس کو کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچاسکیں گی۔"

اس وقت شلپا کے اندر دھیمی دھیمی سی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ بھنڈاری کے دو جنم ساتھی جے اور بلرام بڑی لگن سے بڑی توجہ سے منتر پڑھ رہے تھے۔ ان تینوں کو پھر وہی آواز سنائی دی۔ "اس کے دماغ کو مقفل کرو۔ منتر پڑھتے رہو۔ مجھے چیلنج کرتے رہو...... مگر یہ پھر بھی جائے گی۔"

وہ دونوں زور زور سے منتر پڑھنے لگے۔ بھنڈاری نے

کہا۔ ”جے مہا کالی! تیرا بچن نہ جائے خالی......تُو اپنے بھگتوں کو نراس نہیں کرتی۔ اس پاکھنڈی فرہاد کو نشٹ کردے۔ اسے یہاں سے بھگا دے۔“

”اپنی کالی ماں سے کہو مجھے اس کے اندر سے نکال دے۔ ورنہ یہ تمہارے ہاتھوں سے نکلنے والی ہے۔“

ان تینوں نے اپنے دعوے کے مطابق شلپا کے دماغ پر بڑی مضبوطی سے قبضہ جمایا تھا۔ اس کے باوجود وہ اس کے اندر بول رہا تھا۔ انہیں یہ بات پریشان کررہی تھی کہ ان کی گرفت مضبوط نہیں ہے اور کالے منتروں کا اثر خاطر خواہ نہیں ہورہا ہے۔

شلپا ایئرپورٹ کے پارکنگ ایریا میں گاڑی سے اتر کر جانے لگی۔ بھنڈاری نے جے اور بلرام سے کہا۔ ”تم دونوں اپنی اپنی ایک انگلی کاٹ کے ماں بھوانی کے چرنوں میں اپنا لہو دو۔ اکھنڈ بلیدان منتر پڑھو۔ ماں کرودھ میں آئے گی پھر دُشٹ پھرہاد کو نشٹ کردے گی۔“

وہ دونوں کسی ویرانے میں کالی مائی کی مورتی کے سامنے تھے۔ بڑے خطرناک منتر پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے بھنڈاری کی ہدایت پر عمل کیا۔ انہیں یقین تھا کہ اپنے لہو کے چھینٹے دیتے ہی ماں بھوانی طیش میں آکر فرہاد کا سرو ناس کردے گی۔

شلپا ایک چھوٹے سے بیگ کو شانے سے لٹکائے وزیٹرز لابی میں آگئی۔ وہاں بھارتی سفارت خانے کا ایک ملازم اس کا پاسپورٹ اور ضروری کاغذات لیے کھڑا تھا۔ وہ تمام کاغذات اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ ”آپ کی سیٹ اوکے ہوچکی ہے۔ آپ فوراً جائیں۔ فلائٹ جانے والی ہے۔“

وہ خلا میں تکتے ہوئے بولی۔ ”بھنڈاری! کیا تم سمجھتے ہو' میں یہاں سے جاسکوں گی؟“

وہ بولا۔ ”کیوں نہیں؟ اندر جاؤ۔ بورڈنگ کارڈ لو۔ جہاز میں جاکے بیٹھو۔“

”میں فوراً نہیں جاسکوں گی۔ میرے جانے سے پہلے وہ تم سے پوچھ رہا ہے' آج سے تین راتوں کے بعد کون سی رات آئے گی؟“

وہ ذرا چونک گیا' گھبرا گیا پھر بولا۔ ”اماوس کی رات......“

وہ بولی۔ ”اماوس کی رات تم تینوں کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟“

وہ اس سوال کے پیچھے فرہاد کے چھپے ہوئے چیلنج کو سمجھ رہا تھا۔ اس نے جواب نہیں دیا۔ شلپا نے کہا۔ ”میں بتاتی ہوں' اماوس کی رات تم تینوں جنم ساتھی الگ نہیں رہ پاتے۔ ایک ہی جسم میں سماکر تین سے ایک ہوجاتے ہو پھر صبح تک اس ایک جسم سے نکل نہیں پاتے۔ یہ تم تینوں کی مجبوری ہے نا؟“

”ہاں ہے۔ پروہ۔ وہ کہنا کیا چاہتا ہے؟“

”اسے کچھ کہنا نہیں ہے۔ تم خود ہی سمجھ رہے ہو' اماوس کی رات تمہاری زندگی کی آخری رات ہوگی۔ تمہارے اندر سے باقی دو جنم ساتھی نکل نہیں پائیں گے۔ اس رات کی صبح ہونے سے پہلے ہی وہ تمہیں نرک میں پہنچادے گا۔“

وہ چپ تھا۔ بولتی بند ہوگئی تھی۔ وہ بول رہی تھی۔ ”پچھلی بار گرو مہاراج نے تم تینوں کی آتماؤں کو یکجا کردیا تھا۔ لیکن وہ تمہیں ہلاک کرنے میں ناکام رہا تھا۔ اب تو وہ تانترک گرو مہاراج نہیں ہیں۔ اس بار نہ اس سے چھپ سکو گے اور نہ ہی ایک سے تین ہوکر اپنی جان بچاسکو گے۔“

اس نے جھنجلا کر کہا۔ ”وہ اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے؟ کیا ہم اس کی دھونس میں آجائیں گے؟ وہ اماوس کی رات ہماری پرچھائیں تک بھی پہنچ نہیں پائے گا۔“

وہ فرہاد کی مرضی کے مطابق بول رہی تھی۔ ”ابھی ثابت کردو کہ اس سے زیادہ شکتی رکھتے ہو۔ وہ اکیلا ہے۔ تم تینوں اپنی ٹیلی پیتھی سے' کالے جادو سے اور ماں بھوانی کی مہا شکتی سے اسے بھاگ جانے پر مجبور کردو۔“

پھر وہ رونے کے انداز میں بولی۔ ”ہائے میں کیا کروں۔ وہ مجھے مرنے پر مجبور کررہا ہے۔ تمہیں ماں بھوانی کا واسطہ دیتی ہوں' مجھے بچالو۔ آج میری جان بچاؤ گے تو سمجھو' اماوس کی رات اپنی بھی جان بچاسکو گے۔ کسی بھی طرح فرہاد کو ناکام بنادو۔“

یہ کہتے ہی اس نے اپنے بیگ میں سے ریوالور نکالا۔ بھنڈاری نے جلدی سے کہا۔ ”یہ کیا کررہی ہو۔ اسے بیگ میں رکھو۔ ہم سب تم کو مرنے نہیں دیں گے۔“

”جو کہہ رہے ہو' وہ کرو۔ میرے ہاتھ سے ریوالور گرادو۔“

وہ تینوں ٹیلی پیتھی کی بھرپور صلاحیتیں استعمال کرتے ہوئے اس کے دماغ پر قبضہ جمارہے تھے۔ جے اور بلرام نے اپنی ایک ایک انگلی کاٹ کر کالی مائی کے چرنوں پر لہو کے چھینٹے دیے تھے۔ اس وقت بھی بڑے خطرناک منتر پڑھ رہے تھے لیکن ٹھائیں کی آواز کے ساتھ ہی وہ تینوں اپنی اپنی جگہ دماغی طور پر حاضر ہوگئے۔

موت نے شلپا کو گلے لگا کر انہیں ٹھکرادیا۔ اس ناکامی نے ان کی فکر و پریشانی میں اضافہ کردیا تھا۔ وہ مرنے سے پہلے کہہ چکی تھی۔ ”مجھے نہ بچاسکو تو سمجھ لینا' اماوس کی رات خود کو بھی نہیں بچاسکو گے۔“

یہ ثابت ہوگیا تھا کہ وہ ان سے برتر اور طاقتور ہے۔ ان کی خوش فہمی ختم ہوچکی تھی۔ اگرچہ وہ کسی کے سامنے اس کی برتری کبھی تسلیم کرنے والے نہیں تھے مگر اندر ہی اندر ڈوب رہے تھے۔

جہاز کی محدود فضا میں یوڈی کلون کی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ اس نے دماغی طور پر حاضر ہوکر سر گھما کر دیکھا تو سومی اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے سوچ کے ذریعے کہا۔ ”میں خیال خوانی میں مصروف تھا۔“

وہ بھی سوچ کے ذریعے بولی۔ ”میں جانتی ہوں۔“

”تم اتنی دیر تک تنہا رہیں۔ بور ہوتی رہیں۔“

”ہم اس جہاز میں نہ ہوتے تو تمہارے ساتھ ایکشن میں مصروف رہتی۔“

”کوئی بات نہیں۔ اب تمہارے ایکشن میں رہنے کی باری ہے۔ تم اس جہاز میں بھی مصروف رہو گی۔“

وہ خوش ہوکر بولی۔ ”تھینکس گاڈ! جلدی بتاؤ۔ مجھے کیا کرنا ہے؟“

”تم خود سوچو' کیا کرو گی؟ پیچھے ایک قطار میں مائیکل بیٹھا ہے۔“

”سمجھ گئی۔ تمہارے تمام دشمنوں کا آخری وقت آگیا ہے۔“

جب وہ دماغ میں آتا تھا۔ تب وہ سوچ کے ذریعے بولتی تھی۔ وہ ایک دوسرے کے گونگے بہرے ساتھی تھے۔ خاموشی سے بولتے تھے اور خاموشی سے ایک دوسرے کے کام آرہے تھے۔

پچھلی قطار میں مائیکل اپنی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے' آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ موساد کے سینئر جاسوس نارمن ڈیسوزا کی ہلاکت کے بعد اس کی سیٹ خالی ہوگئی تھی اور یہ بات اس کے ذہن میں تھی کہ اس کی اپنی سیٹ بھی خالی ہونے والی ہے۔

ایک دن سب ہی کو اپنی جگہ چھوڑ کر جانا پڑتا ہے اور شاید اس کی بھی زندگی میں وہ دن آگیا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول کر اگلی قطار کی طرف دیکھا پھر سومی پر نظر پڑتے ہی سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔ وہ اس کے قریب سے گزرتی ہوئی ٹوائلٹ کی سمت جارہی تھی۔ جب اس نے اور البرٹ نے اپنے آلۂ کاروں کے ذریعے فرہاد کا تعاقب کیا تھا' تب انہوں نے بابا صاحب کے ادارے سے ایک تتلی کو اس کے ساتھ نکلتے دیکھا تھا پھر وہ کار اسٹارٹ کرکے جارہا تھا تو اگلی سیٹ پر تتلی نہیں تھی۔ انہوں نے سومی کو وہاں دیکھا تھا اور اب وہ اس کے سامنے سے گزرتی ہوئی گئی تھی۔ سوچ یہ تھی کہ وہ نوخیز دوشیزہ کون ہے؟ جبکہ فرہاد پہلے جیسا رنگ رنگیلا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ایک سفید پوش تسبیح پڑھنے والا عابد و زاہد اس جہاز میں تھا۔

اُلجھن یہ تھی کہ بابا صاحب کے ادارے سے باہر آتے وقت وہ دوشیزہ نظر نہیں آئی تھی۔ کار کے اندر تتلی گئی تھی جس کا کہیں وجود نہیں تھا اور باہر جس حسینہ کا کوئی وجود نہیں تھا' وہ کار میں پہنچ گئی تھی اور اب جہاز میں دکھائی دے رہی تھی۔

وہ ایکدم سے چونک گیا۔ جس کے بارے میں سوچ رہا تھا' وہ اس کے پاس خالی سیٹ پر آکر بیٹھ گئی تھی۔ یہ اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ جس کے متعلق سوچ رہا ہے' وہ بن بلائے اس کے پہلو میں چلی آئے گی۔ اس کی تو جیسے شامت آگئی تھی۔ وہ صرف آکر بیٹھ جاتی تو کوئی خاص بات نہ ہوتی۔ حیرانی اور دہشت زدہ کرنے والی بات یہ تھی کہ اس نے بیٹھتے ہی اس کی طرف ذرا جھک کر بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ”میاؤں......!“

وہ اپنی سیٹ کی محدود سی جگہ میں ہڑبڑا گیا۔ اس نے سہم کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر دائیں بائیں' آگے پیچھے بیٹھے ہوئے مسافروں کو دیکھا۔ یہ اطمینان ہوا کہ وہ بلا تنہائی میں نہیں آئی ہے۔ ابھی اس پر حملہ نہیں کرے گی۔

وہ اپنی سیٹ پر ذرا پیچھے کھسک گیا تھا۔ خاموش نظروں سے پوچھ رہا تھا۔ ”کون ہو تم؟ میرے پاس کیوں آئی ہو؟“

پھر اس نے زبان سے بھی پوچھا۔ سومی نے اپنی ایک انگلی سے اپنے سر کو چھو کر اشاروں کی زبان سے کہا۔ ”میرے اندر آؤ۔“

وہ اس سے کترا رہا تھا۔ نظریں چرا رہا تھا مگر اس کی سوچ پڑھنے کے لیے اس نے نظریں ملائیں پھر چند لمحوں تک اس کی آنکھوں میں دیکھتے دیکھتے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہاں اس نے وہی سوال کیا۔ ”کون ہو تم؟“

اس نے سوچ کے ذریعے جواب دیا۔ ”یہ جہاز کراچی جارہا ہے۔ وہاں تک تمہاری ہم سفر رہوں گی پھر لاہور جاؤں گی۔ تم اسلام آباد جانا چاہتے ہو مگر کیوں جارہے ہو؟“

وہ اس سوال پر ذرا ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ”فرہاد نے تمہیں بتادیا ہوگا۔“

”میں تم سے پوچھ رہی ہوں۔ تم بولو اسلام آباد میں تمہارا کون ہے؟“

”وہاں امریکی سفارت خانے سے میرا تعلق ہے۔ میں ایک اہم سرکاری کام سے......“

وہ اپنی بات پوری نہ کرسکا۔ اس کے دماغ میں ایک ہلکا سا زلزلہ پیدا ہوا۔ اس نے تکلیف سے کراہتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ ”او گاڈ! یہ کیا ہورہا ہے؟“

سومی نے کہا۔ ”جھوٹ بولتے ہی سزا ملے گی۔ چلو سچ بولو۔“

اس نے مجبور ہو کر کہا۔ ”میں سی آئی اے کے سراغ رسانوں کی مدد کرنے آیا تھا مگر میرے اسلام آباد پہنچنے سے پہلے ہی وہ سب مارے گئے ہیں۔“

”تم اپنے ملک کے لیے اسرائیل اور انڈیا کے لیے جاسوسی کرنے جا رہے تھے۔ خیال خوانی کے ذریعے پاکستان کے جوہری اثاثوں کا سراغ لگا کر اپنے باپ کا مال سمجھ کر تینوں ممالک کے جاسوسوں کو وہاں پہنچانا چاہتے تھے۔“

اس نے سر جھکا لیا۔ جھکا ہوا سر اقرار کر رہا تھا۔ سومی نے پوچھا۔ ”پاکستان سے دشمنی کیوں ہے؟ کیا پاکستان نے کبھی تم سے دشمنی کی ہے؟“

اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اس نے پھر پوچھا۔ ”کیا پاکستان کے کسی مسلمان نے تمہارے ملک سے ایک تنکا بھی چرایا ہے؟“

وہ بیٹھے بیٹھے یوں پہلو بدل رہا تھا‘ جیسے فرار کا راستہ ڈھونڈ رہا ہو۔ اس نے کہا۔ ”جواب دو۔ دشمنی کی کوئی تو وجہ ہوگی؟ کوئی معمولی سی وجہ بتا دو۔ کسی پاکستانی نے تمہارے گھر کے کتّے کو مارا ہے؟ اگر نہیں تو تم سب کتنے ذلیل اور کمینے ہو؟ ایک اسلامی ملک کو ترقی کرنے نہیں دیتے۔ اس کے ایٹمی قوت بننے پر تلملا رہے ہو۔“

وہ شکستہ سی آواز میں بولا۔ ”یہ سیاسی معاملات ہیں۔ سیاست میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کوئی ملک کس قدر پُر امن ہے۔ لڑتا جھگڑتا نہیں ہے۔ دوستی اور محبت رکھتا ہے...... نہیں یہ نہیں دیکھا جاتا۔ سیاسی حکمتِ عملی یہ ہوتی ہے کہ ایسے ممالک کو دبا کر کچل کر اپنے مفادات حاصل کیے جاتے ہیں۔ جو کمزور نہ ہوں اور ایٹمی قوت رکھتے ہوں‘ انہیں مختلف حربوں سے‘ طرح طرح کے ہتھکنڈوں سے کمزور بنا کر ختم کر دیا جاتا ہے۔“

”اب ہم بھی یہی کر رہے ہیں۔ تمہارے تمام جاسوسوں کو نابود کر دیا گیا ہے۔ یہ ابتدا ہے۔ انتہا کیا ہوگی؟ یہ دیکھنے کے لیے تم نہیں رہو گے۔“

وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔ ”میں سمجھ گیا ہوں‘ میرا آخری وقت آ گیا ہے۔ میں فرہاد سے پوچھتا ہوں‘ کیا سمجھوتا کرنے کی کوئی گنجائش ہے؟“

”اُدھر سے جواب نہیں ملے گا۔ اس نے تمہیں میرے حوالے کیا ہے۔ ایک گھنٹے بعد کراچی پہنچنے والے ہو۔ اس وقت تک اپنی حفاظت اور سلامتی کے لیے جو کر سکتے ہو‘ کرو۔ میں سمجھوتا کر رہی ہوں۔ تمہیں کراچی پہنچ کر اپنے بچاؤ کا موقع دے رہی ہوں۔“

وہ خیال خوانی کے ذریعے یوگا جاننے والے ایک اعلیٰ افسر کے اندر پہنچا۔ وہاں گائی ڈی البرٹ آرمی ہیڈ کوارٹر کے ایک دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔ یوگا جاننے والے دوسرے افسران کو بتا چکا تھا کہ اب ان سب کے دماغ مقفل نہیں رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے ان کے سروں سے سرپرستی کا ہاتھ اُٹھا لیا ہے۔

پھر یہ معلوم ہو رہا تھا کہ موساد اور را کے جاسوسوں کے ساتھ ان کے سی آئی اے والے بھی مارے گئے ہیں۔ بلرام‘ بھنڈاری‘ مائیکل اور البرٹ جیسے ٹیلی پیتھی جاننے والے بھی انہیں بچانے میں ناکام رہے ہیں۔

ان سب کے لیے سب سے تشویش ناک خبر یہ تھی کہ فرہاد یوگا جاننے والوں کے اندر بھی پہنچ رہا ہے۔ مائیکل نے وہاں پہنچ کر کہا۔ ”شاید میں آخری بار تم لوگوں سے باتیں کرنے اور مدد مانگنے آیا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم سب میری مدد کرنے میں ناکام رہو گے۔ ڈوبنے والا تنکے کا سہارا بھی ڈھونڈتا ہے۔ بس اسی لیے چلا آیا ہوں۔“

ایک افسر نے پوچھا۔ ”تمہارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کیا تم کراچی پہنچ گئے ہو؟“

”ایک گھنٹے کے اندر پہنچنے والا ہوں اور شاید وہیں خاک میں ملنے والا ہوں۔“

”ہمارے لیے مشکل یہ ہے کہ وہ ٹیلی پیتھی کے ہتھیار سے مارتا ہے۔“

دوسرے افسر نے کہا۔ ”ہم تمہارے لیے سیکیورٹی کے انتظامات کریں گے تو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔“

ایک اور افسر نے کہا۔ ”ہمارے تو ٹیلی پیتھی جاننے والے بھی اسے روک نہیں پا رہے ہیں۔ تم ٹیلی پیتھی جانتے ہو۔ خود ہی دیکھ رہے ہو۔ سمجھ رہے ہو‘ تمہارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟“

اس نے کہا۔ ”فرہاد مجھے خیال خوانی کے ذریعے ہلاک نہیں کرے گا۔ اس نے مجھے ایک بلّی کے حوالے کیا ہے۔“

”بلّی......؟“ ایک افسر نے ناگواری سے کہا۔ ”تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے تمہیں کسی شیر کے آگے ڈالا گیا ہو۔“

گائی ڈی البرٹ نے کہا۔ ”وہ بلّی شیر سے زیادہ خطرناک ہے۔ ہمیں را ایجنسی کے ڈائریکٹر نے بتایا ہے کہ اس نے جے بلرام اور بھنڈاری کو ناکوں چنے چبوائے ہیں۔“

مائیکل نے کہا۔ ”میں نے اور البرٹ نے بابا صاحب کے ادارے کے سامنے اس بلّی کو کار کے اندر جاتے دیکھا تھا پھر ہمیں کار کے اندر ایک حسین دوشیزہ نظر آئی تھی۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ وہ کتنی خطرناک ہے‘ روپ بدلتی ہے۔“

اعلیٰ افسر نے کہا۔ ”یہ فریبِ نظر ہو سکتا ہے۔ تمہاری



[افس]روں نے دھوکا کھایا ہوگا۔“

”ہو سکتا ہے‘ یہ فریبِ نظر ہو۔ اس کے بعد ہم نے اس [بلّی] کو نہیں دیکھا لیکن......“

وہ ذرا چپ ہوا۔ اس نے اپنے پاس بیٹھی ہوئی سومی کو [د]یکھا پھر سوچ کے ذریعے کہا۔ ”لیکن وہ بلّی نہ ہوتے ہوئے بھی [ہ]ے۔ اسی دوشیزہ کے روپ میں ابھی فرہاد کے پاس سے اُٹھ کر [می]رے پاس آ کر بیٹھی ہے۔ اب کراچی تک میرے ساتھ لگی [رہ]ے گی۔“

”تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ دوشیزہ بلّی ہے؟“

”اس لیے کہ وہ زبان سے بولنا نہیں جانتی‘ صرف ’میاؤں‘ کہتی ہے۔“

کچھ افسران یقین کر رہے تھے۔ کچھ کہہ رہے تھے۔ ”یہ [بک]واس ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ جانور انسان بن جائے۔ یہ [ک]سی طرح کی شعبدہ بازی ہوگی۔ عجیب مضحکہ خیز بات ہے کہ [ای]ک بلّی دوشیزہ بن کر جہاز میں سفر کر رہی ہے۔“

مائیکل نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے‘ میرے پاس بیٹھی ہوئی یہ [ح]سینہ بلّی نہ ہو۔ یہ کوئی بھی ہو۔ بہرحال مجھے سزائے موت سنا[ئی گئی] ہے۔ میں اسلام آباد نہیں جا سکوں گا۔ یہ جہاز آدھے گھنٹے [می]ں کراچی پہنچنے والا ہے۔ وہی شہر میری آخری منزل ہے۔“

”تم کہتے ہو‘ فرہاد تمہیں خیال خوانی کے ذریعے ہلاک نہیں کرے گا۔ اگر یہ درست ہے تو یہ دوشیزہ تمہارا کیا بگاڑ لے [گ]ی؟ تم ٹیلی پیتھی جانتے ہو پھر یہ کہ مرد ہو۔ اس کی گردن دبوچ [لو] گے تو وہ چوں بھی نہیں کر سکے گی۔“

”جب وہ تینوں جے بلرام اور بھنڈاری اس کا کچھ نہیں [بگ]اڑ سکے تو میں اکیلا کیا کر سکوں گا؟ میں نہیں جانتا‘ کراچی پہنچ کر [م]یرا کیا ہوگا؟“

پھر وہ کچھ سوچ کر بولا۔ ”پاکستان میں خودکش حملوں کی [رو]ایت چل پڑی ہے۔ ہو سکتا ہے‘ وہاں اس کے لیے دھماکا خیز [جی]کٹ تیار رکھی گئی ہو۔ یہ اسے پہن کر میرے سامنے آ سکتی [ہ]ے۔ فرہاد نے کہا ہے‘ میرے اندر نہیں آئے گا لیکن اس کے [ا]ندر رہ کر اسے مجھ پر حاوی کر سکتا ہے۔“

البرٹ نے کہا۔ ”ہاں۔ وہ سیدھی طرح ہلاک نہیں کرتا۔ [بہ]ت ہی دوڑا دوڑا کر تڑپا تڑپا کر بڑے ہی ڈرامائی انداز میں [ما]رتا ہے۔“

پھر اس نے ذرا فاصلے پر بیٹھے ہوئے اعلیٰ افسر سے [ک]ہا۔ ”اب یہی دیکھو کہ تم ابھی میز کی دراز کھول کر اپنا [ر]یوالور نکالو گے۔“

سب نے چونک کر البرٹ کو دیکھا۔ اعلیٰ افسر نے کہا۔

”میں خوامخواہ ریوالور کیوں نکالوں گا؟“

فرہاد البرٹ کے دماغ سے نکل کر اس افسر کے اندر آیا۔ اس نے بے اختیار وہی کیا پھر کہا۔ ”ہاں۔ وہ جو چاہتا ہے‘ وہی کر رہا ہوں۔ بولو پہلے کسے گولی ماروں؟“

یہ سن کر سب ہی اپنی جگہ سے اُچھل پڑے۔ کچھ اِدھر اُدھر چھپنے لگے۔ کچھ کمرے سے باہر بھاگنے لگے۔ البرٹ نے کہا۔ ”سر! پلیز اسے پھینک دیں۔“

اس نے کہا۔ ”تم ٹیلی پیتھی جانتے ہو۔ تمہاری موت کے بعد ہم یوگا جاننے والے اکابرین کمزور ہو جائیں گے۔ چلو میرے اندر آؤ۔ مجھے گولی چلانے سے روکو اور اپنی جان بچاؤ۔“

وہ فوراً ہی خیال خوانی کی چھلانگ لگا کر اس افسر کے اندر آیا پھر چیخ کر بولا۔ ”نہیں فرہاد نہیں...... فار گاڈ سیک! مجھے نہ مارو۔ میری بات سنو۔“

وہ بولنے کے دوران اعلیٰ افسر کے دماغ پر قبضہ جما کر اس کے ہاتھ سے ریوالور گرانا چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔ ”کوشش کرو۔ یہی فرہاد کا ڈرامائی انداز کہلاتا ہے۔“

وہ ناکام ہو کر ریوالور چھیننے کے لیے دوڑتا ہوا آیا۔ اسی وقت گولی چل گئی۔ وہ لڑکھڑا کر گر پڑا پھر دوسری گولی نے ان کے ایک قیمتی ٹیلی پیتھی جاننے والے کو ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا کر دیا۔

اس اعلیٰ افسر کا دماغ آزاد ہو گیا۔ اس نے چونک کر حیرانی سے البرٹ کی لاش دیکھی۔ اس کے ہاتھ سے ریوالور چھوٹ گیا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا دروازے پر آ کر آوازیں دینے لگا۔ ”تم سب کہاں ہو؟ یہاں آؤ۔ ہمارا ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا قیمتی سرمایہ فنا ہو گیا ہے۔ میرے ہاتھ میں ریوالور نہیں ہے۔ دیکھو میں خالی ہاتھ ہوں۔“

جو افسران کمرے میں چھپے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے اس ہتھیار کو اُٹھا کر بلند آواز میں کہا۔ ”اندر آ جاؤ۔ خطرہ نہیں ہے۔“

وہ سب ایک ایک کر کے اندر آنے لگے۔ آرمی کے جوان آ کر البرٹ کی لاش اُٹھا کر لے گئے۔ جس افسر کے ہاتھوں وہ قتل ہوا تھا‘ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گیا تھا۔ کہہ رہا تھا۔ ”ہمیں کچھ کرنا ہوگا۔ ہمارا ایک ہی سرمایہ ہمارے پاس رہ گیا ہے مائیکل۔ اسے ہر قیمت پر بچانا ہوگا۔“

کوئی حکمران فوج کے بغیر طاقتور نہیں ہوتا۔ وہ دو ٹیلی پیتھی جاننے والے ان کے فوجی تھے۔ البرٹ کے مرتے ہی ان کی طاقت آدھی ہو گئی تھی۔ باقی آدھی قوت مائیکل تھا۔ وہ سب اسے بچانے کے لیے پاکستانی حکمرانوں سے ہاٹ لائن پر

باتیں کرنے لگے۔ مائیکل کی سلامتی کے لیے کراچی ایئرپورٹ پر سیکیورٹی کے سخت انتظامات کرانے لگے۔

مائیکل ان کے اندر رہ کر سب ہی کی مصروفیات دیکھ رہا تھا۔ ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔ ”تمہارے ساتھ جو دوشیزہ ہے اس کا نام اور اس کی شناخت بتاؤ۔ وہ جیسے ہی جہاز سے اُتر کر امیگریشن کاؤنٹر پر آئے گی اسے گرفتار کرلیا جائے گا۔“

اس نے کہا۔ ”ہاں۔ یہ گرفتار ہوجائے گی۔ میرے ساتھ سائے کی طرح نہیں رہے گی تو شاید میں طبعی عمر تک جی سکوں گا۔“

پھر اس نے کچھ سوچ کر کہا۔ ”جسٹ اے منٹ۔ میرا انتظار کریں۔ میں ابھی آتا ہوں۔“

اس نے خیال خوانی کے ذریعے فرہاد کو مخاطب کیا پھر کہا۔ ”یہ جو میرے پاس آئی ہے۔ کہتی ہے تم نے مجھے اس کے حوالے کیا ہے۔ اگر میں اس سے بچ نکلوں گا تو کیا تم مجھے مار ڈالو گے؟“

اس نے کہا۔ ”نہیں...... تمہارے مقدر میں زندگی ہوگی۔ تم اس سے بچ نکلو گے تو میں تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔ کبھی تمہاری طرف رُخ نہیں کروں گا۔“

وہ مطمئن ہوکر بولا۔ ”ہم سب جانتے ہیں تم زبان کے دھنی ہو۔ تمہارا شکریہ۔“

اس نے اعلیٰ افسران کے پاس آکر کہا۔ ”فرہاد نے زبان دی ہے۔ وہ مجھے نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اب میری زندگی آپ لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ کراچی ایئرپورٹ پر سیکورٹی الرٹ رکھیں۔“

”فکر نہ کرو۔ ہم تمہاری سلامتی کے لیے جان لڑا دیں گے۔“

جہاز رن وے پر دوڑ رہا تھا۔ اس کے اندر ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ وہ بُری طرح اضطراب میں مبتلا ہوگیا تھا۔ اس نے افسران سے کہا۔ ”جہاز اب رکنے والا ہے۔ کسی بھی طرح اس دوشیزہ کو مجھ سے دور کردو۔ ایئرپورٹ کی عمارت میں اسے میرے قریب نہ رہنے دو۔“

”فکر نہ کرو۔ وہ امیگریشن کاؤنٹر سے آگے نہیں جاسکے گی۔ اسے حراست میں لے کر تم سے دور کردیا جائے گا۔“

جہاز رُک گیا۔ مسافر اپنا اپنا دستی سامان اُٹھا کر باہر جانے لگے۔ فرہاد بھی تسبیح خوانی کرتا ہوا باہر جارہا تھا۔ مائیکل کے ذہن میں یہ بات آئی کہ اسے بھی گرفتار کرائے۔ بلکہ اسے گولی مارنے کا حکم دے لیکن وہ صرف سوچ کر رہ گیا۔ فرہاد کے زیرِ اثر تھا۔ اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا تھا۔

وہ اپنے زیرِ اثر رہنے والے کو کسی بھی لمحے میں ہلاک کر سکتا تھا لیکن اپنی زبان پر قائم تھا۔ اب اسے ایک انا... پہنچانے والا نہیں تھا۔ اسے سوی کے حوالے کرچکا تھا۔

مائیکل نے سوی سے پوچھا۔ ”کیا تم اس کے ساتھ جاؤ گی؟“

”نہیں...... تمہارے ساتھ رہوں گی۔“

اس نے پریشان ہوکر اسے دیکھا۔ دل میں مانگی۔ ”او گاڈ اس بلا سے میرا پیچھا چھڑا دے پھر فرہاد سے ... کے لیے پیچھا چھوٹ جائے گا۔“

اس نے پاکستان میں امریکی سفیر سے رابطہ کیا۔ بولا۔ ”فکر نہ کرو۔ میرا پرسنل سیکریٹری ایئرپورٹ میں مسلح ... فورس کے ساتھ موجود ہے۔ تم جس دوشیزہ کی طرف اشارہ کروگے اسے گرفتار کرلیا جائے گا۔“

وہ اُٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ سوی بھی اُٹھ گئی۔ وہ دونوں سب سے آخر میں وہاں سے اُتر کر عمارت کی سمت جانے لگے۔ اسے یقین تھا کہ وہ ابھی چند منٹوں میں قانون کے قدموں تلے ہوگی۔

انسان جب تک جیتا ہے موت اس کے ساتھ چلتی رہتی ہے۔ اس کی یہ سوچ غلط تھی کہ پیچھا چھوٹ جائے گا۔ وہ چلتے چلتے لیڈیز ٹوائلٹ کے سامنے رُک گئی۔ ”جسٹ اے منٹ...... میں ابھی آتی ہوں۔“

وہ جواب سنے بغیر دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔ مائیکل رُک گیا۔ اسے یوں لگا جیسے سر سے پہاڑ اُتر گیا ہے۔ گلے سے پھندا نکل گیا ہے۔ وہ وہاں سے بھاگ کر جان بچا سکتا تھا مگر عقل نے سمجھایا وہاں سے بھاگنا حماقت ہوگی۔ سوی کی نشاندہی کون کرے گا؟ وہ اِدھر اُدھر کہیں چھپ جائے گی۔

وہی اسے گرفتار کرا سکتا تھا لیکن دوسری سوچ الجھا رہی تھی کہ وہ وہاں کھڑا ہوا اپنی موت کا انتظار کر رہا ہے۔ اسے آگے نکل جانا چاہیے۔ پہلے سیکیورٹی گارڈز کے درمیان پہنچنا چاہیے۔ جب وہ اس کے پیچھے آئے گی تو اسے گرفتار کرانا چاہیے۔

یہ سوچتے ہی وہ وہاں سے جانا چاہتا تھا پھر ٹھٹک گیا۔ سوی ٹوائلٹ میں گئی تھی لیکن اس نے دروازے کو پوری طرح بند نہیں کیا تھا۔ ذرا سا کھلا چھوڑ دیا تھا۔ اب اس دروازے سے بلی باہر آئی تھی اور اس کے سامنے سے گزرتی ہوئی امیگریشن کاؤنٹر کی طرف جارہی تھی۔

وہ اس کے پیچھے دوڑتا ہوا چیخنے لگا۔ ”پکڑو...... پکڑو۔ یہ بلی بن گئی ہے...... اسے جانے نہ دو۔“

آگے مسلح سپاہی کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے گن سیدھی کرتے ہوئے اسے نشانے پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”رُک جاؤ......“

وہ رُک کر بولا۔ ”مجھے نہیں۔ اس بلی کو روکو...... اسے جانے نہ دو۔“

پولیس افسر نے پوچھا۔ ”تم کون ہو؟ بلی کے پیچھے کیوں بھاگ رہے ہو؟“

اس نے کہا۔ ”میں مائیکل فورڈ ہوں۔ آپ لوگ میری سیکیورٹی کے لیے آئے ہیں۔“

وہاں امریکی سفیر کا پرسنل سیکریٹری کھڑا ہوا تھا۔ اس نے پوچھا۔ ”کیا آپ ہی مائیکل فورڈ ہیں...... یور آئیڈنٹٹی پلیز؟“

اس نے اپنا پاسپورٹ دکھایا۔ سیکریٹری نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ”خوش آمدید۔ یہاں سیکیورٹی کے مکمل انتظامات ہیں۔ آپ پر ایک ذرا آنچ نہیں آئے گی۔ آپ اس دوشیزہ کی نشاندہی کریں۔ وہ جیسے ہی اپنا پاسپورٹ لے کر کاؤنٹر پر آئے گی اسے گرفتار کرلیا جائے گا۔“

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ باہر جانے والے دروازے کے پاس کھڑی ہوئی اسے گھور کر دیکھ رہی تھی۔ اس نے انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”وہ ہے...... وہ دیکھو۔ وہ بلی بن گئی ہے۔“

سب نے دروازے کے پاس اسے دیکھا۔ پولیس افسر نے پوچھا۔ ”آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کون بلی بن گئی ہے؟“

سیکریٹری نے کہا۔ ”مسٹر مائیکل! آپ بلی کو نہ دکھائیں۔ لڑکی کو دکھائیں۔ وہ کہاں ہے؟“

”کہہ تو رہا ہوں۔ یہ بلی بن گئی ہے۔ وہ سامنے ہے اسے فوراً پکڑیں۔“

پولیس افسر اور سیکریٹری نے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے نظروں ہی نظروں میں پوچھا۔ ”کیا یہ پاگل ہے؟“

پھر سیکریٹری نے پوچھا۔ ”مسٹر مائیکل! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟ یہ کیسی باتیں کررہے ہیں؟ کون بلی بن گئی ہے؟“

وہ جھنجلا کر بولا۔ ”میں پاگل نہیں ہوں۔ جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔ وہ جو سامنے ہے بلی سے لڑکی بن جاتی ہے پھر لڑکی سے بلی بن جاتی ہے۔ ابھی یہ بلی کے روپ میں ہے۔“

وہ پولیس افسر سے بولا۔ ”پلیز آپ اسے پکڑیں۔ ورنہ یہ بھاگ جائے گی۔“

افسر نے ناگواری سے کہا۔ ”آپ ہماری اِنسلٹ کر رہے ہیں۔ ہم کتے بلیاں پکڑنے والی پولیس نہیں ہیں۔“

”میں اِنسلٹ نہیں کر رہا ہوں۔ آپ مائنڈ نہ کریں۔ میری بات کو سچ سمجھیں۔ آپ جادو کو تو مانتے ہیں۔ یہ سمجھ لیں کہ اس پر کالا جادو کیا گیا ہے۔“

”اس پر جادو کیا گیا ہے یا نہیں؟ وہ انسان ہے یا جانور؟ ہم نہیں جانتے۔ ہم یہ وردی پہن کر ایک جانور کے پیچھے نہیں دوڑیں گے۔“

سیکریٹری نے کہا۔ ”مسٹر مائیکل! آپ پولیس کو تماشا بنانے والی بات نہ کریں۔ لڑکی دکھائیں۔“

اس نے بے بسی سے پولیس والوں کو دیکھا پھر بلی کو دیکھا۔ وہ دروازے کے پاس اطمینان سے بیٹھی جیسے پوچھ رہی تھی۔ ”اب کیا کروگے سیکیورٹی فیل ہورہی ہے۔“

اس نے اپنے سفری بیگ سے بڑے نوٹوں کی ایک گڈی نکالی۔ اسے افسر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”یہ پچاس ہزار ڈالرز ہیں۔ آپ اس بلی کو ابھی گولی ماریں۔ میں ابھی دو لاکھ ڈالرز دوں گا۔“

ایک بلی کو مارنے کے ڈھائی لاکھ ڈالرز......؟ اس افسر کو اب سے پہلے اتنی بڑی رشوت نہیں ملی تھی۔ دیکھا جائے تو وہ رشوت نہیں تھی۔ اسے کام کا معاوضہ دیا جارہا تھا۔ سیکریٹری نے کہا۔ ”رکھ لیں۔ ایک بلی کو مارنے میں کیا ورکتی ہے؟ ایک گولی چلانے کے عوض اتنی بڑی رقم پھر کبھی نہیں ملے گی۔“

افسر نے رقم لے کر دروازے کی طرف دیکھا تو وہ وہاں نہیں تھی۔ اس نے ریوالور نکالتے ہوئے سپاہیوں کو حکم دیا۔ ”چلو اسے ڈھونڈو۔ وہ یہیں کہیں ہوگی۔ اسے پکڑنے کی کوشش کرو۔ یہاں لوگوں کا ہجوم ہے۔ گولی نہ چلاؤ۔ اگر پکڑ میں نہ آئے تو ایک ہی گولی میں اس کا کام تمام ہوجانا چاہیے۔“

سپاہی دوڑتے ہوئے وہاں سے جانے لگے۔ ہر طرف اسے ڈھونڈنے لگے۔ ان کے علاوہ درجنوں سپاہی اور جونیئر افسران عمارت کے مختلف حصوں میں تھے۔ اعلیٰ افسر فون کے ذریعے ان سب کو حکم دینے لگا۔ ”ہم کسی لڑکی کو نہیں ایک بلی کو پکڑنے آئے ہیں۔ وہ اسی عمارت میں ہے۔ اسے پکڑنے کی کوشش کرو۔ جب ہاتھ نہ آئے تو گولی ماردو۔“

وہاں جتنے سپاہی اور افسران تھے۔ وہ سب کے سب ایک بلی کے پیچھے بھاگنے لگے۔ وہ کہیں گم نہیں ہوئی تھی۔ ایک چھلاوہ تھی، کبھی نظر آرہی تھی۔ کبھی نظروں سے اوجھل ہورہی تھی۔ اپنی موجودگی سے جتلا رہی تھی کہ جہاں مائیکل رہے گا وہیں اس کے آس پاس وہ بھی رہے گی۔ مسلح گارڈز نے مائیکل کو وی آئی پی روم میں پہنچا دیا تھا۔ جب تک بلی پکڑی نہ جاتی یا ماری نہ جاتی تب تک کسی کو وہاں جانے کی اجازت نہیں دی جارہی تھی۔

تمام مسافر یہ سن کر اور دیکھ کر حیران ہورہے تھے کہ

وطن کے مسلح جیالے سپاہی ایک بلّی کے پیچھے دوڑتے پھر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد پتا چلا کہ اس عمارت میں ایک نہیں تین بلّیاں ہیں۔ وہ سب ایک کے پیچھے نہیں، تین کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔

بیچارے ہلکان ہو رہے تھے، ہانپ رہے تھے۔ ایسی سچویشن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ ان میں سے مطلوبہ بلّی کون سی ہے؟

پولیس کے اعلیٰ افسر نے پوچھا۔ ''آپ کس بلّی کی گرفتاری چاہتے ہیں؟ اس کی پہچان کیا ہے؟''

اس نے کہا۔ ''وہ سفید بلّی ہے۔''

سپاہیوں نے کہا۔ ''یہاں نظر آنے والی تینوں بلّیاں سفید ہیں۔ ان میں سے ایک پر سیاہ دھبّے ہیں۔ دوسری پر بھورے اور تیسری پر بادامی رنگ کے دھبّے ہیں۔ ان میں سے کس کو پکڑا جائے؟''

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے توجہ سے بلّی بننے والی کو نہیں دیکھا تھا۔ سفارت خانے کے سیکریٹری اور اعلیٰ افسر نے بھی دھیان نہیں دیا تھا۔ مائیکل نے جھنجلا کر کہا۔ ''اُلجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں جتنی بھی بلّیاں ہیں، انہیں گولی سے اُڑا دو۔''

انسانی جان کی کوئی قیمت نہیں ہوتی پھر بھلا بلّیوں کا حساب کون لیتا ہے کہ انہیں کیوں مارا گیا؟ پندرہ منٹ کے بعد رپورٹ ملی کہ ایک بلّی ماری گئی ہے۔ باقی دو نشانے پر نہیں آ رہی ہیں۔

ایئرپورٹ کی عمارت میں مسافروں کی اور وزیٹرز کی بھیڑ لگ گئی تھی۔ جو مختلف شہروں سے اور بیرونی ممالک سے آئے تھے، وہ بھی یہ دلچسپ تماشا دیکھنے کے لیے رُک گئے تھے۔ دلچسپ انتظار اس بات کا تھا کہ خطرناک مجرموں کو پکڑنے والی پولیس ان بلّیوں کو ٹھکانے لگا سکے گی یا نہیں؟

مائیکل اسلام آباد جانے والا تھا۔ اس کی فلائٹ روانگی کے لیے تیار تھی لیکن وہ وی آئی پی روم سے باہر نہیں نکل رہا تھا۔ کہہ رہا تھا۔ ''جب تک وہ نہیں مرے گی، میں جہاز میں جا کر نہیں بیٹھوں گا۔ وہ پھر کسی دوسرے روپ میں وہاں پہنچ جائے گی۔''

وہ بُری طرح سہما ہوا کہہ رہا تھا۔ ''فرہاد نے مجھے چھوٹ دی ہے۔ صرف وہی چار پاؤں والی رہ گئی ہے۔ پہلے اسے ختم کرو۔ میں کسی دوسری فلائٹ سے اسلام آباد جاؤں گا۔''

آدھے گھنٹے بعد اطلاع ملی کہ دوسری بلّی بھی ماری گئی ہے۔ اب ایک رہ گئی ہے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ سومی نشانے پر آ چکی ہے یا ابھی تک زندہ ہے؟

مائیکل کسی حد تک مطمئن ہو گیا تھا۔ وہ جو تیسری رہ گئی تھی، کسی وقت بھی ماری جا سکتی تھی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ فرہاد کے تمام دشمنوں کی طرح مرنے والا نہیں ہے۔ اسے ایک نئی زندگی ملنے والی ہے۔

بے چاری دو بلّیاں خواہ مخواہ ماری گئی تھیں۔ ان کے بعد ایک گھنٹا گزر گیا۔ مائیکل کو خوش خبری نہیں ملی، پھر دو گھنٹے گزر گئے، خبر ملی کہ وہ کہیں نظر نہیں آ رہی ہے۔ ہنوز تلاش جاری ہے۔

مائیکل نے کہا۔ ''وہ مکاری دکھا رہی ہے۔ اسے ڈھونڈو، پیچھا نہ چھوڑو۔ آخر کب تک چھپی رہے گی؟ ضرور پکڑی جائے گی۔''

اسے عمارت کے ایک ایک گوشے میں تلاش کیا جا رہا تھا۔ وہ جہاں بھی چھپی ہوئی تھی، اب تب میں ماری جانے والی تھی۔ عمارت کے دور اُفتادہ حصوں سے فون پر کہا جا رہا تھا، وہ اُدھر نہیں ہے۔ امیگریشن کاؤنٹر، لگیج ہال، وزیٹرز لابی اور کئی مقامات سے تھک ہار کر کہا جا رہا تھا، تیسری نہیں ہے۔ وہ دو بلّیوں کا انجام دیکھ کر عمارت سے دور بھاگ گئی ہے۔

مائیکل نے گھبرا کر کہا۔ ''میں مر جاؤں گا۔ اسے دور جانے اور گم نہ ہونے دو۔ پتا نہیں، پھر کس روپ میں چلی آئے گی؟ اسے کسی بھی طرح مار ڈالو۔ میں پانچ لاکھ ڈالرز دوں گا۔ ابھی دوں گا۔''

وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ تیسری بلّی کی گمشدگی نے اس کا اطمینان ختم کر دیا تھا۔ وہ اِدھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا۔ خیال خوانی کے ذریعے یوگا جاننے والے افسران سے کہہ رہا تھا۔ ''فرہاد نے وعدہ کیا ہے، مجھے ہلاک نہیں کرے گا۔ ہاتھ بھی نہیں لگائے گا اور وہ سچ مچ میری طرف رُخ نہیں کر رہا ہے مگر وہ بلّی جو میری جان کی دشمن بن گئی ہے، اس سے پیچھا چھڑانے میں یہاں کی سیکیورٹی ناکام ہو رہی ہے۔''

وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر بولا۔ ''فار گاڈ سیک۔ مجھے بچاؤ۔ پاکستانی حکمرانوں کو دھمکیاں دو کہ میری موت انہیں بہت مہنگی پڑے گی۔ وہ موجودہ سیاستداں اقتدار میں رہنا چاہتے ہیں تو آرمی کے ذریعے مجھے تحفظ فراہم کریں۔ اس بلّی کو کسی طرح ڈھونڈ کر مار ڈالیں۔''

پاکستانی حکمرانوں کو مائیکل کا مسئلہ بتایا گیا۔ انہیں دھمکیاں دی گئیں تو وہ مقتدر سیاستداں آپس میں مشورے کرنے لگے کہ کس طرح مائیکل کی جان بچا کر اپنے سرپرست امریکا کو خوش کریں؟

وہ سمجھ رہے تھے کہ بلّی مرے گی تو ان کا اقتدار قائم رہے گا۔ مسئلہ صرف یہ تھا کہ مائیکل کو مطمئن کر کے اسلام آباد پہنچانا

تھا۔ ہیرا پھیری کے معاملے میں پاکستانی سیاستدانوں کی کھوپڑیاں خوب کام کرتی ہیں۔ انہوں نے اچھی طرح سر کھپانے کے بعد بڑی راز داری سے ایک بلی کو ایئر پورٹ پہنچایا۔ ایک پولیس افسر نے اسے گولی ماری پھر مائیکل کو خوش خبری سنائی کہ وہ وہاں کے مال گودام میں چھپی ہوئی تھی۔ اس کا قصہ تمام کر دیا گیا ہے۔

جب اس نے تین مردہ بلیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو یقین کر لیا کہ وہ روپ بدلنے والی دوشیزہ ماری گئی ہے۔ اس نے کہا۔ ''اب میں اسلام آباد نہیں جاؤں گا۔ امریکا جانے والی کسی بھی فلائٹ میں میری سیٹ او کے کراؤ۔''

اس رات امریکا جانے کے لیے کوئی فلائٹ نہیں تھی۔ وہ دوسری صبح جا سکتا تھا۔ لہٰذا سرکاری گیسٹ ہاؤس میں رات گزارنے کے لیے وی آئی پی روم سے باہر آیا۔ اس سے پہلے اس نے خیال خوانی کے ذریعے فرہاد کو مخاطب کیا پھر کہا۔ ''تم نے وعدہ کیا تھا کہ میں زندہ سلامت رہوں گا تو تم میری طرف کبھی رُخ نہیں کرو گے۔ اب کیا کہتے ہو؟''

اس نے کہا۔ ''میں اپنے وعدہ پر قائم رہوں گا۔ آئندہ تم میری طرف رُخ نہ کرنا۔ جاؤ یہاں سے۔''

اس نے سانس روکی۔ مائیکل وہاں سے نکل آیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ بلی ماری گئی ہے اور فرہاد دشمنی کرنے کبھی اس کی طرف نہیں آئے گا۔ وہ ایک افسر اور چھ مسلح سپاہیوں کے درمیان چلتا ہوا عمارت کے باہر آیا۔ وہاں سے تقریباً چالیس گز کے فاصلے پر سیکورٹی فورس کی گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ اس گاڑی میں اسے بیٹھ کر جانا تھا۔

فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ وہ ایک منٹ میں اس گاڑی تک پہنچ سکتا تھا مگر بلیاں تو راستہ کاٹنے کی عادی ہوتی ہیں۔ وہ بھی راستے میں آ گئی۔ وہ جیسے اچانک ہی آسمان سے ٹپک پڑی تھی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے' لمحوں میں صدیوں کا کھیل نمٹ جاتا ہے۔

وہ ایک پجیرو کو تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتی ہوئی بلائے ناگہانی کی طرح سر پر پہنچ گئی۔ سپاہیوں نے بچنے کے لیے اِدھر اُدھر چھلانگ لگائی۔ مائیکل ان کے درمیان تھا۔ بھاگتے وقت ایک سپاہی سے ٹکرا کر گر پڑا پھر موت اسے اُٹھنے سے پہلے کچلتی ہوئی گزر گئی۔

سپاہیوں نے بڑی پھرتی دکھائی۔ پجیرو کے پہیوں پر گولیاں چلائیں۔ وہ ناکارہ ہو کر آگے جا کر رُک گئی۔ وہ گاڑی چلانے والی متواتر فائرنگ کے باعث دروازہ کھول کر باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ چاروں طرف سے گولیوں کی زد میں آ سکتی تھی۔

مگر ایسا نہیں ہوا۔ جو ہوا' ان سب کی توقع کے خلاف ہوا اس گاڑی کا دروازہ نہیں کھلا۔ دو پاؤں والی باہر نہیں آئی۔

وہ سب حیرت کے مارے چند لمحوں تک گولیاں چلانا بھول گئے۔ چار پاؤں والی کھڑکی کے راستے چھلانگ لگاتی ہوئی باہر آئی پھر دوسری گاڑیوں کے پیچھے چلی گئی۔

کئی سپاہی دوڑتے ہوئے اُدھر گئے۔ پارکنگ ایریا میں بے شمار گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ ان کے اندر جھانکتے ہوئے' اوپر نیچے دیکھنے لگے۔ وہ تو چھلاوہ تھی۔ اِدھر آئی' اُدھر گئی۔ ایئر پورٹ کی عمارت میں گھنٹوں آنکھ مچولی کھیلتی رہی تھی۔ پارکنگ ایریا میں بھی وہ کھیل جاری رہا۔

وہ تھکا دینے والی تھی۔ نظر آنے والی نہیں تھی۔ کیونکہ وہ بلی کو تلاش کر رہے تھے۔ جبکہ وہ دو پیروں سے چلتی ہوئی ایک ٹیکسی میں جا کر بیٹھ گئی تھی۔ فرہاد ہوٹل شیرٹن میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔

☆☆☆

یوگا جاننے والے آرمی افسران کے دونوں ٹیلی پیتھی جاننے والے فنا ہو گئے۔ یہ خبر ان کے مخالفین تک پہنچی کہ وہ سُپر پاور کہلانے والے ٹیلی پیتھی کے ہتھیار سے خالی ہو چکے ہیں۔ ان کی کمر ٹوٹ چکی ہے۔

راستہ کھل چکا تھا۔ جے' بلرام اور بھنڈاری ان افسران کے دماغوں میں پہنچ گئے۔ جے نے کہا۔ ''ہم آ گئے ہیں۔ ہم کو پہلے کی طرح بھگاؤ۔''

وہ طعنہ سن کر چپ رہے۔ بلرام نے کہا۔ ''تم لوگوں نے اعلیٰ حضرت کا آشیر واد لیا تھا۔ اپنے دماغوں کو لاک کرایا تھا۔ ہماری سوچ کی لہروں کو اپنے اندر آنے نہیں دیتے تھے۔ اب ہم کو کیسے روکو گے؟''

وہ سب عام انسانوں کی طرح نہتے' مجبور اور کمزور ہو گئے تھے۔ بھنڈاری نے کہا۔ ''تمہارے دماغوں کے دروازے کھل گئے ہیں۔ مائیکل اور البرٹ کی موت نے تمہارے غباروں سے ہوا نکال دی ہے۔ تم لوگ تو مٹی کے کیڑے بن گئے ہو۔ ہم جب بھی چاہیں گے' تم کو روندتے ہوئے گزر جائیں گے۔''

ان افسران نے کہا۔ ''اب تو جو کہو گے' ہم چپ چاپ سنتے رہیں گے۔ ہم آج بھی سُپر پاور ہیں لیکن ٹیلی پیتھی کے میدان میں سُپر سے صفر ہو گئے ہیں۔''

دوسرے افسر نے کہا۔ ''ہمیں طعنے دو۔ ہمارا مذاق اُڑاؤ مگر یہ لکھ لو کہ ہمارے بعد تمہاری باری ہے۔''

ایک اور افسر نے کہا۔ ''تم لوگوں نے تو فرہاد کو شکنجے میں کس لیا تھا۔ اس کی بلی چڑھانے والے تھے پھر کیا ہوا؟ وہ پچھلی



اماوس کی رات سے تمہارے لیے دردِ سر بن گیا ہے۔''

وہ باری باری کہہ رہے تھے۔ ''کیا تمہارے پاس اپنے دردِ سر کی دوا ہے؟ کیا تم اس کا کچھ بگاڑنے کی طاقت رکھتے ہو؟''

اعلیٰ افسر نے کہا۔ ''اگر تمہاری ٹیلی پیتھی اور کالا جادو کوئی اثر دکھاتا تو اپنے گرو مہاراج کو بچا لیتے۔ اس کے ہاتھوں مرنے نہ دیتے۔''

بھنڈاری نے غصے سے کہا۔ ''بکواس نہ کرو۔ ہم جلد ہی اس کا سر کچلنے والے ہیں۔''

''ہم بھی یہی کہا کرتے تھے کہ سُپر پاور ہیں۔ وسیع ذرائع' وسیع اختیارات رکھتے ہیں۔ ہمارے پاس اسلحہ کی اور ڈالرز کی طاقت ہے۔ اپنی سیاسی حکمتِ عملی کے ذریعے آدھی سے زیادہ دنیا پر حکومت کرتے ہیں۔ فرہاد کو اور بابا صاحب کے ادارے کو جلد ہی اپنے زیرِ اثر لے آئیں گے لیکن بے انتہا طاقتور ہونے کے باوجود ہم کبھی انہیں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور نہ کر سکے۔''

ایک اور افسر نے کہا۔ ''اور آج ہم ہی گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ ہم پھر کہہ رہے ہیں' اسے لکھ لو۔ ہمارے بعد تمہاری باری ہے۔''

''ہمیں طعنے نہ دو۔ ہمارے انجام سے عبرت حاصل کرو۔ اپنے بچاؤ کی تدبیر کرو اور را کے ڈائریکٹر سے ہماری بات کراؤ۔''

تھوڑی دیر بعد را کے ڈائریکٹر نے فون پر کہا۔ ''ہیلو......! یہ سن کر بہت افسوس ہو رہا ہے کہ تمہارے دونوں ٹیلی پیتھی جاننے والے مارے گئے ہیں۔''

اعلیٰ افسر نے کہا۔ ''ہم جلد ہی فون پر اسی طرح افسوس کریں گے کہ تمہارے تینوں ٹیلی پیتھی اور کالا جادو جاننے والے مارے گئے ہیں۔''

دوسرے افسر نے کہا۔ ''تم سب مانو یا نہ مانو' جس طرح موت اٹل ہوتی ہے' اسی طرح فرہاد کا انتقام بھی اٹل ہے۔ وہ جے' بلرام اور بھنڈاری کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔''

را کے ڈائریکٹر نے کہا۔ ''موت اٹل ہوتی ہے۔ اس کے باوجود اس سے بچنے اور زندہ رہنے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔''

''تمہاری کوششیں کیا ہو سکیں گی؟ کیا فرہاد کو کہیں پکڑ سکو گے؟ اسے ہلاک کر سکو گے؟ یہ بتاؤ' اس کے سائے کو بھی چھو لینے کی کیا تدبیر کرو گے؟''

''ہم فون پر بول رہے ہیں۔ ابھی وہ ہمارے اندر موجود ہوگا۔ ہمارے چور خیالات پڑھ رہا ہوگا۔ ہم سے نہ پوچھو' ہم نہیں جانتے کہ وہ تینوں اس کے خلاف کیا تدبیر سوچ رہے ہوں گے؟ وہ ہمارے اندر آنے والا جے' بلرام اور بھنڈاری کے اندر کبھی نہیں جا سکے گا۔''

''تم کیسے کہہ سکتے ہو؟ جبکہ وہ مقفل دماغوں کے اندر بھی پہنچ جاتا ہے۔''

''ہم یقین سے کہتے ہیں' وہ ان تین جنم ساتھیوں کے اندر پہنچ نہیں پاتا ہے۔ اسی لیے وہ محفوظ ہیں۔ ہم نہیں جانتے' وہ تینوں کیا کرنے والے ہیں؟ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ اماوس کی رات سے پہلے ہی اسے ٹھکانے لگا دیں گے۔''

اعلیٰ افسر نے کہا۔ ''ہم ابھی کہہ چکے ہیں' ایسی ہی خوش فہمیاں ہمیں لے ڈوبی ہیں۔ ہم اماوس کی رات آپ لوگوں کی خیریت پوچھیں گے۔''

ان تینوں نے یہ دعویٰ ضرور کیا تھا کہ اس رات فرہاد کے ہاتھ نہیں آئیں گے لیکن وہ اندر ہی اندر سہمے ہوئے تھے۔ شلپا کو بچانے کے سلسلے میں ناکامی کا منہ دیکھ چکے تھے۔ یہ ثابت ہو چکا تھا کہ اس ایک شخص کی ٹیلی پیتھی کے آگے ان تینوں کی مشترکہ خیال خوانی بے اثر ہو جاتی ہے۔

ان کے دماغوں میں یہ سوال ہتھوڑے کی طرح لگ رہا تھا کہ اب دو راتیں رہ گئی ہیں۔ تیسری رات وہ تین سے ایک ہو جائیں گے تو ٹیلی پیتھی کی طاقت بھی گھٹ جائے گی۔ وجود ایک ہوگا تو خیال خوانی کرنے والا بھی ایک ہی ہوگا۔ جو تنہا ہوگا' وہ فرہاد کو اپنے اندر آنے سے روک نہیں پائے گا۔ وہ تو آسانی سے مارا جائے گا۔

ایشورارا کی طرح ان کے دماغ میں بھی یہ بات پک رہی تھی کہ بچاؤ کا ایک ہی راستہ ہے' جتنی جلدی ہو سکے' فرہاد کی بہت بڑی کمزوری سے کھیلا جائے۔ فی الحال اس کی کمزوری یہ تھی کہ عالی اپنی مما کی وفات پر صدمہ اُٹھا رہی تھی۔ ایسے وقت اس کے ننھے سے بچے کو یعنی فرہاد کے نواسے کو اغوا کیا جائے گا۔ اس بچے کو اپنی گرفت میں رکھا جائے گا تو فرہاد بھی پوری طرح گرفت میں آ جائے گا۔ اس کے سارے کس بل ڈھیلے پڑ جائیں گے۔ ایک طرف ایشورارا کو اور دوسری طرف جے' بلرام اور بھنڈاری کو انتظار تھا کہ عالی اپنے بچے کے ساتھ بابا صاحب کے ادارے سے نکل کر اپنے سسرال حیدر آباد دکن جائے۔ ایسے ہی وقت کامیابی سے اغوا کی واردات کی جائے گی۔

☆☆☆

سوی ہوٹل کے کمرے میں آئی۔ وہ بستر پر آنکھیں بند

کیے پڑا تھا۔ چہرے سے بیمار لگ رہا تھا۔ اس نے قریب آکر اس کی پیشانی کو چھو کر دیکھا۔ وہ بخار میں تپ رہا تھا۔ اب بیماریاں اور کمزوریاں پہلے کی طرح حاوی ہونے لگی تھیں۔

سومی نے فریج سے برف کے کیوبس نکال کر ایک کپڑے میں انہیں لپیٹ کر اس کی پیشانی پر رکھا۔ اس نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا پھر خیال خوانی کے ذریعے کہا۔ ”شکریہ......تم بہت اچھی ہو۔“

وہ بھی سوچ کے ذریعے بولی۔ ”میں اچھی ہوں تو میری بات مانو۔ سونیا کا غم اتنا نہ کرو۔ یوں دن رات ماتمی انداز میں اسے یاد کرتے رہو گے تو جی نہیں پاؤ گے۔“

وہ خلا میں تکتے ہوئے بولا۔ ”اب کون جینا چاہتا ہے؟ زندگی کی کہانی ختم ہونے کے لیے ہوتی ہے۔ میری بھی کہانی کا اختتام ہو جانا چاہیے۔“

وہ کپڑے میں لپٹی ہوئی برف اس کی پیشانی پر رکھ رہی تھی۔ ایسے وقت کلائی کا تل دکھائی دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ ”میں ہوں نا......تمہاری سونیا...... دور کیسے ہو سکتی ہوں؟ میرے فرہاد......! مجھے محسوس کرو۔“

ویسے وہ ظاہر نہیں کرتا تھا۔ چپ چاپ محسوس کرتا تھا۔ یہ دیکھتا آ رہا تھا' وہ سونیا کی طرح دُکھ، مصیبتوں میں ساتھ رہتی ہے۔ سونیا کی طرح دشمنوں کے بارہ بجا رہی ہے۔ اسی کے انداز میں چلتی پھرتی دکھائی دیتی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی اسے آخری منزل کا ہم سفر بنایا تھا۔

وہ تھوڑی دیر تک آنکھیں بند کیے پڑا رہا پھر سوچ کے ذریعے بولا۔ ”ہم جہاز کے ذریعے لاہور نہیں جائیں گے۔ مخالفین ہماری تاک میں ہیں۔ میں ریلوے کے متعلقہ عہدیداروں کے اندر پہنچ کر ایک کیبن ریزرو کرا چکا ہوں۔ ٹرین رات کے آٹھ بجے یہاں سے روانہ ہوگی۔“

وہ بولی۔ ”بخار کم ہو رہا ہے۔ اگر آسانی سے خیال خوانی کر سکو تو مخالفین کی خبر ضرور لو۔“

”میں تھوڑی دیر بعد معلوم کروں گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں اور ہمارے خلاف کیا کر رہے ہیں؟“

یہ کہہ کر اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ کمزوری کے باعث فوراً ہی گہری نیند میں ڈوب گیا۔ یہ بات یقینی تھی کہ دشمن ایک سفید پوش شخص کو تلاش کر رہے ہوں گے' جس کے سر اور ڈاڑھی کے بال سفید ہیں اور اس کے ایک ہاتھ میں تسبیح ہوتی ہے۔

وہ ہوٹل پہنچتے ہی اپنا حلیہ بدل چکا تھا۔ اب نہ تو ڈاڑھی تھی' نہ سر کے بال سفید تھے۔ وہ پنجاب کے روایتی لباس میں تھا۔ جب وہ ٹرین میں آئے تو سومی نے بھی شلوار کرتا پہن لیا تھا۔ وہ ٹرین کراچی سے روانہ ہوئی تو انٹیلی جنس والے ان کی سو نگھنے کے لیے مختلف کمپارٹمنٹ میں پھیل گئے۔

ٹرین میں کسی سے پاسپورٹ طلب نہیں کیا جاتا۔ اندرونِ ملک سفر کرنے والے صرف شناختی کارڈ کے ذریعے اپنی شناخت پیش کرتے ہیں۔ اس آئی ڈی کے مطابق وہ لاہور کا ایک رہائشی فراز احمد تھا۔ دراصل اس آئی ڈی کارڈ میں فرہاد علی تیمور لکھا ہوا تھا لیکن فرہاد نے افسر کے دماغ پر قبضہ جما لیا تھا۔ وہ اس کی مرضی کے مطابق فرہاد کو فراز پڑھ رہا تھا۔

افسر نے سومی کی طرف دیکھا۔ فرہاد نے کہا۔ ”یہ سترہ برس کی ہے۔ ابھی شناختی کارڈ بنانے کی عمر نہیں ہوئی ہے۔“

وہ ٹیلی پیتھی کے زیر اثر تھا۔ بحث نہیں کر سکتا تھا۔ مطمئن ہو کر چلا گیا۔ آئندہ بھی انکوائری کے لیے جو بھی آتا' وہ اسی طرح مطمئن ہو کر چلا جاتا۔ ان سے نجات حاصل ہونے کے بعد وہ کمبل اوڑھ کر لیٹ گیا بخار پھر تیز ہو رہا تھا۔ سومی بھی تھرماس سے برف کے کیوبس لے کر آئی۔ اس نے دوائیں کھانے کو دیں۔ اس کے بعد پیشانی پر برف پھیرنے لگی۔

بخار ذرا کم ہوا تو وہ سو گیا۔ اگر ایسے وقت اس کے دشمن وہاں پہنچ جاتے تو کیا ہوتا؟ اس پر نقاہت طاری تھی۔ دماغی توانائی اتنی نہیں تھی کہ وہ دیر تک خیال خوانی کر سکے۔ دشمن اس پر غالب آ سکتے تھے۔

لیکن نہیں۔ ایسے ہی وقت وہ محسوس کرتا تھا کہ اس کی جانِ حیات سونیا اس کے پاس ہے۔ وہ آنکھیں کھول کر دیکھتا تو اسے سومی دکھائی دیتی......”میں ہوں نا!“

اس نے خواب میں سونیا کو دیکھا۔ وہ اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ”آرام کرو۔ فکر نہ کرو۔ میں تمہیں چھوڑ کر نہ کبھی گئی ہوں۔ نہ جاؤں گی۔“

اس نے کہا۔ ”تم تو وفات پا چکی ہو' پھر میرے پاس کیسے آئی ہو؟“

”میں نہیں جانتی۔ یہ قدرتی معاملہ ایسا ہے کہ میں نہ ہوتے ہوئے بھی تمہارے پاس ہوں اور تمہاری آخری سانسوں تک ساتھ رہوں گی۔“

”آخری سانسوں تک کیسے رہو گی؟ بابا فرید واسطی کی پیش گوئی بدل چکی ہے۔“

”ہاں۔ بدل چکی ہے اور برقرار بھی ہے۔ میں تمہیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑوں گی۔ جب تم آخری سانسیں لیتے رہو گے' تب پیش گوئی کے مطابق تمہارے پاس رہوں گی۔“

وہ دور ہو کر اس کے پائنتی جا کر بیٹھ گئی پھر بولی۔ ”میں ہوں اور رہوں گی۔ کبھی تقدیر سمجھ میں نہیں آتی۔ کبھی تعبیر سمجھ میں نہیں آتی۔ آنکھیں کھولو۔ مجھے دیکھو۔“

اس کی نیند ٹوٹ گئی۔ آنکھ کھل گئی۔ سومی خواب میں نظر آنے والی کی طرح اس کے پائنتی بیٹھی ہوئی تھی۔ بند آنکھوں کے پیچھے وہ تھی۔ آنکھیں کھولتے ہی یہ آ گئی تھی۔ کھٹ کھٹا کھٹ کھٹ کی آواز کے ساتھ ٹرین پٹڑیاں بدل رہی تھی۔

کھٹ کھٹا کھٹ کھٹ......تقدیر بدلتی ہے۔ تدبیر بدلتی ہے۔

کھٹ کھٹا کھٹ کھٹ......شخصیت بدلتی ہے۔ یہ دنیا کبھی معلوم کبھی نامعلوم طریقوں سے بدلتی رہتی ہے۔ اس نے پھر آنکھیں بند کرلیں۔ نیند غالب آ گئی۔

وہ دوسرے دن لاہور پہنچ گئے۔ کوئی مخالفت کوئی رُکاوٹ پیش نہیں آئی۔ وہ دونوں ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر شاہدرہ والے مکان میں آ گئے۔ وہاں محلے پڑوس والوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ ان کی خیر خیریت پوچھی۔ فرہاد چپ چاپ حیرانی سے دیکھ رہا تھا' جو لوگ سونیا کو بیٹی اور باجی کہتے تھے' وہ سومی کو بھی یہی کہہ رہے تھے۔ ان میں سے کسی نے یہ نہیں پوچھا کہ سونیا کہاں ہے؟ ایسا لگ رہا تھا' وہ سب کے سب اسے فرہاد کے ساتھ دیکھ رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ وہ دونوں پھر پہلے کی طرح وہاں رہنے آئے ہیں۔ وہ اس کمرے میں آیا' جس کی کھڑکی شمال کی جانب کھلتی تھی اور مقناطیسی ہوائیں آکر اس کے دماغ کو چھو لیا کرتی تھیں۔ اسی کمرے میں اسے ٹیلی پیتھی کا علم حاصل ہوا تھا۔ عروج بھی وہیں سے ملا تھا اور اب وہیں وہ زوال کے وقت آ گیا تھا۔

”پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا“

اس نے شمال کی جانب کھڑکی کھول دی۔ اُدھر منہ کر کے ایک آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔ ان لمحات میں خود کو بہت ہلکا پھلکا سا محسوس کر رہا تھا۔ کھڑکی سے آنے والی مقناطیسی ہوائیں اس کے دماغ کو چھو رہی تھیں۔ وہ بڑی سہولت سے خیال خوانی کر سکتا تھا۔

اب جے بلرام اور بھنڈاری اور ایشورارا جیسے دشمن رہ گئے تھے۔ ان سے نمٹنے اور کامیاب ہونے کے بعد ہی اس کی جدوجہد پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتی تھی۔ وہ تینوں جنم ساتھی اپنے گرو مہاراج کی ہلاکت کے بعد سے خوف زدہ تھے۔ شلپا کی موت نے بھی سمجھا دیا تھا کہ وہ ٹیلی پیتھی اور کالے جادو کے ذریعے اس پر حاوی نہیں ہو سکیں گے۔ اسی لیے اس سے چھپتے پھر رہے تھے۔ انہوں نے اپنی آواز اور لب و لہجے بدل دیے تھے تاکہ فرہاد ان کے اندر نہ آ سکے۔ وہ اماوس کی رات کولکتہ سے بہت دور ایک کھنڈر میں چھپنے والے تھے۔ وہاں انہوں نے کالی مائی کی ایک مورتی بنا کر رکھ چھوڑی تھی۔ اس رات وہاں ایک ہی جسم میں سمانے کے بعد اس کی پوجا کرنے والے تھے۔

انہوں نے کئی طرح کے منتر پڑھنے کے بعد اس کھنڈر کی بندش کی تھی۔ اس عمل کے بعد یقین ہو گیا تھا کہ فرہاد وہاں تک پہنچ نہیں پائے گا۔ وہ کھنڈر اسے نظر ہی نہیں آئے گا۔ وہ آنکھیں رکھتے ہوئے بھی جیسے اندھا ہو جائے گا۔

جب وہ کھنڈر کے آس پاس بھٹکنے کے بعد ناکام ہو کر واپس چلا جائے گا تو اس رات اس سے نجات مل جائے گی۔ صبح ہوتے ہی وہ پھر ایک سے تین ہو جائیں گے۔ تب اس پر حاوی ہوتے رہیں گے۔ وہ ایک کو ہلاک کرے گا تو باقی دو اس ہلاک ہونے والے کی آتما کو نئے شریر میں پہنچا کر اسے نئی زندگی دیں گے۔

انہوں نے کالے جادو کا یہ زبردست کمال حاصل کیا تھا۔ فرہاد انہیں مارتے مارتے خود ایک دن مر جاتا مگر وہ مرنے والے نہیں تھے۔ ان کی کامیابی کا دار و مدار صرف اس بات پر تھا کہ وہ اماوس کی رات اس کی نظروں میں نہ آئیں۔ اسے اپنے دماغوں تک بھی نہ پہنچنے دیں۔

یہ آنکھ مچولی جاری تھی۔ وہ چھپے ہوئے تھے۔ اسے کمزور، مجبور اور بے بس کر دینے کے لیے اس کے نواسے کو اغوا کرنے کا منصوبہ بنا چکے تھے۔ اس انتظار میں تھے کہ عالی اپنے بچے کو لے کر بابا صاحب کے ادارے سے نکلے تو اغوا کی واردات کی جائے۔ یہ جانتے تھے کہ وہ پیرس کے ایئرپورٹ سے ہی کسی فلائٹ میں حیدر آباد دکن جائے گی۔ یہ نہیں جانتے تھے کہ کب جائے گی۔ لہٰذا یہ معلوم کرنے کے لیے وہ جنم ساتھی خیال خوانی کرتے رہتے تھے۔ پیرس ایئرپورٹ کے مطلوبہ اور متعلقہ افراد کے دماغوں میں آتے جاتے رہتے تھے اور وہاں سے جنوب ایشیا کی سمت جانے والی تمام فلائٹس کے مسافروں کے نام کمپیوٹر ...پر پڑھتے رہتے تھے۔ یوں انہیں معلوم ہوا کہ عالی انڈین ایئر لائن کے ایک طیارے میں سفر کرنے والی ہے۔ وہ طیارہ پیرس سے روانہ ہونے کے بعد استنبول میں ایک گھنٹے کے لیے رُکے گا پھر ممبئی میں بھی ایک گھنٹے کی بریک جرنی ہوگی۔ اس کے بعد وہ حیدر آباد دکن پہنچے گی۔ ان کے لیے ممبئی میں واردات کرنا آسان ہوتا۔ وہاں ان کے آلۂ کار واردات کرتے پھر کولکتہ میل کے ذریعے بچے کو ان کے پاس پہنچا دیتے۔ وہ تینوں مختلف پناہ گاہوں میں چھپے ہوئے تھے۔ نواسے کو حاصل کرنے کے بعد شیر بن کر ناتا کے سامنے دہاڑ سکتے تھے اور ایسا ہی ایک منصوبہ ایشورارا بنا چکا تھا۔ اس نے معلوم کیا تھا کہ عالی اپنے بچے اور

شوہر کے ساتھ انڈین ایئر لائن کے ایک طیارے میں سفر کرنے والی ہے۔ اس نے اسی جہاز میں سفر کرنے کے لیے استنبول سے ایک سیٹ او کے کرائی تھی۔

اس کی سلامتی اسی میں تھی کہ وہ جلد سے جلد فرہاد کو کمزور بنا دے۔ اس کے نواسے کو اغوا کرنے کے بعد اس شرط پر اسے واپس کرے کہ وہ اسے زندہ سلامت سیارے میں جانے دے گا۔ موجودہ حالات میں کوئی بھی دشمن اسے کمزور اور بے بس بنا کر ہی اپنی جان بچا سکتا تھا۔

ایشورارا ایسا دشمن تھا' جس کے اندر فرہاد آسانی سے جاتا آتا رہتا تھا۔ اس نے خلائی جہاز میں پائلٹ کو اور ایکورارا کو ہلاک کیا تھا۔ ایشورارا کی بھی ہلاکت اٹل تھی۔ وہ اُسے ٹھہر ٹھہر کر دہشت زدہ کرتا ہوا موت کی طرف لے جا رہا تھا۔

وہ چُپ چاپ اس کے اندر پہنچ گیا۔ اس وقت وہ جہاز میں تھا۔ انڈین ایئر لائن کا وہ طیارہ ممبئی کی سمت جا رہا تھا۔ عالی اور ایمان علی اگلی ایک قطار میں بیٹھے اپنے بچے سے دل بہلا رہے تھے۔ اس بات سے بے خبر تھے کہ ایک دشمن ان کے پیچھے والی قطار میں بیٹھا ہے۔

ایمان علی نے بہت پہلے ہی یہ پیش گوئی کی تھی کہ ان کا بیٹا شایان علی ان سے جدا ہونے والا ہے۔ کوئی اسے اغوا کرے گا اور ایسا کون کرے گا؟ یہ اسے آگہی کے ذریعے معلوم نہیں ہوا تھا۔ اسے ملنے والی آگہی بعض اوقات ادھوری رہ جاتی تھی۔ ویسے سب اس کی باتوں کو سچ مانتے تھے۔ اس کی پیش گوئی درست ہوا کرتی تھی۔ دُکھ پہنچانے والی پیش گوئی سے دُکھ پہنچتا ہی تھا مگر جو معلوم ہوتا تھا' اسے چھپاتا نہیں تھا' بول دیتا تھا۔ اس کی پیش گوئی سن کر عالی پریشان ہو گئی تھی۔ بہت محتاط رہنے لگی تھی۔ اپنے بچے کو ایک پل کے لیے بھی نظروں سے جدا نہیں ہونے دیتی تھی۔ اسے کسی شناسا کی بھی گود میں نہیں دیتی تھی۔ اپنے ہی کلیجے سے لگائے رکھتی تھی۔ رات کو سوتے وقت کمرے کے دروازے اور کھڑکیاں بند رکھتی تھی۔

اِدھر چور دلیری دکھا رہا تھا۔ بڑی بے باکی سے ان کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ وہ دو چار مسافروں کے خیالات پڑھنے کے بعد ایک مسافر کو اپنا معمول اور تابعدار بنا رہا تھا۔ وہ مسافر ٹرانس میں آ کر اپنی سیٹ پر بیٹھے ہی بیٹھے سو گیا تھا۔ اس کے زیرِ اثر آ گیا تھا۔ وہ اسے معمول بنا کر اس کے ذریعے بچے کو اغوا کرنا چاہتا تھا۔ خود کو اس لیے عالی اور ایمان علی سے دور رکھنا چاہتا تھا کہ کسی وجہ سے کام بگڑ جائے اور بچہ ہاتھ نہ آئے تو وہ بھی ان کے ہاتھ نہ آئے۔ وہ فرہاد کی سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کر رہا تھا۔ اس کی مرضی کے مطابق اپنی سیٹ سے اُٹھ گیا۔ بے اختیار وہاں سے چلتا ہوا عالی اور ایمان علی کے سامنے رُک گیا پھر ٹھہر کر بچے کو دیکھنے لگا۔ ایمان علی نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

وہ بولا۔ "کوئی بات نہیں ہے۔ یہ بچہ بہت پیارا ہے۔ جی چاہتا ہے' اسے چُرا کر لے جاؤں۔"

عالی یہ سنتے ہی اندر سے لرز گئی۔ بیٹے کو سینے سے اور [illegible] لیا۔ اسے غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا بکواس کر رہے ہو؟ کون ہو تم؟"

ایسے وقت فرہاد نے جسمانی اور دماغی تھکن محسوس کی۔ اس کے دماغ سے نکل کر ہولے ہولے ہانپنے لگا۔ اُدھر ایشورارا کا دماغ آزاد ہو گیا تھا۔ اس نے چونک کر سوچا۔ "یہ میں کیا کر رہا ہوں؟ مجھے عالی کے سامنے نہیں آنا چاہیے تھا۔ پتا نہیں میں نے یہاں آ کر کیا بکواس کی ہے؟"

وہ فوراً ہی وہاں سے پلٹ کر اپنی سیٹ کی طرف جانے لگا۔ عالی نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ اس کے اندر پہنچنا چاہا۔ اس نے جلدی سے سانس روک لی۔ سمجھ گیا کہ عالی اس کی اصلیت معلوم کرنا چاہتی ہے۔

وہ اپنی جگہ بیٹھ کر سوچنے لگا۔ "یہ گڑبڑ کیسے ہو گئی؟ میں نے وہاں جانے کی حماقت کیوں کی؟" وہ سر جھکا کر سوچ رہا تھا۔ "میں تو یہاں آرام سے بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک ہی میرے اندر تحریک پیدا ہوئی تھی اور میں اُدھر چلا گیا تھا۔" اس نے گھبرا کر سوچا۔ "کیا فرہاد میرے اندر آیا تھا؟ کیا میں اس کی سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کرتا ہوں؟ کیا وہ بیٹی کے سامنے مجھے پہنچا کر میری سازش ظاہر کر رہا ہے؟ ہاں۔ یہی بات ہے۔" وہ کئی پہلوؤں سے سوچ رہا تھا۔ "نہیں۔ میں سوچ کی لہروں کو محسوس کر لیتا ہوں۔ ابھی میں نے عالی کو اپنے اندر محسوس کرتے ہی سانس روک لی تھی۔ جب بیٹی میرے اندر نہیں آ سکتی تو پھر باپ کیسے آئے گا؟ نہیں میں ایسا بھی گیا گزرا نہیں ہوں۔ میری دماغی توانائی برقرار ہے۔ میں یوگا میں مہارت رکھتا ہوں۔"

پھر اس کے ذہن میں بات آئی۔ "کیا فرہاد نے روحانی ٹیلی پیتھی سیکھ لی ہے؟ ضرور ایسی ہی کوئی بات ہے۔ تب ہی اسے معلوم ہو گیا تھا کہ میں سیارے سے واپس آ گیا ہوں۔ جہاں خلائی جہاز چھپا کر رکھا جاتا ہے' وہاں تک کبھی کوئی پہنچ نہیں پایا تھا۔ وہ پہنچ گیا تھا۔ اس جہاز میں اس نے پائلٹ کو اور میرے بھائی ایکورارا کو ہلاک کیا تھا۔"

وہ بے چینی سے پہلو بدل کر سوچ رہا تھا۔ "ان کی پُر اسرار موت کے بعد میری بھی موت آ سکتی تھی...... مگر نہیں آ رہی ہے۔ اس دن سے مجھ پر حملے ہو رہے ہیں۔ میری شامت آ رہی ہے۔ میں اپاہج ہو گیا تھا۔ مجھ پر بڑے عذاب نازل ہو رہے ہیں مگر موت نہیں آ رہی ہے۔"



وہ مٹھیاں بھینچ کر سوچنے لگا۔ "میرے ساتھ دشمنی ہو رہی ہے۔ دشمن نامعلوم ہے اور معلوم بھی ہے۔ حقیقت تب ہی معلوم ہو گی' جب میں فرہاد کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکوں گا۔"

اُدھر عالی نے ایمان علی سے کہا۔ "اس نے سانس روک لی ہے۔ مجھے کسی طرح اس کے اندر پہنچنا ہو گا۔"

ایمان علی نے کہا۔ "سانس روکنے کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ٹیلی پیتھی یا یوگا جاننے والا کوئی دشمن ہے۔"

"ہاں۔ تمہیں آگہی ملی تھی کہ ہمارا شایان اغوا ہونے والا ہے اور وہ کمبخت ابھی میرے بچے کو اغوا کرنے کی بات کر رہا تھا۔"

"تعجب ہے' وہ بڑی دلیری سے ہمارے سامنے آ کر ایسی بات کہہ رہا تھا۔ گویا چیلنج کر رہا تھا اور چیلنج کرنے والا یقیناً یہاں اکیلا نہیں ہو گا۔"

"پہلے معلوم کرنا ہو گا کہ وہ کتنے ہیں؟ اگر زیادہ ہوں گے تو ہم اپنے خیال خوانی کرنے والوں کو بلائیں گے۔"

"تم میرے اندر رہو۔ میں اس کے پاس جا رہا ہوں۔ جب اسے زخمی کروں گا یا کسی طرح مجبور کروں گا۔ تب اس کے اندر چلی جانا۔"

وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر پچھلی قطاروں کے درمیان سے گزرنے لگا۔ ایشورارا کے پیچھے ایک سیٹ خالی تھی۔ وہ ایمان علی کو اپنی طرف آتے دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ سوچنے لگا کہ اس سے کس طرح نمٹنا ہو گا۔

وہ اس کے پیچھے ایک سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ ایشورارا اپنی سیٹ پر کسمسانے لگا۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ پیچھے آ کر کیوں بیٹھ گیا ہے؟ اس نے چند لمحوں تک انتظار کیا پھر اس سے رہا نہ گیا۔ اس نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ علی نے کہا۔ "مجھے نہیں' میری کوٹ کی جیب کو دیکھو۔"

اس نے ذرا اُٹھ کر دیکھا۔ اس کا ہاتھ کوٹ کی جیب میں تھا اور جیب میں کوئی چیز تھی۔ اس نے کہا۔ "یہ پستول ہے۔ تمہیں مارنے کے لیے نہیں' زخمی کرنے کے لیے ہے۔ اس کے بعد تمہارے دماغ کے دروازے خود بخود کھل جائیں گے۔"

وہ سہم کر یوں دائیں بائیں دیکھنے لگا جیسے کسی کی مدد حاصل کرنا چاہتا ہو۔ علی نے کہا۔ "اگر تمہارے اور ساتھی ہیں تو انہیں خبر ہونے تک گولی چل جائے گی۔ تم زخمی اور اپاہج بن جاؤ گے پھر بھی قابو میں نہیں آؤ گے تو مارے جاؤ گے۔"

نہ وہ مرنا چاہتا تھا۔ نہ زخمی ہونا چاہتا تھا۔ علی نے اسے پہلے ہی اس طرح اپاہج بنا دیا تھا کہ وہ بڑی تکلیف سے دونوں ٹانگیں پھیلا کر چلتا تھا۔ ایمان علی نے پوچھا۔ "فوراً بولو۔ کیا ابھی اسی لمحے میں سوچ کی لہروں کو اندر آنے دو گے؟"

اس نے بڑی بے بسی سے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ عالی' ایمان علی کے ذریعے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اسے دیکھ رہی تھی۔ سر ہلاتے ہی اس کے دماغ میں پہنچ گئی پھر ابتدائی تعارفی خیالات پڑھتے ہی بولی۔ "اچھا...... تو تم ایشورارا ہو۔ آگے کچھ کہنے سے پہلے تمہارے دماغ کو ایک ذرا کمزور بنا رہی ہوں تاکہ آئندہ سانس روکنے کے قابل نہ رہو۔"

وہ جلدی سے بولا۔ "پلیز۔ ایسا ظلم نہ کرو۔ میں وعدہ کرتا ہوں' ہمیشہ تمہیں اندر آنے دوں گا۔ کبھی سانس نہیں......"

بات ختم ہونے سے پہلے ہی اس کے حلق سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر لرزنے لگا۔ ہلکا سا زلزلہ پیدا کیا گیا تھا۔ آس پاس بیٹھے ہوئے مسافر پوچھنے لگے۔ "کیا ہوا؟ کیا پرابلم ہے؟"

اسٹیوارڈیا ایئر ہوسٹس کو بلانے کے لیے کال بیل کا بٹن دبایا گیا۔ ایمان علی وہاں سے اُٹھ کر اطمینان سے چلتا ہوا عالی کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ وہ بچے کو سینے سے لگائے ایشورارا کے اندر پہنچی ہوئی تھی۔

وہ اس کی ماں کا بدترین دشمن تھا۔ کچھ عرصہ پہلے اپنی دانست میں سونیا کو ہلاک کر کے سیارے میں چلا گیا تھا۔ وہاں سے واپس آنے کے بعد اس کی خوش فہمی ختم ہو گئی تھی۔ یہ معلوم ہوا کہ اس کا حملہ ناکام رہا تھا۔

عالی اس کے خیالات پڑھ رہی تھی۔ وہ ارضی دنیا میں واپس آنے کے بعد بُری طرح پھنس گیا تھا۔ فرہاد نے اس کی واپسی کا راستہ بند کر دیا تھا۔ عالی کو یہ بھی معلوم ہوا کہ امریکی اکابرین کو' جے' بلرام اور بھنڈاری کو اس کے واپس آنے کا علم نہیں ہے۔ وہ سب سے چھپتا پھر رہا ہے۔

اور اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ یہاں سے زندہ سلامت سیارے میں واپس جانے کے لیے' فرہاد کی بہت بڑی کمزوری سے کھیلنے کے لیے اس کے نواسے کو اغوا کرنا چاہتا ہے۔ اسی مقصد کے لیے ان کا ہمسفر بنا ہوا ہے۔

اس کی دماغی تکلیف کم ہو گئی تھی۔ عالی نے کہا۔ "تم لوگ کس قدر ذلیل اور کمینے ہو؟ خوامخواہ ہم سے دشمنی کرتے ہو۔ ہم نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا۔ میری مما اور پاپا تمہیں سمجھاتے رہے کہ سیارے میں واپس جاؤ۔ ورنہ نقصان اُٹھاتے رہو گے مگر تم طاقت کے زعم میں ماننے والے نہیں تھے۔ تم نے پہلے مما کو ہلاک کرنا چاہا۔ اب پاپا کو کمزور بنانے کے لیے

میرے لختِ جگر کو اغوا کرنے آئے ہو۔تم لوگوں کو تو تڑپا تڑپا کر دنیا والوں کو تمہارا بُرا انجام دِکھا کر مارنا چاہیے۔"

وہ چپ چاپ سر جھکائے باتیں سن رہا تھا۔شرمندگی ظاہر کرنے' معافی مانگنے' جھوٹے وعدے اور معاہدے کرنے کا وقت گزر چکا تھا۔وہ بچے کو اغوا کرنے آیا تھا اور پکڑا گیا تھا۔اب کچھ بولنے کا منہ نہیں رہا تھا۔

عالی نے کہا۔"تمہاری سوچ بتا رہی ہے کہ پاپا تمہیں تھوڑی تھوڑی سی موت دیتے آ رہے ہیں۔تمہاری واپسی کا راستہ روک دیا ہے۔تم اپنے خلائی جہاز تک جا نہیں پا رہے ہو۔"

وہ حقارت سے بولی۔"کیسے بے بس ہو گئے ہو؟ سیارے سے زبردست ٹیکنالوجی اور لاکھوں ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی فوج لے کر آئے تھے۔اب کیا ہے تمہارے پاس......؟ کیسی مجبوری ہے' خالی ہاتھ بھی سیارے میں نہیں جا سکو گے۔یہیں مرو گے۔"

وہ بڑی عاجزی سے بولا۔"میں معافی کے قابل نہیں ہوں مگر مجھے ایسی سزا دو کہ میں اپنی طبعی عمر تک جی سکوں۔میرا برین واش کردو۔مجھے تابعدار بنالو۔میں ہمیشہ تمہارے پاپا کا غلام بن کر رہوں گا۔"

"ہم سانپوں کو دودھ نہیں پلاتے۔اب تک پاپا نے تمہیں سزائیں دیں۔اب میں دوں گی۔"

اس نے سر اُٹھا کر اگلی قطاروں کی سمت دیکھا۔وہ نظر نہیں آ رہی تھی مگر اس کے اندر بول رہی تھی۔"جیسے مجرموں کو کتوں کے آگے ڈال دیا جاتا ہے' اسی طرح میں تمہیں جے' بلرام اور بھنڈاری اور تمہارے دشمن امریکی اکابرین کے آگے ڈالنے جارہی ہوں۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔"میں تمہارے خدا کا واسطہ دیتا ہوں' وہ کمینے نہیں جانتے کہ میں سیارے سے واپس آگیا ہوں۔انہیں معلوم ہوگا تو وہ مجھے بھنبھوڑنے چلے آئیں گے۔"

اسے جواب نہیں ملا۔وہ جا چکی تھی۔اس کا دل ڈوبنے لگا۔دشمنوں کو خبر ملنے والی تھی کہ سیارے کا مُرغا روسٹ ہونے کے لیے زمین پر آگیا ہے۔

وہ جھنجلا کر سوچنے لگا۔"یہ فرہاد کا کیا طریقہ ہے کہ فوراً انتقام نہیں لیتا۔فوراً ہی جان لے کر قصہ تمام نہیں کرتا۔اچانک موت آجائے اور مرجاؤ تو ایک ذرا سی تکلیف کے بعد مظالم سہنے اور عذاب اُٹھانے سے نجات مل جاتی ہے مگر یہاں ایسا نہیں ہو رہا ہے۔اس کی بیٹی بھی مجھے ہلاک نہیں کر رہی ہے۔"

وہ بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے سوچنے لگا۔"وہ بھی باپ کی طرح ڈرامائی انداز اختیار کرنے والی ہے۔میں کیسے معلوم کروں کہ وہ کیا کر رہی ہے؟"

اسے اپنے اندر آواز سنائی دی۔"تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ہم آگئے ہیں۔"

وہ چونک کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ہکلاتے ہوئے بولا۔"کک۔کون ہو تم؟"

اس نے کہا۔"میں وائس مین ہوں۔یہ سب جانتے ہیں کہ ہم تین امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والے فرہاد صاحب کے وفادار ہیں۔"

ایک اور آواز سنائی دی۔"میں جیمس ہارڈی ہوں۔کیا تمہیں پتا ہے' فرہاد صاحب کے تمام دشمن چٹ پٹ ہو رہے ہیں اور اب تمہاری باری ہے؟"

تیسری آواز سنائی دی۔"میں فرہاد صاحب کا وفادار لف گائی بول رہا ہوں۔ہمیں وفاداری کا صلہ مل رہا ہے۔ہم موت کی آہٹ نہیں سن رہے ہیں۔ہم تینوں اپنی طبعی عمر تک سلامتی سے دنیا میں رہیں گے۔یہ دیکھو کہ تم لوگوں کا انجام کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے؟"

وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا۔"یہ میری عاقبت نااندیشی تھی۔آئندہ مجھے جینے کا موقع ملے گا تو فرہاد کے قدموں میں رہ کر باقی زندگی گزاروں گا۔"

"یہ بات ذہن سے نکال دو کہ معافی ملے گی اور تم وفاداری کے بہانے جی سکو گے۔"

"فرہاد سے کہو' میری ایک بات مان لے۔میں نے کبھی اچھا کام نہیں کیا۔وہ میری جان لینے سے پہلے مجھ سے کوئی اچھا کام لے۔"

"یعنی کوئی نیک کام کرنے کے بہانے زندہ رہنا چاہتے ہو؟"

"میرے متعلق جیسی بھی رائے قائم کرو مگر میں مرنے سے پہلے کوئی نیک کام کرنا چاہتا ہوں۔"

جیمس ہارڈی نے عالی کے پاس آکر اس کی نیک خواہشات کا ذکر کیا۔وہ اس کے اندر آکر بولی۔"کیا تم کوئی اچھا کام کرنا چاہتے ہو؟"

وہ جلدی سے بولا۔"ہاں۔پلیز مجھے ایک موقع دو۔اپنا کوئی کام مجھ سے لو۔"

وہ بولی۔"بُرائی کو مٹانا نیکی ہے لیکن اسے مٹانے کے لیے بُرے لوگوں کو مٹانا پڑتا ہے۔اگر تم جے' بلرام اور بھنڈاری کو خاک میں ملا دو گے تو تمہیں سیارے میں جانے سے روکا نہیں جائے گا۔"



وہ پریشان ہو کر بولا۔"وہ صرف ٹیلی پیتھی جانتے تو میں ان سے نمٹ لیتا مگر وہ کالے جادو کے ذریعے حاوی ہو جاتے ہیں اور میں ان کے مقابلے میں اکیلا ہوں۔"

"ان کی شہزوری اور اپنی کمزوری بیان نہ کرو۔تم میرے بچے کو چھیننے آئے تھے۔اس کے باوجود میں تمہیں بچ نکلنے کا موقع دے رہی ہوں۔"

"میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا مگر مجھے تھوڑی سی سہولت دو۔ان تینوں سے نمٹنے کو نہ کہو۔میں کسی ایک کو موت کے گھاٹ اُتارنے کی کوشش کروں گا۔"

"تم کالے منتروں اور جادو کے تماشے نہیں جانتے۔ان تینوں میں سے کوئی ایک مرتا ہے تو باقی دو جنم ساتھی اس کی آتما کو دوسرے جسم میں پہنچا کر اسے زندہ کر دیتے ہیں۔"

اس نے حیرانی اور بے یقینی سے پوچھا۔"کیا یہ ممکن ہے؟ مرنے والے کبھی زندہ نہیں ہوتے۔کیا کالے جادو سے زندہ ہو جاتے ہیں؟"

"ہاں۔یہ شیطانی تماشے عارضی ہوتے ہیں۔وہ نئی زندگی پا تو لیتے ہیں مگر کسی نہ کسی بہانے حرام موت مرتے رہتے ہیں۔پچھلی اماوس کی رات انہوں نے پاپا کے ہاتھوں مرنے کے بعد شیطانی عمل سے نئی زندگی حاصل کی تھی پھر اماوس کی رات آ رہی ہے۔وہ پھر حرام موت مریں گے۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ مرتے رہیں گے اور زندہ ہوتے رہیں گے۔جب بھی موت آئے گی تو ایک دوسرے کی آتماؤں کو نئے جسموں میں پہنچا کر نئی زندگی حاصل کرتے رہیں گے۔"

"دنیا کے ہر جاندار کو جان دینی پڑتی ہے۔موت سب ہی کے لیے لازمی ہے۔وہ اماوس کی رات ایک ہی جسم میں سما جاتے ہیں۔تین سے ایک ہو جاتے ہیں پھر صبح ہونے تک اس ایک جسم سے نکل نہیں پاتے۔ایسے وقت اس ایک کو موت آئے گی تو اس کے اندر باقی دو بھی مردہ ہو جائیں گے۔اسی طرح ہمیشہ کے لیے ان کا اختتام ہو جائے گا۔"

ایشورارا نے کہا۔"مجھے یاد آ رہا ہے۔میں نے پچھلی اماوس کی رات ایسا کوئی تماشا دیکھا تھا مگر سمجھ نہیں پایا تھا کہ جادو کے ذریعے کیا چکر چلایا جا رہا تھا؟ اب مجھے حوصلہ مل رہا ہے اگر اماوس کی رات وہ تین نہیں رہتے' صرف ایک ہی رہتا ہے تو میں اس سے نمٹ لوں گا۔"

عالی نے کہا۔"تمہاری بہتری اسی میں ہے۔اس رات اسے مار ڈالو یا اس کے ہاتھوں مرجاؤ۔ہم سے زندگی پانے اور سیارے میں واپس جانے کا ٹکٹ حاصل کرنے کے لیے ان جادوگروں سے زندگی اور موت کا کھیل کھیلنا ہی پڑے گا۔"

"میں تو اپنے گھر واپس جانے کے لیے جان کی بازی لگا دوں گا لیکن یہ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ ان دشمنوں تک کیسے پہنچ پاؤں گا؟ پتا نہیں وہ کہاں روپوش رہتے ہیں؟"

"را ایجنسی والوں سے دوستی کرو۔ان کے ذریعے جے' بلرام اور بھنڈاری تک پہنچ سکو گے۔"

عالی اسے مشورہ دے کر چلی گئی۔جیمس ہارڈی نے کہا۔"خوش نصیب ہو۔اُن تھری اِن وَن سے نمٹنے کے بعد لمبی عمر پاؤ گے اور اپنے گھر واپس چلے جاؤ گے۔"

اس نے کہا۔"میں اکیلا ہوں۔تم تینوں ٹیلی پیتھی جاننے والے میری مدد کرو گے تو میں بھی تمہارے کام آتا رہوں گا۔"

لف گائی نے کہا۔"ہم فرہاد صاحب کے ان تین دشمنوں کو خاک میں ملانے کے لیے تمہارا ساتھ دیں گے۔"

وائس مین نے کہا۔"میرے اندر آؤ۔ہم را والوں سے رابطہ کر رہے ہیں۔تم بھی ان سے باتیں کرو۔"

وہ بولا۔"شکریہ تم سب مجھ سے تعاون کر رہے ہو۔شاید میرے اچھے دن آنے والے ہیں۔"

وائس مین' جیمس ہارڈی اور لف گائی را کے اعلیٰ عہدیداروں کے اندر کئی بار چوری چھپے جا چکے تھے۔اس وقت بھی وائس مین نے ایشورارا کو اپنے اندر آنے کی اجازت دی پھر اس کے ساتھ را کے ڈائریکٹر کے اندر پہنچ گیا۔

اس وقت بھنڈاری اس ڈائریکٹر کے اندر بول رہا تھا۔"تم لوگوں کی شکایت درست ہے۔ہم تینوں جنم ساتھی ابھی تمہارا کوئی کام نہیں کر رہے ہیں اور اس کی وجہ پھرہاد ہے۔یہ تم سب جانتے ہو۔میں یہ کہنے آیا ہوں کہ اب اماوس کی رات تک ہم کسی سے رابطہ نہیں کریں گے۔"

ڈائریکٹر نے پوچھا۔"کیا گھور تپسیا میں مصروف ہو؟"

"ہاں۔ہم دن رات منتر پڑھ رہے ہیں۔ماں دُرگا کے آگے روز ایک جانور کی بلی دے رہے ہیں اور یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ہم اماوس کی رات سے پہلے ماں بھوانی کے چرنوں میں جے کی گردن اُڑائیں گے۔"

وہ حیرانی سے بولا۔"کیا کہہ رہے ہو؟ اپنے جنم ساتھی جے کو بھینٹ چڑھاؤ گے؟"

"ہاں۔ماں کالی ہم سے پرسن ہوگی تو اس کے بعد جے کی آتما کو دوسرے شریر میں پہنچا کر اس کو نئی جندگی دیں گے۔اس کے بعد جے اور بلرام میری گردن اُڑائیں گے۔ماں بھوانی اور جیادہ کھوش ہوگی۔"

ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔"ہم سمجھ گئے۔نئی زندگی ملنے کے

بعد تم دو جنم ساتھی ماں کے چرنوں میں بلرام کا لہو چڑھاؤ گے۔ باری باری اپنی قربانی دو گے۔"

"ہاں۔ اتنے بڑے بلیدان سے ماں خوش ہو کر ایسی شکتی دے گی کہ ہم ہر ہر مہادیو کی تیسری آنکھ سے سارے چھپے ہوئے دشمنوں کو دیکھ سکیں گے۔ ہم کو پتا چل جائے گا کہ فرہاد کہاں چھپا ہوا ہے؟ اور ہم تک پہنچنے اور ہماری جان لینے کے لیے کیا کرنے والا ہے؟"

وہ بڑے فخر سے بولا۔ "بلیدان کے بعد ہم تینوں کی جانیں ماں درگا کی ہو جائیں گی۔ اس کے بعد فرہاد تو کیا کوئی بھی دشمن ہم کو کبھی مار نہیں سکے گا۔"

وہ نہیں جانتے تھے کہ ڈائریکٹر کے اندر واکس مین اور ایشورارا چھپے ہوئے ہیں۔ ڈائریکٹر نے ایشورارا کی مرضی کے مطابق بھنڈاری سے پوچھا۔ "کیا تم تینوں کسی بھی چھپے ہوئے دشمن تک پہنچ سکو گے؟"

"ہاں۔ کوئی بھی دشمن ہو۔ ہم مہاشکتی کی نادیدہ آنکھ سے اسے پاتال میں اور سمندر کی گہرائیوں میں بھی چھپتے ہوئے دیکھ لیں گے۔"

اس نے ایک اور سوال کیا۔ "کیا تم تینوں کسی سیارے والے کو بھی دیکھ سکو گے؟"

بھنڈاری نے کہا۔ "ایشورارا یہاں سے بھاگ کر سیارے میں گیا ہے۔ ہماری دھرتی پر واپس آئے گا تو ہم اس کی شہ رگ تک پہنچ جائیں گے۔ ہم کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ خلائی جہاز کہاں چھپا کر رکھتا ہے۔"

اس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ دماغی طور پر طیارے میں حاضر ہو گیا۔ واکس مین نے پوچھا۔ "وہاں سے کیوں آ گئے؟ وہ آگے کیا کہنے والے ہیں، تمہیں سننا چاہیے تھا۔"

"اور سننے کے لیے کیا رہ گیا ہے؟ میں کہیں بھی چھپنا چاہوں گا، وہ مجھے ڈھونڈ نکالیں گے۔ وہ کہہ رہے ہیں، اماوس کی رات آنے نہیں دیں گے۔ اس سے پہلے ہی جب وہ فرہاد تک پہنچ جائیں گے تو پھر میں کیا چیز ہوں؟"

جہاز کی محدود فضا میں اے سی کی ٹھنڈک تھی پھر بھی پسینا آ رہا تھا۔ وہ پسینا پونچھتے ہوئے بولا۔ "وہ ایسے ظالم درندے اور شیطان ہیں کہ خود اپنی گردنیں کٹوائیں گے اور اپنے ساتھیوں کی بھی گردنیں کاٹیں گے پھر مجھے کب چھوڑیں گے؟"

وہ بیٹھا ہوا تھا مگر جیسے جان بچانے کے لیے بھاگ رہا تھا اور ہانپتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "وہ عجیب خونخوار درندے ہیں۔ میری گردن کاٹیں گے۔ مجھے مار ڈالیں گے پھر میری آتما کو دوسرے جسم میں پہنچا کر بار بار زندہ کرتے رہیں گے۔ بار بار میری گردن کاٹتے رہیں گے۔ نہیں..... میں بار بار چھرے تلے آ کر تڑپ تڑپ کر مرنا نہیں چاہتا۔"

عالی اس کے اندر آ کر یہ باتیں سن رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "میں تو سزائے موت نہیں دینا چاہتی تھی۔ تمہیں نیک کام کرنے کا موقع دے رہی تھی مگر تمہارے نصیب میں حرام موت مرنا لکھا ہے۔"

وہ بے بسی سے بولا۔ "میں کیا کروں؟ انہیں ہلاک کرنے جاؤں گا تو وہ الٹا میری ہی بلی چڑھا دیں گے۔ نہ میں انہیں مار سکوں گا۔ نہ ہی نیک کام کر سکوں گا۔ اِدھر تم مجھے زندہ نہیں رہنے دو گی۔ میں تمہاری ماں کا، تمہارے بچے کا مجرم ہوں۔ مجھے ضرور سزائے موت دو گی۔"

"میں حیدر آباد اپنے گھر پہنچنے تک تمہیں مہلت دے رہی ہوں۔ ان شیطانوں سے ٹکرانے کا حوصلہ کرو۔ تمہیں کہیں بھی مرنا ہے تو نیکی کرتے ہوئے جان دو۔"

جیمس ہارڈی نے کہا۔ "ہم تمہاری مدد کرتے رہیں گے۔ وہ شیطان مریں گے تو تمہیں سلامتی ملے گی۔ ہم جا رہے ہیں۔ تم سوچتے رہو۔"

وہ کیا سوچتا؟ وہ تو تصور میں بار بار اپنی گردن اُڑتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ ایسی ظالمانہ موت کے آگے یہ بھول گیا تھا کہ فرہاد اور اس کے ٹیلی پیتھی جاننے والے ہمیشہ دشمنوں پر حاوی ہوتے رہے ہیں۔ وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ کالے جادو کا توڑ روحانی قوت ہے اور یہ بابا صاحب کے ادارے میں ہے۔

بھنڈاری نے درست کہا تھا کہ وہ تینوں بے انتہا زبردست شکتی حاصل کرنے کے لیے کالے جادو کی انتہا کر رہے ہیں۔ اپنی اپنی جان کا نذرانہ شیطان کو دے رہے ہیں۔ اس بار ان کی کامیابی یقینی تھی۔ اس لیے اعلیٰ حضرت، آمنہ اور انوشے دن رات عبادت میں مصروف ہو گئے تھے۔ بابا صاحب کے ادارے میں قرآن خوانی ہو رہی تھی۔ کالے جادو کا توڑ کرنے والی آیتیں پڑھی جا رہی تھیں۔

کبھی شیطان غالب آتا ہے۔ کبھی مارا جاتا ہے۔ کبھی نیکی بھی مات کھاتی ہے۔ کبھی غالب آ جاتی ہے۔ خیر و شر کے درمیان ابھی خاموش جنگ جاری تھی۔ شاید اماوس کی رات سے پہلے ہی اس جنگ کا فیصلہ ہونے والا تھا۔

وہ ممبئی پہنچ گئے۔ ایئرپورٹ میں جے، بلرام اور بھنڈاری کے تین آلۂ کار موجود تھے۔ ان جنم ساتھیوں نے ایک بچے والی ماں کو ٹریپ کیا تھا۔ تنویمی عمل کے ذریعے اسے اپنی معمولہ اور تابعدار بنایا تھا۔ وہ اپنے بچے کو بھول گئی تھی۔ اسے گھر میں چھوڑ کر ایئرپورٹ آ گئی تھی۔

ان کی پلاننگ کے مطابق وہ عالی کے بچے کو اپنا بچہ سمجھ کر گود لینے والی تھی۔ اسے لے کر ٹرین کے ذریعے کولکتہ جانے والی تھی۔ ایسے وقت اغوا ہونے والے بچے کو تلاش کیا جاتا تو اس دودھ پلانے والی ماں پر کوئی شبہ نہ کرتا کہ وہ پرائے بچے کو لے جا رہی ہے۔ ایک آلۂ کار اس کا شوہر بن کر ساتھ جانے والا تھا۔

جہاز سے اُترنے والے مسافر عمارت کی طرف جا رہے تھے۔ آگے سفر کرنے والے مسافروں پر پابندی تھی۔ انہیں ویٹنگ روم اور ریسٹورنٹ سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ جے، بلرام اور بھنڈاری کے تین معمول اور تابعداروں میں سے دو تابعدار اس ریسٹورنٹ کے ملازم تھے۔ ایک کچن انچارج تھا اور دوسرا ویٹر تھا۔

عالی اپنے شایان کو سینے سے لگائے ایمان علی کے ساتھ وہاں کچھ کھانے پینے کے لیے آئی۔ سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق ایسا مشروب ان کی میز پر پہنچایا گیا، جسے پیتے ہی وہ اعصابی کمزوری میں مبتلا ہو گئے۔ ایسا اچانک حملہ ہوا تھا، ایسی کمزوری غالب آ گئی کہ وہ خیال خوانی نہ کر سکی۔ کسی کو مدد کے لیے بلا نہ سکی۔ نقاہت کے باعث ہاتھ پاؤں سے جان نکلی جا رہی تھی۔ بچے کو سنبھال نہیں پا رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ ہاتھوں سے چھوٹ جاتا، ویٹر نے آ کر اسے تھام لیا۔

ایمان علی کی بھی جسمانی توانائی جواب دے چکی تھی۔ وہ میز پر جھک گیا تھا۔ بڑی بے بسی سے ایک ویٹر کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے بیٹے کو عالی سے لے کر وہاں سے جا رہا تھا۔ ایسی نقاہت طاری تھی کہ وہ بول نہیں پا رہا تھا۔

عالی اپنی ماں سونیا کی طرح دشمنوں پر بجلی بن کر گرتی تھی۔ ان لمحات میں بالکل ہی مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔ کسی کو مدد کے لیے بھی نہیں پکار سکتی تھی۔ حتیٰ کہ ایک انگلی کے، ایک آنکھ کے اشارے سے بھی کہہ نہیں سکتی تھی کہ ویٹر کو پکڑو۔ بچے کو اس سے لے لو۔ وہ بچہ میرا ہے۔

آس پاس کی میزوں پر بیٹھے ہوئے مسافروں نے فوراً ہی اُدھر توجہ نہیں دی۔ سب اپنے آپ میں مست تھے جب کچھ لوگوں نے توجہ دی تو دیر ہو چکی تھی۔ ویٹر بچے کے ساتھ نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا اور اِدھر ماں باپ پر نیم بے ہوشی طاری تھی۔ وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں رہے تھے۔

ہاں..... مگر اس واردات کو دیکھنے والا ایشورارا وہاں موجود تھا۔ وہ عالی اور ایمان علی کی حالت دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ انہیں اعصابی کمزوریوں میں مبتلا کر دیا گیا ہے۔ جب ایک ویٹر بچے کو عالی سے لے کر جانے لگا تو بات پوری طرح سمجھ میں آ گئی جو پلاننگ اس کی تھی، اس پر کوئی اور عمل کر رہا تھا۔

ایسا اور کوئی کون ہو سکتا تھا؟ سیدھی سی بات سمجھ میں آ گئی۔ فرہاد کے آخری دشمن وہ تینوں جنم ساتھی رہ گئے تھے۔ وہی وہ واردات کر رہے تھے۔

وہ ویٹر کے پیچھے چلتا ہوا کچن میں آیا۔ وہاں انچارج نے پوچھا۔ "تم جہاز کے مسافر ہو۔ یہاں کیوں آئے ہو؟"

اس نے کہا۔ "یہ بچہ بھی جہاز کا مسافر ہے۔ یہ ننھا مسافر جہاں جائے گا وہاں میں جاؤں گا۔"

بھنڈاری ویٹر کے اندر رہ کر بچے کو وہاں سے لے جانے کے سلسلے میں اسے گائڈ کر رہا تھا۔ ایک اجنبی کی مداخلت پر پریشان ہو کر اس کے دماغ میں پہنچنا چاہا۔ ایشورارا نے سانس روک کر کہا۔ "آہا۔ جے، بلرام اور بھنڈاری میرے اندر آنا چاہتے ہیں۔ سوری۔ باہر ہی رہ کر باتیں کرو۔"

بھنڈاری نے ویٹر کی زبان سے پوچھا۔ "کون ہو تم؟"

"یہ نہیں بتاؤں گا کہ کون ہوں؟ یہ بتا سکتا ہوں کہ یہ فرہاد کا نواسہ ہے اور تم اس کے نانا کی کمزوری سے کھیلنے جا رہے ہو۔"

"تم ہمارا وقت برباد کر رہے ہو۔ رکاوٹ بن رہے ہو۔ ہمارے اور فرہاد کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہو۔ جلدی بولو! کیا ہم سے دوستی کرو گے؟ ہمارا ساتھ دو گے؟"

"ساتھ دے سکتا ہوں۔ اپنے آلۂ کار سے کہو۔ مجھے بھی چور دروازے سے باہر لے چلے پھر ہم اس نیک کام کے سلسلے میں معاملات طے کریں گے۔"

اس نے ویٹر سے کہا۔ "اس اجنبی کو بھی باہر لے چلو۔ اسے بچے کے ساتھ رہنے دو۔"

عمارت سے باہر جانے تک وہ تینوں جنم ساتھی سوچ رہے تھے، سمجھ رہے تھے کہ وہ رکاوٹ بننے والا ان کے نام جانتا ہے۔ شاید ٹیلی پیتھی بھی جانتا ہوگا اور شاید وہ بھی فرہاد کی کمزوری سے فائدہ اُٹھانا چاہتا ہوگا۔ آخر وہ کون ہے؟

وہ نہیں جانتے تھے کہ ایشورارا سیارے سے واپس آ گیا ہے۔ ان کا دھیان اس کی طرف نہیں جا رہا تھا۔ اُدھر ایشورارا نے خیال خوانی کے ذریعے جیمس ہارڈی کو مخاطب کیا پھر کہا۔ "میں بہت بڑا خطرہ مول لے کر نیک کام کرنے جا رہا ہوں۔ عالی اور ایمان علی پرابلم میں ہیں۔ ان کے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو انفارم کرو۔"

وہ ویٹر اور بچے کے ساتھ عمارت کے مختلف حصوں سے گزر رہا تھا۔ واکس مین اور ٹف گائی بھی آ گئے تھے۔ وہ دشمنوں کو

یہ بتانا نہیں چاہتے تھے کہ اغوا کے سلسلے میں انہیں ناکام بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ وہ ناکامی کا یقین ہوتے ہی معصوم بچے کو ہلاک کرسکتے تھے۔

اس نے لف گاگی سے کہا۔ ''تم سب زیادہ دیر میرے اندر نہ رہو۔ ورنہ ان دشمنوں کو میرے دماغ میں آنے اور زلزلہ پیدا کرنے کا موقع مل جائے گا۔ میں تم دونوں کو ان کے ایک آلۂ کار کے اندر پہنچا رہا ہوں۔''

جیمس ہارڈی خیال خوانی کے ذریعے الپا اور کبریا کو عالی کے متعلق بتا رہا تھا۔ وہ سن رہے تھے۔ عالی اور ایمان علی کے اندر پہنچ رہے تھے اور بچے کی حفاظت کے لیے ایشورارا کے پاس جا رہے تھے۔ وہ نیکی کے راستے پر آتے ہی فرہاد کی پوری فیملی کے لیے اہم ہوگیا تھا۔

ایسے وقت وہ بستر پر پڑا ہوا تھا۔ کبھی مختصر سی خیال خوانی کرتا تھا پھر تھک کر سو جاتا تھا۔ وہ جہاز میں یہ دیکھ کر مطمئن ہوگیا تھا کہ عالی نے ایشورارا کو اپنا تابعدار بنا لیا ہے اور ایمان علی کی پیش گوئی کے مطابق بچے کو اغوا نہیں کیا جائے گا۔ وہ فی الوقت کمزوری کے باعث خیال خوانی نہیں کر رہا تھا۔

کبریا نے آکر کہا۔ ''پاپا! عالی اور ایمان بھائی اعصابی کمزوری میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ انہیں ہاسپٹل پہنچایا گیا ہے۔ جے بلرام اور بھنڈاری ہمارے شایان کو اغوا کرکے کہیں لے جا رہے ہیں۔''

یہ سنتے ہی وہ تڑپ گیا۔ بستر سے اُٹھنے لگا۔ کبریا نے باپ کے دماغ پر حاوی ہوکر اسے لٹاتے ہوئے کہا۔ ''آپ کا نواسہ بخیریت ہے۔ ہم اس پر آنچ بھی نہیں آنے دیں گے۔ آپ آرام سے لیٹے رہیں۔''

وہ بستر پر پڑا ہانپ رہا تھا۔ کبریا نے کہا۔ ''وہ تینوں جنم ساتھی براہِ راست یہ واردات نہیں کر رہے ہیں۔ ہمارا شایان ان کے آلۂ کاروں کے ہاتھوں میں ہے۔ اگر ابھی ہم ان کے راستے میں رکاوٹ بنیں گے تو وہ اپنے آلہ کاروں کے ذریعے شایان کو نقصان پہنچائیں گے۔ وہ کمبخت ہمارے ہاتھ نہیں آئیں گے۔''

باپ اپنے بیٹے کی باتوں سے قائل ہو رہا تھا۔ بیٹے نے کہا۔ ''اب آپ بتائیں' موجودہ حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟''

فرہاد نے کہا۔ ''تم میرے بیٹے ہو۔ بتاؤ' ایسے وقت میں کیا کروں گا؟''

''آپ سب سے پہلے اپنے نواسے کی سلامتی کو یقینی بنائیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔ آگے بولو۔''

''جب آپ کو یقین ہوجائے گا کہ شایان کو دشمنوں کے ہاتھوں نقصان نہیں پہنچے گا۔ اس پر ذرا بھی آنچ نہیں آئے گی۔ تب اسے فی الحال حاصل نہیں کریں گے۔''

''کیوں حاصل نہیں کروں گا؟''

''اس لیے کہ شایان کو جے بلرام اور بھنڈاری کے پاس پہنچایا جائے گا۔ وہ نواسہ آپ کے لیے ان کی خفیہ پناہ گاہ تک پہنچنے کی راہ ہموار کرے گا۔''

''رائٹ یو آر...... یہی کرو۔ میں ذرا طبیعت سنبھلنے کے بعد خیال خوانی کروں گا۔''

ایشورارا اُس ویٹر اور بچے کے ساتھ ایئرپورٹ کے پارکنگ ایریا میں آگیا۔ وہاں ایک عورت ایک کار میں بھنڈاری کے تیسرے آلۂ کار کے ساتھ اس کی بیوی کی حیثیت سے بیٹھی ہوئی تھی۔ ویٹر نے بچے کو عورت کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ لو اپنا بچہ' تم اسے گھر میں چھوڑ آئی تھیں۔''

اس نے بچے کو لے کر پیار کیا پھر اسے سینے سے لگا کر کہا۔ ''اب میں گھر جاؤں گی۔''

اس کے پاس بیٹھے ہوئے شخص نے کہا۔ ''میں تمہارا پتی ہوں۔ ہمارا گھر کولکتہ میں ہے۔ ہم ابھی ایک ٹرین سے وہاں جا رہے ہیں۔''

یہ کہہ کر اس نے کار اسٹارٹ کی۔ وہاں سے جانا چاہتا تھا۔ ایشورارا نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''مجھے چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ میں اس عورت کا دوسرا پتی ہوں۔ یہ ہم دونوں کے درمیان سینڈوچ بن کر رہے گی۔''

ایسے وقت بھنڈاری نے پھر ایک بار اس کے اندر آنے کی کوشش کی۔ وہ سانس روک کر کار چلانے والے کی زبان سے بولا۔ ''میں آخری بار سمجھا رہا ہوں' میرے اندر آنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ حماقت کرو گے تو تم سے سمجھوتا نہیں ہوگا۔ چالاکی دکھاؤ گے' مجھے راستے سے ہٹانے کی کوشش کرو گے تو میں خیال خوانی کی ایک چھلانگ لگا کر فرہاد کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ اسے یہاں بچے کے پاس پہنچاؤں گا تو وہ میرا احسان مند ہوگا۔''

وہ بولا۔ ''یہ بتاؤ' میں تم پر کیسے وشواس کروں؟ تم فرہاد کے آلہ کار ہوسکتے ہو۔ بڑی چالبازی سے اس بچے کو میرے سے چھین کر لے جاسکتے ہو۔ شاید میری خفیہ پناہ گاہ تک پہنچنا چاہتے ہو۔''

''بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔ تم ابھی فرہاد سے رابطہ کرو۔ بچے کی واپسی کے سلسلے میں اپنے مطالبات پیش کرو۔ میں بھی اپنا ایک مطالبہ منوا کر اسی وقت تمہارے راستے



سے ہٹ جاؤں گا۔ بچے کو اس عورت کے پاس چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔''

''تمہارا مطالبہ کیا ہے؟ کیا وہ مطالبہ میں پورا کرسکتا ہوں؟''

''نہیں۔ صرف فرہاد ہی سے بات بنے گی اور جو بات ہوگی' اسے تم بھی سنو گے۔''

''ہاں۔ اس طرح میں تم پر وشواس کرسکتا ہوں۔ جب یہ عورت بچے کے ساتھ ٹرین میں سوار ہوجائے گی۔ تب ہم فرہاد سے باتیں کریں گے۔''

ایک ننھا سا معصوم بچہ' وہ بھی فرہاد کا نواسہ شیطان صفت دشمنوں کے چنگل میں تھا۔ وہ درندے کالی مائی کے چرنوں میں بے گناہ انسانوں کی گردنیں کاٹتے تھے۔ ان میں انسانیت نام کو نہیں تھی۔ ننھی سی جان ایک جھٹکے میں جانے والی تھی۔ حالات بڑے سنگین تھے اور وہ بیمار نانا بستر پر پڑا ہوا تھا۔

سومی اس کی تیمارداری میں لگی ہوئی تھی۔ وہ سوچ کے ذریعے بولا۔ ''یہ بیماری دشمن کی طرح پیچھے پڑ گئی ہے۔ لگتا ہے میری جان کے ساتھ ہی جائے گی۔''

وہ بھی سوچ کے ذریعے بولی۔ ''کیا کیا جائے؟ یہ قدرت کا قانون ہے۔ انسان کو بڑھاپے میں دُکھ بیماریاں جھیلتے ہوئے دنیا سے جانا ہوتا ہے۔''

''ایک ذرا توانائی محسوس ہوتی ہے تو سوچ کے ذریعے تم سے بولتا ہوں۔ خیال خوانی کی پرواز دور تک نہیں ہو رہی ہے۔''

وہ ذرا چپ ہوا پھر ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ ''آہ......! میں اپنے لیے اور دوسروں کے لیے ساری زندگی جدوجہد کرتا رہا۔ آج اپنے نواسے کے لیے کچھ کر نہیں پا رہا ہوں۔''

وہ بولی۔ ''کبریا اسے نقصان پہنچنے نہیں دے گا۔''

''ہاں مگر میں اپنے نواسے کے لیے ایکشن میں رہنا چاہتا ہوں۔ جے بلرام اور بھنڈاری کو بُرے انجام تک پہنچانا چاہتا ہوں۔''

''ہمارے تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ ہوتا وہی ہے' جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔''

اسی وقت سومی کے اندر اعلیٰ حضرت کی آواز سنائی دی۔ وہ فرہاد سے کہہ رہے تھے۔ ''اور خدا کو یہ منظور ہے کہ تم آخری سانسوں میں بھی متحرک رہو۔ اپنے آخری دشمنوں کو عبرتناک انجام تک پہنچاؤ۔''

اس نے کہا۔ ''شکریہ۔ آپ کی آمد سے حوصلہ مل رہا ہے۔ کیا میں بستر سے اُٹھ پاؤں گا؟''

''تمہیں دماغی توانائی حاصل ہوگی۔ وہ بہت ہی خطرناک کالا جادو کر رہے ہیں۔ ان کے شیطانی عمل کا توڑ کرنے کے لیے' ہمیں عارضی طور پر روحانی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں حاصل ہونے والی ہیں۔''

انہوں نے بس اتنا ہی کہا۔ وہ آگے اور بہت کچھ سننا چاہتا تھا مگر وہ چلے گئے۔ فرہاد بھی یوں اُٹھ کر بیٹھ گیا جیسے پہلے کی طرح شہ زور بن گیا ہو لیکن دوسرے ہی لمحے میں تکیے پر گر پڑا۔ بڑھاپے اور بیماری میں جسمانی توانائی حاصل ہونے والی نہیں تھی۔

وہ ہانپنے لگا۔ سومی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔ ''تم تو ایکدم سے جوش میں آگئے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے جسمانی نہیں' دماغی توانائی کے لیے کہا ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے کہ عارضی طور پر ہی سہی' تمہیں روحانی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں ملیں گی۔ ذرا صبر کرو۔ انتظار کرو۔''

بے شک اسے بہت بڑی سعادت اور کرامت حاصل ہونے والی تھی اور دشمنوں سے خود ہی نمٹنے کی حسرت پوری ہونے والی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ وہ بڑی آسودگی محسوس کر رہا تھا۔

ایشورارا اس عورت اور بچے کے ساتھ کولکتہ میل میں سوار ہوگیا تھا۔ اسے یہ اندیشہ تھا کہ وہ تینوں جنم ساتھی کسی بھی وقت اپنے کسی آلۂ کار کے ذریعے اسے گولی مار سکتے ہیں یا اسے زخمی کرکے اس کی اصلیت معلوم کرسکتے ہیں۔ اس کے بعد اسے اپنا معمول بنا کر کالی مائی کی بھینٹ چڑھا سکتے ہیں۔

جیمس ہارڈی نے کہا۔ ''فکر نہ کرو۔ فرہاد صاحب کے کئی ٹیلی پیتھی جاننے والے اس عورت کے اور اس کے بناسپتی شوہر کے اندر پہنچ گئے ہیں۔ اب وہ بچے کے ساتھ ہماری نظروں سے اوجھل نہیں ہوسکیں گے۔''

لف گاگی نے کہا۔ ''تم نے ہمیں عین وقت پر بچے کو اغوا کرنے والوں تک پہنچایا ہے۔ ہم تمہاری حفاظت کر رہے ہیں۔ ہمارے چار آلۂ کار باڈی گارڈز کی طرح ہمیشہ تمہارے آس پاس رہیں گے۔ تمہیں دشمنوں کے ہاتھوں نہ مرنے دیں گے' نہ زخمی ہونے دیں گے۔''

بے شمار ٹیلی پیتھی جاننے والے اس ٹرین کے مسافروں کے اندر پہنچ کر انہیں اپنا معمول اور تابعدار بنا رہے تھے۔ وہ فرضی میاں بیوی شایان علی کو اس ٹرین کے کسی کمپارٹمنٹ میں چھپا نہیں سکتے تھے۔ کسی اسٹیشن پر اُتر کر کہیں جاتے تو سیکڑوں آنکھیں انہیں دیکھنے والی تھیں۔

وہ ٹرین طوفانی رفتار سے جا رہی تھی۔ چھوٹے اسٹیشنوں پر نہیں رُکتی تھی۔ ایسی تیز رفتاری کے باوجود وہ دوسرے دن شام

کوکولکتہ پہنچنے والی تھی۔اگرچہ تھکا دینے والا سفر تھا۔تاہم وہ تینوں جنم ساتھی مطمئن تھے۔ان کے آلہ کار بچے کو بڑی حفاظت سے لارہے تھے۔

اب تک ایشورارا کے سوا کوئی ان کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن رہا تھا۔انہوں نے یہ طے کیا تھا کہ پہلے چپ چاپ اس رکاوٹ بننے والے کی اصلیت معلوم کریں گے پھر دوڑتی بھاگتی ٹرین میں اسے موت کے گھاٹ اُتارنے کا بہانہ ڈھونڈ لیں گے۔

ایشورارا نے کہا تھا' جب بچے کے حوالے سے فرہاد کو بلیک میل کیا جائے گا اور اس سے اپنے مطالبات منوائے جائیں گے۔تب وہ اپنا ایک مطالبہ منوا کر جے'بلرام اور بھنڈاری کے راستے سے ہٹ جائے گا۔وہ تینوں جلد از جلد اس سے پیچھا چھڑانا چاہتے تھے۔لہٰذا فرہاد سے باتیں کرنے کے لیے انہوں نے خیال خوانی کی پرواز کی۔وہ تو جیسے گونگا ہوگیا تھا۔ایک عرصے سے کسی نے اس کی آواز نہیں سنی تھی۔انہوں نے اس کی سابقہ آواز اور لہجے کو گرفت میں لے کر رابطہ کرنا چاہا تو کبریا کے اندر پہنچ گئے۔وہ پچھلے دنوں باپ کی بیماری کے دوران فرہاد علی تیمور کا رول ادا کرتا رہا تھا۔اب فرہاد کے گونگے پن نے دشمنوں کو پھر اس کے اندر پہنچا دیا تھا۔اس نے پوچھا "کون ہو تم؟"

بھنڈاری نے کہا۔"ہم تین جنم ساتھی ہیں اور ایک اجنبی ہے۔تمہارے ہوش اُڑانے آئے ہیں۔"

کبریا نے ایک فون نمبر بتا کر کہا۔"اس نمبر والے ایک آلۂ کار کے اندر رہو پھر بولو اور یہاں سے بھاگو۔"

اس نے سانس روکی۔وہ دماغ سے نکل گئے پھر بھنڈاری نے ان نمبروں کو پنچ کیا۔رابطہ ہونے پر اس آلہ کار سے کہا۔"فرہاد سے بات کراؤ۔"

اس نے ایک نمبر پنچ کرتے ہوئے کہا۔"میرے اندر آؤ اور انتظار کرو۔"

اس نے فون پر رابطہ ہوتے ہی کہا۔"سر! کوئی آپ سے باتیں کرنا چاہتا ہے۔وہ میرے اندر ہے۔"

کبریا نے اس کے دماغ میں آکر کہا۔"ہاں تو جنم ساتھیو! کس اجنبی کے ساتھ آئے ہو اور میرے ہوش اُڑانا چاہتے ہو؟"

بلرام نے کہا۔"تم کو مالوم تو ہوگیا ہوگا کہ تمہاری بیٹی اور داماد اعصابی مجبوری میں مبتلا ہوکر اسپتال پہنچ گئے ہیں اور تمہارے نواسے کو کوئی لے گیا ہے؟"

"ہاں۔یہ بُری خبر ملی ہے۔میں اپنے نواسے کو ڈھونڈ رہا ہوں۔تم نے ابھی ہوش اُڑانے کی بات کی ہے۔اس کا مطلب ہے'اس معصوم کو تم لوگوں نے ہی اغوا کیا ہے؟"

جے نے کہا۔"ہاں۔یہ نیک کام ہم ہی کر رہے ہیں۔"

کبریا نے کہا۔"ضرور کرو۔اسے پھول کی طرح اپنی ہتھیلیوں پر رکھو۔گرم ہوا لگنے نہ دو۔وہ میری لاڈلی کا بیٹا ہے۔اس پر ذراسی بھی آنچ آئے گی تو اماوس کی رات تک بھی جی نہیں پاؤ گے۔"

بھنڈاری نے کہا۔"حیرت ہے'ہم کو دھمکیاں دے رہے ہو۔اپنے نواسے کی واپسی کی بات نہیں کر رہے ہو؟"

"میں جانتا ہوں'ابھی کسی قیمت پر بھی اسے واپس نہیں کرو گے۔اماوس کی رات تک اپنی سلامتی کے لیے اسے ڈھال بنا کر رکھو گے۔"

"ہُوں۔بڑی دور تک سوچتے ہو۔"

"سوچتا بھی ہوں۔سمجھتا بھی ہوں۔اس رات تم تین نہیں رہو گے۔تم تینوں کا ایک ہی وجود ہوگا۔ایسے وقت میں تمہارے خفیہ اڈے میں پہنچ جاؤں گا تو اپنی سلامتی کے لیے میرے نواسے کو ڈھال بناؤ گے۔"

"ہاں۔ہم یہی کریں گے۔اگر کسی طریقے سے چھپ کر آرہے ہو تو بچے کی سلامتی کے لیے رُک جاؤ۔واپس چلے جاؤ۔"

بھنڈاری نے کہا۔"ہم اماوس کی صبح پھر ایک سے تین ہونے کے بعد بچے کو واپس کردیں گے۔"

"کبھی نہیں کرو گے۔وہ تمہاری سلامتی کی ضمانت ہے۔اسے ہمیشہ اپنے شکنجے میں رکھو گے۔"

بلرام نے ہنستے ہوئے کہا۔"یہ بھی درست ہے۔ہم کو تم سے کھترا ہے اور تم کو ہم سے ڈر رہے گا۔اس بات سے ڈرتے رہو گے کہ ہم بچے کو مار نہ ڈالیں۔یہ بچہ کالے منتروں سے جیادہ ہم کو جان کی امان اور شکتی دے رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔میرا نواسہ تمہارے سائے میں زندہ سلامت رہے گا تو میں تمہاری طرف رُخ نہیں کروں گا۔"

"حیرت ہے۔کیا تمہاری بیٹی اپنے بچے کی جدائی برداشت کرلے گی؟"

"وہ ماں ہے۔اپنے بچے کی سلامتی کی خاطر کلیجے پر پتھر رکھ لے گی۔"

"جیادہ چالاک نہ بنو۔تم میں سے کوئی اس کی جدائی برداشت نہیں کرے گا۔ضرور تم اسے ہم سے چھین لینے کی کوئی تدبیر کر رہے ہو۔"

"تدبیر تو ہم کریں گے لیکن اس طرح کہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے۔ورنہ تم ہمارے شایان کو نقصان پہنچاؤ گے۔فی الحال ہمارے درمیان یہ سمجھوتا رہے گا کہ میں اماوس کی رات تمہاری طرف نہیں آؤں گا اور تم میرے نواسے کو سلامتی سے اور آرام سے رکھو گے۔"

ایشورارا نے کہا۔"تم لوگوں کے درمیان سمجھوتا ہو رہا ہے لیکن میرا مطالبہ پورا نہ ہوا تو یہ بچہ کولکتہ تک پہنچ نہیں پائے گا۔"

ایشورارا ایک نیک کام کر کے فرہاد کی فیملی میں محترم ہوگیا تھا۔اس کے اور کبریا کے درمیان یہ پہلے ہی طے ہوگیا تھا کہ ان جنم ساتھیوں کی موجودگی میں کیا باتیں ہوں گی؟اس وقت کبریا نے انجان بن کر پوچھا۔"تم کون ہو؟یہ تینوں تمہیں اجنبی کہہ رہے ہیں پھر ان کے ساتھ کیسے ہو؟"

وہ بولا۔"فرہاد!یہ صرف تم جانتے ہو کہ میں سیارے سے واپس آگیا ہوں......بولو اب تو میں اجنبی نہیں رہا؟"

یہ سنتے ہی وہ تینوں چونک گئے۔بھنڈاری نے کہا۔"ہے دُرگا......تم ایشورارا ہو؟"

"ہاں۔میں سیارے میں واپس جانا چاہتا ہوں مگر فرہاد میرا راستہ روک رہا ہے۔یہ مجھے اسی زمین پر مار ڈالنا چاہتا ہے۔"پھر وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔"اب میرا راستہ کیسے روکو گے فرہاد؟مجھے مارو گے یا اپنے نواسے کو بچاؤ گے؟ابھی یہ بچہ میری نظروں کے سامنے ہے۔میں جے'بلرام اور بھنڈاری کا ساتھ دے رہا ہوں۔تم سمجھدار ہو سمجھ لو'میں کیا چاہتا ہوں؟"

"تم چاہتے ہو'میں تمہارا راستہ نہ روکوں۔تمہیں سیارے میں جانے کے لیے کھلا راستہ دے دوں......او کے میں زیادہ بحث نہیں کروں گا۔تم جب چاہو'سیارے میں جاسکتے ہو۔"

"پھر تو تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہیے مگر نہیں کروں گا۔کیونکہ تم مجبور ہو کر یہ مہربانی کر رہے ہو۔"

کبریا نے کہا۔"میں فضول باتیں نہیں کرتا۔تینوں جنم ساتھیوں سے یہ کہہ کر جا رہا ہوں کہ میرے نواسے کو ایک ذرا تکلیف نہ پہنچانا۔ورنہ موت تو سب کو آتی ہے۔میرے نواسے کو بھی آئے گی لیکن اس کے بعد تم کسی بھی پناہ گاہ میں سکون سے رہ نہیں پاؤ گے۔میں تم تینوں کو دوڑا دوڑا کر مار دوں گا۔"

کبریا نے ان سے رابطہ ختم کردیا۔انہوں نے ایشورارا سے کہا۔"وہ تمہارے راستے کی رکاوٹ نہیں بنے گا۔اب تم جاؤ۔ہمارا پیچھا چھوڑو۔ہم تم کو اس بچے کے قریب جیادہ دیر برداشت نہیں کریں گے۔"

"میں بھی ارضی دنیا کے دشمنوں کو برداشت نہیں کروں گا۔یہاں رہ کر پھر کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہوں گا۔اگلے کسی اسٹیشن پر ٹرین رکے گی تو اُتر جاؤں گا۔"

ان کی باتیں'اُن کے معاملات ختم ہوگئے۔وہ سب کبریا کے اس آلۂ کار کے دماغ سے چلے گئے۔اپنے آلۂ کاروں کے اندر ٹرین میں حاضر ہوگئے۔ایشورارا اس عورت اور بچے کے قریب تھا۔کبریا نے آکر کہا۔"تم واقعی آزاد ہو۔جب چاہو' اپنے گھر جاسکتے ہو۔"

اس نے کہا۔"میں کسی ایسے بڑے شہر کے اسٹیشن پر اُتروں گا' جہاں فضائی سروس ہوگی۔میں کسی فلائٹ سے جنوبی افریقا جاؤں گا۔"

کبریا وہاں سے اپنے باپ کے پاس آیا۔اسے بتانا چاہتا تھا کہ جے'بلرام اور بھنڈاری سے کیا باتیں ہوئی ہیں؟اس وقت وہ بستر پر بیٹھا تھا۔اس نے بیٹے سے کہا۔"ان دشمنوں سے تمہاری جو باتیں ہوئی ہیں'وہ میں سن چکا ہوں۔میں خیال خوانی کے ذریعے تمہارے آلۂ کار کے اندر موجود تھا۔"

"پاپا......!آپ طبیعت سنبھلتے ہی لمبی خیال خوانی کرنے لگتے ہیں۔جبکہ آرام کرنا چاہیے۔"

اس نے کہا۔"میرا خیال ہے'اب مجھے تھکن محسوس نہیں ہوگی۔میرا نواسہ دشمنوں کے شکنجے میں ہے۔میں یہاں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا نہیں رہوں گا۔اپنے شایان کو ان کی گرفت سے نکال کر لاؤں گا۔"

"ابھی یہ ممکن نہیں ہے۔آپ ابھی ان کے خلاف کوئی تدبیر آزمائیں گے تو وہ شایان کو نقصان پہنچائیں گے۔"

"انشاءاللہ!میرے نواسے کو کسی طرح کا کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔تم الپا کو بلاؤ۔"

کبریا نے الپا کے پاس آکر کہا۔"پاپا بلا رہے ہیں۔آپ انہیں سمجھائیں کہ لمبی خیال خوانی نہ کریں پھر دماغی طور پر کمزور ہوجائیں گے۔"

وہ بولی۔"پاپا اندر ہی اندر نواسے کے لیے تڑپ رہے ہوں گے۔وہ جب تک خیال خوانی کر سکتے ہیں'کرنے دو۔جب کمزور پڑیں گے تو ہم ان کی پچویشن کو سنبھالیں گے۔"

وہ دونوں فرہاد کے پاس آئے۔اس نے کہا۔"اُس ٹرین میں شایان کے ہم عمر بچے ہوں گے۔مجھے بتاؤ'کتنی عورتیں دس بارہ برس کے بچوں کے ساتھ ہیں؟"

الپا نے کہا۔"میں نے ایسی تین ماؤں کے دماغوں میں جگہ بنائی ہے۔"

کبریا نے کہا۔"میں نے ایسی عورتوں کی طرف دھیان نہیں دیا تھا پھر بھی ایک ننھے سے بچے کی ماں میری

نظروں میں ہے۔"

"ان تمام ماؤں پر اور ان کے شوہروں پر مختصر سا تنویمی عمل کرو۔ انہیں اس کمپارٹمنٹ میں پہنچاؤ' جہاں ہمارا شایان ہے پھر میرے پاس آؤ۔"

وہ دونوں چلے گئے۔ ان کے ساتھ بے باک مومن اور دوسرے کئی ٹیلی پیتھی جاننے والے تھے۔ وہ ٹرین میں سفر کرنے والی ماؤں کو ان کے شوہروں اور سرپرستوں کو معمول اور تابعدار بنانے لگے۔ ایک گھنٹے بعد ٹرین ایک اسٹیشن پر رُکی تو تین مائیں اپنے بچوں کو اُٹھائے اس کمپارٹمنٹ میں آگئیں' جہاں شایان تھا۔ دوسرے اسٹیشن پر اور تین مائیں وہاں پہنچ گئیں۔ اس بڑے سے کمپارٹمنٹ میں چھ ماؤں کا اضافہ ہوگیا۔ وہاں بھنڈاری کے دو ہی آلۂ کار تھے۔ ایک وہ عورت تھی' جو شایان کو سنبھال رہی تھی۔ دوسرا اس کے شوہر کی حیثیت سے تھا۔

جے اور بلرام مسلسل منتر پڑھ رہے تھے۔ ان کا خیال تھا' شایان ان منتروں کے حصار میں رہے گا تو کوئی اس کا سراغ نہیں لگا سکے گا اور بھنڈاری کے خیال سے وہاں ایشورارا کے سوا کوئی رکاوٹ پیدا کرنے والا نہیں تھا۔ وہ بھی اس ٹرین سے اترنے والا تھا۔ بظاہر وہ کامیاب ہو رہا تھا۔ یہ یقین ہو رہا تھا کہ فرہاد بچے تک اور اسے اغوا کرنے والوں تک پہنچ نہیں پائے گا۔

بھنڈاری کے ذہن میں یہ بات بھی تھی کہ وہ اس کا نواسہ ہے پھر بھی نانا اس کے دماغ میں نہیں پہنچ سکے گا۔ وہ ننھا سا بچہ اس لحاظ سے عجوبہ تھا کہ اسے قدرتی طور پر یوگا کی صلاحیت حاصل تھی۔ پرائی سوچ کی لہروں کو بوجھ سمجھ کر ایک ذرا سانس روک کر اپنے اندر آنے والوں کو بھگا دیتا تھا۔ اگر یہ قدرتی صلاحیت نہ ہوتی' تب بھی ایک ننھا سا دودھ پیتا بچہ اپنے اور پرائے کو نہیں پہچانتا۔ اس کی سوچ یہ بتا نہ پاتی کہ وہ اپنی ماں کی نہیں' پرائی گود میں ہے اور وہ کسی گھر میں نہیں' ٹرین میں سفر کر رہا ہے۔ بھنڈاری کو ہر پہلو سے اپنی کامیابی کا یقین ہو رہا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس ٹرین میں اس کی بدنصیبی بھی سفر کر رہی ہے۔ بدنصیبی یہ تھی کہ فرہاد اُٹھ کر بیٹھا تھا۔ بستر سے اُتر کر شمال کی جانب کھلنے والی کھڑکی کے پاس آکر ایزی چیئر پر بیٹھ گیا تھا۔ خیال خوانی کے ذریعے الپا اور کبریا کو گائڈ کر رہا تھا۔

اگرچہ بھنڈاری نے اپنی آلۂ کار عورت کے اور اس کے فرضی شوہر کے دماغوں کو مقفل کیا تھا مگر وہ ایک کمزور سا عمل تھا۔ فرہاد عمل کرنے والے کی آواز اور لہجے کو گرفت میں لے کر ان کے اندر پہنچ گیا تھا۔ بازی آہستہ آہستہ پلٹ رہی تھی۔ ان آلۂ کاروں کے قریب ایک حسین عورت اپنے رشتے داروں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ بھنڈاری کا آلۂ کار فرہاد کی مرضی کے مطابق اس حسینہ پر عاشق ہونے لگا۔ اس نے بے اختیار اسے آنکھ ماری۔ وہ حسینہ اسے غصہ دکھانا چاہتی تھی لیکن فرہاد نے اس کے اندر آکر اسے مسکرانے پر مجبور کر دیا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرانے لگی۔ وہ پھر اس آلۂ کار کے دماغ میں آگیا۔ اس کا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ بھنڈاری نے پوچھا۔ "یہ کیا کر رہے ہو؟ اس عورت سے چھیڑ چھاڑ نہ کرو۔"

اس نے کہا۔ "ذرا دل بہلانے دو۔ تم نے دیکھا نہیں' وہ مسکرا رہی تھی' مجھے لفٹ دے رہی تھی۔"

اُدھر حسینہ ناگواری سے سوچ رہی تھی۔ "مجھے کیا ہو گیا تھا؟ میں کیوں مسکرانے لگی تھی؟"

ایسے ہی وقت اس آلۂ کار نے فرہاد کے زیرِ اثر رہ کر اسے ایک ہوائی بوسہ ارسال کیا۔ وہ غصے سے اُچھل پڑی۔ اپنے رشتے داروں سے بولی۔ "یہ کتا میرے ساتھ گندی حرکتیں کر رہا ہے۔ میں اس پر تھوکتی ہوں۔ آخ تھو......"

اس کے دو تگڑے بھائی تھے' یہ سنتے ہی اس آلۂ کار پر جھپٹ پڑے۔ بھنڈاری پریشان ہو کر اپنے آلۂ کار کو بچانے کی کوششیں کرنے لگا۔ خیال خوانی کے ذریعے ان حملہ کرنے والوں کو روکنے لگا لیکن وہ دو تھے۔ جب وہ ایک کے دماغ میں جا کر اسے روکتا تو دوسرا اس کے آلۂ کار کی پٹائی کرنے لگتا۔ فرہاد ان کے اندر رہ کر انہیں بھڑکا رہا تھا۔

پھر وہ اس عورت کو اپنے زیرِ اثر لایا' جس کی گود میں شایان تھا۔ وہ اسے برتھ پر لٹا کر اپنے فرضی شوہر کی حمایت میں لڑنے لگی۔ کہنے لگی۔ "میرا پتی بدمعاش نہیں ہے۔ تمہاری بہن بدمعاش ہے۔ یہ میرے پتی کو پھانس رہی تھی۔" ایسی الزام تراشی کے باعث جھگڑا اور بڑھ گیا۔ یہ معاملہ ایسا تھا کہ دوسرے مسافر بھی دلچسپی لینے لگے۔ کچھ اس کی اور کچھ اُس کی حمایت کرنے لگے۔ اس طرح یہ جھگڑا پورے کمپارٹمنٹ میں پھیلتا چلا گیا۔ ٹرین کی کھٹا کھٹ کھٹ کے شور میں تمام بولنے والوں کی آوازیں جیسے نقار خانے میں گونج رہی تھیں۔ پھر وہ پٹڑیاں بدلتی ہوئی ٹرین ناگپور اسٹیشن پر رُک گئی۔ کچھ مسافر کمپارٹمنٹ سے اُترنے اور کچھ چڑھنے لگے۔ ریلوے پولیس بھی وہاں پہنچ گئی۔ ان کے جھگڑے نمٹانے لگی۔

ایسے ہی وقت اس عورت نے شایان کو برتھ پر نہ دیکھ کر صدمے سے چیخ ماری۔ "میرا بچہ...... میرا بچہ کہاں ہے؟ ہائے میرے بچے کو کوئی لے گیا ہے۔"

اس کی چیخ سنتے ہی بھنڈاری کے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ وہ غصے سے بولا۔ "بچہ تمہاری گود میں تھا۔ کیا تم سے کوئی چھین کر لے گیا ہے؟"

"نہیں۔ میں نے اسے یہاں لٹا دیا تھا۔"

پولیس والے اس بچے کو تلاش کرنے لگے۔ بھنڈاری اس عورت کو اور اس کے فرضی شوہر کو پولیس والوں کے ساتھ پورے کمپارٹمنٹ میں دوڑا رہا تھا۔ وہاں جو بچے تھے' وہاں بیٹھی ہوئی ماؤں کے تھے۔ کچھ بچے والیاں ٹرین سے اتر کر اسٹیشن سے باہر جا چکی تھیں۔ کس کا گھر' کس کی منزل کہاں ہے' یہ کوئی نہیں جان سکتا تھا۔ ناگپور جیسے بڑے شہر میں اور ٹریفک کے ہجوم میں گاڑیوں کو روکنا اور شایان کو تلاش کرنا ممکن نہیں تھا۔ آدھے گھنٹے بعد ٹرین وہاں سے چل پڑی۔ بھنڈاری نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ جے اور بلرام بھی پوجا پاٹ چھوڑ کر شایان کو تلاش کرتے رہے تھے پھر وہ بھی اپنی اپنی جگہ جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ یہ سمجھ گئے کہ فرہاد قیامت کی چال چل گیا ہے۔ نہ اس نے ان جنم ساتھیوں کو غصہ دکھایا تھا۔ نہ ٹرین میں آکر چھینا جھپٹی کی تھی۔ بڑی خاموشی سے' بڑی حکمتِ عملی سے اپنے نواسے کو مکھن کے بال کی طرح نکال کر لے گیا تھا۔

بلرام نے کہا۔ "ہم نے پھرہاد کو بلیک میل کرنے میں جلدی کی۔ بچہ ہمارے پاس پہنچ جاتا تو وہ اس ویرانے میں نواسے کو چھین کر لے جانے کا ڈراما کرنے نہ آتا۔"

جے نے کہا۔ "ہاں۔ ہم تینوں ایک دوسرے سے دور الگ الگ جگہ ہیں۔ اسے مالوم نہ ہوتا کہ بچہ کس کے پاس ہے؟"

بھنڈاری نے جھنجلا کر کہا۔ "ہم نے اس کمینے ایشورارا سے پیچھا چھڑانے کے لیے پھرہاد سے رابطہ کرنے میں جلدی کی۔ ہم اس کتے کو سیارے میں واپس جانے نہیں دیں گے...... جے! تم اس کے دماگ میں جاؤ۔ اس کے اندر زلزلے پیدا کرو۔ اسے دماگی مریج بنا دو پھر ہم پھرہاد سے نمٹنے کے بعد اس سے بھی نمٹ لیں گے۔"

جے نے خیال خوانی کی چھلانگ لگائی۔ اس کے اندر پہنچا پھر باہر نکل آیا۔ اس نے سانس روک لی تھی۔ اسے دو چار بار کوششیں کرنے کے بعد ناکامی ہوئی تو اپنے ساتھیوں کے پاس آکر بولا۔ "وہ آسانی سے کابو میں نہیں آئے گا۔ جب ہم دُرگا ماں کو اپنی اپنی جان کی بھینٹ دے کر ہر ہر مہادیو کی تیسری آنکھ سے دیکھنے لگیں گے' تب پھرہاد کے علاوہ ایشورارا بھی دکھائی دے گا۔"

بلرام نے کہا۔ "پہلے ہم کو پھرہاد سے نجات حاصل کرنی ہوگی۔ اب ہم صرف تپسیا میں مصروف رہیں گے۔ کسی اور معاملے پر دھیان نہیں دیں گے۔"

ان کے سامنے یہی آخری راستہ رہ گیا تھا اور اعلیٰ حضرت نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ لوگ واقعی خطرناک کالا جادو کر رہے ہیں۔ فرہاد روحانی قوت حاصل کر کے ہی ان کے آگے ٹھہر سکے گا۔

اس رات انہوں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "کولکتہ جاؤ۔ کل دوپہر کی فلائٹ میں تمہاری اور سومی کی سیٹیں اوکے ہوگئی ہیں۔ تم دونوں کے نئے پاسپورٹ اور دیگر ضروری کاغذات صبح تک تمہیں مل جائیں گے۔ جاؤ انہیں ان کے خطرناک ارادوں میں کامیاب نہ ہونے دو۔ کالے جادو کو خاک میں ملا دو۔"

وہ ہدایات دے کر چلے گئے۔ فرہاد نے سومی کی طرف دیکھا پھر اس کے اندر آیا۔ اس نے سوچ کے ذریعے پوچھا۔ "کچھ کہنے آئے ہو؟"

"ہاں۔ تمہیں پھر ایکشن میں آنا ہے۔"

اس نے خوش ہو کر پوچھا۔ "کب......؟"

"ہم کل دوپہر کی فلائٹ سے کولکتہ جا رہے ہیں۔"

وہ اس کے قریب آگئی۔ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔ "تھینکس گاڈ! میں ان تینوں پاکھنڈیوں سے نمٹ سکوں گی۔ انہوں نے مجھے اپنے قابو میں کرنے کے لیے کالے منتروں سے بلی بنا دیا تھا۔ یہ دعویٰ کیا تھا کہ جب تک ان سے راضی نہیں ہوں گی بلی ہی رہوں گی۔ کبھی انسانی روپ میں نہیں آسکوں گی۔"

پھر اس نے بڑی عقیدت سے کہا۔ "اعلیٰ حضرت کی مہربانی سے مجھے یہ نئی زندگی ملی ہے۔ میں ان تینوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

کوئی کیا جانے...... وہ سنجیدگی سے مسکرانے لگا۔ سوچنے لگا' کل کیا ہو سکتا ہے؟ کل زندگی کا آخری دن بھی تو ہو سکتا ہے اور آنے والی کل میں جو بھی بدلتی ہوئی خطرناک سچویشن میں حاضر دماغی سے کام لے گا' وہی بازی لے جائے گا۔

☆☆☆

ایشورارا کے راستے میں اب کوئی رکاوٹ نہیں رہی تھی۔ وہ اپنے سیارے میں واپس جا سکتا تھا لیکن وہ بابا صاحب کے ادارے کے سامنے آکر صدر دروازے کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ اس نے ایک نیک کام کرنے کی ابتدا کی تھی اس کے نتیجے میں اسے سلامتی مل گئی تھی' اسے عزت مل رہی تھی۔ تمام مسلمانوں کا اعتماد حاصل ہو رہا تھا۔ ابھی ذرا پہلے اس کی غیر معمولی صلاحیتیں صفر ہوگئی تھیں۔ وہ خالی' کھوکھلا اور بے یار و مددگار ہو گیا تھا اور ایک کیڑے کی طرح مٹی میں ملنے والا تھا۔ ایسے وقت مسلمان ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے اسے سہارا دیا تھا۔ اس کی سمجھ میں آگیا کہ یہی سہارا مضبوط ہے۔ اسی کے

سائے میں رہے گا تو اس دنیا کی سُپر طاقتیں اسے کبھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گی۔اس صدر دروازے کے سامنے اسے مکمل تحفظ کا یقین ہوگیا تھا۔

اعلیٰ حضرت نے اس کے اندر آکر پوچھا۔"سیارے میں نہیں جاؤ گے؟"

وہ بولا۔"جاؤں گا۔وہاں میرے بیوی بچے ہیں' میری پوری قوم ہے مگر یہ دنیا بہت خوبصورت ہے۔یہاں پیار ہے' سلامتی ہے اور مجھ جیسے بے دین کے لیے ایک خدا ہے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر دل کی گہرائیوں سے بولا۔

"میں آپ کا دین اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔"

اعلیٰ حضرت اس کے دل و دماغ کو پہلے ہی پڑھ چکے تھے' یہ سمجھ گئے تھے کہ اس کے اندر اب کھوٹ نہیں رہا ہے۔انہوں نے کہا۔"بابا فرید واسطی کا در تمہارے لیے کھل رہا ہے۔اندر آجاؤ۔"

صدر دروازہ کھل رہا تھا۔انہوں نے اسے کلمہ پڑھایا۔جو اس نے دو چار بار پڑھا پھر اسے ازبر کرنے کے بعد اُٹھ کر کھڑا ہوگیا۔صدقِ دل سے زیرِلب پڑھتا ہوا اس ادارے میں داخل ہوگیا۔

تمام دشمن اپنے اپنے بُرے اور بدلتے ہوئے اچھے انجام کو پہنچ رہے تھے۔اب صرف وہی تین جنم ساتھی رہ گئے تھے۔یہ آخری معرکہ عجیب تھا۔وہ تینوں جان بچانے سے پہلے اپنی اپنی جان دینے والے تھے۔یہ عجیب اور انوکھا بلیدان ان کی دُرگا ماں کو پرسن کرنے والا تھا۔

اور وہ دن آگیا تھا' جس کی رات ان پر بھاری پڑنے والی تھی۔وہ تین سے ایک ہوکر فرہاد کے ہتھے نہیں چڑھنا چاہتے تھے۔ایک وجود میں سمانے سے پہلے ہی تین تو تیں بن کر اس اکیلے پر غالب آجانا چاہتے تھے۔وہ پچھلی رات سے مسلسل منتروں کا جاپ کر رہے تھے پھر صبح سے دوپہر ہوگئی تھی۔وہ تینوں ایک کھنڈر میں ماں بھوانی کی ایک چھوٹی سی مورتی کے پاس آگئے۔وہ ایک دوسرے سے کچھ نہیں بول رہے تھے۔چُپ چاپ منتر پڑھتے جارہے تھے۔ایک کے ہاتھوں میں تیز پھل والا بغدا تھا۔وہ اس قدر وزنی تھا کہ گردن پر پڑتے ہی سر تن سے جدا ہوجاتا اور وہ یہی کرنے آئے تھے۔کھنڈر کے ایک حصے میں تین جواں مردوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ان جنم ساتھیوں نے انہیں وہاں لاکر ہلاک کیا تھا۔ابھی اپنی اپنی بلی چڑھانے کے بعد ایک دوسرے کی آتماؤں کو ان مُردہ جسموں میں پہنچا کر' نیا جسم' نئی زندگی حاصل کرنے والے تھے۔

پہلے جے کی باری تھی۔اس نے کالی مائی کے آگے ڈنڈوت کیا' یعنی اوندھے منہ لیٹ گیا۔اپنی گردن ایک چھوٹے سے تختے پر رکھ دی۔بلرام نے سنکھ پھونکا پھر مردنگ بجاتے ہوئے' گانے کے انداز میں منتر پڑھتے ہوئے ناچنے لگا۔اپنے ہونٹوں کو ایک انگلی سے ہلاتے ہوئے بھیانک آوازیں نکالنے لگا۔ان کے طریقۂ کار سے ماحول واقعی بھیانک ہوگیا تھا۔

بھنڈاری نے ایک بڑے سے کٹورے میں رکھی ہوئی بھنگ اُٹھا کر ایک ہی سانس میں پی پھر بھاری بھرکم بغدے کو اُٹھا کر' جے مہا کالی' کا نعرہ لگاتے ہوئے جے کی گردن اُڑا دی۔سر تن سے جدا ہوگیا۔لہو کے چھینٹے کالی مائی کی مورتی پر گئے۔جے کا سر اور جسم چند ساعتوں میں پھڑ پھڑا کر ٹھنڈا پڑ گیا۔

دونوں جنم ساتھیوں نے مورتی کے سامنے ڈنڈوت کرتے ہوئے کہا۔"جے مہا کالی۔تیرا بچن نہ جائے خالی۔جے نے تیرے چرنوں میں جان نچھاور کی ہے۔اے مہا دیو کی تیسری آنکھ دے۔اسے دشمنوں تک پہنچا دے۔"

پھر وہ اُٹھ کر بیٹھ گئے۔مورتی کے آگے ہاتھ جوڑ کر منتروں کا جاپ کرنے لگے۔جے کی بھٹکتی ہوئی آتما کو اپنی گرفت میں لانے لگے۔انہیں یقین تھا کہ وہ قابو میں آئے گی اور ان تین لاشوں میں سے کسی ایک کے اندر سما جائے گی۔

آدھے گھنٹے کے اندر ہی کھنڈر کے دوسرے حصے سے جے چلتا ہوا وہاں آیا۔اس کی صورت بدل گئی تھی۔جسم بدل گیا تھا مگر وہ جے تھا۔اس نے مورتی کے چرنوں پر سر رکھ دیا۔دونوں جنم ساتھیوں نے اس کے مُردہ سر اور شریر کو دور لے جاکر ایک گڑھے میں پھینک دیا پھر جے کے پاس آکر کہا۔"تیسری آنکھ کا منتر پڑھو اور دیکھو فرہاد کہاں ہے؟"

اس نے مورتی کے آگے ہاتھ جوڑ کر آنکھیں بند کیں پھر جے مہا کالی کہہ کر منتر پڑھنے لگا۔بند آنکھوں کے پیچھے دیکھنے لگا۔فرہاد ایک طیارے میں دکھائی دے رہا تھا۔ایک نسوانی آواز کہہ رہی تھی کہ وہ جہاز رن وے پر اُترنے والا ہے۔مسافر حضرات اپنے سیٹ بیلٹ باندھ لیں۔

اس کے بعد وہ منظر بجھ گیا۔جے نے پھر منتر پڑھتے ہوئے مزید معلومات حاصل کرنی چاہیں مگر فرہاد اور وہ طیارہ دکھائی نہیں دیا۔اس نے آنکھیں کھول کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔"فرہاد کسی جہاز میں تھا۔وہ جہاز رن وے پر اُترنے والا تھا۔"

بلرام نے پوچھا۔"وہ کس ملک اور کس شہر میں پہنچ رہا ہے؟ یہ ہم کو مالوم ہونا چاہیے۔"

وہ بولا۔"تیسری آنکھ نے اتنا ہی دکھایا ہے۔میں بار بار کوشش کرچکا ہوں۔اس سے آگے کچھ پتا نہیں چل رہا ہے۔"



بھنڈاری نے کہا۔"ہمارا بلیدان ادھورا ہے۔ہم دونوں اپنی بھینٹ دیں گے۔تب ہم کو تیسری آنکھ کی پوری شکتی ملے گی۔"

ان کے اندر کھلبلی پیدا ہوگئی تھی کہ فرہاد طیارے کے ذریعے کہاں پہنچا ہوا ہے؟ کہیں وہ یہیں تو نہیں آرہا ہے؟

جے اور بھنڈاری نے فوراً دوسرے بلیدان کا آغاز کیا۔بھنڈاری سنکھ پھونک کر مردنگ بجا کر ناچتے گاتے ہوئے منتر پڑھنے لگا۔ہونٹوں سے پھرکی بجا کر بھیانک آوازیں نکالنے لگا۔بلرام کالی مائی کے سامنے اوندھا پڑا ہوا تھا۔جے نے دونوں ہاتھوں سے کٹورا اُٹھا کر بھنگ پی پھر بڑے سے بغدے کو اُٹھا کر اس کی گردن اُڑا دی۔پھر وہی لہو کے چھینٹے' وہی مہا کالی کے نعرے' پوجا پاٹ اور پرارتھنا ہوئی۔اس کے بعد بلرام دوسرے شریر میں آکر کالی مائی کے آگے جھک گیا۔اپنے دشمن تک پہنچنے کی جلدی تھی۔اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر آنکھیں بند کیں۔دوسرے ہی لمحے میں فرہاد دکھائی دیا۔وہ ایک کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا اور سومی ڈرائیو کر رہی تھی۔آس پاس کے مناظر دھندلائے ہوئے تھے۔اسے نہ تو دکھائی دے رہا تھا' نہ یہ سمجھ میں آرہا تھا کہ وہ کس شہر میں ہے اور کن راستوں سے گزر رہا ہے۔

وہ آنکھیں بند کیے دیکھ اور بول رہا تھا۔بھنڈاری نے کہا۔"کچھ اور دیکھنے کی کوشش کرو۔"

وہ آنکھیں کھول کر بولا۔"کچھ اور دکھائی نہیں دے رہا ہے۔وہ جو کار چلا رہی ہے' وہ جرور سومی بھشا گر ہوگی۔"

سیدھی سی بات سمجھ میں آرہی تھی کہ ابھی بلیدان ادھورا ہے۔تیسری آنکھ پوری طرح کام نہیں کر رہی ہے۔بھنڈاری کے بلیدان کا مرحلہ رہ گیا ہے۔انہیں کسی حد تک شکتی مل رہی تھی۔حوصلہ بڑھ گیا تھا۔انہوں نے دیر نہیں کی۔جے اور بلرام نے بھنڈاری کی بھی گردن اُڑا دی۔

بڑے ظالمانہ شیطانی عمل کے بعد ان کی مُرادیں بر آئیں۔انہیں تیسری آنکھ کی مکمل بینائی مل گئی۔وہ تینوں واضح طور پر دیکھنے لگے۔انہیں کھنڈر دکھائی دیا۔فرہاد اس کھنڈر میں پہنچ گیا تھا۔وہ تینوں دہشت کے مارے اُچھل پڑے۔

انہوں نے پلٹ کر دیکھا۔وہ چند گز کے فاصلے پر کھڑا ہوا تھا۔اس کے قدموں کے پاس کھڑی ہوئی بلّی انہیں گھور کر دیکھتے ہوئے غرّا رہی تھی۔

اب جو پھرتی دکھاتا' وہی سلامت رہتا اور بازی مار لیتا۔انہوں نے ایک لمحے کی بھی دیر نہیں کی۔اپنی اپنی دھوتی میں چھپے ہوئے ریوالور نکال لیے۔اسے نشانے پر رکھا پھر جے نے کہا۔"ہم سنتے آئے ہیں' تم کبھی ہتھیار نہیں رکھتے۔آج دیکھ بھی رہے ہیں۔واہ کیا بات ہے؟ کیا جیداری ہے؟ یہاں بھی کھالی ہاتھ مرنے چلے آئے ہو۔"

بلرام نے کہا۔"میں تیسری آنکھ سے دیکھ رہا ہوں' اس نے لباس میں ہتھیار نہیں چھپایا ہے اور کھنڈر کے آس پاس اس کا کوئی آدمی بھی نہیں ہے۔"

بھنڈاری نے کہا۔"میں بھی یہی دیکھ رہا ہوں۔مہا کالی نے اسے بالکل نہتا اور بے یار و مددگار بنا کر ہمارے پاس بھیجا ہے۔"

فرہاد نے کہا۔"تم تینوں کو تیسری آنکھ راس نہیں آئے گی۔کوئی فائدہ حاصل نہیں کرسکو گے۔کیونکہ اب تمہارے پاس وقت نہیں رہا ہے۔"

اس نے تینوں کے ہاتھوں کو روحانی ٹیلی پیتھی کی آنکھوں سے دیکھا۔اسی لمحے میں انہوں نے اپنے اپنے ریوالور دور اُچھال کر پھینک دیے۔اس نے کہا۔"جس لمحے سے تمہیں تیسری آنکھ کی شکتی مل رہی تھی' اسی لمحے سے مجھے روحانی ٹیلی پیتھی حاصل ہو رہی تھی۔تم اِدھر منتر پڑھ رہے تھے۔میں اُدھر قرآن مجید کی آیتیں پڑھتا آرہا تھا۔"

بھنڈاری نے دور پڑے ہوئے ریوالور کی طرف دوڑ لگائی۔بلّی نے چیختے چنگھاڑتے ہوئے اس پر چھلانگ لگائی۔

"چیاؤں میاؤں۔تیرا کلیجا کھاؤں......"

وہ اس کے منہ پر پنجہ مارتی ہوئی گزر گئی۔وہ لڑکھڑا کر اوندھے منہ گر پڑا۔چہرے پر لہو کی لکیریں کھنچ گئی تھیں۔اس نے سر اُٹھا کر ریوالور کو دیکھا کہ وہ کتنے فاصلے پر ہے؟

زیادہ فاصلہ نہیں تھا مگر وہ اسے حاصل نہیں کرسکتا تھا۔اس پر قبضہ ہوچکا تھا۔وہ اسے منہ میں دبائے غرّا رہی تھی۔اس نے زمین پر سے اُٹھتے اُٹھتے اس پر چھلانگ لگائی مگر پھر ایک بار اوندھے منہ جہاں آکر گرا' وہاں سے وہ کھسک کر فرہاد کے قدموں میں پہنچ گئی تھی۔

جے نے بھاری بھرکم بغدے کو اُٹھا لیا۔وہ آگے بڑھ کر اس پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔بلرام نے فرہاد کی مرضی کے مطابق اُچھل کر اس کی کمر پر لات ماری۔وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔جسے مارنا چاہتا تھا اس کے ہی قدموں میں آگرا۔فرہاد نے بلّی کے منہ سے ریوالور لے کر کہا۔"ایک مرتا ہے تو باقی دو اسے زندہ کردیتے ہیں۔چلو شروع ہوجاؤ۔بلرام کو نئی زندگی دو۔"

یہ کہتے ہی اس نے بلرام کو گولی ماری۔وہ کالی مائی کے سامنے گر کر تڑپتے تڑپتے ٹھنڈا پڑ گیا۔فرہاد نے کہا۔"لو تمہارا ساتھی گیا۔منتر پڑھو۔اسے زندہ کرو۔"

ان دونوں کو اپنی فکر تھی۔وہ ریوالور کے نشانے پر تھے۔

اپنی جان بچانے کے بعد ہی بلرام کی آتما کو کسی نئے شریر میں پہنچا سکتے تھے۔ جے اچانک ہی چھلانگیں لگاتا ہوا وہاں سے بھاگنے لگا۔ ان کے دماغوں میں کوئی آ نہیں سکتا تھا۔ وہ سانس روک کر اسے بھگا دیا کرتے تھے مگر فرہاد روحانی ٹیلی پیتھی کا کمال دکھا رہا تھا۔

وہ جے کے اندر پہنچا تو وہ بھاگنے اور چھپنے والا چھلانگیں لگاتا ہوا واپس ریوالور کے نشانے پر آ گیا۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن...... نہ بھاگ سکتا تھا نہ موت کے آگے ٹھہرنا چاہتا تھا۔ ایک دوسرے کو نئی زندگی دینے کی شکتی تھی۔ منتر آتے تھے مگر موت کا فرشتہ پڑھنے کی اور چمتکار دکھانے کی مہلت نہیں دے رہا تھا۔

بھنڈاری دوڑتا ہوا کالی مائی کے قدموں میں جا کر گر پڑا۔ گڑگڑانے لگا۔ ”ہے ماں دُرگا......! ہم نے تیرے چرنوں میں جانیں دی ہیں۔ ہماری جان بچا۔ اس دشمن کو اپنے کرودھ سے نشٹ کر دے۔“

ایک گولی چلی۔ وہ بولتے بولتے نشٹ ہو گیا۔ اس نے جے کا نشانہ لیتے ہوئے کہا۔ ”آخری شیطان۔ آخری گولی۔ خدا کا شکر ہے میری جدوجہد پایۂ تکمیل کو پہنچ رہی ہے۔“

اس نے ٹریگر کو دبایا۔ وہ اُچھل کر زمین پر گر پڑا۔ شیطان جب بھی اُچھلتا ہے ماں کی گود میں نہیں گرتا۔ وہ گرتا پڑتا حرام موت کی گود میں جاتا ہے۔

☆☆☆

لوگ دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاتے آتے ہیں۔ سمندر پار نگر جدوجہد ایسے کرتے ہیں جیسے وہیں جینا ہو وہیں مرنا ہو لیکن سب ہی طبعی عمر گزار کر وہاں پہنچتے ہیں جہاں ان کا اختتام لکھا ہوتا ہے۔

وہ پھر سومی کے ساتھ شاہدرہ والے مکان میں آ گیا اور بستر کا ہو کر رہ گیا۔ روحانی قوت اور ٹیلی پیتھی رخصت ہو چکی تھی۔ وہی نظامِ قدرت وہی بڑھاپا بیماریاں اور کمزوریاں غالب آ گئی تھیں۔

وہ شہزور دنیا سے جاتے وقت کسی کی ہمدردی اور تیمارداری کا محتاج رہنا نہیں چاہتا تھا۔ سابقہ پیش گوئی کے مطابق صرف سونیا کا محتاج رہنا گوارا تھا۔ اسی لیے وہ سیاہ تل والی کلائی اسے تھامنے کے لیے آ گئی تھی۔

بس بہت ہو چکا تھا۔ بہت جی چکا تھا۔ اس پر کئی گھنٹوں تک غفلت طاری رہتی تھی۔ نہ وہ آنکھیں کھولتا، نہ سنتا تھا اور نہ بولتا تھا۔ ذہن کی تاریکیوں میں سونیا دھیمی دھیمی آنچ کی طرح محسوس ہوتی تھی۔

وہ اس کے پاس آ کر اس پر جھک جاتی اور کہتی تھی۔ ”آنکھیں کھولو۔ تم دشمنوں کا بُرا انجام دیکھنا چاہتے تھے۔ تمہاری خواہش پوری ہو گئی ہے۔ فی الحال کوئی بھی مخالف سر اُٹھانے کے قابل نہیں رہا ہے۔“

اس دنیا سے برے بھی جاتے ہیں اچھے بھی جاتے ہیں۔ سب ہی کو جانا ہی جانا ہے۔ یہاں مستقل رہنے کی خواہش عبث ہے۔

زندگی سے کوئی آس نہیں
ابھی ایک سانس ہے
دوسری سانس نہیں

وہ آخری لمحات میں اس کے پاس تھی۔ اسے آنکھوں سے دل سے اور روح کی گہرائیوں سے دیکھ رہی تھی۔ دل ایسے کھنچا جا رہا تھا جیسے ابھی اس کے اندر سما جائے گی۔

فرہاد کچھ تو بولو...... کبھی رنگ ہے کبھی روپ ہے شباب ہے زندگی۔ آہ یہ نہیں بول رہا ہے...... کبھی جلتی دھوپ میں عذاب ہے زندگی۔

اس نے قریب ہو کر جھک کر آواز دی۔ ”میری جان! میں تمہاری سونیا بول رہی ہوں۔ میرے شیرِ جوان! میری آواز سن رہے ہو؟“

دنیا کی ساری آوازیں مر چکی تھیں۔ بہت آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

شاہدرہ سے بابا صاحب کے ادارے تک خاموش ہلچل پیدا ہو گئی۔ وہ جو داستان سنا تا رہا تھا سناتے سناتے سو گیا تھا۔

لہو کے رشتوں نے بلک بلک کر کہا۔ ”قیامت تک پڑھی جانے والی کتاب کی آنکھ لگ گئی ہے۔ اسے کھولنے والے صرف اس کے ماضی کو پڑھ سکیں گے۔“

کیا وہ پھر آنکھیں کھولے گا؟ پھر داستان سنائے گا؟

ہاں۔ یہی آس رہے۔ پیاس رہے۔ جو ماتم در پردہ ہو رہا ہے اسے دنیا والوں کے سامنے بیان نہ کیا جائے۔ یہی تاثر دیا جائے کہ شیر کبھی بوڑھا نہیں ہوتا۔ کبھی مرتا نہیں ہے۔ وہ بُرائیوں کو چابک مارنے والا دور دیس گیا ہے۔ کسی دن کسی بھی وقت پلٹ کر آ سکتا ہے۔ یوں ایک طویل مدت تک اس کا رعب اور دبدبہ قائم رہے گا۔

الوداع دلوں پر دماغوں پر حکومت کرنے والے......! الوداع...... یہ تماشے زندگی کے کم نہ ہوں گے...... آج تم نہیں فرہاد! کل ہم نہ ہوں گے......

☆☆☆

(ختم شد)